مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
کے فکر انگیز خطبات کا مجموعہ

خطباتِ علی میاں رحمۃ اللہ علیہ

جمع و ترتیب
مولوی محمد رمضان میاں صاحب
جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن۔ کراچی

اردو بازار ○ ایم۔اے جناح روڈ ○ کراچی ۱

خطباتِ علی میاں رحمۃ اللہ علیہ

مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی
کے فکر انگیز خطبات کا مجموعہ

خطباتِ علی میاں رحمۃ اللہ علیہ

جلد چہارم

تہذیب و معاشرت
تشکیلِ کردار

جمع و ترتیب:
مولوی محمد رمضان میاں نیپالی
جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن۔ کراچی

دار الاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 2213768

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی دارالاشاعت کراچی

طباعت : اکتوبر ۲۰۰۲ء علمی گرافکس پرنٹنگ پریس، کراچی۔

ضخامت : 448 صفحات

ملنے کے پتے

بیت القرآن اردو بازار کراچی

بیت العلوم 20 نابھ روڈ لاہور

کشمیر بلڈ پو۔ چنیوٹ بازار فیصل آباد

کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور

بیت الکتب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور

مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور

مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان

مکتبہ رحمانیہ ۱۸۔ اردو بازار لاہور

ادارۂ اسلامیات موہن چوک اردو بازار کراچی

نیپال میں ملنے کے پتے

مکتبۃ الحرمین، مدرسۃ الحرمین للت پور (کاٹھمنڈو) نیپال

حاجی بک شاپ نیپالی جامع مسجد، دربار مارگ، کاٹھمنڈو

دارالعلوم ہدایت الاسلام، انروا بازار، سنسری، نیپال

فہرست عنوانات

عنوان	صفحہ

انتساب

خطبات علی میاںؒ جلد چہارم کا انتساب میں اپنی مادرِ علمی جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے بانی، قائد تحریک ختم نبوت محدث العصر حضرت العلامہ مولانا سید محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہ کے نامِ نامی منسوب کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں جن کی بے لوث اور انتھک خدمات کے ثمرہ میں آج چار دانگ عالم میں فرزندانِ گلشن بنوریؒ دین اسلام کے ہر محاذ و میدان میں اپنی خدمات کا علمی و عملی نمونہ پیش کر رہے ہیں!

محمد رمضان میاں نیپالی عفا اللہ عنہ

خطبات کی اہمیت

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :

علیکم بمجالسة العلماء واستماع کلام الحکماء ، فان اللہ تعالیٰ یحی القلب المیت بنور الحکمة کما یحی الارض المیتة بماء المطر ۔ (الحدیث)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

اہل علم کی ہم نشینی اور اہل حکمت کا کلام سننے کو خود پر لازم کرلو، اس لئے کہ حق تعالیٰ جل شانہ قلبِ مردہ کو نورِ حکمت سے ایسے زندہ فرماتے ہیں جیسے مردہ زمین کو بارش کے پانی سے۔

بحوالہ منبہات ابن حجر عسقلانیؒ

خامہ فرسائی

الحمد للہ...... خطبات علی میاںؒ کی چوتھی جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے، پہلی دوسری اور تیسری جلد (بالترتیب تعلیم و تعلم، دعوت و عزیمت، ہدایت و تبلیغ کے موضوع پر) کی ترتیب اور اس کی اشاعت پر میں اپنے رحیم و کریم مولیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس ذاتِ عالی نے محض اپنی صفت بندہ پروری سے مجھے نوازتے ہوئے یہ احسان فرمایا کہ مجھ جیسے ناکارہ اور نامۂ سیاہ کے کوتاہ قلم سے عالمِ اسلام کی عظیم دینی و روحانی شخصیت، اکیسویں صدی کے مجدد مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس سرہ کے خطبات کا ایک حسین و جمیل دلکش و دلنشیں مجموعہ مرتب پایا، ان خطبات، تقاریر و بیانات کو آپ کے سامنے پیش کرتے ہوئے مجھے اپنی کم علمی، کم مائیگی اور بے بضاعتی کا شدت سے احساس ہے، مگر حسبِ روایت سعدیؒ ''لوگوں نے لقمان حکیم سے پوچھا کہ یہ تمیز و دانش کس سے سیکھی؟ تو لقمان حکیم نے جواب میں کہا کہ بدتمیزوں اور بے ہنروں سے...... کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان خطبات کے ذریعے کسی کی رہبری و رہنمائی فرمائے اور وہ ان نقوش کو اپنے نفوس میں لے کر سارے عالم میں دین اسلام کی دعوت و اشاعت کا ذریعہ بنے......

ع این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشند خدائے بخشندہ

موجودہ دور کے بے دینی کے اس سیلاب میں بھٹکی انسانیت کو فلاح و بہبودی کی راہ پر گامزن کرنا اور حبل اللہ (اللہ کی رسی) کو مضبوطی سے تھامتے ہوئے، تمام خواہشاتِ نفسانی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے پیغمبر اسلام ﷺ کی اتباع میں لگے رہنا، بہت بڑی کامیابی ہے اور اخروی سرخروی کا سبب ہے، اسی کے پیش نظر یہ چوتھی جلد تہذیب و معاشرت کے موضوع پر قارئین کرام کی خدمت میں حاضر ہے، مجھے امید ہے کہ اپنی دعاؤں میں خاص کر دعائے

سحر گاہی میں اس سیاہ کار اور میرے جملہ معاونین اور حضرت مفکر اسلامؒ کو ضرور یاد رکھیں گے۔

قارئین! یہاں اس بات کی وضاحت بھی مناسب معلوم ہوتی ہے کہ میں معذرت چاہوں گا ان حضرات سے جنہوں نے تین جلدوں کے مطالعہ کے فوراً بعد مجھے چوتھی جلد کیلئے مسلسل خطوط ارسال کئے اور چوتھی جلد جلد از جلد ترتیب دینے اور شائع کرنے کے شدید تقاضے فرمائے، میری کوشش تو یہی تھی کہ رمضان المبارک کے فوراً بعد ہی چوتھی جلد آپ کی خدمت میں پیش کروں، مگر بعض وجوہات کی بنا پر تاخیر ہوگئی!

ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا

اس کی وجہ یہ ہوئی کہ تعلیم الاسلام کا نیپالی ترجمہ کا کام میرے سپرد کر دیا گیا جسکی وجہ سے خطبات علی میاںؒ جلد چہارم وقت پر منظر عام نہ آسکی، اپنی اس مصروفیت پر ناشر سے بھی معذرت کرنی پڑی، پھر نیپالی ترجمہ کے کام سے پہلی دفعہ مجھے واسطہ پڑا تھا جسکی وجہ سے بہت الجھا رہا۔

بہر کیف اللہ اللہ کر کے اس کے دو حصوں کا ترجمہ مکمل ہو گیا۔ الحمد للہ علیٰ ذلک —

یہ چوتھی جلد میں ان موضوعات کی تقاریر کو شامل کیا گیا ہے جو اصلاح معاشرہ، تہذیب وتمدن وغیرہ سے متعلق ہیں۔

اخیر میں بندہ چوتھی جلد کی تکمیل پر گذشتہ جلدوں کی طرح پھر اپنے معاونین رفیق محترم جناب مولوی سفیان بلند ومولوی محمد ہارون معاویہ سلمہم اللہ کا ممنون ومشکور ہے، جنہوں نے اس جلد کی ترتیب وپیش کش کیلئے اپنی تمام تر صلاحیتیں وقف کر دیں اور بھرپور معاونت فرمائی، اللہ تعالیٰ ان حضرات کو دنیا آخرت میں بہترین جزا عطا کرے۔

اسی طرح میرے استاذ محترم حافظ محمد حسین خان مدظلہ العالی کا دل کی اتاہ گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اس حقیر کوشش بضاعۃ مزجاۃ کو سراہ کر مزید جلدوں کی تالیف پر حوصلہ افزائی فرمائی، اللہ تعالیٰ مجھ پر حضرت موصوف کا سایۂ عاطفت تا دیر سلامت رکھے!

آمین یارب العالمین۔

اصلاح معاشرہ کی اہمیت

قوموں کی زندگی کے اتار چڑھاؤ اور دنیا کی تاریخ پر جن لوگوں کی نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ قومی اور سیاسی زندگی میں سوسائٹی ریڑھ کی حیثیت رکھتی ہے، صحیح اخلاق اور پختہ سیاسی سمجھ اور ایک اچھی سوسائٹی حکومت کو پیدا کرتی ہے، اس کی تنظیم کرتی ہے، اس کو ترقی دیتی ہے، نزاج سے اس کی حفاظت کرتی ہے، جب اس کی رگیں خشک ہونے لگتی ہیں اور اس میں بڑھاپے کی علامتیں ظاہر ہونے لگتی ہیں تو اس کی رگوں میں تازہ اور گرم خون پہنچاتی ہے، اس کو وقت پر ذمہ دار، پرجوش اور کام کے آدمی دیتی ہے، حقیقت میں مہذب و منظّم سوسائٹی جو یقین کی دولت، اصول واخلاق کا سرمایہ، فرض کا احساس اور ایثار وقربانی کا جذبہ رکھتی ہے، وہ سرچشمہ ہے جس سے خوشحالی، آزادی اور ترقی کی نہریں نکلتی ہیں، اور پورے ملک کو ہرا بھرا رکھتی ہیں، اگر سوسائٹی میں اخلاق کی گراوٹ و بے اصولی اور خودغرضی، خوشامد، طاقت و دولت سے مرعوبیت، بزدلی اور ظلم کا چلن عام ہو جائے تو یوں سمجھئے کہ زندگی کا سوتا خشک ہو گیا، اور قومی زندگی کے درخت کو گھن لگ گیا، حکومتوں کا الٹ پھیر طاقت کی بہتات، ملک کی پیداوار تعلیم کی ترقی اور ظاہری دھوم دھام کوئی چیز اس قوم کو تباہی سے نہیں بچا سکتی، جب کسی درخت کی رگیں اور جڑیں سوکھ جائیں اور وہ اندر سے کھوکھلا ہو جائے تو اوپر سے پانی ڈالنے سے کام نہیں چلتا۔

ملک کا سب سے بڑا مسئلہ جس پر عام سیاسی رہنماؤں اور ملک کے سچے خیر خواہوں کو پوری توجہ کرنی چاہئے وہ ہے ملک کی اخلاقی اصلاح، سماجی سدھار، اور ذمہ داری کا احساس، یاد رہے جب سوسائٹی اخلاقی طور پر دیوالہ اور معنوی حیثیت سے کھوکھلی ہو جائے تو اس کو نہ حکومت بچا سکتی ہے نہ جمہوری نظام نہ ایک زبان اور ایک کلچر۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

اسلامی ممالک میں ذہنی کشمکش اور اس کے اسباب

یہ تقریر علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد میں ۱۸ جولائی ۸۷ء کو کی گئی جس میں یونیورسٹی کے اساتذہ اور طلبہ کے علاوہ مقامی اور بیرونی سربرآوردہ حضرات، علماء، سیاسی رہنما اور سپریم کورٹ کے جج صاحبان موجود تھے۔

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره، ونومن به ونتوكل عليه و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلاهادى له و نشهد ان لااله الا الله وحده لاشريك له ونشهد ان سيدنا ومولانا محمداً عبده ورسوله صلى الله عليه وعلى اله واصحابه أجمعين ومن تبعهم باحسان و دعابدعوتهم الى يوم الدين. اعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيمo قل ان صلاتي ونسكي ومحياى ومماتي لله رب العالمين، لاشريك له، وبذلك امرت وانا اول المسلمين.

وائس چانسلر اساتذہ کرام، برادران عزیز!

اس جامعہ کی نسبت جس گرامی شخصیت سے قائم ہے، اس کی دعوت پر مجھے یہاں آنے سے جو مسرت ہوئی وہ کم دانش گاہوں میں جانے سے ہوئی ہوگی، میں اپنی اس تقریر کا آغاز فارسی کے اس مشہور مصرعہ سے کرنا چاہتا ہوں کہ:۔

غریب شہر سخنہائے گفتنی دارد

لیکن چونکہ اس جامعہ اور اس دانش گاہ کی نسبت اقبال سے ہے، اس لئے اب میں اس کے بجائے جگر کا مصرعہ پڑھوں گا ۔

"میں چمن میں چاہے جہاں رہوں
مرا حق ہے فصل بہار پر

یہ اگر اقبال کا چمن ہے تو میں بھی اس کا بلبل ہوں، اور مجھے اس چمن کے کسی بھی شاخسار پر بیٹھنے کا حق ہے، اس لئے میں غریب شہر نہیں ہوں، مجھے اس شہر کا ایک باشندہ یا ایک چمن کا بلبل سمجھئے۔

حضرات! وقت بہت کم ہے اور اقبال نے تعلیم پر جو کچھ لکھا ہے وہ آپ کے سامنے ہے، اور میں یہ گزارش کروں گا اس جامعہ کے ذمہ داروں سے کہ اسے ایک مستقل مضمون کی حیثیت سے یہاں نصاب میں داخل کریں، تعلیم کے بارے میں اقبال کا نقطۂ نظر اور اقبال کی تنقید اور ان کے خیالات پر اگرچہ مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں، لیکن اس کو علیحدہ کر کے اور مستقل فن اور مستقل موضوع بنا کر اس جامعہ میں تحقیقی کام ہونا چاہئے، اقبال ان چند خوش قسمتوں میں سے تھے جو خود اپنے الفاظ میں جدید نظام تعلیم کے آتشکدہ یا نار نمرود میں بیٹھ کر بہت کچھ ابراہیمی خصوصیات کے ساتھ نکلے۔

انہوں نے اس پر بھی فخر کیا ہے کہ میں اس جال میں پھنسا تھا لیکن اس کا دانہ لے کر نکل گیا، میرے بال و پر اس جال میں پھنسے نہیں رہے:

طلسمِ علمِ حاضر را شکستم
ربودم دانہ و دامش گستم
خدا داند کہ مانند براہیم
بنارِ او چہ بے پروا نشستم

مشرقی ممالک کے نوجوان مغرب اور خاص طور پر انگلستان جس کو ہندوستانی ولایت کے نام سے یاد کیا کرتے تھے، تعلیم کے لئے جایا کرتے تھے۔ (اقبال کے لئے معذرت کے ساتھ کہہ رہا ہوں) جو بڑے اقبال مند ہوتے تھے ان کو وہاں کا سفر نصیب ہوتا تھا، وہ اس پر پھولے نہیں سماتے تھے۔ میرے شعور کی آنکھیں پہلی جنگ عظیم کے خاتمہ پر کھلی ہیں۔ میں نے تحریک خلافت کو بہت قریب سے دیکھا، میں اس کا ایک طرح سے معاصر و ہم عمر ہوں، اس زمانہ میں انگریز کا طوطی بولتا تھا، کسی کھاتے پیتے گھر کے لئے سب سے بڑے فخر کی بات یہ تھی کہ اس خاندان کا کوئی لڑکا ولایت چلا جائے، سارے ضلع میں دھوم مچ جاتی تھی کہ فلاں زمیندار صاحب، فلاں سید صاحب، فلاں شیخ صاحب، فلاں خانصاب کے صاحبزادے ولایت گئے

ہیں۔ اس وقت مصر و شام سے کم ہندوستان سے زیادہ مغربی ممالک کی طرف نوجوانوں کا رخ تھا۔ غیر منقسم ہندوستان سے اس وقت بہترین جوہر اور بہترین صلاحیتیں رکھنے والے نوجوان انگلستان گئے اور وہاں خاص طور پر آکسفورڈ اور کیمبرج میں انہوں نے تعلیم پائی۔ ہم برصغیر کے مسلمان اس پر فخر کر سکتے ہیں کہ وہاں کے اسلام سوز اور اخلاق سوز ماحول کے اثرات سے جو لوگ آزاد ہو کر نکلے بلکہ ایک طرح سے باغی ہو کر نکلے ان میں ہم دو شخصیتوں کے نام لے سکتے ہیں۔ ایک علامہ اقبال اور ایک مولانا محمد علی جوہر، مصر بلکہ مشرق وسطیٰ کو بھی اپنی طویل تاریخ میں یہ فخر حاصل نہیں، وہ کسی ایسے مغربی نوجوان تعلیم یافتہ کا نام نہیں لے سکتا جس نے اقبال کی طرح اپنی خودی کو قائم رکھا ہو بلکہ وہ خودی کا مبلغ بن کر آیا ہو اور مولانا محمد علی جوہر جیسا جوہر قابل جو اس تہذیب کے باغی، اس ملک کے باغی اور ایک شعلہ جوالہ بن کر آیا، یہ ہمارے اس تحتی براعظم کے لئے فخر کی بات ہے، کم سے کم یہ دو نام ہیں جن کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا، ورنہ میں اور بہت سے نام پیش کرتا جو وہاں سے کچھ لے کر آئے، کچھ کھو کر نہیں آئے۔ حقیقت کا علم تو صرف اللہ کو ہے، لیکن ہم اقبال کا کلام پڑھتے ہیں، مولانا محمد علی جوہر کی تحریریں پڑھتے ہیں، کامریڈ میں اور ہمدرد میں، تحریک خلافت میں انہوں نے جو قائدانہ کردار ادا کیا اس کو دیکھتے ہیں، ان کی تقریریں پڑھتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مغربی تہذیب کا فکری طور پر اقبال سے بڑھ کر باغی اور مغربی سیاست اور تمدن کا محمد علی جوہر سے بڑھ کر باغی مشرق کے اسلامی ممالک میں نہیں ملتا۔ اقبال نے اس پر بجا فخر کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے ؎

نشستم بانکویان فرنگی

ازاں بے سوز تر روزے ندیدم

میں خوبانِ فرنگ کے ساتھ بیٹھا (ان کی مراد جمالِ علمی و جمالِ تہذیبی سے ہے) اپنی عمر میں کوئی ایسا بے نور دن یاد نہیں جو ویسا گزرا ہو، کبھی انہوں نے کہا: ؎

زمستانی ہوا میں گرچہ تھی شمشیر کی تیزی

نہ چھوٹے مجھ سے لندن میں آدابِ سحر خیزی

انہوں نے اپنی خودی کو برقرار رکھا، بلکہ وہ خودی کے مبلغ بن کر آئے، انہوں نے مغربی علوم کے قلب و جگر میں اتر کر مغرب کی کمزوری کو دیکھا اور اس میں سے فائدہ اٹھایا، آپ کی اس

جامعہ کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس کا انتساب اقبال سے ہے:

وقت کم ہے، آپ کے سامنے ایک مسئلہ رکھنا چاہتا ہوں جس پر ہماری تمام جامعات کے دانشوروں کو اور ہمارے تعلیمی پالیسی بنانے والوں کو غور کرنا چاہئے۔ ابھی دو تین سال کا واقعہ ہے کہ میں بیروت گیا، میرے ایک بڑے ذہین وصاحب علم دوست مجھے اپنی گاڑی پر بیروت کی سیر کرا رہے تھے۔ انہوں نے گاڑی چلاتے ہوئے مجھ سے کہا کہ مولانا، آپ سے میں ایک سوال کرتا ہوں کہ ممالک اسلامیہ میں جو ذہنی فکری وسیاسی بے چینی اور کشمکش پائی جاتی ہے یہ غیر اسلامی ممالک میں کیوں نہیں پائی جاتی۔ یہ ہندوستان، جاپان، یا سیلون میں کیوں نہیں پائی جاتی؟ یہ اسلامی ممالک کے ساتھ کیوں مخصوص ہے؟ یہاں ایک صف آرائی اور قیادتوں اور عوام میں دو مقابل محاذ بنے ہوئے ہیں، اس کے نتیجہ میں انقلاب کثرت سے آتے ہیں، حکومتیں تبدیل ہوتی ہیں، عوام کو اپنے قائدوں اور حکمرانوں پر بھروسہ نہیں اور برسر اقتدار طبقہ کو عوام کی طرف سے اطمینان نہیں؟ واقعہ یہ ہے کہ میں ان کے سوال کا تسلی بخش جواب نہیں دے سکا، ان کو باتوں میں مشغول رکھا، مگر واقعہ یہ ہے کہ خود میرے ذہن کے اندر ایک سوال پیدا ہوگیا کہ شاید اس سے پہلے یہ سوال میرے ذہن میں نہیں تھا کہ آخر کیوں ایسا ہے؟ اور اس بے چینی کے کیا اسباب ہیں؟ روز ہم سنتے ہیں کہ ان ملکوں میں مستقل ٹکراؤ ہے، وہاں تہذیبوں کا ٹکراؤ ہے، مستقل فلسفہ اخلاق کا ٹکراؤ ہے، بعد میں میرے ذہن میں اس کا ایک جواب آیا، وہ میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں جس کی وجہ سے مجھ پر اور آپ پر اور ان جامعات کے ذمہ داروں پر بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

بات یہ ہے کہ جو فلسفہ تعلیم ان غیر اسلامی ممالک میں آیا وہاں کے اقدار اور بنیادی عقائد سے متصادم نہیں تھا، ان اقدار میں اول تو جان نہیں تھی، جان تھی بھی تو ان میں ہر نئے فلسفے کو قبول کرنے کی صلاحیت نہیں تھی، ان کی تو بنیاد ہی مستحکم نہیں، بہت سیال و رقیق قسم کی چیزیں ہیں۔ مثلاً میں آپ کو یاد دلاتا ہوں کہ جب جواہر لال صاحب سے پوچھا گیا کہ ہندو کی تعریف کیا ہے؟ تو انہوں نے بہت سوچنے کے بعد کہا کہ جو اپنے کو ہندو کہے وہ ہندو ہے۔ ہمارے ایک دوست نے واقعہ سنایا، وہ محکمہ تعلیم کے آدمی تھے کہ ہم لوگ اسٹاف روم میں بیٹھے ہوئے تھے، میں نے اپنے ایک ہندو پروفیسر دوست سے کہا پروفیسر صاحب ہم سے اگر پوچھا جائے

کہ دولفظوں میں اسلام کا خلاصہ بیان کروتو ہم کہیں گے کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ایمان رکھنا۔ اگر آپ سے پوچھا جائے کہ دولفظوں میں ہندوئیت کی تعریف کردیجئے تو آپ کیا کہیں گے؟ اور دیکھئے کسی گہرے فلسفے کی ضرورت نہیں، میری لائبریری میں بہت سی کتابیں ہیں، میں پڑھ لوں گا۔ آپ تو اس وقت دولفظوں میں بتادیجئے کہ اگر مجھ سے ہی کوئی پوچھے کہ ہندو کسے کہتے ہیں اور اس کی کیا تعریف ہے تو میں کیا جواب دوں؟

تھوڑی دیر سوچنے کے بعد کہنے لگے، مسٹر قدوائی! اصل بات یہ ہے کہ جو کسی چیز میں Believe نہیں کرتا وہ بھی ہندو ہے اور جو ہر چیز پر Believe کرتا ہے وہ بھی ہندو ہے۔ تو ان کا نظام عقائد اگر ہے تو وہ اتنا روادار ہے کہ ہر فلسفہ کا ساتھ دے سکتا ہے، اس کا کوئی ٹکراؤ نہیں، اس لئے فرض کیجئے کہ مغرب کا نظام تعلیم جب ہندوستان میں آیا تو اس نے ہندو سوسائٹی میں کوئی بے چینی پیدا نہیں کی، کچھ پرانے لوگ تھے جو کہتے تھے کہ سمندر کا سفر نہیں کرسکتے، صبح کا نہانا ضرور ہے، اس کے بغیر کھانا نہیں کھا سکتے، اس کے اندر کیا جان ہے؟ تھوڑے دنوں کے اندر معلوم ہوگیا کہ ہم نے بے سوچے سمجھے باتیں قبول کرلی تھیں، یہ موجودہ تمدن کے ساتھ نہیں چل سکتیں، لیکن اصل مسئلہ پیش آیا ہمارے مسلم معاشرہ کو، وہاں توحید کا ایک مفہوم ہے، اس کے حدود معین ہیں کہ یہاں تک ایمان ہے، اس کے بعد کفر کی سرحد شروع ہوجاتی ہے، ایک وقت میں آدمی کئی مذاہب کا وفادار نہیں ہوسکتا، بیک وقت آدمی توحید وشرک کو جمع نہیں کرسکتا اور یہ خیال کہ مغرب سب کچھ ہے، اور وہی قیادت کا اہل ہے، پھر اس کے بعد رسول اکرم ﷺ کو دائمی وعالمی رہنما اور معیار ماننا، اقبال ہی کے الفاظ میں کہنا

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغ وادی سینا

وہ رسول اللہ ﷺ کو دانائے سبل، ختم الرسل، مولائے کل بھی سمجھے اور مغربی تہذیب کو حرف آخر بھی سمجھے، سائنس کو علم کی معراج بھی سمجھے، دونوں باتیں جمع نہیں ہوسکتیں، اس لئے بے چینی ان ملکوں میں نہیں ہوسکتی، جہاں مذہب کا کوئی مثبت معین نظام نہیں تھا، جس کو کسی بات پر اصرار نہیں کہ یہ ہدایت ہے، یہ ضلالت، وماذا بعد الحق الا الضلال فانی تصرفون، ہدایت کے بعد ضلالت کے علاوہ باقی کیا رہتا ہے، وہ کہتا ہے نور ایک ہے، ظلمات بے شمار ہیں،

آپ قرآن مجید میں دیکھئے، کہیں نور کی جمع استعمال نہیں ہے، کیا عربی میں نور کی جمع آتی نہیں، کوئی طالب علم کہدے "انوار" آتی ہے۔ آپ کے یہاں کتنے بھائیوں کے نام انوار ہوں گے، ممکن ہے دو چار انوار یہاں بھی مل جائیں، تو نور کی جمع نہ صرف یہ کہ موجود ہے بلکہ غیر فصیح بھی نہیں ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ قرآن کی نظر میں نور ایک ہی ہے اور ظلمات کا کوئی حساب وشمار نہیں، ظلمات ایک کروڑ بھی ہوسکتی ہیں، لیکن نور ایک ہوگا۔ ومن لم يجعل الله له نوراً فماله من نور، جس کے لئے اللہ کی جانب سے نور نہ ملے اس کے لئے نور کا کوئی اور ذریعہ اور سرچشمہ نہیں، جس مذہب کی اور دین کی فطرت یہ ہے کہ اس پر اس کا اصرار ہے کہ تنہا وہی حق ہے، جس کو اس پر اصرار ہے کہ نور وایمان کے حدود معین ہیں، اس کو اس پر اصرار ہے کہ اسلام ایک تمدن بھی رکھتا ہے، خالی عقائد کا نام نہیں ہے، جب مغربی تہذیب اپنے پورے تصورات کے ساتھ، پورے اقدار حیات کے ساتھ، پورے مقاصد کے ساتھ آئی، تو اس کا اس سے ٹکراؤ لازمی تھا۔ ٹکراؤ ہوا اور خوب ہوا، پھر اس کے بعد ایک دوسرا سانحہ یہ پیش آیا کہ اس ملک وقوم کے ذہین، کھاتے پیتے گھرانے کے نوجوانوں نے مغربی تعلیم حاصل کی، اور عوام اپنی اسی حالت پر رہے، وہ اسی ورثہ کو اپنے سینہ سے لگائے رہے، نتیجہ یہ نکلا کہ وہ نیا تعلیم یافتہ طبقہ عوام کے تصورات اور عوام کے احساسات وجذبات سے اتنا بیگانہ بن گیا کہ جیسے ایک نئی قوم پیدا ہوتی ہے، یعنی دو نئی قومیں پیدا ہوگئیں، اور دوسری مصیبت یہ پیش آئی کہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ نے محسوس کیا اور تجربوں کے بعد اس کو یہ معلوم ہوا کہ اگر وہ زندگی چاہتا ہے، قیادت باقی رکھنا چاہتا ہے تو ضروری ہے کہ عوام کے اس دینی جذبہ کو یا اتنا فنا کردے یا اتنا کمزور کردے کہ وہ اس کے راستہ میں مزاحم نہ ہو۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے تعلیم کے ذریعہ، ابلاغ کے ذرائع کے ذریعہ، صحافت کے ذریعہ، ادب ولٹریچر کے ذریعہ، یہاں تک کہ شاعری کے ذریعہ عوام کی اس دینی حمیت کو، اس اسلامی غیرت کو اور اس کی اس ذکاوت حس کو ختم کرنے کی کوشش شروع کردی۔ اب مستقل معرکہ پیش آیا، ان ملکوں کو کہ انہوں نے دیکھا کہ اگر ہمیں رہنا ہے تو عوام اگر اسی طرح رہے، ان کے یہی احساسات وجذبات رہے تو کبھی یہ عوام ہمارے خلاف صف آرا ہوسکتے ہیں، یہ میں کہانی سنا رہا ہوں، آپ کو مصر کی، شام کی، عراق کی، ترکی کی، میں نہیں کہتا کہ یہ ہر ملک کی کہانی ہے اور خدا کرے اس ملک میں یہ ڈرامہ کبھی اسٹیج نہ ہو۔ لیکن ہے یہ ترقی یافتہ

مسلم ممالک کی کہانی، ایک طبقہ ایسا پیدا ہو گیا جو اسلام سے نہ صرف یہ کہ بیگانہ تھا، بلکہ اس کو اس سے ایک طرح کا بعد اور وحشت تھی، یہ عوام کا کیا حال ہے، یہ بالکل چھوئی موئی بن گئے ہیں۔ چھوئی موئی کو ہاتھ لگایا اور وہ سمٹ گئی، شرما گئی، تو کیا عوام بالکل چھوئی موئی ہیں، ان کا عقیدہ اتنا کمزور ہے، ارے بھائی اگر کچھ لوگ شراب پیتے ہیں تو پھر اس میں کون سی ایسی مصیبت آئی اور اگر ٹیلی ویژن پر یہ سب کچھ دکھلایا جاتا ہے اور اس سے لڑکوں اور لڑکیوں کے اخلاق پر اثر پڑتا ہے تو ایسی کیا قیامت آجاتی ہے؟ وہ کھائیں پئیں، دکان اور کاروبار کریں، دولت پیدا کریں، ان کو اس سے کیا تعلق ہے، مذہب تو ایک پرائیویٹ معاملہ ہے، ان کے استادوں نے اور مغرب کی یونیورسٹیوں نے ان کے دل و دماغ میں یہ بات اتار دی ہے کہ مذہب تو ایک شخصی معاملہ ہے، اور مذہب کی بقاء بھی اسی میں ہے کہ شخصی معاملہ رہے اور اب دنیا اسی طرح چل سکتی ہے کہ مذہب شخصی معاملہ سمجھا جائے۔ ان کے ذہن نے پہلے سے اس کو قبول کر لیا، اب یہاں وہ آئے تو دیکھا کہ عوام حکومت کے معاملہ میں دخل دیتے ہیں، تنقید کرتے ہیں، بات بات میں متاثر بلکہ مشتعل ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے ایک نیا محاذ کھول دیا۔ جمال عبدالناصر کے دور میں مصری عوام کے خلاف مصر کی ساری طاقت اور اس کی مشینری لگ گئی، فوج پولیس بن گئی۔ مصر کے سارے وسائل و ذخائر اور مصری قوم کی ساری توانائیاں اور جو جماعت برسرِ حکومت تھی اس کی ساری ذہانت اس جذبہ کے کچلنے میں لگا دی گئی جو ان کے لئے کسی وقت بھی آگ کی صورت اختیار کر سکتی تھی۔ جو دور جمال عبدالناصر کی لیڈر شپ کا گزرا، یہ بجائے اسرائیل سے لڑنے کے، بجائے کمیونزم سے لڑنے کے، بجائے الحاد سے لڑنے کے، یہ پرامن شہریوں سے لڑنے میں صرف ہوا اور ان دینی اور اسلامی تحریکوں کے ختم کرنے میں خرچ ہوا، اس میں کہاں تک کامیابی ہوئی، اس کے اثرات کہاں تک باقی رہے، یہ کہنا مشکل ہے، لیکن یہی حقیقی جنگ تھی جو وہاں لڑی گئی، یہی حقیقی جنگ ہے جو شام و عراق اور لیبیا و تونس، الجزائر اور مراکش میں لڑی جا رہی ہے، کہیں گرم، کہیں نرم، میں عرب ملکوں کے علاوہ کسی غیر عرب ملک کا نام نہیں لوں گا، یہ مصنوعی کارزار پیدا کی ہے ان دو فلسفوں نے، ان دو متوازی نظام تعلیم نے، ہمارے مدارس میں جو تعلیم دی جاتی ہے وہ تو قال اللہ وقال الرسول کی تعلیم ہے اور یہاں جو تعلیم دی جاتی ہے وہ اس نفی کی تعلیم ہے، جب انگریزی دور اقتدار (غیر منقسم) ہندوستان میں آیا، اور

انگریزوں کا نظام تعلیم آیا تو اکبر نے وہ شعر کہا جس سے بہتر شعر آج تک جدید لادینی نظام تعلیم اور اس کے دوررس نتائج کے متعلق آج تک کسی نے نہیں کہا ہے، مغربی نظام تعلیم کے اثرات کے بارے میں اس سے زیادہ سادہ الفاظ میں...... اس سے زیادہ گہری حقیقت نہیں بیان کی گئی۔

یوں قتل سے بچوں کے وہ بد نام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

انہوں نے اس حقیقت کو بیان کیا کہ فرعون نے اپنی غباوت اور کند ذہنی سے خواہ مخواہ اپنے خلاف اتنا پروپیگنڈہ کرایا اور اپنے لئے اتنی مشکلات پیدا کیں کہ آج تک صحف سماوی تک میں وہ علامت ہے جبر واستبداد کی، وہ نظام تعلیم بدل دیتا تو بجائے بدنامی کے نیک نامی ہوتی، بجائے اس کو جہالت کی ایک علامت سمجھ لینے کے علم کا سرپرست مانا جاتا، مربی مانا جاتا، اس کے نام سے کتنی یونیورسٹیاں قائم ہوتیں، کتنی اکاڈمیاں قائم ہوتیں، سعودی عرب میں بھی مغربی نظام تعلیم سے اب یہ کشمکش پیدا ہو رہی ہے۔

ہر ایسے ملک کو جس کو اسلام کی خدمت کرنی ہے اور جس کو اسلام کا جھنڈا بلند کرنا ہے، اپنے ملک کو اس ذہنی کشمکش سے بچانا چاہئے، اس لئے کہ اس ذہنی کشمکش کے شروع ہو جانے کے بعد پھر وہ ساری ذہانتیں اور قوت عمل وہ سب کی سب اس میں لگ جاتی ہیں، ملک کی تعمیر میں، ملک کو مستحکم کرنے میں، سلامتی کی حفاظت میں جو توانائیاں صرف ہونی چاہئیں اس میں صرف ہوتی ہیں، کون جیتے، کون ہارے، کس کا فلسفہ اخلاق، کس کا فلسفہ مابعد الطبعیات کس کا فلسفہ حیات غالب اور کارفرما ہے۔

میں اس جامعہ سے توقع کرتا ہوں کہ دوسری جامعات کے مقابلہ میں وہ یہ اصلاحی قدم پہلے اٹھائے گی، اس لئے کہ جس مفکر اسلام سے اس کو نسبت ہے وہ موجودہ نظام تعلیم سے غیر مطمئن تھا، وہ اسلامی ملکوں میں اس نظام تعلیم کے نافذ ہونے سے ہراساں وترساں رہتا تھا، وہ اگر زندہ ہوتے تو شاید مطالبہ اس کا کرتے کہ سب سے پہلے نظام تعلیم بدلا جائے اس لئے کہ انہوں نے کہا ہے کہ یہ وہ تیزاب ہے جس میں انسان کی خودی کو ڈال کر بالکل تحلیل کر دیا جاتا ہے۔

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو
ہوجائے ملائم تو جدھر چاہے اسے پھیر

تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب
سونے کا ہمالہ ہوتو مٹی کا ہے اک ڈھیر

عمان میں ایک مکالمہ تھا۔ استاد کامل الشریف جو آج کل وہاں وزیر اوقاف ہیں، وہ میں اور سعودی عرب کے ایک فاضل شیخ احمد جمال تینوں سے سوال کئے جارہے تھے، یہ مکالمہ ریڈیو پر بھی نشر ہوتا تھا۔ مجھ سے کہا گیا، اس وقت کی سب سے بڑی مصیبت خصوصاً نوجوانوں کی پریشانی کا اصل سبب کیا ہے، میں نے کہا، زندگی کا تضاد، وہ بیک وقت اتنی متضاد چیزیں دیکھتے ہیں، گھر کا نقشہ کچھ دیکھتے ہیں، باپ دادا کی روایت کچھ سنتے ہیں، اسکول یا کالج جا کر کچھ سنتے ہیں، ادب پڑھتے ہیں اور لٹریچر دیکھتے ہیں تو اس میں کچھ اور دعوت پاتے ہیں، ٹیلی ویژن اور ریڈیو پر وہ تفریح حاصل کرتے ہیں وہ ان کو کچھ اور دیتا ہے۔ اس نے ایسا کنفیوژن (CONFUSION) پیدا کردیا ہے، یک ایسا دماغی تضاد اور انتشار پیدا کردیا ہے کہ فیصلہ نہیں کر پاتے، جب تک یہ حالت ہے کہ ایک گاڑی میں دو گھوڑے جتے ہوئے ہیں، ایک مشرق کی طرف لے جارہا ہے ایک مغرب کی وطرف لے جارہا ہے، اس گاڑی اور گاڑی پر بیٹھنے والے مسافر کا اللہ ہی حافظ ہے۔ یہ تضاد سوسائٹی سے، ہمارے نظام تعلیم سے ختم ہونا چاہئے۔

میں ان الفاظ کے ساتھ اپنی گزارشات ختم کرتا ہوں اور میں وائس چانسلر صاحب کا جسٹس افضل چیمہ صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے سفارش کی اور میں یہاں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں سمجھتا ہوں کہ میرے یہ الفاظ آپ کو یاد نہ رہیں لیکن کم سے کم اقبال کا پیام تو آپ کو یاد رہے گا۔ اب میں اقبال ہی کے اشعار پر ختم کرنا چاہتا ہوں ؎

اے پیر حرم! رسم ورہِ خانقہی چھوڑ
مقصود سمجھ میری نوائے سحری کا
اللہ رکھے تیرے جوانوں کو سلامت
دے ان کو سبق خود شکنی خود نگری کا
تو ان کو سکھا خارہ شگافی کے طریقے
مغرب نے سکھایا انہیں فن شیشہ گری کا
دل توڑ گئی ان کا دو صدیوں کی غلامی
دارد کوئی سوچ ان کی پریشاں نظری کا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسلم پرسنل لا کی صحیح نوعیت اور اہمیت

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونعوذباللہ من شرور انفسنا ومن سیّأت اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ ونشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ الذی ارسلہ اللہ تعالی بالحق بشیرا ونذیرا وداعیا الی اللہ باذنہ وسراجامنیرا۔

حضرات! سب سے پہلے میں اس پر معذرت کرتا ہوں کہ میں اس اہم موقع پر کوئی لکھا ہوا خطبہ پیش نہیں کررہا ہوں، میں تھوڑے وقفہ سے اندرونی اور بیرونی سفروں میں مشغول رہا، اور مسلسل انہماک اور مصروفیت رہی، لیکن اس غیر ارادی اور اضطراری کوتاہی میں خیر کا بھی ایک پہلو ہے، تیار کئے ہوئے بلند پایہ خطبہ ہائے صدارت کی افادیت اور اہمیت کو کم کئے بغیر جواب ہماری علمی، ادبی وسیاسی تاریخ کا جز بن گئے ہیں، میں یہ کہنے کی جرات کروں گا کہ بعض مرتبہ خطبہ صدارت کل کا کل یا اس کا کل جز بے محل یا بعد از وقت ثابت ہوتا ہے، اور حالات میں تغیر کی وجہ سے اپنی زندگی اور برجستگی کھوچکا ہوتا ہے۔ اس لئے شاید اس میں بھی حکمت الٰہی کو دخل ہو کہ اس فضاء میں تازہ حالات کے مطالعہ کے بعد آپ سے براہ راست خطاب کررہا ہوں۔

حضرات! کسی بھی مسئلہ سے اختلاف یا کسی حقیقت سے گریز اور مخالفت کا باعث صرف مخالف کا جذبہ، عناد یا سیاسی مصالح اور مفادات ہی نہیں ہوتے، اکثر غلط فہمی یا ناواقفیت یا ناقص واقفیت (جسے میں ناواقفیت سے زیادہ خطرناک سمجھتا ہوں) اس کی ذمہ دار ہوتی ہے، افراد اور خاندان کی سطح پر بھی، ملتوں اور قوموں کی سطح پر بھی ملکوں اور سلطنتوں کی سطح پر بھی ایسی غلط فہمیاں، ناواقفیت اور ناقص واقفیت بڑے اہم اور سنگین نتائج کا سبب بنی ہے، اور قوموں، تہذیب و تمدن، سلطنتوں، اور مذاہب کی تاریخ اس کی شہادتیں پیش کرتی ہے کہ بعض مرتبہ کسی غلط فہمی،

ناواقفیت یا ناقص واقفیت کی بناء پر بے ضرورت جنگیں برپا ہوگئی ہیں، سلطنتیں سلطنتوں سے ٹکرائی ہیں اور بعض اوقات وحشتیں وحشتوں سے نہیں، وحدتیں وحدتوں سے ٹکرائی ہیں۔

مسلم پرسنل لاء کے سلسلہ میں بھی نہ ہم کو اس کی ضرورت ہے نہ اس کا شوق ہے کہ ہم ان سب لوگوں کے بارے میں جو ملت اسلامیہ کے دائرے سے باہر ہیں، یا ان گروہوں، عناصر یا مکاتب خیال پر جو مسلم پرسنل لاء کے مخالف ہیں اور جو ہندوستان پر یونیفارم سول کوڈ کے نفاذ کے داعی اور اس کے حامی ہیں، یہ الزام لگائیں کہ ان میں مخالفت ہی کا جذبہ یا عناد کام کر رہا ہے، میرا خیال ہے کہ اس میں غلط فہمی اور زیادہ تر ناقص واقفیت کو دخل ہے۔

مسلمانوں کے عائلی قانون کی اہمیت اور صحیح حیثیت کیا ہے؟ اس کے متعلق میں دو حقیقتوں کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں، اور ان سب حضرات کو جو مسائل پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے کے عادی ہیں اور ان میں حب الوطنی کا جذبہ ہے اور ان کا ذہن تخریبی نہیں بلکہ تعمیری اور حقیقت پسند واقع ہوا ہے اور وہ صداقت کو قبول کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں، وہ بنیادی حقیقتوں کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں اور اس مؤقر مجلس کے توسط سے صحافت اور ابلاغ عامہ کے سنجیدہ اور ذمہ دار ذرائع سے میں اپنی آواز دور دور تک پہنچانا چاہتا ہوں۔

۱۔ مذاہب کے تقابلی مطالعہ کی روشنی میں جسکا میں ایک طالب علم ہوں ان تمام آسمانی مذاہب کے بارے میں کہہ سکتا ہوں جو صحیفے رکھتے ہیں، اور جن کے یہاں نبوت کی تاریخ ہے لیکن میرے لئے زیادہ محتاط صورت یہ ہے کہ میں اس دین کی طرف سے عرض کروں جس سے میرا اور آپ کا انتساب ہے کہ اس کی ایک بنیادی حقیقت یہ ہے کہ یہ دین جو ہم تک پہنچا ہے اور جس دولت کے ہم آپ امین اور (محافظ کا لفظ تو بڑا ہے) اس دولت کے حامل ہیں، وہ دین ہمیں دانشوروں کے ذریعہ، سماجی خدمتگاروں، اصلاحی کام کرنے والوں یا بانیان سلطنت کے ذریعہ نہیں پہنچا، یہ سارے گروہ قابل احترام ہیں، لیکن کسی دین میں اور کسی تہذیب، نظام فکر، دبستان اور خالص مطالعہ، غور وفکر اور تجربہ کے نتائج میں ایک حد فاصل سرحدی لکیر ہے، جو ایک کو دوسرے سے جدا کرتی ہے، اس خط کو کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، حد فاصل یہ ہے کہ آسمانی مذاہب (ادیان) ان برگزیدہ افراد کے ذریعہ پہنچے ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے نبوت کے منصب سے سرفراز فرمایا تھا، اور جن پر وحی آتی تھی، اس نکتہ کو نہ سمجھنے کی وجہ سے خلط مبحث ہوتا

ہے، زیادہ تر لوگ نادانستہ طریقہ پر ان مذاہب سے توقع اور بعض اوقات آگے بڑھ کر ایسی چیزوں کا مطالبہ کرنے لگتے ہیں جن کی مذاہب میں گنجائش اور ان کا کوئی جواز نہیں، وہ بعض اوقات ان کی تشریح کا فرض اپنے ذمہ لے لیتے ہیں، اپنی وسعت مطالعہ اور وسعت نظر کے اظہار کے لئے وہ مذاہب کی ترجمانی ایسی کرنے لگتے ہیں، جیسے کہ یہ نرے فلسفے یا انسانوں کے بنائے ہوئے تہذیب وتمدن کے نظام اور سماجی تجربے اور معاشرتی نظریات ہیں، یہ ہے وہ غلطی جو نادانستہ طریقے پر بعض بڑے ذمہ دار اور سنجیدہ لوگوں سے ہوتی ہے، وہ یہ نہیں جانتے کہ دین اور غیر دین میں حد فاصل اور امتیازی نشان کیا ہے؟ فلسفہ سماجیات کا علم تہذیب وتمدن، سوسائٹی اور انسانی معاشرہ، یہ سب اپنی جگہ حقائق ہیں، ہم ان کا انکار نہیں کرتے، ان کا احترام کرتے ہیں اور اپنے ذمہ ان کے حقوق سمجھتے ہیں، خود مسلم ملت ایک معاشرہ، تہذیب وتمدن اور فکر و دانش کا ایک مستقل مدرسہ بھی ہے، لیکن اس کی جو اصل حقیقت ہے وہ یہ ہے کہ وہ ایک دین ہے، اور اس دین کو دنیا میں پیش کرنے والے اور اس کو بروئے کار لانے والے، اس کو ہماری زندگی میں داخل کرنے والے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں اور یہ ان کی زبان اور ان کا طرز فکر نہیں، اس کا بنیادی چشمہ ان کے دماغ مین نہیں تھا، بلکہ ان سے باہر اور ان سے بلند تھا، اور وہ ان کے لئے اسی درجہ قابل احترام اور قابل اطاعت تھا، جیسے ہمارے آپ کے لئے اور سارے امتیوں کے لئے **وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ** (وہ خواہش نفس سے منہ سے بات نہیں نکالتے ہیں یہ (قرآن) تو حکم خدا ہے (جو ان کی طرف بھیجا جاتا ہے) **ما کنت تدری وما الکتب ولا الایمان ولکن جعلنہ نورا نھدی بہ من نشاء من عبادنا وانک لتھدی الی صراط مستقیم** (آپ نہیں جانتے تھے کہ لکھنا پڑھنا کیا ہوتا ہے، ہم نے اس کو ایک نور کی طرح آپ کے سینہ میں اتارا، اور اس سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اور بے شک (اے محمد ﷺ) تم سیدھا راستہ دکھاتے ہو۔

اچھے اچھے سنجیدہ اہل علم اور اہل فکر اس مغالطہ میں ہیں، اس پر انہوں نے اپنی عمریں گذار دیں۔ ایک کتب خانہ تیار ہو گیا، اس نے غیر ضروری طور پر ایک مہم اور ایک معرکہ آرائی کی شکل اختیار کر لی ہے، حالانکہ اس کی کوئی بنیاد نہیں، سیدھی سی بات یہ ہے کہ آپ جس دین کے ماننے والوں کو مخاطب کرتے ہیں، ان سے توقع اور مطالبہ کرتے ہیں، ان کو مشورہ دیتے ہیں، پہلے

آپ ان کا مزاج اور امتیاز سمجھ لیں، وہ پیغمبروں کی ایک ایسی جماعت اور اس جماعت کے خاتم اور اس جماعت کے فرد اکمل کے تابع ہیں جس کا رشتہ وحی الٰہی سے تھا اور وہ خود وحی کا انتظار کرتا تھا، بیسیوں حدیثیں ہیں، جو میں اس وقت آپ کے سامنے پیش نہیں کرسکتا کہ لوگ پوچھنے آئے آپ نے کہا انتظار کرو، اور آپ خود انتظار کرتے رہے، اور بعض مرتبہ تو ایسا ہوا کہ سائل موجود ہے اور آپ پر وحی کی کیفیت طاری ہوئی اور کسی صحابی نے اپنے دوست سے کہا کہ دیکھو، تم دیکھنا چاہتے تھے کہ وحی کس طرح آتی ہے تو دیکھ لو، بعض دفعہ ایسا ہوا کہ ساق مبارک کسی کی ساق پر تھی اور وحی کا نزول شروع ہوا، وہ کہتے ہیں کہ قریب تھا کہ میری ٹانگ ٹوٹ جائے، اتنا بوجھ تھا، اس لئے کہ وحی کے ساتھ ایک بوجھ ہوتا تھا، اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس مادی دنیا سے آپ کا رشتہ منقطع ہو چکا ہے، اور آپ کسی اور عالم میں ہیں، اور اس کے بعد آپ نے وحی کے الفاظ سنانے شروع کئے، ایک مرتبہ کفار نے اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے متعلق سوال کیا، آپ نے وحی کا انتظار کیا، یہاں تک کہ کئی روز (پندرہ روز) گزر گئے اور کفار کو اعتراض کا موقعہ مل گیا، جب سورۂ کہف نازل ہوئی تب اس کا جواب آیا، اور اللہ تعالیٰ نے وہ قصہ سنایا، آپ نے اس طرح سنایا جیسے کوئی کتاب پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔

وحی و نبوت کا فرق اساسی فرق ہے، ہمیں غیر مسلم بھائیوں اور غیر مسلم فضلاء سے زیادہ شکوہ نہیں کہ وہ وحی و نبوت کے عہد سے اتنے دور ہو چکے ہیں کہ ان کے مفہوم سے بھی بہت سے حضرات نا آشنا ہیں، بعثت محمدی سے پہلے خود عربوں کا یہی حال تھا، اس میں نہ کسی کی ذہانت کا انکار ہے اور نہ کسی کی نیت پر حملہ ہے، ایک تاریخی یا نفسیاتی تجزیہ ہے کہ جو شخص نبوت اور وحی کی حقیقت سے واقف نہیں اور یہ نہیں جانتا کہ اس کا کیا مرتبہ اور حق ہے اور اس کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں، وہ کس چیز کی متقاضی ہے، وہ مسلمانوں کے بارے میں مشورہ دینے یا فیصلہ کرنے کا اخلاقی یا قانونی طور پر مجاز نہیں، عدالت میں پہلی بات یہ طے کی جاتی ہے کہ تمہیں بحث کرنے کا حق ہے یا نہیں؟ یہاں بڑے بڑے تجربہ کار قانون داں موجود ہیں، ان کو پہلے اپنی سند وکالت پیش کرنی ہوتی ہے۔ اگر معلوم ہے فاضل جج کو کہ یہ باقاعدہ قانون کے فاضل ہیں اور سند رکھتے ہیں وکالت کی، اور مقدموں میں آتے رہتے ہیں تو ضرورت نہیں، لیکن پہلی مرتب کوئی وکیل یا بیرسٹر جائے گا تو یہ اطمینان کیا جائے گا کہ یہ قانون کا طالب علم رہا ہے اور قانون کی سند اس کے

پاس ہے یا نہیں، پھر یہ دیکھا جائے گا کہ موکل نے بھی اس کو اپنا ترجمان بنایا ہے یا نہیں، لیکن دین کا معاملہ عجیب وغریب ہے کہ اس کی حقیقت معلوم کئے بغیر، اس کی تاریخ معلوم کئے بغیر، اس کی روح معلوم کئے بغیر ہر شخص اپنا حق سمجھتا ہے کہ اس کے بارے میں مشورہ دے، اور یہاں تک کہ ترمیم اور اصلاح کا مطالبہ کرے، اور اگر اس کو قبول نہیں کیا جاتا تو اس دین کے ماننے والوں پر جمود وجہالت کا الزام لگایا جاتا ہے اور ان کو کم عقل ثابت کیا جاتا ہے۔

میں اصلاً مذہب کا طالب علم ہوں، زیادہ سے زیادہ تاریخ وادب کا طالب علم ہوں، میں کسی وقت یہ جرات نہیں کرسکتا کہ کسی ایسے فن یا مسئلہ میں دخل دوں جس کے مبادی Fundamentals سے بھی ناواقف ہوں، اگر کوئی شخص سائنس کے مبادی، فزکس کے مبادی یہاں تک ریاضی کے مبادی سے (جو روزمرہ کی ضرورت ہے) ناواقف ہے تو دنیا کا کوئی پڑھا لکھا انسان اس کو اجازت نہیں دے سکتا کہ وہ یہ کہے کہ فلاں ماہر ریاضی نے یہ نتیجہ جو نکالا ہے غلط ہے! لیکن کیا مذہب ہی ایک ایسی چیز رہ گئی ہے کہ اس کے متعلق جس کا جی چاہے، جس وقت جی چاہے اور جس انداز میں جی چاہے مشورہ دیا جائے، اس کی ترجمانی کی جائے، اور اس میں خامیاں نکالی جائیں اور اس میں ترمیمات پیش کی جائیں، اس سے پورے نظام علم پر اثر پڑے گا، عصر حاضر کا سارا نظام اعتماد واختصاص پر چل رہا ہے، کیا مذہب ہی ایک ایسی چیز ہے، جس کے ماہرین خصوصی کی کوئی قیمت نہیں؟ پھر مذہب کی ایک زبان ہوتی ہے، مذہب کے اصطلاحات ہوتے ہیں، اس کے الفاظ کے اعماق (گہرائیاں) وآفاق (وسعتیں) ہوتے ہیں، ان کی نفسیات ہوتی ہیں، یہ ساری چیزیں جانے بغیر کوئی شخص بھی (خواہ وہ مسلمان ہو، غیر مسلم ہو اور کسی گروہ کا آدمی ہو) اگر کہتا ہے کہ صاحب! مسلمانوں کے عائلی قانون کا فلاں مسئلہ غلط ہے تو وہ اپنی حدود سے تجاوز کرتا ہے، وہ پورے سیاق وسباق سے ناواقف ہے، اس توازن وتناسب سے ناواقف ہے جس کا لحاظ رکھا گیا ہے، آپ یہ نہیں دیکھتے کہ اگر ایک مکمل ڈھانچہ اور جامع ماحول کے متعلق کچھ کہا جاتا ہے تو اس کو مجموعی طور پر دیکھنا ہوتا ہے، حالت یہ ہے کہ چوراہے پر کھڑے ہوکر (اور یہ اخبارات بھی ایک طرح کے گھومتے پھرتے چوراہے ہیں) جس کا جی چاہتا ہے قلم اٹھا کر لکھ دیتا ہے، اس سے ایک انارکی پیدا ہوتی ہے، ذہنی انارکی سیاسی انارکی سے کہیں زیادہ خطرناک ہے، آپ نے دیکھا ہوگا کہ ملکوں کی تاریخ میں پولیٹیکل

انارکی سے پہلے مینٹل انارکی اور اخلاقی انتشار پیدا ہوتا ہے۔ اسلام کے بارے میں ذمہ دارانہ طور پر عرض کرسکتا ہوں کہ اس کا ایک طالب علم ہوں، فاضل نہیں کہتا لیکن مانا ہوا طالب علم ہوں، اور یہ بال اسی طالب علمی میں سفید ہوئے ہیں کہ دین کے متعلق پہلے اس حقیقت کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اس کا تعلق وحی الٰہی سے ہے، شریعت آسمانی سے ہے، اس کے لانے والے پیغمبر ہیں، یہودی تک اپنے دین وملت کے بارے میں غیور واقع ہوئے ہیں، آپ کسی یہودی سے یہ کہہ کر دیکھئے کہ تمہارا یہ مسئلہ غلط ہے، تمہارا یہ قانون غلط ہے، تو وہ کہے گا کہ ہمارے قانون کا تعلق شریعت موسوی سے ہے، بائبل سے ہے، ہم تو اس کے پابند ہیں، ساری دنیا بھی اگر کہے کہ یہ غلط ہے تو ہم اسے ماننے کے لئے تیار نہیں، چنانچہ آج بھی اسرائیل کا پورا نظام معاشرت اوران کا عائلی قانون اسی پر چل رہا ہے۔

یہودیوں کے ذکر پر مجھے ایک بات یاد آ گئی، اسرائیل سے ایک پرچہ نکلتا تھا، اس میں ایک مقدمہ کی کارروائی تھی، اس میں ایک مضمون تھا کہ اسرائیل کے عرب مسلمان باشندوں نے اسرائیل کی عدالت عالیہ میں یہ رٹ دائر کی کہ ہمیں تعدد ازواج کی اجازت دی جائے، اس لئے کہ ہمارے یہاں تعدد ازواج کی اجازت ہے، فاضل جج نے وقت مانگا۔ اس نے کہا کہ اسلام کے جو اولین ماخذ ہیں اور جو کتابیں سند کا درجہ رکھتی ہیں، میں ان کا مطالعہ کروں گا، اسرائیل میں یہودیوں کی ایک بڑی تعداد عربی سے واقف ہے، وہ پہلے سے فلسطین میں رہتے تھے، وہ بے تکلف عربی بولتے ہیں، جج نے قرآن اور احادیث کا مطالعہ کیا، فقہ کی کتابوں کا مطالعہ کیا، اس نے اپنے فیصلہ میں لکھا کہ میں بداہتاً اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ تعدد ازواج کی قرآن وسنت اور اسلامی شریعت میں کھلی اجازت ہے اور ہم اس کا علمی وتاریخی طور پر انکار نہیں کرسکتے، لیکن چونکہ فلاں اسلامی ملک میں اس پر پابندی عائد کردی گئی ہے، اس لئے اسرائیل کو جو ایک غیر اسلامی ملک ہے اور شریعت اسلامی کا پابند نہیں، ضرور اس کا حق پہنچتا ہے کہ وہ یہاں کی مسلم آبادی پر پابندی عائد کرے۔

پھر اس مسئلہ پر ملک اور اہل ملک کی توانائیاں کیوں ضائع کی جارہی ہیں، ملک اور اہل ملک کی زندگی کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے، ملک کی تعمیر وترقی کے لئے یہ ضروری ہے کہ غیر ضروری ذہنی انتشار، بدگمانی اور خوف کی فضا ختم کی جائے، کوئی ملک اس طرح ترقی نہیں کرسکتا کہ اس کی

آبادی کے مختلف عناصر میں اپنے مستقبل کے بارے میں شکوک وشبہات ہوں، اور اس سے بڑھ کر ملک کے لئے بدخواہی نہیں ہوسکتی کہ وہ توانائی جو ملک کی سالمیت، اس کی حفاظت اور تعمیر و ترقی میں صرف ہونی چاہئے تھی وہ شکوک وشبہات کے رفع کرنے میں یا وہ شکوک وشبہات کی فضا میں زندگی گذارنے میں خرچ ہو، میں ایک قدم آگے بڑھا کر کہتا ہوں کہ اگر ہم اس اندیشہ میں مبتلا ہیں کہ ہماری آئندہ نسل ہماری طرح ان چیزوں کی معتقد اور ان پر یقین کرنے والی نہیں ہوگی، جن پر ہم اعتقاد رکھتے ہیں اور جو ہمارے لئے ضروری ہیں تو مسلمانوں کے اندر ایک تذبذب اور اندرونی انتشار کی وہ کیفیت پیدا ہوگی جو صرف مسلمانوں کے لئے مضر نہیں، ملک کے لئے بھی مضر ہے، یہ ہرگز دانشمندی کی بات نہیں ہے کہ جب ملک میں کوئی مصیبت نہیں آئی، کوئی سائیکلون نہیں ہے، کوئی ایمرجنسی کی کیفیت نہیں ہے، کوئی آسمان سے اولے یا گولے نہیں برس رہے ہیں، کسی نے اس لئے حملہ نہیں کیا ہے کہ آپ مسلمانوں کے پرسنل لاء میں تبدیلی کرائیے ورنہ ہم اس ملک پر قبضہ کرتے ہیں، پھر اس کیا وجہ ہے کہ وقتاً فوقتاً یہ آواز بلند ہوتی رہتی ہے کہ مسلم پرسنل لاء میں ترمیم کی جائے؟

۲۔ دوسری ضروری بات یہ ہے کہ دین اسلام کے دائرہ کو سمجھ لیا جائے۔ اس بارے میں مذاہب میں خود اختلاف ہے، اور اس میں درجوں کا فرق ہے، کئی مذہب ایسے ہیں کہ وحی و نبوت سے ان کا آغاز ہونے کے باوجود انہوں نے مذہبی زندگی کو ایک خاص دائرہ میں محدود کرلیا ہے۔ مثلاً عبادات کے دائرہ میں، لیکن اسلام کا معاملہ یہ نہیں ہے، اسلام میں دین کا دائرہ پوری زندگی پر محیط ہے، یہ ایک اساسی حقیقت ہے جو عبد ومعبود کے تعلق کو سمجھے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتی، ہر مسلمان خدا کا فرمانبردار بندہ ہے، اور اس کا تعلق خدا سے دائمی ہے، عمومی ہے، عمیق بھی ہے اور وسیع بھی ہے، محدود بھی ہے، جامع بھی، قرآن شریف میں ہے:

یاایها الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کآفة ولا تتبعوا خطوات الشیطن انه لکم عدو مبین

(اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے دخل ہوجاؤ، اور شیطان کے پیچھے نہ چلو، وہ تو تمہارا صریح دشمن ہے۔)

یہاں تحفظ نہیں، رزرویشن نہیں کہ اتنا آپ کا، اتنا ہمارا، اتنا ملک، اتنا اسٹیٹ کا، اتنا خدا کا

اور اتنا خاندان کا اور قبیلہ کا، اتنا دین وملت کا اور اتنا سیاسی مفادات کا نہیں جو کچھ ہے سب خدا کا ہے، یہاں سب عبادت ہی عبادت ہے، مسلمان کی پوری زندگی عبادت ہے، مسلمان کی پوری زندگی خدا کے سامنے عاجزانہ، غلامانہ ہے، اسلام خدا کے سامنے مکمل سپردگی اور اپنے کو بلاشرط حوالہ کرنے کا نام ہے Surrender وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس وقت وراثت میں ہمارے اقتصادی حالات کا تقاضہ کچھ اور ہے، یہاں کی مجبوریاں، یہاں کے تمدنی تقاضے، معیار زندگی اور ہمارے خاندان کی پچھلی تاریخ، یہ سب اس بات کے متقاضی ہیں کہ ہم وراثت تقسیم نہ کریں، ہم اس زمین کو اسی طرح باقی رکھیں، کم سے کم لڑکیوں کو حصہ نہ ملے اس لئے کہ شادی کے بعد یہ حصہ ان کے گھروں کو چلا جاتا ہے، اس کا بالکل اختیار نہیں، اس بات کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ دین کا دائرہ پوری زندگی پر حاوی ہے اور اس میں کسی کو بھی ترمیم کرنے کا حق نہیں، بڑی سے بڑی عدالت، بڑی سے بڑی قوت حاکمہ اور بڑی سے بڑی ہیئت منتظمہ اور بڑی سے بڑی دانش گاہ اور یہاں تک کہ بڑے سے بڑے مجتہد اور امام وقت کو بھی ان چیزوں میں جو قرآن مجید منصوص وقطعی ہیں ایک لفظ، ایک نقطہ کی ترمیم کرنے کی اجازت نہیں ہے، یہ سارے علماء بیٹھے ہوئے ہیں، ان کے سامنے کہہ رہا ہوں، اور اگر یہ بات غلط ہے تو ان کا دینی تجر اور احساس فرض انہیں مجبور کرے گا کہ یہ میری تردید کریں۔

ان دو حقیقتوں کو اگر سمجھ لیا جائے کہ ایک تو یہ کہ دین ہمیں وحی سے ملا ہے، پیغمبر کو بھی اس پر عمل کرنے کا حکم ہے، قرآن مجید میں صاف صاف آتا ہے۔

ثم جعلنک علی شریعة من الامر فاتبعها ولا تتبع اهواء الذین لایعلمون

(اے پیغمبر ﷺ) ہم نے آپ کو دین کے خاص طریقہ (شریعت) پر کر دیا ہے، تو آپ اسی پر چلتے جائیے، اور بے علموں کی خواہشوں کی پیروی نہ کیجئے۔)

نبی معصوم اور نبی محبوب سے یہ کہا جا رہا ہے تو ہم سے کیسے مطالبہ کیا جا سکتا ہے کہ ہم شریعت کو بدل دیں۔

یہ دو حقیقتیں ہیں جن کو سمجھنے کے بعد اس غلط فہمی کا پردہ چاک ہو جاتا ہے اور ایک غیر ضروری صورت حال کا مقابلہ کرنے اور اس پر اپنی ذہانت صرف کرنے سے ہمیں چھٹی مل جاتی

ہے اور ملک وحکومت کو دوسرے ضروری کاموں کے لئے وقت بچ جاتا ہے۔

ہم سے کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کی وحدت کے لئے، سالمیت کے لئے اور مشترک وطنی شعور کے لئے ضروری ہے کہ ایک مشترک واحد عائلی قانون نافذ ہو، تو میں ایک سیدھی سی بات پوچھتا ہوں، اسکول کا بچہ بھی اس کا جواب دے سکتا ہے کہ پہلی جنگ عظیم جو ہوئی تھی، وہ اصلاً و ابتداءً برطانیہ اور جرمنی کے درمیان ہوئی تھی، جرمن اور انگریز دونوں نہ صرف یہ کہ کرسچین ہیں بلکہ پروٹسٹنٹ بھی ہیں، اور ان کا عائلی قانون بالکل ایک ہے، یہ کوئی بھی شخص معلوم کرسکتا ہے کہ جہاں تک عیسائی قانون کا تعلق ہے ایک ہے، پھر یہ دونوں دشمنوں کی طرح کیوں لڑے؟ اگر یونیفارم سول کوڈ جنگ کو روک سکتا ہے اور نبرد آزمائی اور تصادم سے باز رکھ سکتا ہے تو اس کو وہاں روکنا چاہئے تھا، پھر دوسری جنگ عظیم کا بھی یہی حال تھا کہ کرسچین اور پروٹسٹنٹ جن کی تہذیب بھی، عائلی قانون بھی بلکہ معاشرت بھی ایک ہے، وہ اس طرح سے لڑے جیسے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوں، آپ عدالتوں میں بھی جا کر دیکھ آیئے کہ جو مقدمے آتے ہیں، مسلمان مسلمان کے خلاف مدعی ہے، مسلمان مسلمان کا مدعیٰ علیہ ہے اور مسلمان مسلمان کی عزت کو خاک میں ملا دینا چاہتا ہے، اس کے گھر پر ہل چلا دینا چاہتا ہے؛ ان دونوں کا عائلی قانون بھی ایک ہے، بعض اوقات خون بھی ایک ہوتا ہے، دونوں فریق ایک نسل، ایک خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، درحقیقت اختلافات اور دشمنیوں کا تعلق نفسانیت سے، دولت پرستی کے جنون سے ہے، نفس پرستی اور مادیت سے ہے، اس کا تعلق غلط نظام اور نصاب تعلیم سے ہے جس نے اخلاقیات کو یکسر نظر انداز کردیا ہے، اس کا تعلق ہرگز عائلی قانون کے اختلاف سے نہیں ہے، یہ میں ڈنکے کی چوٹ پر کہتا ہوں اور چیلنج کرتا ہوں کہ عائلی قانون ایک ہوجانے سے اخلاقی صورت حال میں قطعاً ایک ذرہ کا فرق بھی نہیں پڑے گا، پھر کیوں بار بار اس کا حوالہ دیا جاتا ہے کہ یونیفارم سول کوڈ یکساں ہونا چاہئے، تا کہ آپس میں اتحاد اور الفت پیدا ہو۔

حضرات! جاننے والے جانتے ہیں کہ میرا اس گروہ اور خاندان سے تعلق ہے جس نے سب سے پہلے انگریزوں کے خلاف علم جہاد بلند کیا اور بیش از بیش حصہ لیا، کلکتہ کی یہ سرزمین خاص طور سے اس کی شہادت دیتی ہے کہ وہ ایمانی قافلہ حجاز جاتے ہوئے یہیں سے گذرا تھا، اسی خلیج بنگال سے روانہ ہوا تھا اور اپنے مستقر سے یہاں تک ایمان، توحید وسنت اور دینی حمیت

کی روشنی پھیلاتا ہوا آیا تھا، اسی نے سارے ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف جہاد کی روح پھونک دی، قرآن کہتا ہے کہ تمہیں عصبیت، بغض اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف کا دامن ہاتھ سے جانے دو، اور تعصب اور حق پوشی سے کام لو۔

ولا یجرمنکم شنآن قوم علیٰ الا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی

(اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو، انصاف کیا کرو کہ یہی پرہیزی کی بات ہے۔)

انگریز اس بارے میں زیادہ حقیقت پسند تھے، انہوں نے جب ہندوستان میں حاکمانہ طریقہ پر قدم رکھا تو انہوں نے اچھی طرح یہ سمجھ لیا کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کے عائلی قانون میں دخل نہیں دینا چاہئے، ان کو اس میں آزاد رکھنا چاہئے، اسی کے نتیجہ میں ہندوستان میں محمڈن لا، کا اتنا بڑا کام ہوا، اسی کلکتہ کی سرزمین پر اور خاص طور پر یادش بخیر رائٹ آنریبل جسٹس سید امیر علی کے ہاتھوں اور سر عبدالرحیم وغیرہ کے ذریعہ ہوا۔ انگریزوں نے دو کام بڑی عقلمندی کے کئے، انہوں نے اس بات کو پالیا کہ بے ضرورت جذبات مجروح نہیں کرنا چاہئے اور مشکلات نہیں پیدا کرنی چاہئیں، یہ ایک ایسی قوم کا طرز عمل ہوتا ہے جو حکمرانی کا تجربہ رکھتی ہے، انہوں نے دو باتیں طے کیں، ایک تو یہ کہ عائلی قانون اور مذہب میں مداخلت نہیں ہونی چاہئے، دوسری بات یہ کہ نظام تعلیم سیکولر ہونا چاہئے کہ بلی کے قصے پڑھاؤ مگر کسی دوسرے مذہب کی تلقین نہ کرو، ہم نے انگلش پرائمر اور ریڈریں پڑھی تھیں، ان میں شروع سے آخر تک یہ دیکھا کہ جنوں اور بھتوں پر بتوں تک کے قصے اور افسانے آئے، جانوروں کے قصے آئے لیکن کہیں یونانی رومن دیو مالا کی بات، کرسچین میتھالوجی کی بات نہیں آئی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک اطمینان کی کیفیت رہی، وہ بنیادیں دوسری تھیں جن بنیادوں پر ہندوستان کے مسلمانوں نے اور دوسرے عناصر نے مل کر یہاں غلامی کا جوا اپنے سر سے اتار کر پھینک دیا اور جنگ آزادی لڑی، ان دونوں دانشمندانہ فیصلوں نے ان کی حکومتوں کی بقاء میں مدد کی اور اس کی مدت کو دراز کیا، ورنہ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں، اپنے تاریخ کے مطالعہ کی روشنی میں کہتا ہوں کہ جو واقعہ ۱۸۵۷ء میں پیش آیا وہ ۱۷۵۷ء میں پیش آجانا چاہئے تھا۔ یہ سو برس سے زائد جو انہوں نے یہاں اطمینان سے حکومت کی، اس میں ان کی اس دانشمندی کو دخل ہے کہ باشندگان ملک

کی مذہبیات میں ان کے عائلی قانون میں دخل نہ دو، ان کے نظام تعلیم میں دخل نہ دو ان کو سیکولر طریقہ سے پڑھاؤ، اپنے اپنے مذہب کے مطابق یہ عقیدہ رکھیں عمل کریں۔

میں یہ بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مسلمان اگر مسلم پرسنل لاء (شرعی عائلی قانون) میں تبدیلی قبول کرلیں گے تو آدھے مسلمان رہ جائیں گے، اور اس کے بعد خطرہ ہے کہ آدھے مسلمان بھی نہ رہیں۔ فلسفہ اخلاق، فلسفہ نفسیات اور فلسفہ مذاہب کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ مذہب کو اپنے مخصوص نظام معاشرت وتہذیب سے الگ نہیں کیا جاسکتا، دونوں کا ایسا فطری تعلق اور رابطہ ہے کہ معاشرت مذہب کے بغیر صحیح نہ رہ سکتی، اور مذہب معاشرت کے بغیر موثر و محفوظ نہیں رہ سکتا، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مسجد میں آپ مسلمان ہیں (اور مسجد میں کتنی دیر مسلمان رہتا ہے اور اپنے سارے شوق عبادات کے باوجود؟) اور گھر میں مسلمان نہیں، اپنے معاملات میں مسلمان نہیں، اس لئے ہم اس کی بالکل اجازت نہیں دے سکتے کہ ہمارے اوپر کوئی دوسرا نظام معاشرت، نظام تمدن اور عائلی قانون مسلط کیا جائے، ہم اس کو دعوتِ ارتداد سمجھتے ہیں اور ہم اس کا اس طرح مقابلہ کریں گے، جیسے دعوت ارتداد کا مقابلہ کیا جانا چاہئے اور یہ ہمارا شہری، جمہوری اور دینی حق ہے، اور ہندوستان کا دستور اور جمہوری ملک کا آئین اور مفاد نہ صرف اس کی اجازت دیتا ہے، بلکہ اس کی ہمت افزائی کرتا ہے کہ جمہوریت کی بقاء اپنے حقوق کے تحفظ اور اظہار خیال کی آزادی اور ہر فرقہ اور اقلیت کے سکون واطمینان میں مضمر ہے۔

آخر میں آپ کے اس اعتماد واعزاز کا نیز آپ کی توجہ والتفات کا شکریہ ادا کرتا ہوں جس کا آپ نے مجھے اپنے خیالات کے بے لوث وآزادانہ طریقہ پیش کرنے کی اجازت دے کر اظہار فرمایا ہے۔

یہ مانا اصل شاہینی ہے تیری
تری آنکھوں میں بیباکی نہیں ہے
ترا اندیشہ افلاکی نہیں ہے
تری پرواز لولاکی نہیں ہے

(اقبالؒ)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اسلام میں اجتماعی اور ذاتی زندگی کا تصور

ذیل کا مضمون حضرت مولانا رحمۃ اللہ کی وہ تقریر ہے جو مدرسہ دینیہ غازی پور (ہندوستان) کے تاریخ ساز سالانہ اجلاس منعقدہ ۲۴ اپریل ۱۹۹۴ء کی شب میں ایک بڑے مجمع میں ہوئی۔

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين وخاتم النبيين محمد وآله وصحبه أجمعين أمابعد ، اعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم ، يأيها الذين آمنوا ادخلوا فى السلم كافةً ولا تتبعوا خطوات الشيطان انه لكم عدو مبين۔

حضرات: ابھی آپ کے سامنے جو خطبہ استقبالیہ پڑھا گیا ہے، اُس میں میرے خاندان کا اور میرے بزرگوں کا جو تعلق رہا ہے، وہ قابل قدر ہے اور میرے لئے بھی فخر کی بات ہے، آپ حضرات نے جس محبت واحترام اور برادرنوازی کا ثبوت دیا ہے، اس کا تقاضہ ہے کہ میں بھی آپ کی خدمت میں وہ چیز پیش کروں جو بہتر سے بہتر تحفہ ہو، آپ نے میری خاطر داری میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، محبت سے پیش آئے، اس لئے احسان شناسی کا تشکر اور شرافت کا، یہ تقاضہ ہے کہ اپنے میزبانوں کے لئے جو قیمتی سے قیمتی چیز ہو وہ پیش کردوں جو عمر بھر کے لئے اجتماعی زندگی کے لئے ذاتی زندگی کے لئے، دعوتی زندگی اور نمونہ والی زندگی کے لئے کافی ہو۔

آپ کے سامنے میں نے ابھی قرآن حکیم کی ایک آیت پڑھی ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اے ایمان والو، اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو، اسلام کا مطالبہ ہے کہ سو فیصدی مسلمان سو فیصدی اسلام میں داخل ہو جائیں، ان الفاظ پر آپ غور کریں، مطالبہ ان سے ہے جو ایمان والے ہیں، کلمہ پڑھنے والے ہیں، اسلام کو اپنا مذہب بنانے والے ہیں، مطالبہ دس بیس یا پچاس فیصدی سے نہیں ہے بلکہ سو فیصدی سے ہے، اسلام کہتا ہے کہ سو فیصدی مسلمان جنھوں نے کلمہ پڑھ لیا اور اعلان کردیا کہ

ہم مسلمان ہیں بس ان پر اسلام کا قانون لاگو ہو گیا، کوئی استثنا نہیں، کسی قسم کا ریزرویشن یا کوٹہ نہیں، اسلام کے قوانین پر اور ضوابط پر عمل کرنا ہوگا، مسلمان بھی سو فیصدی اور اسلام بھی سو فیصدی، کسی کو یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ اسلام بحیثیت عقیدے کے مقبول ہے، لا الٰہ اللہ محمد رسول اللہ پر ہمارا ایمان ہے لیکن فرائض کے مقابلہ میں ذرا استثناء چاہیے کیونکہ ہم بہت مشغول ہیں، بڑی محنت سے کمانا پڑتا ہے، بڑی محنت سے اپنی اور اپنے گھر والوں کی گذر اوقات کا سامان کرنا پڑتا ہے، یہ پانچ وقت کی نمازیں ہمارے اوپر بڑی بھاری ہیں، اس میں تھوڑی سی رعایت کر دیجیے ہم مغرب اور عشاء کی نماز دفتر سے آ کر پڑھ لیا کریں گے، فجر کی نماز سب سے زیادہ مشکل ہے، رات میں بہت دیر سے سونا ہوتا ہے اور دو ہی تین گھنٹوں کے بعد فجر کا وقت ہو جاتا ہے، ظہر کی نماز کا وقت خاص کاروبار کا وقت ہوتا ہے، اگر ہم طالب علم ہیں تو اسکول کالج میں ہیں، لیکچرر یا پروفیسر ہیں تو یونیورسٹی میں ہیں، اگر ہم دفتر کے ملازم ہیں یا تاجر ہیں تو یہی وقت بڑی مصروفیت کا ہوتا ہے لین دین کا خرید وفروخت کا ہے، ظہر وعصر کا وقت بازاروں کی رونق کا وقت ہے، سانس لینے کا بھی موقع نہیں ملتا، لہٰذا ہمیں اس سے مستثنیٰ کر دیں، ہمارے لئے یہ پانچوں وقت کی پابندی بہت مشکل ہے۔ بیشک ہم مسلمان ہیں، لیکن ہمیں اس میں کچھ رعایت چاہیئے، سن لیجئے کہ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا، قرآن مجید میں صاف لکھا ہوا ہے کہ نماز سب پر فرض ہے، وقت کی پابندی کے ساتھ، فجر کی نماز سورج نکلنے سے پہلے ظہر کی زوال کے بعد، عصر کی غروب سے پہلے اور مغرب کی سورج غروب ہونے کے بعد، عشاء کی نماز جب عشاء کا وقت داخل ہو جائے، اگر کوئی یہ کہے کہ ٹھیک ہے نمازیں بہت ضروری ہیں اور اس میں استثنا بھی نہیں ہے، مگر یہ روزے تو بہت مشکل ہیں، اس کے رکھنے سے آدمی کمزور ہو جاتا ہے، صحت خراب ہو جاتی ہے، اور ہماری تو صحت یوں ہی اکثر خراب رہتی ہے، اور پھر یہ زمانہ ہے مشغولیت کا، یہ موسم ہے گرمی کا، اس میں تو روزوں کی پابندی کسی طرح ممکن نہیں ہے۔

ابھی مجھے ایک لطیفہ یاد آیا، ہم ایک بار مسلم پرسنل لا کے سلسلہ میں راجیو سے جی ملنے گئے، ہم نے ان سے کہا کہ بات کو کسی نتیجہ تک پہنچا دیجئے، کیونکہ روزہ آنیوالا ہے، رمضان میں میرا آنا بہت مشکل ہوگا، راجیو جی شریف خاندان کے آدمی تھے، انھوں نے بڑے بھولے پن سے کہا، مولانا صاحب آپ روزہ جاڑوں میں کیوں نہیں رکھتے میں نے فوراً ان سے کہا، یہ

بات اب کسی سے نہ کہئے گا ورنہ پرسنل لا سے بڑھ کر دوسرا مسئلہ کھڑا ہو جائے گا، واویلا مچ جائے گا، ہوسکتا ہے بات پریس میں آ جائے کہ راجیو جی نے مولانا علی میاں سے کہا ہے کہ مسلمان اپنے روزے جاڑوں کے موسم میں ہی رکھا کریں روزہ تو اپنے وقت ہی سے ہوگا چاہے گرمی میں ہو یا جاڑے میں یا برسات میں، سب کو رکھنا ہوگا اور اس کے وقت پر رکھنا ہوگا، کوئی صاحب یہ فرمائیں کہ زکوٰۃ کا مسئلہ بڑا ٹیڑھا ہے، سال کے آخر میں سارے مال پر، دولت پر، ایک ایک پائی جوڑ کر زکوٰۃ نکالی جائے، یہ تو بہت مشکل ہے، ہمیں تو اس سے معاف ہی رکھیئے، ہم یہ عرض کریں گے کہ اسلام کے چار ارکان میں سے زکوٰۃ بھی ایک رکن ہے، اسلام کی عمارت اس پر ٹکی ہوئی ہے، اس عمارت کو آپ کمزور کیوں کرتے ہیں، اس کے بعد حج کا معاملہ آتا ہے، اتنا لمبا سفر اور اتنے کثیر اخراجات، جان کا خطرہ الگ، فی زمانہ کوئی زیادہ خطرہ نہیں ہے، لیکن ایک زمانہ تھا کہ ہندوستان کے مسلمان نے سمندری سفر کے خطرات کی وجہ سے حج ترک کر دیا تھا اور بعضے علماء نے یہ فیصلہ دے دیا تھا کہ حج ہندوستان کے مسلمان پر فرض نہیں ہے، ابھی خطبۂ استقبالیہ پر بھی تذکرہ کیا گیا کہ حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے مقدس حج کے فریضہ کو دوبارہ شروع کیا، زندہ کیا، اس زمانہ میں بادبانی جہاز تھے، اس میں چادریں لا دی جاتی تھیں، ہوا کے رخ پر وہ جہاز چلتے تھے، اتنا وقت لگتا تھا کہ بعض مرتبہ حج کا وقت نکل جاتا تھا بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا تھا کہ ہوا ان بادبانی جہازوں کو کہیں اور پہنچا دیتی تھی، حضرت سید احمد شہیدؒ نے یہ خطرہ محسوس کیا کہ کہیں حج کی رسم ہی ہندوستان سے ختم نہ ہو جائے اس لئے آپ نے حج کے سفر کا ارادہ کیا، فیصلہ اور اعلان کر دیا کہ جس کا دل چاہے ہمارے ساتھ حج کے لئے چلے، جیسے بھی ہوگا، محنت مزدوری کرنی پڑے گی تو کریں گے، مگر حج ضروری کریں گے، جو لوگ جائیں گے، ان کا کھانا پینا ہمارے ذمہ ہوگا، رائے بریلی سید صاحب ڈلمئو آئے، کشتی سے ہوتے ہوئے غازی پور آئے اور پھر واپسی میں غازی پور سے گذرنا ہوا، انھوں نے حج کے فریضہ کو زندہ کرنے کے لئے اتنا بڑا اقدام کیا، جس کو کوئی نظیر ہندوستان کی تاریخ میں، بادشاہوں کی زندگیوں میں، بزرگوں کے حالات میں نہیں ملتی، اتنی بڑی تعداد میں لوگوں نے حج کا سفر کیا ہو، اس کی کوئی تاریخ ہمیں نہیں ملتی، میں تاریخ کا طالب علم ہوں اور تاریخ نگار بھی، میں کہہ سکتا ہوں کہ ہندوستان کی تاریخ میں کہیں نہیں ملا کہ اتنی بڑی جماعت کے ساتھ کسی نے حج کیا ہو،

جب سید صاحب کلکتہ پہونچے تو یہ حالت تھی کہ انگریز تک تماشہ دیکھنے آئے، مکانات کی چھتوں پر چڑھ کر دیکھ رہے تھے، کہ آخر کیا بات ہے، یہ کون لوگ ہیں، سات سو آٹھ سو آدمیوں کا کھانا سید صاحب کے ذمہ تھا، لوگ توبہ کر رہے ہیں، لوگ اسلام لا رہے ہیں، عجیب منظر تھا، گویا ایک زلزلہ سا آ گیا تھا، دینی زلزلہ، روحانی زلزلہ۔

ہماری گفتگو اور ہمارے دلائل میں مطمئن ہو کر اگر کوئی صاحب یہ فرمانے لگیں کہ مولانا صاحب آپ کی باتیں ٹھیک ہیں، ہم سے نمازوں یا روزوں کی ادائیگی و پابندی میں کوتاہی ہو جائے سستی ہو جائے لیکن ہم بہر حال مانتے ہیں کہ یہ اسلام کے فرائض ہیں لیکن یہ بھی خیال کیجئے کہ یہ ہماری شہری زندگی ہے، کچھ معاشرتی طریقے ہیں، برادرانہ زندگی ہے، پڑوس کے معاملات ہیں، برادران وطن سے ہمارے کچھ تعلقات ہیں، ہمارے خاندان کے کچھ مخصوص رسم ورواج ہیں، ہماری برادری کے مقرر کردہ کچھ ضوابط ہیں، ہماری حیثیت عرفی کے کچھ تقاضے ہیں، ہم ایک SOCIOL CLASS سے تعلق رکھتے ہیں، اس لئے ہمیں کم از کم شادی بیاہ اپنے ڈھنگ سے اور اپنی پسند سے کرنے دیجئے، اگر آپ بڑے گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں تو ظاہر ہے شاندار شادی کریں گے، ہزاروں لوگوں کو شادی میں بلائیں گے، سینکڑوں لوگ بارات میں آئیں گے لڑکی کو اتنا جہیز دیں گے اور اپنی دولت وثروت کا ایسا مظاہرہ کریں گے کہ لوگ حیران رہ جائیں گے دلیمہ کی دعوت میں آدھا شہر اٹد پڑے گا، آپ یہ کہیں گے کہ ایسے موقعوں پر ہمارے اوپر کوئی پابندی نہ لگائی جائے، ہم جو چاہیں کریں، جیسے چاہیں کریں، جائیداد گروی رکھنی پڑے، کھیت بیچنا پڑے تو کوئی مضائقہ نہیں، کوئی ہمارے آڑے نہ آئے تو میں آپ کو بتاتا ہوں اسلام اس کی اجازت بالکل نہیں دیتا، اسلام نے زندہ رہنے کا ایک طریقہ بتایا ہے، عبادات کا ایک ضابطہ مقرر کیا ہے، آپ اس سے باہر نہیں نکل سکتے، پتہ نہیں پھر میرا غازی پور آنا ہو یا نہ ہو صحت کا اعتبار نہیں، زندگی کا کچھ اعتبار نہیں ضعیف ہو گیا ہوں، اس لئے خیر خواہی کے جذبہ سے جو چیز مسلمانوں کے لئے بہتر سمجھتا ہوں کہہ رہا ہوں تا کہ میرا سفر رائیگاں نہ جائے، محنت وصول ہو جائے، آپ نے میرے ساتھ جو کریمانہ، عزیزانہ، برادرانہ اور شریفانہ سلوک کیا، اس کا کچھ شکریہ ادا ہو سکے، اگر میری بات ذرا سخت معلوم ہو تو آپ معاف کر دیں گے، کہیں آپ یہ نہ سوچنے لگیں کہ ہم تو آئے تھے کچھ اور سننے کے لئے، صحابہ کے

واقعات، بزرگوں کی کرامات، علمی نکتے سننے کے لئے آئے تھے، تو خدا کا شکر ہے یہ چیزیں ہمارے لئے کچھ مشکل نہیں ہیں، علمی مرکز سے ہمارا تعلق ہے، دوسری ملکوں میں جانا ہوتا ہے، یونیورسٹیوں کی سطح کے مطابق ان کی اکیڈمی کی سطح کے مطابق تقریریں کرنی ہوتی ہیں، مگر میں اس وقت آپ سے صاف صاف اور کھری کھری باتیں کرنا چاہتا ہوں، بہت ایمانداری اور دیانتداری کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ اسلام ایک ضابطہ حیات ہے، اس میں استثنا ہے ہی نہیں، یہ نہیں ہوسکتا کہ عبادات میں تو آپ مسلمان رہیں مگر معاملات میں کچھ اور بن جائیں، آپ کو یہ مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہے کہ عائلی قانون، پرسنل لا میں SOCIAL LIFE آزادی کا مظاہرہ کریں، جس طریقہ سے چاہیں رہیں، اسی طرح آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ماں باپ بھائی بہن کے حقوق ادا کرنا، بیوی کے حقوق ادا کرنا، پڑوسیوں کے ساتھ اچھے تعلقات قائم رکھنا اور اتنے بڑے قانون و دستور اور ضابطہ حیات کی پابندی کرنا ہمارے بس کی بات نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا، ادخلو فی السم کافة، اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ، قرآن کا یہ اعجاز ہے کہ لفظ اسلام کی جگہ سلم کا استعمال کیا، یہ س ل م اسلام کے اصلی حروف ہیں، سلم کا مطلب ہے SURRENDER کرنا یعنی سپردگی، اسلام حوالگی کا نام ہے، یعنی ہماری مصلحت، ہماری خواہش، ہمارا مفاد، ہماری روایات، ہمارا طرز زندگی قدیم، ہماری تاریخ یہ چیزیں کوئی سند نہیں ہیں، ہم خدا کے بندے ہیں، اسلام کو بحیثیت دین کے ماننے والے ہیں، رسولؐ کے ماننے والے ہیں، اسلامی قوانین کو، اسلام طریقہ زندگی کو قبول کرنے والے ہیں، اور اس کے تمام شعبوں کے ساتھ قبول کریں، وعظوں اور جلسوں میں باتیں کم کہی جاتی ہیں، وہ باتیں جو دل کو خوش کرنے والی ہیں، معلومات میں اضافہ کرنے والی ہیں، خطیب کے دھاک بٹھانے والی ہیں، ان کا رعب جمانے والی ہیں، وہ کہی جاتی ہیں، مگر روزمرہ کی باتیں، عملی باتیں کم کہی جاتی ہیں۔

میں نے اپنی تقریر کے آغاز میں جو آیت پڑھی تھی اس کی تشریح آپ کے سامنے کر رہا ہوں اور چاہتا ہوں کہ قرآن کا پیغام آپ کے دل میں اتر جائے، آپ کی زندگی میں انقلاب آ جائے، آپ کی فکر اور سوچ بدل جائے، اسی لئے میں بار بار یہ فقرہ دہرا رہا ہوں کہ مسلمان سو فیصدی مسلمان بن جائیں، وقتی مسلمان نہیں، دائمی مسلمان، ہر وقت مسلمان ہر جگہ مسلمان،

مسلمانوں میں ایک طبقہ ہے جو اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے، اس نے اپنا الگ معاشرہ بنا رکھا ہے، اپنی مرضی کے مطابق اپنی علمی سطح کے مطابق، وہ قدم قدم پر رعایت اور ریزرویشن چاہتا ہے، ایسا نہیں ہوسکتا کہ غریب طبقہ یا متوسط طبقہ کے مسلمانوں کے ساتھ اسلام کا جو معاملہ یا مطالبہ ہے، وہ خوش حال طبقہ کے مسلمانوں کے ساتھ نہ ہو، اعلیٰ سطح کے جو لوگ ہیں، ان کے لئے اسلام کا کوئی دوسرا اڈیشن تیار کیا جائے، ان کو چھوڑ دیا جائے، کہ وہ جس طرح چاہیں رہیں نہیں، ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ پاؤں کو مسجد کے اندر رکھ دیا اور سارا دھڑ باہر کر دیا، مسجد کے کنارے کھڑے ہیں اور نہ وضو سے مطلب نہ نماز سے مطلب اور کہتے یہ ہیں کہ دیکھئے ہم مسجد میں داخل ہونے کا جو حق ہے، جو فریضہ ہے، مسجد جس چیز کا مطالبہ کرتے ہے، جس مقصد کیلئے بنائی گئی ہے، اس کو پورا کیجئے۔

میرے بھائیو: اسلام ایک مکمل دین اور مکمل ضابطہ حیات ہے اور یہ دین اللہ کی طرف سے اتارا گیا ہے، اس کو عقل پر مصلحتوں پر اور اس ملک کے ماحول پر نہیں چھوڑا گیا، ورنہ پھر یہ ہوتا کہ ہندوستان کا اسلام کچھ اور ہوتا مصر کا کچھ اور ہوتا، سعودی عرب کا اسلام اور ہوتا، انگلینڈ کا اور امریکہ کا دوسرا ہوتا، اسلام کے ماڈل دنیا میں الگ الگ ہوتے، آپ آنکھ بند کر کے دنیا کے آخری کونے میں چلے جایئے، جہاں مسلمان ہیں نماز کا وقت آئے، یہی نہیں کہ وہاں نماز پڑھ سکتے ہیں بلکہ بے تکلف پڑھا بھی سکتے ہیں، کتنے ہندوستانی ہیں جو عرب ممالک میں امام ہیں، ہمارے کتنے مدرس عرب گئے، فضلاء گئے ہیں، خطبہ دیتے ہیں، حج کرتے ہیں، وہاں حج کے طریقے بتاتے ہیں، یہ اسلام ہی کی خصوصیت ہے، ہم مراقش گئے، دمشق گئے، تو وہاں یونیورسٹی کی مسجد میں جمعہ کے دن ہم سے نماز پڑھانے کے لئے کہا گیا، ہم نے وہاں نماز پڑھائی، خطبہ دیا، ہمیں نہیں سوچنا پڑا کہ یہاں کس طرح نماز پڑھی جاتی ہے، اور کیا کیا کرنا پڑتا ہے، ہمیں نہیں پوچھنا پڑا کہ یہاں خطبہ نماز سے پہلے دیا جاتا ہے یا بعد میں، یہی ایک دین جس کو گائیڈ بک کی ضرورت نہیں ہے، اسلام ایک آفاقی اور عالمی دین ہے، اسلام ایک UNIVERSAL LAW ہے، جو چیز اچھی ہے، ہر جگہ اچھی ہے، جو چیز بری ہے، ہر جگہ بری ہے، جو حرام ہے ہر جگہ حرام ہے، ایسا ہرگز نہیں کہ جو چیز ایک جگہ حرام ہے دوسری جگہ حلال اور جائز قرار دیدی جائے۔

آج کل مسلمانوں نے لاٹری خریدنا شروع کردیا ہے، جوا کھیلنا، نشہ آور چیزیں استعمال کرنا، سینما اور ٹی وی دغیرہ کا تو ذکر ہی کیا، یہ سب برائی ہیں خرابی کی جڑ ہیں۔

ایک بات اور سمجھانا چاہتا ہوں، اسلام جغرافیائی تغیر کا قائل ہے نہ تاریخی تغیر کا، یہ بھی سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اسلام میں ایسی کوئی تفریق نہیں ہے کہ ایک طبقہ کا دین کچھ ہے اور دوسرے طبقہ کا دین کچھ اور ہے، قدیم مسلم گھرانوں کا دین کچھ اور ہے، نئے نئے اسلام میں داخل ہونے والوں کا کچھ اور ہے، دین اسلام وہی ایک دین ہے جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے، یہ دین عالمی ہے، دائمی ہے، ابدی ہے، اور روحانی و کائنی وطبقاتی ہے، اس دین میں کسی کے لئے کسی قسم کی چھوٹ نہیں ہے، خلفاء راشدین تھے، سلاطین تھے، ہارون رشید ہوں، عالم گیر ہوں، شاہ جہاں ہوں اور کوئی اور بڑے سے بڑا بادشاہ رہا ہو سب کے لئے ایک دین تھا، وہی فرائض، وہی ارکان، وہی اسلامی تہذیب، سلام سب کا ایک یعنی السلام علیکم وعلیکم السلام، یہ نہیں کہ اداب عرض کہہ دیا یا ہاتھ اٹھا دیا، اسلام نے پوری دنیا کے لئے ایک نقشہ بنا دیا ہے، قرآن موجود ہے حدیث موجود ہے، سیرت موجود ہے، تاریخ موجود ہے مسلمان چودہ سو سال سے اسی پر چل رہے ہیں، یہی دنیا کا تنہا دین ہے، جس کی شکل اب تک نہیں بدلی ہے، دوسرے مذاہب والوں نے یہ اعتراف کیا ہے کہ ہمارا مذہب وہ مذہب نہیں ہے جو ہمارے پیغمبر لائے تھے، ابھی ایک کتاب شائع ہوئی ہے (ISLAM OF THE TRUE CHRISTIANITY) جس کا تعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت سے ہے، یہ ایک عیسائی کی تصنیف ہے، اس کتاب کے مصنف نے بھی اعتراف کیا ہے کہ موجودہ CHRISTIANITY سینٹ پال کی بنائی ہوئی ہے، رومن میتھالوجی ہے، حضرت عیسیٰ کو صلیب پر لٹکایا جانا یا اسی طرح کی دوسری چیزیں سینٹ پال کی گڑھی ہوئی ہیں، اصلی مسیحیت اسلام کے مطابق تھی، اس کو تبدیل کیا گیا ہے، اسلام واحد مذہب ہے جس میں کوئی ردو بدل نہیں کیا گیا، اپنے ORIGINAL FORM میں آج بھی موجود ہے، حضرت مولانا سید سلیمان ندوی نے مجھے اپنے ایک خط میں لکھا تھا کہ ہندوستان اکالتہ الامم یعنی قوموں کو کھا جانے والا ہے، یہاں جو چیزیں پہنچی ہیں وہ تحلیل ہو جاتی ہیں، اپنی اصلی شکل کھو دیتی ہیں، یہاں کتنے ہی ایسے مذاہب ہیں جنھوں نے یہاں گھل مل کر اپنی شکل کو کھو دیا، ان کو پہچاننا مشکل ہے، ہندوستان میں آکر کچھ سے کچھ ہو گئے، اسلام الحمدللہ

اپنی پوری شکل میں موجود ہے، ہم یہاں سے مصمم ارادہ کر کے اٹھیں کہ ہم سو فیصدی مسلمان سو فیصدی اسلام میں داخل ہوں، یہ نہیں کہ آدھا اسلام ہو اور آدھا اپنے زمانے کا رسم ورواج ہو، مصلحتیں ہوں، زمانے کے تقاضے ہوں، یہ نہیں ہوسکتا، کہ ہم ہندوستان میں رہیں تو یہاں کی قوموں کی تقلید بھی کریں، ان کا بھی رنگ قبول کریں ان کے ہم رنگ ہو جائیں، جس طرح دوسرے لوگ بیاہ شادی کرتے ہیں ہم بھی کرنے لگیں، فرق وامتیاز باقی رکھنا پڑے گا، گھریلو زندگی ہو یا تجارت کا میدان، زراعت ہو یا صنعت وحرفت، قانون ہو یا معاشرتی زندگی، شادی بیاہ کی تقریبات ہوں یا غمی کی، ہر موقع پر ہمیں یہ دیکھنا پڑے گا کہ اسلام کیا چاہتا ہے، ہمیں کسی وقت بھی من مانی کرنے کی اجازت نہیں ہے، **ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العالمین**، ہماری نمازیں ہماری عبادتیں اور ہمارا جینا اور مرنا سب اللہ ہی کے لئے ہے۔

یہی حضرت سید احمد شہیدؒ کا پیغام تھا، اسی پیغام کو لے کر وہ غازی پور آئے تھے اور اس شہر کے لوگوں نے اس کو قبول کیا تھا، الحمد للہ اس کے اثرات اب بھی پائے جاتے ہیں، ہمارے خاندان کے بزرگوں کا اس سرزمین سے جو تعلق رہا ہے، اس کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے، آپ اچھی طرح واقف ہیں، اور ابھی جو خطبہ استقبالیہ پڑھا گیا ہے، اس میں اس کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے، اس شہر نے حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جس طرح استقبال کیا اور ان سے فائدہ اٹھایا، اس کی نظیر کم ملتی ہے، آپ نے اس تعلق اور رشتہ کو زندہ کیا، اور مجھے آنکھوں پر بٹھایا، اس کے لئے میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور بطور تحفہ یہ واقعہ نقل کرتا ہوں، رائے بریلی میں تکیہ پر حضرت سید احمد شہیدؒ کی جو مسجد ہے وہ بلندی پر ہے، اس کے نیچے دریا بہتا ہے، اس کے کنارے ایک پتھر لگا ہوا ہے جو ڈیڑھ سو سال پہلے لگایا گیا تھا، جس کو سید صاحبؒ آپ کے اسی شہر سے لے گئے تھے اور وضو کے لئے وہاں نصب کیا تھا، حضرت سید صاحب اسی پر بیٹھ کر وضو کیا کرتے تھے ہمیں بھی کرنے کی سعادت نصیب ہوئی ہے، غازی پور وہاں بھی موجود ہے، غازی پور کا تحفہ اور تبرک وہاں آج بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

مجھے خوشی ہے کہ غازی پور کی بعض برادریوں نے شادی بیاہ میں فضول خرچی، دکھاوے اور جہیز کی لعنت سے بچنے کا فیصلہ کر لیا ہے، اور سادگی کے ساتھ چار پانچ آدمی لڑکی کے گھر جاتے ہیں اور نکاح پڑھا کر دلہن لاتے ہیں، ہماری دعا ہے کہ پورے ہندوستان میں اس

کی تقلید کی جائے۔

آج اسلامی قوانین میں مداخلت ہو رہی ہے، ہمارے پرسنل لا پر حملے ہو رہے ہیں، یہ ایک طرح کی سزا ہے، جو ہمیں مل رہی ہے، کیونکہ ہم نے خود اسلام کے قوانین کو پس پشت ڈال کر من مانی حرکتیں شروع کر دی ہیں، ہم خود اس میں ترمیم کرتے ہیں، ہم خود عمل نہیں کرتے، دوسروں سے کیا کہیں۔

ہم مسلم پرسنل لا بورڈ کے ایک خادم اور ترجمان کی حیثیت سے صاف صاف کہتے ہیں کہ ہم نہ حکومت کو اس کا حق دیتے ہیں، نہ عدالت کو اجازت دیتے ہیں کہ وہ ہمارے قانون جو فی الاصل خدا کا قانون ہے جس پر ہم ایمان لائے ہیں اس میں کسی قسم کی ترمیم یا ردوبدل کرے۔

اللہ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

ایک المناک حقیقت
اور
اس کے ازالہ کے لئے امکانی جدوجہد

جن سامعین کی ممالک اسلامیہ اور دول عربیہ (ممالک عربیہ) کے موجودہ حالات پر وسیع اور گہری نظر ہے، ان کو براہ راست وہاں کا سفر کرنے اور کبھی کبھی معتد بہ قیام کرنے کی نوبت آئی ہے، یا وہاں کے اخبارات ورسائل اور وہاں سے شائع ہونے والے لٹریچر پر ان کی مسلسل اور گہری نظر ہے اور اس کے ساتھ ان ملکوں کے ''انتظامیہ،، اور حکمران جماعتوں یا قانون ساز اداروں کے رجحانات، اقدامات، اعلانات اور تشکیل نو کے منصوبوں اور عزائم سے واقف ہونے کا ان کو موقع ملتا ہے وہ اس حقیقت سے واقف ہیں کہ ان ملکوں کے اصحاب اقتدار (اور کسی حد تک سامعین واہل فکر) میں کچھ عرصہ سے ''اسلامی اقتدار کے لئے جدوجہد،، سے ایک خوف وہراس، نزاکت احساس، جس کو ہم ادباً اگر ''توہم'' و''اختلاج'' سے تعبیر نہ کریں تو ضرورت سے زیادہ ''احساس خطر'' اور شدت اندیشہ سے تعبیر کر سکتے ہیں، یہ طرز فکر اور نفسیاتی کیفیت بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ وہ اسلام کے حدود وتعزیرات کے نافذ کرنے کا مطالبہ، معاشرہ کو اسلامی قالب میں ڈھالنے، نظام تعلیم، ذرائع ابلاغ، اور قانون سازی کو شریعت کے تابع بنانے کی تحریک ودعوت اور سعی وجدوجہد سے خائف ہونے پر منحصر نہیں رہ گئی ہے، کہیں عام دینداری، فرائض کی شدت واہتمام سے اپنی، مغربی تہذیب کی تقلید سے بیزاری، بعض اہم اسلامی شعائر کے اعلان واحترام کے مظاہرہ ومطالعہ سے بھی خائف ہونے کی حد شروع ہوگئی ہے، اور اس حقیقت کے شاہد بعض عرب ملکوں کے وہ اعلانات و اقدامات ہیں، جن کا ذکر کرنے سے ندامت وشرمندگی کے علاوہ اس بات کا بھی اندیشہ پیدا ہوتا ہے، کہ غیر اسلامی ملکوں اور خصوصاً برصغیر ہند میں مسلمانوں کو مذہبی آزادی دینے میں فرق نہ پڑ جائے، اور ان کے بعض فرائض شرعی اور قوانین اسلامی (مثلاً مسلمانوں کے اپنے عائلی

قانون (PERSONAL LAW) پر عمل کرنے کی مخالفت اور اس کے بالمقابل ان کو غیر اسلامی قانون کے تابع بنانے، مثلاً یونیفارم سول کوڈ (UNEFORM CIVIL CODE) کے نافذ کرنے کا جواز نہ پیدا ہو جائے، جس کو مسلمانوں نے اپنی عمومی جدوجہد اور ہندگیر تحریک کے ذریعہ ناکام بنا دیا تھا، اور پارلیمنٹ نے سپریم کورٹ کے فیصلہ کے خلاف مسلمانوں کے عائلی قانون کی بقا اور تحفظ کا فیصلہ کیا تھا، جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

اس غیر طبعی اور غیر شرعی صورت حال کے پیدا ہونے کے متعدد اسباب ہیں، جن میں سے چند کو یہاں ذکر کرتا ہوں۔

۱۔ اولاً مغربی نظام تعلیم جس کے نتیجہ میں بالخصوص اوپر کے مراحل میں تعلیم پانے والے نوجوانوں میں (جن کے ہاتھ میں ملک کا اقتدار آنے والا ہے، اور وہی عام طور پر کرسی حکومت پر متمکن ہیں) اپنے دین، شریعت، تہذیب اور تاریخ کے بارے میں احساس کمتری (INFERIORITY COMPLEX) کا پیدا ہونا، جو تعلیمی نصاب مغربی لٹریچر اور مستشرقین کی کتابوں کا (جو تحقیق و مطالعہ کا نقطۂ عروج سمجھی جاتی ہیں) لازمی نتیجہ ہے، اس مغربی نظام تعلیم کے مشرق اسلامی میں بے محل مضر بلکہ قاتل ہونے کی مثال اس سے بہتر نہیں دی جاسکتی جو ایک مغربی فاضل نے اپنی ایک کتاب میں لکھی ہے۔

''ایک مشرقی حکایت غیر محتاط غیر ملکی تعلیمی مشیروں سے سرزد ہونے والی غلطیوں کی پوری تصویر کشی کرتی ہے، کسی زمانہ میں ایک بہت بڑا سیلاب آیا، جس میں ایک بندر اور ایک مچھلی پھنس گئے، بندر تیز طرار اور تجربہ کار تھا، لہٰذا ایک درخت پر چڑھ کر وہ سیلاب کی طوفانی موجوں سے محفوظ مقام پر بیٹھا، اب اس نے نیچے نظر ڈالی تو کیا دیکھتا ہے کہ غریب مچھلی امنڈتی ہوئی لہروں کے خلاف جدوجہد میں مصروف ہے، پوری ہمدردی اور نیک نیتی کے جذبہ کے ساتھ وہ نیچے آیا اور اس نے مچھلی کو پانی سے نکال کر خشکی پر ڈال دیا، پھر جو نتیجہ نکلا ظاہر ہے۔

یہ مثال ان مشرقی اور اسلامی ملکوں پر پورے طور پر صادق آتی ہے، جنھوں نے مغربی نظام تعلیم کے نفاذ اور مغربی اقدر و معیار (VALUISAND IDEALS) کی مقبولیت اور تسلیم شدہ حقائق بننے کا موقع دیا۔

۲۔ اس کا دوسرا سبب یہ ہے کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ میں اسلام کی ہر عہد میں رہنمائی و قیادت

کرنے کی صلاحیت اور اس کی افادیت وضرورت بلکہ تفوق وامتیاز ثابت کرنے بلکہ دل نشین بنانے کی اکثر ممالک اور بیشتر مدت حیات میں منصوبہ بند مفکرانہ اور یقین افروز سنجیدہ کوشش نہیں کی گئی، مختصر الفاظ میں اونچے پڑھے لکھے، طبقہ میں اسلام کی صلاحیت بقا اور ہر عہد میں اس کی ضرورت پر نوجوان اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ کا اعتماد بحال کرنیکی منظم مؤثر اور عمر وذہانت اور صلاحیت فہم کے مطابق کوئی عام مؤثر تحریک یا دعوت نہیں چلائی گئی، کچھ انفرادی وسطحی کوششیں ہوئیں اور کچھ محدود اور قلیل التعداد لٹریچر وجود میں آیا (جس کی قدر وقیمت کا انکار نہیں کیا جا سکتا) لیکن اس کو دعوت کا ایک عام میدان اور مؤثر کوششوں کا موضوع اور ہدف نہیں بنایا گیا ہے، جس کا نتیجہ حکمران طبقہ، اہل قلم کی ایک بڑی تعداد، جامعات (UNIVERSITIES) کے پروفیسروں، دانش گاہوں کے ذمہ داروں اور ذرائع ابلاغ پر اثر تسلط رکھنے والوں کے ذہن، اسلام کی نشأۃ ثانیہ، اس کی صلاحیت قیادت بلکہ صلاحیت بقا کے بارے میں بھی اگر مایوس نہیں تو متردد ومتشکک نظر آتے ہیں، اور جب یہ طبقہ منصب قیادت یا منصب حکومت پر متمکن ہو جاتا ہے تو وہ سیکولرزم (SECULARISM) علمانیت ہی کو مشکلات کا واحد حل اور اقتدار وحکومت کی بقا کا ضامن سمجھتا ہے، اور اس وقت یہی رجحان بہت سے مسلم ممالک اور چند عرب ممالک میں کام کر رہا ہے۔

۳۔ ایک اعتراف حق، اظہار حقیقت اور ایک مؤرخ وناقد کے بے لاگ جائزہ کے تقاضہ سے اس حقیقت کا بھی اظہار کیا جاتا ہے کہ اس صورت حال کے پیدا ہونے اور حکمران وقانون ساز اور دانشور طبقہ کے دینی ودعوتی تحریکات اور اسلامی بیداری کی دعوت دینے والوں سے خائف ومحتاط رہنے میں اس کو بھی دخل ہے کہ یہ تجربہ میں آیا ہے کہ ان میں سے بہت سی تحریکیں، اصلاح عقائد واعمال، رجوع الی اللہ، تمسک بالشریعہ، اور عمل بالدین کے لئے شروع ہوئیں، لیکن کچھ عرصہ کے بعد وہ سیاست کے میدان میں آگئیں اور انھوں نے (نیک مقاصد کے ساتھ سہی) حکومت واقتدار پر قبضہ کرنے اور ملک کی زمام کار اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش شروع کر دی اور ان کا براہ راست حکومتوں سے تصادم ہو گیا۔

یہ اسی غلط اندیشی کا نتیجہ جس کو راقم السطور نے اپنے عربی سفرنامہ یمن میں ایک یمنی عالم کے ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

''راستے دو ہیں ایک یہ کہ ایمان کرسی والوں (صاحبان اقتدار واہل حکومت تک پہنچ جائے، اور وہ ملک ومعاشرہ میں دین کی نمائندگی کریں، اسلامی زندگی پیدا کرنے کی کوشش کریں اور شریعت کے احکام کا نفاذ کریں اور دینداروں اور اہل علم کا طبقہ ان کی حمایت ونصرت کرے اور ان کے لئے دعا گو رہے لیکن وہ کسی بڑے منصب اور اس سے بڑھ کر حکومت کے حصول کی کوشش نہ کرے، دوسرا طرز فکر اور طرز کار یہ ہے کہ اہل ایمان (دینی دعوت دینے والے اور اسلامی تحریکوں کے قائدین) خود کرسیوں تک پہنچ جائیں اور حکومت واقتدار کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں آ جائے، پہلا طرز فکر اور طرز عمل مثبت نتائج پیدا کرنے والا اور اہل دین واہل حکومت کو براہ راست ٹکراؤ سے بچانے والا ہے، دوسرا طرز فکر اور طرز عمل (براہ راست کرسی حکومت پر متمکن ہو جانے کی کوشش اور ہدف) مشکلات پیدا کرنے والا، اہل دین ہی نہیں بلکہ دین سے ٹکر لینے اور اس سے خائف اور متوحش ہونے پر آمادہ کرنے والا ہے،،۔

انھوں نے فرمایا:

''میں نے آپ کی کتابوں سے یہی سمجھا ہے کہ آپ پہلے طرز فکر اور طرز عمل کو (ایمان کے کرسی حکومت تک پہنچ جانے کی کوشش اور صاحب اقتدار طبقہ کو دین کی حمایت ونصرت پر آمادہ کرنے کی سعی) بہت سی غیر ضروری مشکلات اور حکومت کی دین سے معرکہ آرائی سے بچانے والا سمجھتے ہیں، دوسرا طرز فکر وطرز کار صدہا مشکلات کا پیدا کرنے والا اور ایک ایسی جنگ آزمائی ومحاذ آرائی کی فضا پیدا کرنے والا ہے جس میں توانائی اور وقت کا ضیاع ہے اور دینی مستقبل کو مشکوک بنانے والا ہے،،۔

بندہ نے عرض کیا کہ اس عاجز کا بالکل یہی خیال ہے اور ہندوستان کے مصلح اعظم، مجدد الف ثانی، حضرت شیخ احمد سرہندیؒ (متوفی ۱۰۳۴ھ) کا یہی طرز کار تھا، جس نے ہندوستان کی مسلم سلطنت کے مغلیہ خاندان میں انقلاب بپا کر دیا اور سلطان جلال الدین اکبر (متوفی ۱۰۱۴ھ) سے لے کر (جو ہندوستان کو کھلے طور پر برہمنیت اور ہندو تہذیب اور مخالف اسلام عقائد کی طرف لے جا رہا تھا) سلطان محی الدین اورنگزیب عالمگیرؒ (متوفی ۱۱۱۸ھ) تک (جن کو بعض اہل نظر نے ''چھٹا خلیفۂ راشد،، کے لقب سے یاد کیا ہے) مسلسل انقلاب آتا رہا اور ہر تخت نشین کے بعد اس کا جانشین اس سے بہتر ہوتا رہا، یہاں تک کہ ہندوستان اس عمومی

خطرۂ ارتداد سے بچ گیا، جس کا ڈر اکبر کے اقدامات واحکام اور عزم اور منصوبہ سے پیدا ہو گیا تھا۔

ایک اظہار حقیقت اور احتساب نفس کے تقاضے سے اس کا اعتراف کیا جاتا ہے کہ بہت سی دینی دعوتوں اور تحریکوں نے اس معاملہ میں عجلت سے کام لیا اور ان کے قائدین کے بعض اقدامات واعلانات اور اس سے زیادہ ان کے تابعین اور ترجمانوں نے غیر ضروری طریقہ پر بعض اسلامی حکومتوں کو اپنا حریف بنالیا، بعض اسلامی وعرب ملکوں میں اسی چیز نے ان کو اسلامی بیداری اور اسلام ودین کے نام پر جماعت سازی سے خائف بنا دیا، جس کا اثر ورسوخ ان ملکوں میں بڑھتا جا رہا تھا، یہاں تک کہ جماعت خلاف قانون قرار دینے اور اس کے ارکان کو قید وبند کا مرحلہ پیش آ گیا، شہادت بالحق کے طور پر کہا جاتا ہے کہ اس میں ان جماعتوں اور ان کے قائدین کا قصور کم، اہل حکومت کے توہمات کا جس کو کسی شاعر نے اس بلیغ مصرعہ میں ادا کیا ہے۔

عشق است وہزار بدگمانی

کا حصہ زیادہ تھا لیکن بہر حال اس تجربہ سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت ہے، اور اس کی روشنی میں غیر ضروری مشکلات کے پیدا ہونے، بلکہ حکومتوں کو اسلام کا حریف اور دین وشریعت کے ادنیٰ نفاذ کا مخالف اور دعوت واصلاح کے کام کو آزادانہ طریقہ پر انجام دینے کے مواقع کو ختم کرنے والا بنانا چاہئے۔

۴۔ اسلامی بیداری، دین وشریعت کی ترویج واشاعت اور حکومتوں کے اسلام سے کھلے ہوئے، انتساب بلکہ افتخار سے خائف ہونے اور علمانیت (SECULARUSM) کا میلان پیدا کرنے میں امریکہ کی بالواسطہ اور بلاواسطہ کوششوں کو بھی بڑا دخل ہے، اس نے روس کے انقلاب اور کمیونزم (SOMMUNISM) کے زوال کے بعد اسلام ہی کو اپنا حریف اور عالمی اقتدار کے راستہ میں سب سے بڑا خطرہ اور سدراہ سمجھ لیا ہے اور اس نے دوسرے ابلاغ اور سیاسی تدبیروں سے کام لینے کے بعد اب اصول پسندی، عقیدہ کے استحکام اور دینی ودینوی معاملات میں دین وشریعت کو حکم سمجھنے اور بنانے کے خیال وعقیدہ (جس کو وہ (FUNDAMENTALISM) کے نام سے یاد کرتا ہے) کے خلاف عالمگیر پیمانہ پر پروپیگنڈہ شروع کر دیا ہے، اور بعض ایسی زبانوں سے بھی اس کی ناپسندیدگی اور اس پر تنقید کا کام لیا ہے، جس کی بالکل توقع نہیں تھی۔

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑے زمانہ میں

اب ہم ان ''روشن خیال،، اور ''ترقی پسند،، اسلامی ملکوں کی ذمہ داروں اور اصحاب اقتدار سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس اصول پسندی عقیدہ واصول کی پابندی پر تنقید کرنے اور اس سے بے اطمینانی کا اظہار کرنے اور ایسی دعوت وکوشش کے (جن میں یا تو کھلے طور پر علمانیت (SECULARISM) کا اظہار ہو یا اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکے) نتائج خود ان کے لئے اور ان کے ملک ومعاشرہ کیلئے بڑے پرخطر اور مضر ہوں گے، وہ بہت بڑی طاقت اور دولت سے محروم ہو جائیں گے اور بےضرورت مشکلات ومصائب کا ان کو سامنا کرنا پڑے گا۔

ا۔ پہلی اور اساسی بات تو یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اس نصرت وحمایت سے محروم ہو جائیں گے جو دین کی نصرت وحمایت اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کے ساتھ مشروط ہے۔

''ان تنصرو اللہ ینصر کم ویثبت اقدامکم،،

اگر تم خدا کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمہاری مدد کرے گا اور تم کو ثابت قدم رکھے گا۔

''ولینصرن اللہ من ینصرہ،،

اور جو شخص خدا کی مدد کرتا ہے خدا اس کی مدد کرتا ہے۔

''کم من فئۃٍ قلیلۃٍ غلبت فئۃً کثیرۃً باذن اللہ،،

بسا اوقات تھوڑی سی جماعت نے خدا کے حکم سے بڑی جماعت پر فتح حاصل کی ہے۔

ان کا ملک اور ان کا دائرہ حکومت اس سب سے بڑی طاقت اور دولت سے محروم ہو جائے گا جس نے باوجود قلت تعداد، بےبضاعتی اور بےسروسامانی کے دنیا کا نقشہ بدل دیا، باز نطینی سلطنت کا چراغ ایک طرف اور ساسانی شہنشاہی کا چراغ دوسری طرف گل کر دیا، کتنے ملک جن کی سینکڑوں برس کی تہذیب، جنگی تجربہ اور جنگی ساز وسامان تھا، ان پر فتح حاصل کی، ان کو حلقہ بگوش اسلام بنایا، وہاں کی زبان وتہذیب کو اسلامی سانچہ میں ڈھال دیا، اور صدیوں تک ان پر حکمرانی کی اور اب بھی کثیر التعداد ملکوں پر حکمرانی کر رہے ہیں، وہ دولت ایمان، شوق شہادت، جذبہ جہاد اور جمعیت دینی تھی، جس کا سرچشمہ اللہ اور اس کے رسول کے ارشادات پر یقین آخرت پر ایمان، اور جنت کا شوق تھا اور جس کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔

''ولا تھنوا فی ابتغاء القوم، ان تکونوا تألمون فانھم یألمون کما تألمون ترجون من اللہ مالا یرجون وکان اللہ علیماً حکیماً

اور کفار کا پیچھا کرنے میں سستی نہ کرنا، اگر تم بے آرام ہوتے ہو اسی طرح وہ بھی بے آرام ہوتے ہیں، اور تم خدا سے ایسی ایسی امیدیں رکھتے ہو، جو وہ نہیں رکھ سکتے اور خدا سب کچھ جانتا اور بڑی حکمت والا ہے۔

اور یہ وہ خلا ہوگا جس کو کوئی چیز پر نہیں کر سکتی، اور وہ خسارہ جس کی تلافی کسی قوت دفاع جدید اسلحہ اور بڑے ملکوں کی سرپرستی بھی نہیں کر سکتی" وذلک ھو الخسران المبین،،۔

۲۔ اس غیر دینی رجحان، دین اور اہل دین سے عدم مناسبت بلکہ وحشت اور اپنے ملک وقوم کے سامنے (سیدنا عمر بن عبدالعزیز، سلطان صلاح الدین ایوبی اور رنگزیب نہ سہی) ایک صاحب حمیت مسلمان اور پابند شرع حکمران اور دین واہل دین کے قدرداں کی حیثیت سے نہ آنے سے ان کو اعتماد ومحبوبیت اور جذبات طور پر حمیت وحمایت کا وہ فائدہ اور طاقت حاصل نہ ہوگی، جو ایسے حکمرانوں کو حاصل ہوتی ہے اور بس سے وہ بڑی بڑی مشکلات پر قابو پاتے ہیں اور ان کیلئے بے دریغ جانیں دی جاتی ہیں وصدق اللہ العظیم۔

" ان الذین آمنو اوعملو الصالحات سیجعل لھم الرحمن وداً.

اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کئے خدا ان کی محبت (مخلوقات کے دل میں) پیدا کر دے گا۔

اس کے برعکس ملک میں سازشیں ہوں گی، ان کو ناکام بنانے اور ان کا بدل مہیا کرنے کے خفیہ منصوبے بنائے جائیں گے اور ان کی بڑی توانائی اور وقت ان سازشوں کے پتہ چلانے مخالفین کا سراغ لگانے اور ان کو محبوس یا شہر بدر کرنے میں صرف ہوگا، اور ایسے موقع پر کوئی بڑا ملک یہاں تک کہ امریکا بھی ان کی مدد نہیں کر سکے گا۔

اب ہمارے بیدار مغز اور حقیقت شناس، حکام سلطنت، صاحب اقتدار طبقہ اور ملک ومعاشرہ کا سانچہ ڈھالنے والوں کو غور کرنا چاہئے کہ ان دونوں مقابل راستوں میں سے (صدق واخلاق، ایمان وحمیت اسلامی، شریعت کے نفاذ، نئی نسل کو اسلامی الفکر واسلامی العمل بنانے کا کام؟ یا اس کے مقابلہ میں نامذہبیت وعلمانیت غیر محدود وغیر مشروط روشن خیالی وترقی پسند مغرب کی تقلید ونقالی، اور کسی بڑی سے بڑی طاقت اور ملک کی غاشیہ برداری) زیادہ مفید وبہتر ہوگی؟۔

یہ حقائق ہیں جن کو ان ملکوں کے قائدین، اصحاب اقتدار، اور علم فکر کے علم برداروں،

ذرائع ابلاغ کے ذمہ داروں اور علم وادب فکر وتحقیق کے اجارہ داروں تک پہنچانے کی ضرورت ہے، اور یہ وقت کا اہم ترین فریضہ، ممالک اسلامیہ وعربیہ کی اہم ترین خدمت اور تبلیغ ودعوت کا مؤثر ترین اور اہم ترین شعبہ ہے، اس کو نظر انداز کرنے اور اس کی اہمیت نہ سمجھنے سے خطرہ ہے، کہ یہ ممالک لا مذہبیت اور کھلے ہوئے (اعتقادی نہیں تو ذہنی ،فکری اور تہذیبی) ارتداد تک نہ پہنچ جائیں، جس کی ان ممالک اسلاف کی مبلغانہ اور مجاہدانہ، مومنانہ اور زاہدانہ کارناموں سے جو تاریخ میں محفوظ ہیں اور جن کی برکت سے ملک کے ملک مسلمان اور متبع شریعت ہیں، امید نہیں ،اللہ تعالی کی رحمت سے امید ہے کہ وہ ان کو ان حقائق کی سمجھ عطا کرے گا، اسلام کی قدر بخشے گا، اور پھر صراط مستقیم کی طرف اور اپنے اسلاف کی سیرت ونمونہ کی طرف آنا ہوگا اور وہ اس عہد میں وہ کردار ادا کریں گے جو ان کے اسلاف نے ادا کیا، جس کی اس وقت دنیا کو سخت ضرورت ہے، اور وہی اس عہد کا سب سے بڑا خلا ہے:

"وما کان اللہ لیضیع ایمانکم ان اللہ بالناس لرئوف رحیم،،

اور خدا ایسا نہیں کہ تمہارے ایمان کو یوں ہی کھو دے، خدا تو لوگوں پر بڑا مہران (اور) صاحب رحمت ہے۔

لیکن بہر حال یہ اہل دعوت وحمیت دینی کا فرض ہے کہ یہ حقائق اور یہ تأثرات ان قائدین ممالک اسلامیہ وعربیہ، اہل اقتدار، اہل قلم اور اہل فکر تک پہنچائے جائیں۔

وما علینا الا البلاغ المبین

ملی عزیمت اور اجتماعی فیصلہ

ذیل کا فکر انگیز مضمون حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا وہ خطبۂ صدارت ہے جو صوبائی دینی تعلیم کانفرنس۔نجیب آباد۔ہن (دوستان) منعقدہ ۲۸ اپریل ۱۹۹۴ء کو پڑھا گیا۔

الحمد للہ وحدہ، والصلاۃ والسلام علیٰ من لانبی بعدہ.

حضرات! وقت کے اہم ترین مسئلہ نے ہم کو آپ کے پچھلے کام کا جائزہ لینے اور آئندہ کے لئے نقشہ کار مرتب کرنے کے لئے جمع کردیا ہے وقت کی نزاکت اور کام کی وسعت کا تقاضا ہے کہ رسوم وروایات کی پابندی کے بغیر ہمارا سارا وقت اصل موضوع پر صرف ہو اور مغز کی بات بغیر کسی تمہید وتکلف کے شروع کردی جائے۔

حضرات: دو لفظ ہماری زبان اور دینی تحریروں اور تقریروں میں کثرت سے استعمال ہوتے ہیں، وہ ''فرد،، اور ''ملت،، کے الفاظ ہیں آپ ان کے معنی سمجھتے ہیں، مفرد اکائی کا نام ہے یہاں جتنے حضرات بیٹھے ہوئے ہیں، وہ سب اپنی اپنی جگہ پر فرد اور ایک اکائی ہیں، ان سے مل کر ملت تیار ہوتی ہے، ملت اسلامیہ ملت موسویہ اور ملت عیسویہ بھی افراد کا مجموعہ ہی کا نام ہے۔

اب میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا قانون قدرت (سنت اللہ) افراد اور ملت دونوں کے لئے، فرد کے لئے اللہ تعالیٰ کا یہ انتظام ہے کہ اس نے اپنے قانون کے مطابق اس انسانی جسم میں جان اور روح ڈالی اس کے بعد پھر اس کی حفاظت فرمائی، وہ شکم مادر سے اس دنیا میں آیا، اللہ تعالیٰ نے جس کے رہنے اور زندہ رکھے جانے کا فیصلہ کیا، اس میں زندہ رہنے کی صلاحیت پیدا کی، اس میں موسمی اثرات کا مقابلہ کرنے کی طاقت رکھی، اس کے اندر سمجھ پیدا کی ہاتھ پاؤں میں طاقت دی اور اس کو بہت کچھ اختیارات عطا کئے اور صلاحیتیں بخشیں، لیکن اس فرد کے ذمہ بھی کچھ فرائض کئے ایک تو یہ کہ وہ اپنے وجود کی حفاظت کرے، موسم کے اثرات

سے اپنے جسم کو بچائے، غذائی ضروریات اور سامان خوراک مہیا کرے، جس سے جسم و جان کا رشتہ باقی رہے، دشمنوں سے اپنی حفاظت کرے، رہنے کیلئے مکان بنائے، اپنے کو خطرات سے محفوظ رکھے، اور زندگی کی دوسری ضروریات کی تکمیل کرے اس میں تعلیم، زراعت، تجارت، صنعتیں، ہنر پیشے، حفاظت خود اختیاری کا سامان، دوا علاج اور طب کے فن سے لے کر اپنی اپنی ضرورت اور زمانہ کے مطابق سائنس اینڈ ٹیکنالوجی سب علوم وفنون آتے ہیں، اپنی اپنی ضرورت اور حالات کے مطابق یہ سب کام فرد کو انجام دینے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس فرد کو وجود بخشا اس کے وجود کے لئے جتنی بنیادی ضرورتیں تھیں وہ اس نے فرد کو عطا کیں، لیکن اب وہ فارغ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو بے دست و پا نہیں چھوڑا ہے، اب آگے اس کا کام یہ ہے کہ اپنے وجود جان و مال، عزت وآبرو کی حفاظت کرے، اسی کے ساتھ اپنی آئندہ نسل کے تسلسل اور اس کی حفاظت وتعلیم کا سامان مہیا کرے، یہ سب فرد کا کام ہے، کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ وجود حاصل کرنے کے بعد فرد کی ذمہ داری ختم ہوگئی، اب وہ جانے اور اس کو پیدا کرنے والا جانے، اب اس کا کام نہیں، ہم اور آپ اس قانون کو جانتے ہیں، اور ہزاروں برس سے یہ دنیا اس قانون پر چل رہی ہے، ہم اپنی خوراک بھی مہیا کرتے ہیں، اس کے لئے ہاتھ پاؤں مارتے ہیں، دوڑ دھوپ کرتے ہیں، اپنی جان کی حفاظت کے لئے ہزار جتن کرتے ہیں، جاڑے، گرمی اور برسات کے موسم کے مطابق کپڑے استعمال کرتے ہیں، مکان اپنی ضرورت کے مطابق بناتے ہیں، پھر ہم آسائش اور آرام کے ساتھ زندگی گذارنا چاہتے ہیں، ہم یہی نہیں چاہتے کہ ہمارا وجود باقی رہے بلکہ ہم یہ بھی کوشش کرتے ہیں کہ راحت وآسائش کے ساتھ ہمارا وجود باقی رہے اچھا کھائیں، اچھا لباس استعمال کریں، یہ سب فطری تقاضے ہیں، شریعت، عقل، تمدن، معاشرہ حکومت قانون، کوئی بھی اس کا مخالف نہیں بلکہ اس میں اعانت کرنا اور اس کے لئے سہولتیں مہیا کرنا اپنے فرائض میں سمجھتے ہیں بلکہ ان فرائض وضروریات زندگی کو راحت وسہولت کے ساتھ پورا کرنے کو فطرت کا تقاضا اور انسان کا قدرتی حق سمجھتے ہیں۔

حضرات: بالکل یہی معاملہ ملت کا ہے، ہم فرد کے معاملہ میں جن حقیقتوں کو تسلیم کرتے ہیں ملت کے معاملہ میں ہم ان کو صاف بھول جاتے ہیں یہ ہماری زندگی کا عجیب وغریب تضاد ہے کہ ہم فرد کو حق ہی نہیں دیتے بلکہ فرد پر فرض عائد کرتے ہیں، اگر وہ فرد اس فرض کے ادا

کرنے میں کوتاہی کرتا ہے تو دنیا کے تمام عقلاء اور تعلق رکھنے والے انسان اس کو قابل ملامت بلکہ ایک حد تک اس کو مجرم بلکہ کسی حد تک خودکشی کا مرتکب سمجھتے ہیں، ایک شخص دنیا میں پیدا ہو گیا، اب وہ فرد جانے اور اس کا پیدا کرنے والا جانے لیکن کوئی اس فرد کی کوتاہی کو معاف نہیں کرتا، حد یہ کہ وہ ماں باپ بھی اس کو معاف کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے، جن کی شفقت ضرب المثل ہے، وہ اپنے فرزند اور جگر گوشہ سے یہ نہیں کہتے کہ اب تم پیدا ہو گئے، اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت گھر میں آ گئی، اب تمھیں کچھ کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ ماں باپ بعض اوقات اجنبیت اور ایسی بے گانگی سے مطالبہ کرتے ہیں جیسے ان سے خون کا کوئی رشتہ نہیں کہ مکتب جا کر پڑھو، بلکہ وہ استاد سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ اگر ضرورت ہو تو جائز حدود میں اس کی سرزنش کریں اور اس کو محسوس کرا دیں کہ تعلیم کا حصول ضروری ہے، اس کے بغیر وہ نہ گھر میں رہ سکے گا نہ کھا سکے گا، یہ سب کام وہ ماں کرتی ہے جس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے بعد کوئی ہستی رحم دل نہیں ہے، ایسی شفیق ماں بھی پڑھنے میں بچوں کی رعایت نہیں کرتی اور صبح کو دل پر پتھر رکھ کر بچے کو اٹھاتی ہے کہ وہ مکتب جا کر پڑھے، اس کو یہ محسوس کراتی ہے کہ ان بچوں میں جو محنت کرتے ہیں اور جو محنت نہیں کرتے فرق ہے حالانکہ ان سب کی ماں ایک ہے، ہم سب ہزاروں برس سے اس اصول و قانون کو مانتے آتے ہیں، اور دنیا کا سارا نظام اسی پر چل رہا ہے اور زندگی کا پہیہ اسی پر گھوم رہا ہے۔

لیکن آپ ذرا دیانتداری سے سوچئے کہ ہم نے فرد کو جس نظر سے دیکھا اور اس کے ساتھ جو معاملہ کیا ہے، وہ ملت کے معاملہ میں کیوں بالکل بھول جاتے ہیں، جس طرح فرد کو اللہ تعالیٰ نے وجود بخشا، جسم عطا کیا، صلاحیتیں اور توانائیاں بخشیں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ملت کو ایمان بخشا، رحمۃ للعالمینؐ جیسا نبی بخشا، اور آسمانی کتاب عطا فرمائی، ایک مکمل مرتب اور مدون نظام شریعت وتمدن عطا کیا، اسی کے ساتھ نصرت الٰہی اور توفیق الٰہی بھی شامل ہے لیکن اب اس کے بعد ملت کا کام یہ ہے کہ فرد کی طرح اپنے وجود کی حفاظت کرے، جیسے فرد کا یہ کام تھا کہ اپنے جسم کو جلنے نہ دے اس کو ڈوبنے سے بچائے، اگر کوئی زہر دے تو اس کو نہ کھائے اور اگر لاعلمی اور غفلت میں کھا لیا تو اس کے اثر سے بچنے کیلئے امکانی کوشش کرے، بے پڑھا رہ کر جاہل کا نام سننے نہ پائے، ذلت اٹھانے نہ پائے، کم کما کر آدھا پیٹ کھانے کی تکلیف نہ اٹھائے اور اپنے

ہم عصروں اور اپنے محلّہ والوں کی نگاہ میں ذلت کی نگاہ سے دیکھا نہ جائے، یہ سب آپ نے فرد کے فرائض تسلیم کئے تھے، بالکل یہی معاملہ ملت کی سطح کے مطابق ہونا چاہئے، وہ فرد تھا، جس کو ختم ہونے یا بھوکے ننگے رہنے اور ذلیل وحقیر ہونے سے یا کم کھانے سے دنیا کا کوئی نقصان نہیں تھا، اس کے ذلیل ہونے سے نسل اور معاشرہ انسانی اور تہذیب انسانی کیلئے کوئی خطرہ پیدا نہیں ہوتا، لیکن یہ ملت ہے، اللہ تعالیٰ نے صاف فرمادیا:

الا تفعلوه تكن فتنة فى الارض وفساد كبير.

اگر تم یہ (کام) نہ کروگے تو ملک میں فتنہ برپا ہوجائے گا اور بڑا افساد مچے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اس ملت کے بہت تھوڑے افراد کے لئے جو مدینہ ہجرت کرکے آئے تھے یہ کہا تھا کہ اگر تم نے نظام ''مواخاۃ،، (بھائی چارہ) قائم نہ کیا تو زمین میں فتنۂ عظیم اور فسادِ کبیر برپا ہوگا، انسانیت کا مستقبل تاریک ہوجائے گا اور اس کی قسمت پھوٹ جائے گی، اگر یہ نظام مواخاۃ قائم نہ ہوا تو انسانیت کی قسمت میں ناکامی اور تباہی وبربادی لکھی ہوئی ہے یہ ان مومنوں سے کہا گیا تھا جن کی تعداد چار ہزار سے زیادہ نہ تھی۔

اب یہ نکتہ آپ سمجھ لیجئے کہ ملت کو جو چیزیں دینے کی تھیں وہ اللہ تعالیٰ نے پوری فیاضی اور ''رب العالمینی کی،، پوری صفت کے ساتھ عطا کردیں لیکن انسان کے ذمہ جو چیزیں کرنے کی تھیں، وہ اس کے ذمہ ہیں، جیسے فرد کو اللہ تعالیٰ نے معطل نہیں کیا، نہ اللہ نے اس کو معاف کیا، نہ اس کو معاشرہ اور خاندان نے معاف کیا، نہ قانون اور ماں باپ نے معاف کیا، اور نہ اس کے ضمیر نے اس کو معاف کیا، اسی ملت کو معاف کرنے والا کون ہے؟ کس نے ملت کے نام یہ معافی نامہ لکھ دیا ہے کہ خدا نے تم کو جو کچھ دینا تھا دے دیا، اب تم بیٹھو، تمھارے ذمہ اب کوئی کام نہیں، تم جس طرح چاہو رہو، ملک میں کیسا ہی قانون بنے، کیسا ہی نظام تعلیم ہو، وہاں تمھاری شریعت اور عقائد کے لئے کیسے ہی خطرات ہوں بلکہ ان کو ختم کرنے والے منصوبے ہوں، تمھارے کوئی ذمہ داری نہیں، سب ہم کریں گے، یہ معاملہ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ ترین پیغمبر کے ساتھ بھی نہیں کیا، ورنہ مدینہ طیبہ سے ایک ہزار آدمیوں کے مقابلہ میں صرف تین سو تیرہ آدمیوں کو ساتھ لے کر نکلنے کی کیا ضرورت تھی؟ آپ یہ بات سمجھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنا کام کرچکا، اب ہمارے کرنے کا کام ہے، اللہ تعالیٰ نے دین دیا، ایمان کی دولت دی،

آخرت کا یقین دیا، اپنی محبت دی، شریعت دی، نماز روزہ سب کچھ عطا کیا، لیکن اس ملت کو بچانے کی ذمہ داری ہماری ہے، اس پیغام کو، جو انسانیت کے لئے روح کا درجہ رکھتا ہے، بچانے کی ذمہ داری ملت کی ہے۔

حضرات: ہندوستان میں ملت کے تشخص (ISENTITY) کو بچانے کی ذمہ داری آپ کی ہے، جیسے فرد کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اس مٹ جانے والے مٹی کے جسم کو بچائے بلکہ اسی طرح اس پیغام کو جو انسانیت کیلئے روح کا درجہ رکھتا ہے، بچانے کی ذمہ داری ملت کی ہے، ملت کو ملت کہلانے کے استحقاق کو بچانے اور ملت کو اللہ تعالیٰ کی نصرت کا حقدار بنانے کی ذمہ داری آپ کی ہے، آپ اس ملک میں مسلمانوں کے تشخص کو بچانے اور اس کے آئندہ نسل کو مسلمان رکھنے کی ذمہ داری قبول کریں، اور اس کے لئے وہ قربانیاں دیں جو مطلوب ہیں، فرد ایک ہے، اور ایک فرد کی حیثیت سے قربانی دینا ہے، لیکن ملت کی تعداد ہندوستان میں کم سے کم دس کروڑ بتائی جاتی ہے، تو اس کی قربانیوں، کوششوں، جاں فشانیوں، اس کی قوت مقابلہ اور اس کے انتظامات کی مقدار بھی اسی سطح کی ہونی چاہے۔

اس کے ساتھ یہ بھی آپ نظر انداز نہ کیجئے کہ آپ ایسے ملک میں ہیں، جس میں اکثریت غیر مسلموں کی ہے، وہ جمہوری ملک ہے، اور وہاں قانون ساز مجلسیں قانون بناتی ہیں، جب یہ ملک جمہوری ہے تو پارلیمنٹ ہی قانون بنائے گی، اور جمہوریت کا یہ قاعدہ ہے اس لئے ہر وقت اس کا خطرہ ہے کہ ایسے قوانین بنیں جو ہمارے، بنیادی عقائد مسلمات ہمارے جذبات اور ہماری ضرورتوں کے خلافُ (بدنیتی سے کم اور ناواقفیت سے زیادہ) بنیں، یہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ وہاں مذہبی، تہذیبی اور لسانی بنیادوں پر جارحانہ احیائیت (AGGRESSIVE RE VIVALISH) اور کلیت پسندی،، (TOTALITARIANISM) کی تحریکیں بھی زور وشور سے چل رہی ہیں، اب آپ کا کام یہ ہے کہ ایسے سیکولر اور جمہوری ملک میں اپنے ملی تشخص کی حفاظت آئینی طریقہ پر کریں آپ ہندوستان کے وفادار، مفید، کارآمد، اور اس کے ضروری جز ہونے کی حیثیت سے اپنی افادیت واہمیت ثابت کریں، اور مطالبہ کریں کہ کوئی قانون ہماری شریعت آسمانی کتاب، اور ہمارے عقائد کے خلاف نہیں بننا چاہیئے، آپ اسی کے ساتھ یہ بھی ثابت کریں کہ خلاف شریعت

قانون بننے سے آپ کواس سے زیادہ اذیت ہوتی ہے اور آپ کا ملی وجود اس سے زیادہ خطرہ میں پڑ جاتا ہے جتنا کھانا روکنے سے کوئی جمہوری حکومت کسی اقلیت اور کسی فرقہ کی غذائی ضرورتوں کو نہیں روک سکتی اور کوئی حکومت چاہے کتنی ہی طاقتور ہو، یہ قانون نہیں بنا سکتی، کہ فلاں فرقہ کو غلہ کی فراہمی روک دی جائے یا بازار میں اس کو دکان کھولنے کی اجازت نہ دی جائے یا اس کے بچوں پر تعلیم اور تعلیم گاہوں کے دروازے بند کردیئے جائیں ایسا اگر ہونے لگے تو آپ قیامت برپا کر سکتے ہیں، آپ ثابت کردیں کہ اس قانون اور اس نئے نظام تعلیم سے آپ کو گھٹن ہورہی ہے، جیسے مچھلی کو پانی سے نکال کر باہر رکھنے سے اس کا دم گھٹتا ہے، آپ کے چہروں کے اتار چڑھاؤ، حرکات وسکنات سے معلوم ہو جائے کہ آپ کی صحت اور توانائی اور کارکردگی پر اثر پڑا ہے، اور یہ محسوس کرلیا جائے یہ ایک مغموم قوم کے افراد ہیں، اس نئے قانون سے ان کا دم گھٹ رہا ہے اور یہ ان کی آئندہ نسل کے قتل کے مرادف ہے، یہ کام آپ کو خلوص کے ساتھ عملی طور پر ایسی کیفیات کے ساتھ کرنا ہوگا کہ ہر شخص اسٹیشنوں، پارکوں اور بسوں میں آپ کی بے چینی کو محسوس کرے، اگر آدھا نہیں تو کم از کم اس کا چوتھائی حصہ ثابت کرنا ہوگا، میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ایک ہفتہ بھی ایسا قانون نہیں چل سکتا، میں نے دنیا کے آئینوں اور دستور حکومت کا مطالعہ کیا ہے، اور جمہوریتوں کی تاریخ پڑھی ہے اس لئے میں یہ بات کہہ رہا ہوں۔

لیکن یہ سب کام مرصع اور سیاسی الفاظ کے ساتھ نہیں ہوگا، اس کے لئے جذبات حسی اور جسمانی طور پر اپنے کرب کا اظہار کرنا پڑے گا، آپ کو بتانا ہوگا کہ ہم اس ملک میں رہیں اور ایسا نظام تعلیم رائج کیا جائے، جس سے مسلمان بچے نہ رہنے پائیں اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ آپ نے ہم کو زندگی کی حقیقی لذت وعزت سے محروم کردیا ہے۔

آپ کو ایک طرف آئینی طور پر کوشش کرنی ہوگی، اور اس کے لئے جلسے، جلوس، تنظیمیں، انجمنیں، احتجاج اور وہ سب کچھ کرنا ہوگا جو دستوری وآئینی طریقہ پر کسی جمہوری ملک میں کسی چیز کو منوانے کیلئے کیا جاتا ہے، میں توڑ پھوڑ اور تشدد کو نہیں کہتا اور نہ میں اس کا قائل ہوں، میں تو برادران وطن کو بھی تشدد (VIOLENCE) سے روکنا چاہتا ہوں، پھر میں آپ کو اس کا مشورہ کیسے دوں گا لیکن دستوری حدود میں رہتے ہوئے ایک جمہوری ملک میں جس طرح اپنی بے

چینی کا اظہار کیا جا سکتا ہے، وہ کرنا چاہئے۔

دوسری طرف آپ کو ہر وقت چوکنا رہنا ہوگا، آپ کو اخبارات پڑھنے ہوں گے، اور وہ کتابیں پڑھنی ہوں گی جو دینی تعلیمی کونسل نے اس موضوع پر تیار کردی ہوں گی، جو دینی تعلیمی کونسل نے اس موضوع پر تیار کردی ہیں اور جن سے کوئی چیز ڈھکی چھپی نہیں رہی ان سے آپ کو معلوم ہوگا کہ اس وقت کون سا قانون بن رہا ہے، جس سے آپ کی آئندہ نسل خطرات میں گھر گئی ہے؟ اگر حالات کا یہی رخ رہا اور یہی لیل ونہار رہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ذہنی وتہذیبی ہی نہیں اعتقادی ارتداد کا خطرہ ہے، اور آپ کو معلوم ہے کہ اسلام کی لغت میں کوئی لفظ اتنا رونگٹے کھڑے کرنے والا اور وحشت ناک نہیں جتنا کہ ''ارتداد،، کا لفظ ہے، حد یہ ہے کہ کفر بھی مسلمان کے اندر اتنا کپکپی نہیں پیدا کرتا، جتنا کہ ارتداد کا لفظ حدیث میں آتا ہے، کہ تین باتیں وہ ہیں، کہ آدمی ان کو جمع کرے تو اس نے ایمان کی صفات کو جمع کرلیا، ان میں سے ایک یہ کہ۔

''وأن یکرہ ان یعود الی الکفر کما یکرہ ان یقذف فی النار،، (اس تصور سے کہ میں کفر کی طرف لوٹ جاؤں گا، اسے ایسی وحشت ہو کہ جیسے اس کو آگ میں ڈالے جانے پر وحشت ہوتی ہے) اگر اس طرح حالات باقی رہے جارحانہ احیاء، پرستی (AGRESSIVE REVIVALESM) اسی طرح بڑھتی اور ترقی کرتی رہی تو اس ملک میں ارتداد کا خطرہ ہے یہ آسانی سے کہنے والی بات نہیں تھی لیکن وہ دل پر پتھر رکھ کر میں نے کہدی۔

دوسرا راستہ یہ ہے جس کو انجمن تعلیمات دین نے اختیار کیا، وہ یہ کہ مکاتب کا جال بچھایا جائے، ہر مکتب خود کفیل ہو باہر کے چندوں پر بالکل نظر نہ ہو، یہ کام ملت کے لحاظ سے آپ پر فرض ہے، تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جن ملتوں نے اپنا فریضہ ادا نہیں کیا، وہ صفحہ ہستی سے مٹ گئیں ترجمان حقیقت اقبال نے صحیح کہا ہے۔

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

ہمیں یقین ہے کہ یہ ملک اسپین نہیں بنے گا، جو اس کا خواب دیکھ رہا ہے وہ ہوش میں آئے، لیکن ہمیں اور آپ کو یہ محسوس کرنا چاہئے کہ اسپین سے کم درجہ کے ممالک چین اور روس اور

بلغاریہ ہیں جہاں کروڑوں کی تعداد میں مسلمان آباد ہیں، ان کی مسجدیں ہیں، وہاں انھیں نماز پڑھنے کی اجازت ہے، لیکن دینی تعلیم دینے اور مذہب و اسلامی تہذیب پر آزادی کے ساتھ عمل کرنے کی اجازت نہیں اور نہ اسلامی دعوت کی اجازت ہے، اسپین کو آخری درجہ ہے، اقبال کے بقول صدیوں سے اس کی فضا بے اذان اور اس کی زمین بے سجود ہے، آپ کو یہ کوشش کرنی ہے کہ یہ ملک روس اور چین اور بلغاریہ کی طرح بھی نہ بن جائے، میرا یقین ہے کہ اگر آپ اپنے اندرونی کرب و بے چینی کا اظہار کریں گے تو دوسرے بھی متاثر ہوں گے، اور ہزاروں کی تعداد میں آپ کو ایسے ہم نوا اور ہمدرد مل جائیں گے جو آپ کو اس احتجاج میں حق بجانت قرار دیں گے، اور اس کو سچی جمہوریت اور آزادی کا تقاضہ سمجھیں گے اس کے ساتھ آپ کا فرض ہوگا کہ وسیع پیمانہ پر مکاتب قائم کریں، میں قرآن وحدیث کے ایک طالب علم کی حیثیت سے کہتا ہوں کہ کسی ضلع کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہاں دنیا کے سارے کام ہوتے ہوں شادیاں دھوم دھام سے ہوتی ہوں، باراتیں نکلتی ہوں اور لاکھوں کے جہیز دیئے جاتے ہوں، رسمیں ہوتی ہوں، حکام کی خوشامدیں ہوتی ہوں، اور انتخاب میں حصہ لیا جاتا ہو، اور وہ ضلع تین آرگنائزر نہیں رکھ سکتا، اگر آپ سے قیامت کے دن اللہ یہ سوال کرے تو آپ کے پاس کیا جواب ہوگا، آپ اس کا جواب نہیں دے سکتے کہ لاکھوں کی آمدنی والے شہروں میں مسلمان دینی تعلیم کے لئے کوئی انتظام محض پیسے کی کمی کی بنا پر نہیں کر سکے، آج آپ اس جلسہ سے فیصلہ کر کے جائیں کہ اس کام میں کوتاہی نہ ہونے دیں گے اگر آپ نے یہ فیصلہ کرلیا کہ اپنے اخراجات میں سے دینی مکاتب کے لئے بھی حصہ رکھیں گے تو یہ ایک تاریخ ساز فیصلہ ہوگا، آپ یہ طے کرلیں کہ ہر جگہ مکاتب کا جال بچھا دیا جائے گا، دفاتر قائم کئے جائیں گے، تعلیمی معائنہ کا سلسلہ ٹوٹنے نہیں پائے گا، اور دینی تعلیمی کونسل سے برابر رابطہ قائم رہے گا، چٹکی کے نظام کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا، آپ امکانی حد تک اس مقصد کے لئے تمام مساوی وسائل اختیار کریں گے تو پھر اللہ تعالیٰ کی مدد ہوگی، اور یزدکم قوۃ الی قوتکم، (تمہاری قوت میں اللہ تعالیٰ قوت کا اضافہ فرما دے گا) کا ظہور ہوگا، لیکن شرط یہ ہے کہ پہلے اپنی سی کوشش کر گزریں۔

آپ کو معلوم ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جب کوئی کہتا کہ

حضور کھانے کو نہیں تو آپ تھوڑا کھانا منگواتے جو موجود ہوتا، پھر اس میں برکت کے لئے دعا فرماتے، آپ تو وہ نبی تھے کہ ہاتھ اٹھا کر دعا کر دیتے تو حضرت عیسیٰؑ کی طرح آسمان سے کھانے کا خوان (مائدہ) نازل ہوتا اسلام کی تعلیمات اور اس کی روح یہ ہے کہ موجود میں ترقی دی جائے، نہ کہ ہمیشہ معدوم کو وجود میں لایا جایئے گا، یہی حال حدیبیہ کے موقع پر ہوا کہ لوگوں نے پانی کی کمی کی شکایت کی کہ لشکر ٹھہرا ہوا ہے، آپ نے وہ تھوڑا پانی منگوایا جو لوگوں کے پاس تھا، اس کے بعد برکت کی دعا فرمائی اور پانی سب کیلئے کافی ہوگیا، یہی اسلام کی روح اور اس امت کے شایان شان ہے، جس کو قیامت کے لئے نمونہ اور معیار بنایا گیا ہے کہ آپ کے پاس جو کچھ موجود ہے وہ پہلے پیش کر دیجئے پھر اللہ تعالیٰ سے اس میں برکت کی دعا کیجئے۔

" وللہ جنود السموت والارض ،،

اور آسمانوں اور زمین کے لشکر خدا ہی کے ہیں۔

اس طرح امت کے تشخص کی حفاظت کی ذمہ داری خود ملت کا فرض ہے،

قرآن مجید نے صرف فرد کو مخالف کر کے نہیں فرمایا، ہر فرد اور ہر ملت کے لئے قانون خداوندی یہی ہے کہ: وان لیس للانسان الا ماسعی، وان سعیہ سوف یریٰ، ثم یجزہ الجزاء الاوفیٰ.

انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے اور یہ کہ اس کی کوشش دیکھی جائے گی پھر اس کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی سی کوشش کرنے اور امکان سعی کو کام میں لانے والے کو بشارت بھی دی ہے کہ نہ صرف اس کی سعی کا نتیجہ نکلے گا بلکہ اس کی سعی مقبول ہوگی اور اللہ تعالیٰ اس میں اپنی طرف سے برکت اور اضافہ فرمائے گا" ثم یجزنہ الجزآء الاوفی،،.

حضرات: بحیثیت اس مذہب کے متبع اور داعی کے ہم پر اور ہر مسلمان پر یہ فرض ہے کہ ملک کی تعلیمی تبدیلیوں کا بغور جائزہ لیتے رہیں اور ہر وقت ان پر نظر رکھیں اور یہ دیکھتے رہیں کہ ان کا اثر ہمارے مذہب، ہماری نسلوں کے دل و دماغ اور ان کے دینی و اخلاقی مستقبل پر کیا پڑے گا، میں یہ صاف کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ہمارا مذہب بہت سے دوسرے مذاہب کے برخلاف جلد متاثر ہوتا ہے اور بہت زیادہ متاثر کرتا ہے اور یہ اس کا نتیجہ ہے کہ وہ ایک زندگی اور

ذی شعور مذہب ہے زندہ ہستی متاثر بھی ہوتی ہے اور مؤثر بھی، جو وجود زندگی کھو چکا ہوتا ہے، یا زندگی کے میدان سے کنارہ کش ہو جاتا ہے وہ نہ متاثر ہوتا ہے اور نہ مؤثر، ہم اپنے مذہب کے لئے یہ پوزیشن قبول کرنے کے لئے تیار نہیں کہ دنیا چاہے جتنی ہی بدل جائے، زندگی کے چاہے کیسے ہی نقشے بنیں، نئی نسلوں کو ڈھالنے کے لئے کیسے ہی سانچے تیار ہوں، ہمارے مذہب پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہم بدستور مذہبی فرائض ادا کرتے رہیں گے انسان اور خدا کا رشتہ اسی طرح قائم رہے گا، ہمارا مذہب ایک پورا نظام حیات ہے، وہ زندگی کے ہر شعبہ کیلئے متعین ہدایت اور احکام دیتا ہے، اس لئے ہمیں ہر ملک اور ہر دور میں چوکنا رہنا چاہئے اور یہ دیکھتے رہنا چاہئے کہ کیا ہمیں اپنے ذہنی اخلاقی اور روحانی نشو ونما کے لئے مناسب فضا اور سازگار ماحول میسر ہے، یا نہیں اور ہماری آئندہ نسلیں صحیح معنوں میں مسلمان رہ سکیں گی یا نہیں؟

پھر یہ بھی یاد رکھئے کہ اسلام صرف چند رسوم اور تقریبات کا نام نہیں چند عبادات تک بھی مخصوص نہیں، بلکہ یہ مکمل زندگی گذارنے طریقہ اور کامل دین ہے، ایک مختصر جملہ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ مستقبل تہذیب ہے، بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کا کوئی مخصوص جملہ طرز زندگی اور اس کی کوئی مستقبل تہذیب نہیں، لہٰذا دوسری قومیں اور دوسرے ممالک کے لوگ اسلام قبول کریں تو اسلامی عقائد کو لے لینا ہی کافی ہے تہذیبی اقدار کو لینے اور اختیار کرنے کی ضرورت نہیں۔

میں بڑی صراحت کے ساتھ یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ غیر اسلام طرز فکر ہے، اسلام کو اصرار ہے کہ عقائد واعمال کے ساتھ اس کا مخصوص طرز زندگی بھی اپنایا جائے، قرآن وسنت کے منصوص طریقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ایک خاص طرح کی زندگی اور خاص طرح کی معاشرت چاہتا ہے، اسلام میں سونے جاگنے، کھانے پینے سے لیکر نکاح وطلاق اور وراثت تک کے متعین وضوابط واحکام ہیں، اور اسلام کے مطالبہ ہے کہ انھیں کے مطابق زندگی گزاری جائے، اس کی خلاف ورزی نہ ہو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی باتوں سے لے کر انتہائی معمولی اور چھوٹی چھوٹی باتوں تک کی تعلیم دی اور صحابہ کرامؓ نے انھیں سکھایا اور برتا۔

حضرات: اس غلط وناقص نصاب تعلیم کی اصلاح کا مطالعہ اور اس کے لئے ہر طرح کی جدوجہد ہمارا آئینہ حق اور وطنی وقومی فرض ہے، اگر ہم اس کو جرأت اور استقامت کے ساتھ

انجام دیں گے تو ہم اس ملک کے ساتھ حقیقی وفاداری اور صحیح حب الوطنی کا ثبوت بھی دیں گے، اس نصاب اور اس کے غلط اندیش وکوتاہ نظر مرتبین نے ہندوستان کی سب سے بڑی اقلیت کو جو صلاحیتوں سے معمور ہے، ایک ذہنی انتشار واضطراب میں مبتلا کر دیا ہے، جو اس ملک کی قومی یکجہتی اور جذباتی ہم آہنگی کے لئے سخت مضر اور ہندوستان کی مجموعی ترقی وخوشحالی میں حارج ہے، اس لئے اس کی اصلاح اور اس نقص کا ازالہ اور سب سے بڑی خدمت ہے جو کوئی ہندوستانی انجام دے سکتا ہے، البتہ مذہبی طور پر یہ آپ کا فریضہ ہے اور اس میں کوتاہی یا اس سے روگردانی مذہبی گناہ اور اسلام سے دشمنی ہے۔

لیکن اس کام کو جاری رکھتے ہوئے آپ کو وہ کام بھی کرنا ہے جس میں کسی حکومت کے کسی اقدام یا کاروائی کے انتظار کی ضرورت نہیں آپ کو اپنی نسل کے دینی تحفظ اور اسلام سے اس کے ربط وتعلق کا انتظام کرنا ہے اور یہ ذمہ داری غذا، لباس، دوا، علاج، تعلیم اور معاش ہے، بدر جہا زیادہ ضروری ہے، آپ کو ہر حال میں اپنے بچوں کی اس ضروری دینی تعلیم وتربیت کا انتظام کرنا ہے، جس کے بغیر وہ مسلمان نہیں رہ سکتے، یہی آیت قرآنی ہے۔

یأیھا الذین آمنو قو آانفسکم و اھلیکم ناراً۔

مومنو، اپنے آپکو اور اپنے اہل وعیال کو آتش (جہنم) سے بچاؤ۔

کا مفہوم اور تفسیر ہے اور یہی حدیث کلکم راعٍ و کلکم مسئول عن رعیتہ ،،

(تم میں سے ہر ایک صاحب اختیار ہے اور اس سے اس کے ماتحتوں اور حلقہ اثر کے بارہ میں سوال ہوگا) کے حکم کی تعمیل ہے، اس کے لئے آزاد مکاتب صباحی وشبینہ مدارس، دینی مدارس، دینی مجالس، گھر کی تلقین ونگرانی، ماحول کی اصلاح، صحیح اور مفید کتابوں کی اشاعت اور ایسے بہت سے ذرائع ہو سکتے ہیں، خصوصا مدارس ومکاتب کا قیام اس وقت اتنا ضروری ہوگا کی ہے کہ میں نہیں سمجھتا کہ اس وقت نئی نسل کی اسلامیت کے بقاء وتحفظ کے لئے کوئی اور تدبیر اتنی مؤثر ہو سکتی ہے، اس سب کیلئے آپ کے قومی فیصلہ اور اجتماعی عزم کی ضرورت ہے۔

اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طاقت کے بعد (جو اصل طاقت ہے) دنیاوی لحاظ سے سب سے بڑی طاقت جو زندگی کے پہیے کو رواں دواں رکھے ہوئے ہے، جو مختلف وقتوں میں دنیا میں تبدیلیاں لاتی رہتی ہے، پہاڑوں کو اپنی جگہ سے کھسکا دیتی ہے، دریاؤں کے رخ کو موڑ دیتی

ہے، سلطنتوں کے چراغ گل کردیتی ہے، ایسے واقعات کو جن کا تصور بھی مشکل ہوتا ہے، وجود میں لے آتی ہے، وہ انسانی فیصلہ ہے، اس فیصلہ نے بارہا افراد کی، اور خاندانوں کی نہیں، قوموں کی اور انسانیت کی تقدیر بدل دی ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کا موقع دیا ہے کہ وہ اپنی صلاحیت کا اظہار اور زندگی کا استحقاق ثابت کر کے باآبرو زندگی کے گذارنے کی مہلت لے لے، اور اس کے برعکس اپنی نااہلی، کفران نعمت اور ظلم وفساد کا مظاہرہ کر کے زندگی کا حق اور اللہ کی نعمتوں سے محرومی کا فیصلہ کرالے، اسی کا نام ہے تقدیر کا بدل جانا۔

ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتیٰ یغیروا مابانفسہم

اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کی حالت میں تغیر نہیں کرتا جب تک وہ لوگ خود اپنی حالت کو نہیں بدل دیتے۔

اللہ فرماتا ہے کہ وہ کسی قوم کو دی ہوئی نعمت اس وقت تک نہیں چھینتا اور اس کی تقدیر نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنے حالات میں تبدیلی پیدا کر کے ناشکری کر کے نعمت خداوندی سے محرومی اور عزت کے بعد ذلت کا فیصلہ نہ کرلے۔

حضرات: مسائل ومشکلات کی نہ تعداد مقرر ہے نہ نوعیت معین، کوئی بڑے سے بڑا مبصر اور مورخ بھی نہ ان کی تعداد بیان کرسکتا ہے نہ اقسام معین کرسکتا ہے، لیکن ایک ''شاہ کلید،، (MASTER KEY) ہوتی ہے جو سارے قفلوں کو کھول سکتی ہے، اور ساری رکاوٹوں کو دور کرسکتی ہے، اس لئے زمان ومکان کی بھی قید نہیں،، اور اسباب ووسائل کی بھی شرط نہیں، وہ شاہ کلید جس سے ہر قفل کھل سکتا ہے، وہ ہے ملی عزیمت اور اجتماعی فیصلہ اگر اس ملک کے مسلمان یہ فیصلہ کرلیں کہ ان کو اپنی آئندہ نسلوں کے مستقبل کا تحفظ اور ان کی تعلیم کے مسئلہ کا حل ہر مسئلہ، ہر مفاد، ہر سہولت، ہر عزت ہر خوشحالی اور ہر کامیابی سے زیادہ عزیز ہے تو یہ مسئلہ ایک دن میں حل ہوسکتا ہے، اس کے لئے ان کو ہر وہ قربانی دینی ہوگی، جس کی اس جمہوری ملک کے اندر اور دستور کے ماتحت گنجائش ہے اور جو اس ملک کی حقیقت پسندوں پر اور دنیا کے دوسرے ممالک پر ثابت کردے کہ مسلمانوں کو اپنا دین وایمان اور اپنی اولاد کا اسلام پر قائم رہنا ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے، یہ کام بغیر کسی تخریب، کسی جارحانہ اقدام، کسی معاندانہ ذہنیت کسی حریفانہ کشمکش، کسی شرپسندی اور انتشار کے بغیر ہوسکتا ہے لیکن اس کے ذاتی مفادات ذاتی جذبات اور

زاتی وابستگیوں کی قربانی کی ضرورت ہوگی، اس قربانی کے بغیر کسی چھوٹی سے چھوتی قوم کا کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ شعار، اس کی چھوٹی سے چھوٹی نشانی اور حقیر سے حقیر مفاد بھی محفوظ نہیں رہتا، ایک ملت کا مستقبل اور اس کی شہ رگ اس کی ورید حیات کیسے محفوظ رہ سکتی ہے، اس کا صرف ایک ہی حل ہے اور وہ ہے ملی عزیمت اور اجتماعی فیصلہ اور میں اس کو دور کی آخری دوا سمجھتا ہوں اور اقبال کے الفاظ میں اپنی گذارش کو ختم کرتا ہوں۔

خودی سے مرد خود آگاہ کا جمال و جلال
کہ یہ کتاب ہے باقی تمام تفسیریں
حکیم میری نواؤں کا راز کیا جانے
ورائے عقل ہیں اہل جنوں کی تدبیریں

وما علینا الا البلاغ المبین

آئندہ نسل کی فکر کیجئے

۱۶ اکتوبر ۱۹۹۳ء کو ندوہ کی شاخ مدرسۃ جامعہ اسلامیہ مظفر پور، اعظم گڈھ میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی رحمۃ اللہ کی یہ تقریر شہر سے دور دیہات کے علاقہ میں دس ہزار کے مجمع میں ہوئی، جلسہ میں قرب وجوار کے علماء، مدرسہ کے بانی، مولانا تقی الدین صاحب، استاذ حدیث جامعۃ العین ابوظبی بھی موجود تھے۔

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على سيدالانبياء والمرسلين. امابعد.فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم" ياايها الذين آمنوا قوا انفسكم واهليكم ناراً وقود ها الناس والحجارة عليها ملئكة غلاظ شد ادلا يعصون الله ماأمرهم ويفعلون ما يو مرون،،.

''اے ایان والو اپنے کو اور اپنے اہل وعیال، رشتہ داروں اور متعلقین کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، جس پر تند ومضبوط فرشتے متعین ہیں، وہ اللہ رب العزت کی ذرا بھی نافرمانی نہیں کرتے، وہ جو حکم دیتا ہے وہ وہی کرتے ہیں، جو ان کو حکم دیا جاتا ہے،،۔

اس کے بعد حضرت مولانا رحمۃ اللہ نے فرمایا، اگر یہ کہا جائے کہ سننے یا کہنے والے کی طبیعت ناساز ہے یا زیادہ دیر تک سننا نہیں چاہتے ہیں تو میں یہی آیت پڑھتا:

يا ايها الذين آمنو اقوا انفسكم واهليكم ، الى آخرهٗ

''اے ایمان والو، اپنے کو اور اپنے اہل وعیال کو رشتہ داروں اور متعلقین کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، جس پر تند ومضبوط فرشتے متعین ہیں، وہ اللہ رب العزت کی ذرا بھی نافرمانی نہیں کرتے جو حکم ان کو دیتا ہے، وہ وہی کرتے ہیں جو ان کو حکم دیا جاتا،،

محترم بزرگو اور عزیز بھائیو:

ہندوستان پر بجلی گر رہی ہے، بادل امنڈ رہے ہیں، کہیں بارش بھی ہو رہی ہے، کھلم کھلا یہ

سازش کی جارہی ہے کہ مسلمان اپنے دین پر باقی نہ رہ سکے، ان کے درمیان اور غیر مسلم کے درمیان کوئی فرق نہ رہ جائے، ان کا شعار وہی ہو جو غیر مسلموں کا ہے، ان کا بیٹھنا، کھانا، پینا غیر مسلموں کے طریقہ پر ہو، ان کا لباس بھی غیر مسلموں جیسا لباس ہو، یہ ممکن ہے کہ کچھ دنوں تک صرف نام کے مسلمان رہیں، اس کے بعد نام بھی بدل دیا جائے۔

میرے عزیز بھائیو! تو ایسے وقت میں آپ سے گذارش کرتا ہوں کہ آپ اپنی آئندہ نسل کے بارے میں فکر کیجئے اس کی بہترین صورت یہ ہے کہ آپ ان کو ایسی تعلیم دلائیے جس کے ذریعہ سے یہ اپنے دین پر قائم رہ سکیں اور صرف ایک خدائے واحدہ لاشریک کی عبادت کریں، زمانے کا رخ چاہے جس طرف ہو یہ اعلانیہ اعلان کریں کہ ہم تو مسلمان ہیں، ہم پیغمبر برحق محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے دین کے پیروکار ہیں، ہم صرف ایک خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت کرتے ہیں، اگر کوئی ان کی جان کے درپے ہو جائیں تو یہ کہہ سکیں ہم جان دے سکتے ہیں لیکن اپنے دین سے ہٹنے والے نہیں ہیں۔

قابل توجہ بات

مولانا نے فرمایا کہ میں نے بچپن میں پڑھا تھا کہ جب آدمی کی موت کا وقت قریب ہوتا ہے تو وہ اپنے اہل وعیال کو کچھ وصیتیں کرتا ہے، وہ اپنے اہل وعیال کو بلاتا ہے اور وصیت کرتا ہے کہ بیٹو آپس میں میل جول سے رہنا، میں نے ایک کتاب میں پڑھا تھا کہ ایک شخص کی موت کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنے بیٹوں کو بلایا اور سب کو ایک ایک لکڑی دی اور حکم دیا کہ کو توڑو، تو سب نے لکڑیاں توڑ دیں، تو پھر انہوں نے سب لکڑیوں کو ملا دیا اور کہا کہ اچھا اب توڑو، تو ان میں کوئی توڑ نہ سکا، تو انہوں نے کہا کہ اگر اسی طرح تم لوگ آپ میں میل جول سے رہو گے تو تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا یہ تو دنیاداروں کی وصیت ہوئی، اب ذرا اللہ کے نبی حضرت یعقوب علیہ السلام کی وصیت کو دیکھئے، خود رب العزت ان کے قول کی نقل فرماتا ہے:

" ام کنتم شهداء اذحضر یعقوب الموت اذقال لبنیه ماتعبدون من بعدی قالوا نعبد الهک واله آبائک ابراهیم واسماعیل واسحق الها واحدا ونحن لهٗ مسلمون،،۔

یہ قرآن پاک کا خاص اسلوب ہے کہ اگر پوری طرح اس کی طرف متوجہ کرنا ہوتا ہے، تو

کہتا ہے کہ کیا تم اس وقت موجود تھے جس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کی موت کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنے بیٹوں، بھتیجوں، پوتوں اور نواسوں سے کہا کہ یہ بتاؤ، کہ تم میرے بعد عبادت کس کی کرو گے؟ مجھے اس وقت تک اطمینان نہیں ہوگا، میری پشت زمین سے نہیں لگے گی، جب تک تم مجھے یہ نہیں بتاؤ گے کہ تم میرے بعد عبادت کس کی کرو گے، ذرا غور کیجئے، حضرت یعقوب علیہ السلام خود نبی، ان کے والد نبی ان کے چچا نبی، ان کے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام نبی، نبی کا گھرانا ہے، ان کی موت کا وقت قریب آتا ہے تو وہ اپنے بیٹوں، بھتیجوں، پوتوں، نواسوں کو جمع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مجھے اس وقت تک اطمینان نہیں ہوتا میری پشت زمین سے نہیں لگے کہ جب تک تم مجھے یہ اطمینان نہ دلا دو کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے، مجھے یہ یقین ہے کہ ان لوگوں نے کہا ہوگا، میرے ابا جان، چچا جان، نانا جان، یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے، ہم نے اس گھر میں اب تک دیکھا کیا ہے، ہم نے اس گھر میں عبادت کس کی ہوتے ہوئے دیکھا ہے لیکن اس سب کو قرآن پاک نے ذکر نہیں کیا ہے۔

ان لوگوں نے باتفاق کہا کہ ہم آپ کے معبود آپ کے والد حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ، حضرت اسحاق کے خدا کی عبادت کریں گے، جو اکیلا معبو ہے، ہم تو اسی کے فرمانبردار ہیں، یہ غیرت کی بات ہے، خدا کی غیرت نے یہ گوارہ نہیں کیا کہ اس کے بعد کوئی اور جملہ ہو، فوراً کہا ہم تو آپ کے معبود، آپ کے والد حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ، حضرت اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے، جو اکیلا معبود ہے، ہم تو اسی کے مطیع و فرمانبردار ہیں۔

میرعزیز بھائیو: تو میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ اپنی اولاد کو ایسی تعلیم دلایئے جس کے ذریعے سے یہ دین کو پہچان سکیں ان کے درمیان دوسری قوموں کے درمیان امتیاز باقی رہے اور اپنے دین پر کاربند ہوں ان کے اندر شریعت محمدی کا احترام ہو، یہ پیغمبر برحق محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی غلامی پر فخر کریں، یہ دین کی خاطر جان کی بازی لگا دیں، یہ اعلانیہ کہہ سکیں ہم تو مسلمان ہیں، ہم دین حق کے پیروکار ہیں، ہم اس خدا کو ماننے والے ہیں، جو ''الا لہ الخلق والامر''، خالق بھی وہی ہے اور منتظم بھی وہی۔

وہ وحدہٗ لاشریک ہے، ہم اسی کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں، ہم اسی سے اپنی ضرورت کا مطالبہ کرتے ہیں وہی ہمارا خالق و مالک اور منتظم ہے۔

اس کے بعد حضرت مولانا نے اردو زبان کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ عربی کے بعد اردو زبان میں دین وشریعت کا جتنا حصہ محفوظ ہے وہ کسی اور زبان میں نہیں، پھر اہل اعظم گڈھ سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ آپ کے یہاں دارالمصنفین شبلی اکیڈمی جیسا ادارہ موجود ہے، اس نے دین کی بڑی اشاعت کی ہے، سیرت النبی جیسی کتاب یہاں سے چھپی ہے، یہ سیرت کی ایسی کتاب ہے جو کسی دوسری زبان میں نہیں پائی جاتی الحمدللہ اس کا عربی میں ترجمہ ہو چکا ہے، اور خطبات مدراس جیسی مدلل اور واضح کتاب کسی دوسری زبان میں نہیں پائی جاتی، الحمدللہ اس کا بھی عربی میں ترجمہ ہوگیا ہے، اگر آپ نے اس سے فائدہ نہیں اٹھایا تو یہ آپ کی محرومی ہے، اور باعث خسارہ ہے۔

اخیر میں حضرت مولانا نے جامعہ اسلامیہ کی ترقی کو دیکھ کر دلی خوشی کا اظہار فرمایا اور مزید ترقی کے لئے دعا فرمائی۔

اسلامی قوانین کی ضرورت واہمیت

آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ احمد آباد۔ گجرات منعقدہ ۷/۸ اکتوبر ۱۹۹۵ء میں پڑھا گیا خطبہ صدارت

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين وخاتم النبيين محمد وآله وصحبه أجمعين ومن تبعهم باحسان ودعا بدعوتهم الیٰ يوم الدين.

حضرات علمائے کرام، برادران اسلام وحاضرین جلسہ!

اہل عرب جب کسی عمل یا کارروائی کے متعلق یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ وہ برمحل اور برموقع ہوئی تو کہتے ہیں، ”جاء فی مکانہ وفی اُوانہ،، یہ بات اپنے صحیح محل ومقام اور مناسب موقع اور وقت پر پیش آئی (یا پیش کی گئی)۔

اس حقیقت پسندانہ جملہ کی روشنی میں پہلے اس حقیقت اور واقعہ کا اعتراف واعلان کیا جاتا ہے، کہ مسلم پرسنل لابورڈ کا یہ بارہواں اجلاس اپنے صحیح محل ومقام پر ہورہا ہے، اور پھر عرض کیا جائے گا کہ وقت اور ضرورت کے تقاضہ کی بناء پر منعقد کیا جارہا ہے اور یہ ایک فریضہ کی ادائیگی اور حقیقت پسندی اور فرض شناسی کا ثبوت ہے۔

جہاں تک اجلاس کے محل ومقام کی مناسبت اور اس اجلاس کے یہاں منعقد کرنے کے جواز بلکہ معقولیت اور صحیح انتخاب کا سوال ہے صوبۂ گجرات (جو اس صوبہ کا قدیم تاریخی اور علمی دنیا میں معروف نام ہے) کے بارے میں ہندوستان کے اسلامی عہد کے سب سے بڑے مورخ وسوانح نگار پدر بزرگوار مولانا حکیم عبدالحی صاحب حسنی، سابق ناظم ندوۃ العلماء کی کتاب سے چند اقتباسات پیش کرنے پر قناعت کی جائے گی، جو گجرات کے بارے میں پائے جاتے ہیں۔

علوم فنون میں گجرات شیراز تھا، توحید کی خدمات کے لحاظ سے یمن میمون سے مماثلت

رکھتا تھا، علم حدیث کی سرگرمی کے ساتھ یہاں فقہ میں بھی شاندار کارنامے انجام پائے تھے، ہندوستان کے کسی دوسرے علاقہ کی علمی اور تمدنی سرگرمیوں کی تاریخ اتنی مسلسل اور طویل نہیں ہے جتنی گجرات کی،،۔

اس اجلاس وضوع کی مناسبت سے کہا جاتا ہے کہ گجرات کے فقہ حنفی اور اصول فقہ میں بھی امتیازی حصہ ہے، یہاں مفتی رکن الدین ناگوری نے جونہر والہ کے مفتی تھے، فقی حنفی کے دو سو چار کتابوں کو پیش نظر رکھ کر فتاویٰ حمادیہ تصنیف کی، جس کے حوالے فتاویٰ عالمگیر میں جا بجا ملتے ہیں۔

اسی طرح مفتی قطب الدین (۹۹۹ھ) کا ذکر کئے بغیر بھی رہا نہیں جاتا، جن کو حرم شریف میں درس دینے کا شرف حاصل ہوا، علامہ قاضی شوکانی صاحب نیل الاوطار نے اپنی کتاب ''البدر الطالع،، میں بڑے بلند الفاظ میں ان کا ذکر کیا ہے، یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حرمین شریفین اور دیار عرب میں، جن کے فضل وکمال کا سب سے زیادہ اعتراف کیا گیا اور جن سے استفادہ کو باعث فخر وشرف سمجھا گیا، وہ زیادہ تر علماء گجرات تھے، و کفی به فخر او شرفا۔

اس سلسلہ میں وزیر آصف خان کا نام لینا کافی ہوگا، جن کو یہ شرف وخصوص حاصل ہے کہ علامہ ابن حجر مکی نے ان کے حالات پر مستقل رسالہ لکھا، جس میں وہ لکھتے ہیں۔

''جس زمانہ میں آصف خان مکہ معظّمہ میں آ کر رہے تھے عجب طرح کی رونق مکہ معظّمہ میں پیدا ہوگئی تھی، علماء وفقہاء ان کی صحبت کو غنیمت سمجھتے تھے، گھر گھر علم کا چرچا ہو گیا تھا، مکہ والوں نے تحصیل علم میں پوری کوشش کی تھی، انھوں نے اہل علم پر اپنے احسان وکرم کے دائرہ کو اس قدر وسیع کر دیا تھا جس کی نظیر ان کے معاصرین میں بلکہ ایک مدت سے مفقود تھی، علامہ عزیز الدین عبدالعزیز مکی نے آصف خان کی مدح میں چھیاسی شعر کا قصیدہ لکھا،،۔

دنیا دینیہ بالخصوص فقہ وقضاء وافتاء کی صلاحیت میں علماء گجرات کے امتیاز واختصاص کا نتیجہ تھا کہ سلطنت دہلی نے بھی ان کے اس امتیاز واختصاص سے فائدہ اٹھایا، اور ان کو قاضی القضاۃ کے عہدہ پر فائز کیا، قاضی شیخ الاسلام گجراتی دار الملک دہلی کے قاضی تھے ۱۰۸۶ھ میں عالمگیر نے ان کو مجبور کر کے ''اقضی القضاۃ،، کا عہدہ عنایت کیا، اس عہدہ جلیلہ کے فرائض انہوں نے نہایت آزادی اور راست بازی کے ساتھ انجام دیئے اور حق بات کے ظاہر کرنے

میں کسی بادشاہ کے سامنے بھی نہیں چوکے، ان کے بعد ان ہی کے داماد قاضی ابوسعید ۱۰۹۴ء میں ان کی جگہ ”اقضی القضاۃ،، کے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہوئے، عہد عالمگیری میں دہلی کے اقضی القضاۃ کے عہدہ کے لئے گجرات ہی کے علماء کا منتخب ہونا اس کے علمی وفنی امتیاز کا کھلا ثبوت ہے۔

شخصی، خاندانی وموروثی سلطنت کے دور میں والیان سلطنت کے وزراء کا نہ صرف متبع شریعت وسنت ہونا، بلکہ صلاح وتقویٰ میں شرع ودین کی واقفیت میں ممتاز ہونا پوری قلمرو، زیر حکومت علاقہ اور خواص وعوام کے طبقہ پر اثر انداز ہوتا ہے اور اس سے پوری قلمرو میں دین کا احترام اور شریعت پر عمل کرنے کا جذبہ اور رجحان پیدا ہو جاتا ہے، اس سلسلہ میں بھی گجرات کو ایک محدود لیکن طویل مدت تک (یہ امتیاز حاصل رہا ہے، کہ یہاں بعض ایسے سلاطین صاحب اقتدار اور فرمانروائے ملک رہے ہیں جن کی نظیر کم سے کم ہندوستان کے صوبوں کی تاریخ اور سلاطین وقت کی سوانح (سلطان محی الدین اورنگ زیب) کو مستثنیٰ کرکے، جن کو بعض فضلائے عرب نے ”سادس الخلفاء الراشدین،، کا لقب دیا ہے) میں مشکل سے ملتی ہے، اس سلسلے میں سب سے زیادہ نمایاں مظفر شاہ حلیم گجراتی (م ۹۳۲ھ) کی ذات ہے، مولانا سید عبدالحی صاحبؒ تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”فضل وکمال کے ساتھ تقویٰ وعزیمت کی دولت بھی اس نے خداوند پائی تھی، تمام عمر نصوص احادیث پر عمل رہا، ہمیشہ باوضو رہتا، نماز جماعت کے ساتھ پڑھتا، روزے عمر بھر نہیں چھوٹے،،۔

ان سلطاطین میں بعض ایسے سلاطین گزرہیں جن کی خدمت دین، اشاعت علم اور اس کی سرپرستی کا دائرہ گجرات ھی کے حدود سے نہیں بلکہ ہندوستان کے حدود سے بھی نکل کر مرکز ومصدر علم دین، حجاز مقدس تک وسیع تھا، وکفیٰ بہ فخر وشرفا۔

مولانا سید عبدالحی صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:

”محمود شاہ دوم (م ۹۶۱ء) کی توجہ وسرپرستی سے مکہ معظمہ میں ایک عظیم الشان مدرسہ باب عمرہ سے متصل قائم کیا گیا، جس میں علامہ شہاب الدین ابن حجر مکی اور عز الدین، عبدالعزیز زمزمی وغیرہ علماء مکہ تدریس کی خدمت انجام دیتے تھے، علاوہ اس کے کئی رباط اور مکتب مکہ

معظمہ میں تعمیر کئے گئے،،۔

محمود شاہ نے اس پر قناعت نہیں کہ بلکہ اس نے خلیج کنبایہ (کھمبایت) محترمین میں رہنے والوں کے والے وقف کر دی تھی، یہاں سے ایک لاکھ اشرفیوں کی قیمت کا مال جدہ بھیجا جاتا تھا، اور اس کے بھیجنے میں جو کچھ صرف ہوتا تھا، وہ خزانہ شاہ سے دیا جاتا تھا، اس مال کی فروخت سے جو کچھ آمدنی ہوتی تھی۔ وہ سب اہل حرمین محترمین پر تقسیم کر دی جاتی تھی۔

حضرات: ان قابل فخر تاریخی حقائق اور گجرات کے شاندار علمی ودینی دور کا تقاضہ ہے کہ حفاظت وحمایت شریعت بلکہ غیرت دینی وحمیت اسلامی کا جو قدم ہندوستان بلکہ دنیا کے کسی بھی حصہ میں اٹھایا جائے، اور مسلمانوں کو پوری شریعت پر عمل کرنے، جس میں وہ عائلی قانون (پرسنل لا) بھی داخل ہے، جس کی بنیاد کتاب وسنت کے نصوص، آیات قرآنی اور احادیث صحیحہ پر ہے، اور اپنے معاشرتی معاملات، ازدواجی وعائلی زندگی کے مختلف مراحل اور تقاضوں کے سلسلہ میں شرعی وقانون طور پر خود کفیل ہونے اور اپنے تشخص کو برقرار رکھنے کی دعوت دی جائے، تو اہل گجرات اس پر لبیک کہیں اور اس کے لئے اپنے صوبہ کو موافق ومعاون بنائیں، بلکہ اس کی کامیابی اور نفاذ کے لئے اگر ہندوستان کے کسی گوشہ سے بھی صدا لگائی گئی ہے اور اس کے لئے جدوجہد شروع کی گئی ہے تو اس کے ساتھ پورا تعاون واشتراک کریں۔

حضرات: اب جب اسلام کے عائلی قانون کا تذکرہ آ گیا ہے تو مناسب بلکہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس عائلی قانون کی بلندی وبرتری، اس کے انسانیت کے احترام، فطرت انسانی سے مطابقت، عورت کے اسلام میں مرتبہ اور اس کے حقوق کے اعتراف، اس کے ساتھ انصاف بلکہ رعایت وفیاضی کے بارے میں بھی کچھ عرض کیا جائے، اور قوانین مروجہ دنیا کے مختلف مذاہب وتہذیبوں اور معاشرتی وازدواجی زندگی کے رائج الوقت نمونوں اور مناظر کو سامنے رکھ کر، تقابلی مطالعہ (COMPARATIVE STUDY) کی روشنی میں کچھ غیر مسلم مفکرین، ماہرین قانون، تمدن وتہذیب عالم کے مؤرخین اور فضلاء کے اقوال پیش کئے جائیں، جنھوں نے اسلام کے عائلی قانون کی برتری، انصاف پروری، احترام انسانی نہیں بلکہ احترام نسوانی کا برملا اعتراف کیا ہے، اس کی ضرورت اس لئے بھی محسوس کی جاتی ہے، کہ عام طور پر غیر اسلامی ذرائع ابلاغ پریس ایک یک طرفہ ناقدین نے اس کے بارے میں عام طور پر

یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ اسلام کا عائلی قانون، طبقہ نسواں کے ساتھ انصاف پر مبنی نہیں ہے، وہ قدیم تہذیب ومعاشرت اور اس عہد کی یادگار ہے، جب عورت کو وہ درجہ نہیں دیا جاتا تھا، جس کی وہ مستحق ہے، اور یہ قانون اب اس ترقی یافتہ دور میں باقی رہنے اور چلنے کے قابل نہیں ہے، جب حقائق سے پردہ اٹھ گیا ہے، قدیم رسم ورواج داستان پارینہ بن گیا ہے، عورت زندگی میں برابر کی شریک ہے، اور اب ترقی یافتہ مغرب ہی اس سلسلہ میں قابل تقلید واستفادہ ہے۔

اس پروپیگنڈہ کا کچھ اثر مسلمان بالخصوص جدید تعلیم یافتہ طبقہ پر بھی ہوا ہے اور وہ ایک طرح کے احساس کمتری (INFERIORITY OOMPLIXI) میں مبتلا ہو گیا ہے، اور اس میں اپنے عائلی قانون پر افتخار ہی نہیں اعتماد واطمینان اور دفاع کا جزبہ بہت جگہ سرد پڑ گیا ہے، ہم اس موقع پر چند مغربی ماہرین قانون، مؤرخین تمدن وتہذیب اور مغربی دانشوروں کے اقوال پیش کرتے ہیں، جنہوں نے صاف اس بات کا اعتراف کیا ہے، کہ اسلام کا عائلی قانون دوسرے قوانین کے مقابلہ میں کہیں زیادہ منصفانہ، حقیقت پسندانہ اور کہیں زیادہ طبقۂ نسواں کے احترام اور اس کے ساتھ انصاف ومراعات پر مبنیٰ ہے، یہ بیانات ہمارے مرعوب تعلیم یافتہ طبقہ کی آنکھوں سے پردہ اٹھادینے کیلئے کافی ہیں، جس نے آزاد تقابلی مرلالعہ کی زحمت گوارہ نہیں کی، اور یک طرفہ سطحی بیانات سے متاثر ہے۔

اس سلسلے میں ہم سب سے پہلے ایک مغربی فاضلہ کا بیان پیش کرتے ہیں، اس لئے کہ اس سلسلہ میں خواتین زیادہ (SDENSITIVE)، جذباتی، زود احساس اور رقیق الشعور (SENTIMENTAL) واقع ہوتی ہے، اس لئے کہ یہ ان کے طبقہ کا قضیہ ہے اور وہ اپنے طبقہ کی طرف سے دفاع اور اس کی حمایت اپنا فرض سمجھتی ہیں۔

مسز اینی بسنٹ (MRS.ANNIE BESANT)

ہندوستان میں ایک تربیتی اصلاحی تحریک کی قائد اور جنوبی ہند کے ایک ثقافتی ادارہ (تھیا سوفیکل سوسائٹی) کی صدر رہی ہیں، انہوں نے ہندوستان کی تحریک آزادی میں بھی حصہ لیا تھا، وہ اپنی کتاب ''ہندوستان کے عظیم مذاہب،، میں لکھتی ہیں۔

''قرآن مجید کی آیت ہے، ومن یعمل من الصالحات من ذکر أئو أنثیٰ وھو مؤمن فأولئک ید خلون الجنة ولا یظلمون نقیراً۔ (اور جو کوئی نیکیوں پر عمل کرے

گا (خواہ) مرد ہو یا عورت اور وہ صاحب ایمان ہو تو ایسے سب لوگ جنت میں داخل ہوں گے، اور ان پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا) پیغمبر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیمات عام اخلاقی ہدایات میں محدود نہیں، بلکہ عورتوں کی وراثت کیلئے پورا قانون قرآن مجید میں موجود ہے اور وہ قانون اپنے عدل وانصاف اور آزادی کی وسعت اور کارفرمائی میں اس مسیحی وانگریزی قانون سے کہیں زیادہ فائق ہے، جس پر اب سے بیس سال پہلے تک برطانیہ میں عمل ہوتا رہا ہے، اسلام نے عورت کے لئے جو قانون بنایا ہے وہ ایک مثالی قانون کا درجہ رکھتا ہے، اس نے عورتوں کے حقوق کی حفاظت اور امکانی حد تک ان کی مدد کا ذمہ لیا ہے اور ان کے کسی ایسے حصہ (جو وہ اپنے اعزاء، بھائیوں اور شوہروں سے پائیں) دست درازی کا سدباب کردیا ہے۔

ایک دوسری جگہ لکھتی ہیں:۔

''یک زوجگی وتعدد ازدواج کے الفاظ نے لوگوں کو مسحور کردیا ہے، اور وہ مغرب میں عورت کی اس ذلت پر نظر ڈالنا نہیں چاہتے، جس سے اس کے اولین محافظ سڑکوں پر صرف اس لئے پھینک دیتے ہیں کہ اس سے ان کا دل بھر جاتا ہے اور پھر وہ ان کی کوئی مدد نہیں کرتا،،۔ عظیم ونامور فرنچ مصنف ودانشور گستاولیبان اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''تمدن عرب،، میں لکھتا ہے۔

''میراث کے وہ اصول جو قرآن میں صراحت کے ساتھ آئے ہیں، وہ عدل وانصاف کا ایک واضح مظہر ہیں، ان کے اور ان حقوق وقوانین کے درمیان مقابلہ کرنے سے فرانس وانگلستان میں عورت کے بارے میں ہیں، صاف ظاہر ہوتا ہے کہ شریعت اسلامی نے شادی شدہ خواتین کو (جن کے بارے میں مغرب میں دعویٰ کیا جاتا ہے کہ مسلمان ان کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے)

میراث کے وہ حقوق دیئے ہیں جن کی نظیر ہمارے قوانین میں نہیں ملتی، اسلام کا اثر مشرق میں عورت کی پوزیشن پر بہت گہرا اور وسیع تھا، اس نے عورت کی معاشرتی پوزیشن کو گھٹانے کے بجائے بہت بلند کردیا، ان تمام دعاوی ومزعومات کے خلاف، جو بغیر کسی دلیل ومطالعہ کے یورپ میں دہرائے جاتے ہیں، قرآن نے عورت کو وہ وراثتی حقوق عطا کئے ہیں، جو ہمارے مغربی قوانین سے کہیں بہتر ہیں، اسلام میں عورتوں کے مرتبہ واہمیت پر اس سے بھی روشنی پڑتی ہے کہ عربوں کے تمدن کے عروج کے زمانہ میں ان میں کثرت سے ایسی خواتین نظر آتی ہیں جو

بڑا بلند علمی وادبی مقام رکھتی تھیں عہد عباسی میں ان کی ایک بڑی تعداد مشرق میں اور عہد اموی میں اسپین (اندلس) میں پائی جاتی تھی۔

والٹیر (VOLTAIRE) اپنے مضمون میں، جو فلسفہ قرآں کے عنوان سے ہے، ڈکشنری آف فلاسفی (DICTIONARO OF PHILOSOPHY) میں لکھتا ہے۔

''ہم اس سے ناواقف نہیں ہیں کہ قرآن، عورت کا وہ امتیاز مانتا اور بیان کرتا ہے، جو اس کو فطرت کی طرف سے ملا ہے لیکن قرآن اس بارے میں تورات سے مختلف نظر آتا ہے، کہ وہ عورت کی فطری کمزوری کو'' خدائی سزا،، نہیں مانتا جیسا کہ سفر التکوین الاصحاح الثالث نمبر ۱۶ میں ہے۔

یہ غلط بیان اور تلبیس کی بات ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسے عظیم شارح کی طرف عورتوں کے حق میں زیادتی وناانصافی منسوب کی جائے، حقیقت تو یہ ہے کہ قرآن کہتا ہے کہ:

فان کرھتموھن فعسیٰ ان تکرھوا شیئاً ویجعلل اللہ فیہ خیراً کثیراً۔

اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں، تو عجب کیا کہ تم اس شئی کو ناپسند کرو اور اللہ اس کے اندر کوئی بڑی بھلائی رکھ دے۔

نیز

ومن آیة أن خلق لکم من أنفسکم أزواجاً لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودةً ورحمةً ان فی ذلک لآیتٍ لقومٍ یتفکرون.

اور اسی کی نشانیوں میں ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس کی بیویاں بنائیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے (یعنی میاں بیوی کے) درمیان محبت وہمدردی پیدا کر دی، بیشک اس میں ان لوگوں کے نشانیاں ہیں جو۔ کام لیتے رہتے ہیں۔

دوسرا مغربی مصنف اپنی کتاب DEFENCEI OF ISLAM میں لکھتا ہے۔،

''اگر معاشرتی نقطہ نظر سے یورپ میں عورت ایک بلند مرتبہ ومقام پر پہنچ گئی ہے، تو اس میں شک نہیں کہ اس کی پوزیشن مذہبی وقانونی حیثیت سے چند سال پہلے تک (اور بعض

مقامات پر اب تک) اپنے مرتبہ ومقام میں اس سے کم ہے، جو مسلمان خاتون کو عالم اسلام میں حاصل ہے،،۔

مسٹر (N COULSON) لکھتے ہیں۔

''بلاشبہ عورتوں کی حیثیت کے بارے میں خاص طور پر شادی شدہ عورتوں کے معاملہ میں قرآنی قوانین افضلیت کے مقام رکھتے ہیں، نکاح اور طلاق کے قوانین کثیر تعداد میں ہیں، جن کا عمومی مقصد عورتوں کی حیثیت میں بہتری لانا ہے اور وہ عربوں کے قوانین میں انقلاب انگیز بدیلی کے مظہر ہیں، اسے قانونی شخصیت عطا کی جو اس سے پہلے حاصل نہیں تھی، طلاق کے قوانین میں قرآن نے سب سے بڑی تبدیلی جو کی ہے وہ عدت کی اس میں شامل کرنا ہے،،۔

حضرات: ان نقول واقتباسات کے جو اسلام کے عائلی قانون کی نہ صرف معقولیت، انصاف پسندی بلکہ امتیاز وبرتری کی شہادتوں پر مشتمل تھے، پیش کرنے کے بعد اہل دین واہل دانش کے اس تاریخی اجتماع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ حقیقت بھی پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ فلسفہ اخلاق، وفلسفہ نفسیات اور فلسفہ مذاہب کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ مذہب کو اپنے مخصوص نظام معاشرت وتہذیب سے الگ نہیں کیا جا سکتا، دونوں کا ایسا فطری تعلق اور رابطہ ہے کہ معاشرت مذہب کے بغیر صحیح نہیں رہ سکتی اور مذہب معاشرت کے بغیر مؤثر ومحفوظ نہیں رہ سکتا، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ مسجد میں مسلمان ہیں (اور مسجد میں کتنی دیر مسلمان رہتا ہے، اپنے سارے شوق عبادت کے باوجود؟) اور گھر میں مسلمان نہیں اپنے معاملات میں مسلمان نہیں، اپنے عائلی وخاندانی راوبط وتعلقات میں مسلمان نہیں، حقوق کی ادائیگی اور ترکہ کی تقسیم میں مسلمان نہیں۔

اس لئے ہم اس کی بالکل اجازت نہیں دے سکتے، کہ ہمارے اوپر کوئی دوسرا نظام معاشرت، نظام تمدن اور عائلی قانون مسلط کیا جائے، ہم اس کو دعوت ارتداد سمجھے ہیں، اور ہم اس کا اس طرح مقابلہ کریں گے، جیسے دعوت ارتداد کا کرنا چاہئے، اور یہ ہمارا شہری، آئینی، جمہوری اور دینی حق ہے، اور ہندوستان کا دستور اور، اس جمہوری ملک کا آئین اور مفاد نہ صرف اس کی اجازت دیتا ہے، بلکہ اس کی ہمت افزائی کرتا ہے کہ جمہوریت کی بقاء، اپنے حقوق کے

تحفظ اور اظہار خیال کی آزادی، ہر فرقہ اور اقلیت کے سکون واطمینان میں مضمر ہے۔

مگر ابھی آئینی اور حکومت سطح پر کوئی ایسا اقدامی یا خطرہ سامنے نہیں آیا تھا، جس کا کھلے طور پر نوٹس لیا جائے، اور اس خطرہ کا دفاع کرنے، یا اس سے محفوظ رہنے کی منظم اور جمہوری طریقے پر کوشش کی جائے کہ اچانک سپریم کورٹ کی طرف سے یکساں عائلی قانون کے نفاذ کا مطالبہ کیا گیا، اور حکومت کی توجہ دلائی گئی کہ وہ دستور ہند کے اس رہنما اصول کو نافذ کرے، کہ اس سے ملک میں اتحاد، معاشرے میں یکسانی اور وحدت پیدا ہوتی ہے اور اس سے ان بعض خطرات کا ازالہ ہوتا ہے، جو بعض فرقوں (بلکہ صحیح معنی میں اکثریت) کو پیش آرہے ہیں،،

سپریم کورٹ کے اس شگوفہ کو چھوڑنے سے جو دستور ہند کے بنیادی اصول اور دفعہ'' مذہب میں عدم مداخلت،، کے بالکل منافی اور اقلیت کے لئے ایک چیلنج ہے، مسلمانوں کو اور خاص طور پر دین کا علم اور ملی غیرت رکھنے والوں اور ان میں بھی خصوصی طور پر مسلم پرسنل لا بورڈ کے ذمہ داروں کو چونکا بلکہ لرزا دیا، جنہوں نے مطلقہ کو دائمی نفقہ دینے کے خلاف مہم چلائی تھی، اور سپریم کورٹ کے اس فیصلہ کو منسوخ کرانے میں جو اس نے شاہ بانو کیس میں کیا تھا، غیر معمولی اور تاریخی کامیابی حاصل کی تھی۔

سپریم کورٹ کی حکومت کو اس توجہ دہانی اور پریس میں اس کے آجانے کے بعد مسلمانوں میں (بلا اختلاف فرقہ واریت، حلقہ خیال اور سیاسی تنظیم و پارٹی) ایک کھل بلی سی مچ گئی اور شاہ بانو کیس سے بھی زیادہ اس مذہب میں صریح مداخلت کے خطرات پیدا ہو گئے اس لئے کہ شاہ بانو کیس صرف ایک جزئیہ سے تعلق رکھتا تھا، وہ مطلقہ کو دائمی نفقہ دینے کا مسئلہ تھا، جس کی شریعت اسلامی میں کوئی قید وشرط نہ تھی لیکن یونیفارم سول ڈ پوری شریعت اسلامی، نکاح وطلاق تعدد ازدواج کی اجازت، نفقہ ومیراث سب کیلئے ایک چیلنج اور ان کے ازالہ اور سد باب کیلئے دروازہ کھولنا تھا، اور مسلمانوں کے لئے (جو ایک مکمل آسمانی شریعت منزل من اللہ کتاب اور عادلانہ ومطابق فطرت معاشرتی قانون رکھتے ہیں، خطرہ کی ایک گھنٹی بلکہ زندگی کی پوری چلتی ہوئی گاڑی کیلئے خطرہ اور روکنے کا ایک سگنل تھا۔

پھر سپریم کورٹ کی یہ توجہ دہانی بالکل ایک بے وقت، بے ضرورت اور بے فائدہ کام تھا کہ اس ملک کے حالات میں کوئی بہتری، باہمی اعتماد کی فضا ایک ملک کی تعمیر وترقی کے لئے

کوئی جذبہ اور جوش نہیں پیدا ہوتا تھا بلکہ ملک میں ایک نئے انتشار کا اندیشہ اور صف آرائی کا خطرہ تھا اس لئے کم سے کم مسلمان اپنے عائلی قانون کو (بجا طور پر) عقائد وفرائض کی طرح دین کا ایک جزء اور قرآن کا ایک حصہ سمجھتے ہیں، اس عائلی قانون کی بنیادیں، اس کے اہم اجزاء قرآن مجید میں (نصوص کی صورت میں) صراحۃً موجود ہیں پھر اس سے ملک کے مختلف فرقوں اور مذہبوں میں کسی طرح بھی اتحاد اور وحدت نہیں پیدا ہوسکتی کہ اس کا اس سے دور کا بھی تعلق نہیں، اور دن رات اس کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے کہ ایک عائلی قانون رکھنے والے ایک دوسرے سے برسر پیکار اور دست وگریباں ہیں۔

اس سلسلہ میں کچھ فیصلے اور اقدامات ضروری ہیں، جو اس ملک میں آئینی حیثیت اور اعلان کی حد تک سیکولر (SECULAR) ہے لیکن عملی اور واقعاتی طور پر وہ اکثریت کے مذہب، تہذیب ومعاشرت اور رجحانات کے تابع ہوتا جارہا ہے، اور یہاں تدریجی طور پر ملک کا رخ اکثریت کے ترجمان وپسندیدہ نظام تعلیم، طرز عمل اور عائلی ورسوم کی طرف پھیرا جارہا ہے۔

۱۔ پہلا ضروری اقدام وفیصلہ یہ ہے کہ اس ملک میں جابجا شرعی دارالقضاء قائم ہوں، جہاں سے عائلی اختلافات وتنازعات اور واقعات وحوادث کا شرعی فیصلہ معلوم کیا جائے اور اس پر عزم وخلوص اور دیانتداری کے ساتھ عمل کیا جائے اس سے مسلمان خاندان اس طوالت مصارف کثیر اور سب سے بڑھ کر شریعت کی مخالفت کے امکان وخطرہ سے بچ جائیں گے، جس کا عدالتی فیصلوں سے خطرہ ہے اور اس کے بار بار تجربے ہو چکے ہیں، پھر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ شرعی فیصلہ پر فریقین اکثر راضی ہو گئے ہیں اور ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے ہیں اور وہ محاذ آرائی ختم ہوگئی ہے، جو اس سے پہلے موجود تھی، پھر اس سے ان کو وہ اجر وثواب ہوتا ہے، جو حکم خداوندی کے سامنے سر تسلیم جھکا دینے سے حاصل ہوتا ہے، اور وہ خدا کے حکم سے اس سرتابی اور بغاوت سے بچ جاتے ہیں، جس کے بارے میں قرآن مجید کے صاف الفاظ ہیں:

ومن لم يحكم بمآ أنزل الله فاولئک هم الفسقون۔

اور جو کوئی اس کے نازل کئے ہوئے (احکام) کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو ایسے ہی لوگ نافرمان ہیں۔

اس سلسلہ میں اسلامی عائلی قانون پر کتاب کی تدوین مکمل ہوچکی ہے اور ضرورت ہے

کہ وہ جلد زیور طبع سے آراستہ ہو اور اس کا انگریزی و ہندی میں ترجمہ بھی ہو جائے اور اسی کی روشنی میں ایسی شرعی عدالتوں ''اسلامی دار القضاء،، میں فیصلے ہوں۔

۲۔ دوسرا کام ''اصلاح معاشرہ،، کا کام ہے۔

یہ ایک مسلّم حقیقت ہے کہ اسلام صرف چند عقائد و فرائض اور عبادت مفروضہ کی ادائیگی میں محدود نہیں، وہ ایک پورا نظام حیات و معاشرہ ہے، جس کا تعلق دونوں انسانی جنسوں (ذکور واناث) اور ہر عہد اور ہر ملک کے مسلمانوں سے ہے، مسلمانوں کی زندگی اور معاشرت (اپنے تمام اقسام و مراحل کے ساتھ) شریعت کے اس سانچہ میں ڈھلی ہوئی ہونی چاہئے، جو اللہ کے آخری رسولؐ قیامت تک کے لئے لے کر آئے اور جس بارے میں واضح الفاظ میں اعلان کر دیا گیا کہ:

الیوم أکملت لکم دینکم اتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً.

آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت مکمل کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین کے پسند کر لیا۔

اور اسی حکمت کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں ہر نبی کو انسانی لباس میں (بشر کی حیثیت سے) بھیجا تا کہ وہ اپنی امت متبعین، اور ملک و معاشرہ اور اپنے عہد کے زندہ انسانوں اور مختلف الانواع طبقات کے لئے نمونہ اور مثالی و قابل تقلید ہستی بنے، خود سید المرسلین و خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی نوع بشر کے لئے، اسوۂ کامل بنا کر بھیجا، اور آپ کو ان تمام مراحل اور زندگی کے شعبوں سے گزارا، جو انسانی زندگی کے فطری و ضروری شعبے ہیں، یعنی صحت و مرض، شباب و کہولت، فراغت و مجاہدہ، صلح و جنگ، ازدواجی زندگی، اولاد کی پیدائش بھی اور ان میں سے بعض کی وفات بھی، پھر بعض دختران خاندان نبوت کے فریضہ ازدواج کی ادائیگی، پھر ان سب مراحل و شعبوں کے بارے میں (حدیث و سیرت کے ذریعہ) مستند ترین معلومات مہیا کرنے اور محفوظ رکھنے کا غیبی انتظام فرمایا، جس کی مثال صالحین و متقین، مصلحین و معلمین کا کیا ذکر، گزشتہ انبیاء علیہم السلام کے بارے میں بھی نہیں ملتی، اور پھر اس سب کے بعد فرمایا:

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنة لمن کان یر اللہ والیوم

الآخر وذکر اللہ کثیراً. (الاحزاب)

رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ موجود ہے تمہارے لئے یعنی اس کے لئے جو ڈرتا ہو اللہ اور روز آخرت سے اور ذکر الٰہی کثرت سے کرتا ہو۔

پھر اس کے بعد آپ ہی کی حیات طیبہ مبارکہ میں دار الہجرہ مدینہ میں وہ اسلامی معاشرہ قائم کیا، شباب وکہولت، خاندانی وقبائلی اختلافات، ذوق وصلاحیت کے تنوع کے ساتھ ایک زندہ، متحرک، حساس، عمل واختیار کی صلاحیتوں کے تنوع کے ساتھ آپ کی حیات طیبہ میں دس سال تک اور آپ کی وفات کے بعد خلافت راشدہ کے عہد میں ایک مثالی معاشرہ تھا، اس میں قدرۃً وفطرۃً شادیاں بھی ہوتی تھیں، نکاح بھی ہوتے تھے، اور طلاق بھی، بیٹی کو نکاح کے بعد رخصت بھی کیا جاتا تھا، اور بہو کو بیاہ کر گھر بھی لایا جاتا تھا، مہر بھی معین ہوتا تھا اور کسی نہ کسی شکل ومقدار میں جہیز بھی دیا جاتا تھا، والدین کے انتقال کے بعد میراث بھی تقسیم ہوتی تھی اور املاک وجائیداد میں بھی حصہ دیا جاتا تھا، تجارت، زراعت اور انواع معیشت میں مشارکت وحصہ داری بھی ہوتی تھی، غرض زندگی اپنی پوری تنوع کے ساتھ موجود تھی اور مستند ترین تاریخی ذرائع (تاریخ ومستند ومتواتر روایات کا ذریعہ) اس کی ایسی تصویر محفوظ ہے، جس میں ان سب کے نمونے انواع واوان، مظاہر ومناظر دیکھے جا سکتے ہیں۔

اس میں ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، جو عشرہ مبشرہ میں ہیں، مہاجر ہیں اور قبیلہ قریش سے تعلق رکھتے ہیں، اور اس کا پورا امکان ہے کہ اوپر کے خاندان کے اور بنی ہاشم (خاندان رسالت) کے رشتے بھی ہوئے ہیں، ایک دن معمول کے مطابق آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں، جو عام طور پر اس سے پہلے نہیں ہوتی تھی، آپ سوال فرماتے ہیں کہ عبدالرحمٰن کیا بات ہے، آج تمہارے کپڑوں میں بہت عطر لگا ہوا ہے؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ یا رسول اللہ، میں نے نکاح کیا ہے، اس پر حدیث وروایات کی کسی کتاب میں یہ نہیں ملتا کہ آپ نے شکایت واستعجاب کا کوئی لفظ فرمایا ہو کہ عبدالرحمٰن اتنی جلدی یہ بے تعلقی یا بے مروتی، تم نے ہمیں خبر بھی نہیں کی اور نہ دعوت دی، اور نہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے معذرت وشرمندگی کا کوئی جواب منقول ہے، حالانکہ یہ مسلم ہے اور تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ یثرب (جواب مدینہ طیبہ ہے) کوئی ایسا بڑا شہر نہیں تھا، جہاں اطلاع دینے کے لئے کوئی

بڑا فاصلہ طے کرنا پڑتا، اور یہ بھی ایک تجربہ اور مشاہدہ کی بات ہے کہ ایک شہر یا ایک نسل وپیشہ کے لوگ جب ترک وطن کر کے کسی دوسرے ملک یا شہر میں جاتے ہیں تو عام طور پر قریب ہی رہتے ہیں، اس لئے کہ وہ ایک دوسرے کے مزاج اور روایات سے واقف ہوتے ہیں، اور خواتین کو بھی ایک دوسرے سے ملنے جلنے میں آسانی ہوتی ہے، آپؐ یہ سننے کے بعد عبدالرحمن بن عوف نے نکاح کیا، صرف یہ فرماتے ہیں، کہ "اولم ولو بشاۃ"، (دیکھو ولیمہ ضرور کرنا، چاہے ایک بکری کا ہو)۔

یہ واقعہ اور روایت اس پر پوری روشنی ڈالتی ہے کہ عقد ونکاح کوئی ایسی ہنگامہ خیز اور زلزلہ خیز تقریب یا واقعہ نہیں ہے کہ سارے شہر کو، پوری برادری کو، اور اہل تعلق کو اس کی خبر کی جائے، اور ان کو مدعو کرنا ضروری سمجھا جائے ورنہ یہ سخت قابل شکایت بات ہوگی اور پھر اس میں ایسی اہتمام اور دھوم دھام سے کام لیا جائے، جس سے نکاح کرنے والے یا اس کے سرپرست خاندان کی حیثیت عرفی (SOCIAL POSITION) کا اظہار وتعین ہو۔

مدینہ طیبہ کی اس مثالی اور معیاری معاشرہ اور طرز زندگی کے بعد عرصۂ دراز تک (جب تک مسلمان بیرونی تمدنوں اور طرز معاشرت سے متاثر نہیں ہوئے اور ان میں اظہار شان وشوکت کی بیماری نہیں آئی) یہی طرز نکاح وازدواج اور سادگی اور محدودیت قائم رہی، عام طور پر مساجد میں نکاح ہوتے تھے بعض مرتبہ کسی نماز کے بعد اچانک اعلان کردیا جاتا تھا کہ نماز کے حاضرین تشریف رکھیں فلاح کا نکاح ہوگا اکثر خاندان کے تمام افراد کو بھی اس کی پہلے سے خبر نہیں ہوتی تھی۔(۱)

لیکن جب مسلمان ان ملکوں میں جا کر بسے جہاں دوسرا نظام معاشرت طریقہ شادی وغمی اور طرز زندگی رائج تھا جس میں عزت وافتخار شہرت ناموری اور حب جاہ کا جذبہ کام کررہا تھا یا وہ اس ملک کے قدیم روایات کے مطابق تھا جس میں دین ومذہب کا کم اور رسم ورواج کا زیادہ دخل تھا اور وہ وہاں کے مذاہب کے علم برداروں اور اجارہ داروں کے تساہل تغافل اور

(۱) ریاست ٹونک میں حضرت سید احمد شہید کے خاندان کے وہ لوگ جو صوبہ سرحد سے زندہ سلامت واپس آئے تھے اور دوسرے افراد خاندان ان کے وطن رائے بریلی سے آ کر بس گئے تھے اور اسی وجہ سے اس محلہ کا نام "قافلہ" پڑ گیا، یہی دستور تھا۔ معذرت کے ساتھ بطور لطیفہ لکھا جاتا ہے کہ ابھی حال میں بندہ نے لکھنؤ کی ایک مسجد میں جمعہ کی نماز کے بعد نماز جمعہ ختم ہونے پر وہیں منبر پر بیٹھ کر بیس نکاح پڑھوائے اور یہ سب کام بغیر کسی شور وہنگامہ کے ایک گھنٹہ کے اندر ختم ہوگیا۔

ایک حد تک تعاون کا نتیجہ تھا تو مسلمان جن کو اس معاشرے وماحول پر اثر ڈالنا چاہئے تھا اور اسکی اصلاح کرنی چاہئے تھے وہ الٹے اس معاشرہ وماحول اور طرز زندگی سے متاثر ہوئے انہوں نے نکاح کے مسنون فریضہ کو جو نہایت سادگی اور سہولت سے ادا کیا جاسکتا تھا ایک ''ہفتخواں،، سر کرنے کی مترادف بنادیا جس کے لئے بعض اوقات سودی قرض لینے، املاک کو فروخت کرنے یا رہن رکھنے کی نوبت بھی آجاتی ہے اور وہ تمام قبائح ومنکرات اس میں شامل ہوجاتے ہیں جن سے شریعت نے روکا ہے اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دین و شریعت کے صحیح ترجمانوں نے اس کی مذمت کی ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ قابل مذمت اور لائق توجہ مسئلہ زیادہ سے زیادہ جہیز دینے کے مطالبہ کا ہے جس کو خود مسلمانوں نے اختیار کرلیا ہے کہیں اس کا نام ''تلک،، ہے کہیں ''گھوڑا جوڑا،، اس کے سلسلے میں وہ قابل مذمت اور لائق نفرت اقدامات بھی پیش آنے لگے ہیں اور بیاہی خاتون کے ساتھ احتجاج اور مقاطعہ کے وہ طریقے اختیار کئے جاتے ہیں جو نہ صرف شرعاً واخلاقاً مذموم ہیں بلکہ وہ وحشت و جاہلیت کی یادگار ہیں جب دولت کی معبود کی طرح پرستش ہوتی ہے اور اس کے حصول کیلئے جب کچھ جائز سمجھا جاتا ہے۔

پھر اسی طرح طلاق کے بارے میں ترکہ کی تقسیم ومیراث کے بارے میں، رفیقۂ حیات کے حقوق کی ادائیگی اور معاشرت کے بارے میں بہت سے کوتاہیاں مسلمانوں کے معاشرہ اور عائلی زندگی میں ایسی داخل ہوگئی ہیں جنہوں نے اسلامی معاشرہ کا امتیاز اور وقار کھودیا ہے، اور کثیر الاتعداد مشکلات پیدا کردی ہیں۔ جو محض شریعت سے روگردانی اور ناواقفیت کا نتیجہ ہے جو ایک نعمت خداوندی کے طور پر انسانوں کو دی گئی تھی۔

ان حقائق کے پیش نظر جنہوں نے اسلام کی عمومیت، ابدیت مطابق فطرت ہونے اور نعمت خداوندی ہونے پر پردہ ڈال دیا ہے۔ اور مسلمان معاشرہ کو صدہا مشکلات میں قبائح میں مبتلا کردیا ہے ایک عالمگیر تو نہیں لیکن ہندگیر مہم چلانے کی ضرورت ہے یہ کام ''اصلاح معاشرہ،، کے عنوان سے مسلم پرسنل لابورڈ نے شروع سے اپنے پروگرام میں داخل اپنے فرائض میں شامل کیا تھا اس سلسلے میں پٹنہ میں لکھنو میں میرٹھ میں اور بستی میں اور بعض دوسرے مقامات پر اصلاح مقام کے نام کامیاب اور کثیر الازدحام کانفرنسیں ہوئیں جن میں پوری طاقت وتاثیر

کے ساتھ عقائد و فرائض اسلام کی پابندی کے ساتھ، اس کے معاشرتی نظام اور عائلی زندگی کے احکام کو قبول کرنے اور ان پر پورے عزم وقوت کے ساتھ عمل کرنے کی دعوت دی گئی اور صفائی کے ساتھ اس آیت کی روشنی میں مکمل اور مسلمانوں کو کامل اسلام کے قبول کرنے کی دعوت دی گئی۔

یآأیها الذین آمنو ادخلو فی السلم کآفته ولا تتبعو خطوات الشیطٰن انه لکم عدو مبین.

اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ، اور شیطان کے پیچھے نہ چلو وہ تو تمہارا صریح دشمن ہے۔

ضرورت ہے کہ یہ کام ہندگیر پیمانہ پر نہ ہو جا بجا "اصلاح معاشرہ،، کی وسیع مؤثر جلسے ہوں اس میں صوبہ گجرات کے، جس کے شاندار علمی و دینی تاریخ اور اس کے اس امتیاز وتفوق کا ذکر، خطبہ کی ابتدا میں آچکا ہے جو صرف اس برصغیر میں نہیں بلکہ (ایک طویل عرصہ تک) عالمی عربی و اسلامی میں حاصل رہا۔ ہر طرح شایان شان قرین قیاس اور حسب توقع واللہ الموفق المعین آخر میں اس اعزاز کے لئے جو صدارت کی شکل میں ناچیز کو حاصل ہوا ہے اور اس توجہ و التفات اور حسن اسماع کے لئے جس کا مؤقر حاضرین جلسہ نے اظہار کیا اللہ تبارک وتعالیٰ شکر اور آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

الحمد لله الذین هدانا لهٰذا وما کنا لنهتدی لولا أن هدانا الله لقد جاء رسل ربنا بالحق.

اندھیرے میں امید کی روشنی

26 جولائی 1964ء میں حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ممبئی (ہندستان) کے عمائدین اور چیدہ مجمع کے سامنے گفتگو کے انداز میں کچھ ہدایات فرمائیں۔ جو ہندوستانی مسلمانوں کے لئے چشم کشا نصائح کا درجہ رکھتی ہیں۔

آج کل سب سے زیادہ ہماری مجلسوں میں جس موضوع پر گفتگو ہوتی ہے وہ موضوع ہندوستان کے موجودہ حالات ہیں جہاں چار مسلمان بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں وہاں ضرور اس موضوع پر گفتگو ہوتی ہے اور یہ بالکل قدرتی بات ہے اپنے حالات کا احساس، حالات کا جائزہ، اس پر تبصرہ اور تذکرہ اس پر اظہار خیال یہ زندگی کی علامت ہے اور کوئی زندہ انسان بھی اس سے خالی نہیں رہ سکتا۔ لیکن ان حالات سے دو نتیجے نکالے جاسکتے ہیں ایک نتیجہ تو مایوسی، دل شکستگی اور کوئی ایسی صورت اختیار کرنا کہ جس سے آدمی ان حالات سے بالکل ہی نجات پا جائے کسی قسم کی کوئی تشویش اور کوئی بات باقی ہی نہ رہ جائے اس کے لئے آسان راستہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ ملک چھوڑ کر کسی دوسرے ملک میں آباد ہو جائیں۔

یہ ایک نتیجہ ہے جو کمزور طبیعتیں نکالا کرتی ہیں اور خاص طور پر وہ طبیعتیں جو یہ سمجھتی ہیں کہ حالات اور واقعات کی ڈوری گویا ہمارے ہی ہاتھ میں ہے یا ہمارے جیسے کسی دوسرے انسان کے ہاتھ میں ہے۔

لیکن یہ نتیجہ مسلمانوں کے ذہن سے مسلمانوں کے ایمان و یقین سے اس کی ذہنی تربیت سے بہت بعید ہے۔ اگر ہم یہ جان لیں کہ حالات کی ڈوری ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے بلکہ کسی اور کے ہاتھ میں ہے اور اس کے کچھ آئین ہیں اس کی طرف سے کچھ اعلانات ہیں کچھ تعلیمات ہیں کچھ وعدے ہیں کچھ شرطیں ہیں کچھ قوانین ہیں اور کچھ اس کی سنتیں ہیں تو پھر اس مایوسی اور پریشانی کی اور یہ جو ذہنیت ہے فرار کی حالات کے سامنے سپر ڈال دینے کی یا جہاں یہ حالات پیش آرہے ہیں وہ جگہ چھوڑ کر کسی دوسری جگہ چلے جانے کی یہ سب ذہنیتیں باقی نہیں رہ سکتیں۔

اسی طرح ہندوستان کے موجودہ حالات میں پہلی بات تو مجھے یہ کہنی ہے کہ یہاں کے حالات سے بھی دونوں نتیجے نکالے جاسکتے ہیں ایک نتیجہ تو وہ ہے جو قرین قیاس ہے عقل ذہانت کا فیصلہ ہے کہ ہندوستان میں ہمارا کوئی مستقبل نہیں، ہر جگہ فسادات ہوں گے، قتل عام ہوگا خون ریزی کا بازار گرم ہوگا، کارخانے لوٹے جائیں گے مسلمانوں کی عزت و ناموس پامال ہوں گے۔ اور اس ملک میں یا تو شودر بن جائیں گے یا خدانخواستہ ارتداد اختیار کرلیں گے ایک نتیجہ تو یہ ہے لیکن یہ نتیجہ ہے ان ذہنوں کی پیداوار اور خاصا ہے جن کی ذہانت صرف واقعات اور حالات تک محدود ہے ایک اور نتیجہ یہ ہے کہ ہم ہندوستان میں ایک خاص کام سے بھیجے گئے ہیں۔ ہمارے ذمہ ایک خاص پیغام ہے ایک مہم سپرد کی گئی ہے۔ اس مہم کی تکمیل کرنی ہے اور کسی ایک زمانے میں اس مہم کی تکمیل کافی بھی نہیں ہے جب تک انسان اس ملک میں ہے یہ مہم بھی باقی ہے ہمیں اس ملک میں اللہ کے دین کی طرف لوگوں کو بلانا ہے ہمیں آخرت کی یاد تازہ کرنی ہے ہمیں بتانا ہے کہ کھانے پینے کے علاوہ بھی کچھ مقاصد اور کچھ حقائق ہیں ہمیں بتانا ہے کہ کوئی ہے جو یہاں کا نظم و نسق چلا رہا ہے ہم جانوروں کی طرح پیٹ پالنے اور زندگی کے دن پورے کرنے کیلئے نہیں آئے ہیں بندگی کیلئے آئے ہیں۔ یہ کام ہر زمانے میں رہے گا اور ابھی تک کوئی قوم اور کوئی نسل ایسی پیدا بھی نہیں ہوئی جو ہم سے یہ چارج لے لے۔ تو ہمارے ہی اوپر یہ سب کام منحصر ہیں اور برا بھلا ہم ہی کو یہ خدمت انجام دینا ہے۔ یہ رحمت خداوندی اور حکمت الٰہی کے خلاف ہے کہ ہمارا یہاں سے بالکل خاتمہ کردیا جائے

مٹ نہیں سکتا کبھی مرد مسلماں کہ ہے
اس کی اذانوں سے فاش سر کلیم و خلیل

یعنی اس کی اذانیں حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغاموں کا اعلان کرتی ہیں تو ان اذانوں کی اگر ضرورت ہے تو مؤذن کی بھی ضرورت ہے۔ آپ حضرات جب مؤذن رکھتے ہیں تو کیا اس کو کھانے کو نہیں دیتے؟ عزت سے نہیں رکھتے؟ چھوٹی سی تنخواہ کا انتظام نہیں کرتے؟ اسی طرح اللہ کو اگر اس ملک میں مؤذن رکھنا ہے تو وہ اپنے شایان شان بندوبست فرمائیں گے۔ اس کی عزت بھی دوسری ہے اس کی حفاظت بھی دوسری ہے۔ اس کا معاش اور رزق بھی دوسرا ہے۔ اس کی ہر چیز زیادہ وسیع، زیادہ پائیدار، زیادہ قابل اطمینان اور زیادہ مستحکم ہے۔

ایک بات تو یہ ہے جو میں کہنا چاہتا ہوں خاص طور پر کلکتہ، ممبئی مدراس اور ایسے ہی دوسرے مرکزی مقامات پر یہ بات کہنے کی ضرورت ہے دوسری یہ بات نامکمل رہے گی۔ بالکل تشنہ رہے گی بلکہ ممکن ہے غلط اعتماد پیدا ہو۔ اس کے ساتھ اگر میں دوسری بات نہ کہوں وہ یہ کہ جس چیز میں آپ کی حفاظت کا راز ہے اس کا راز سمجھ لیجئے ہوشیار پرندہ وہ ہوتا ہے جو اپنے آشیانے کو دیکھتا رہتا ہے اور جس شاخ پر اس نے آشیانہ لگایا ہے وہ شاخ شاخ نازک تو نہیں ہے؟ ٹوٹ تو نہیں رہی ہے؟ اس پر تیشہ تو نہیں چل رہا ہے؟ باغباں اس کو کاٹ تو نہیں رہا ہے؟ نادان سے نادان پرندہ بھی دیکھتا رہتا ہے کہ جس شاخ پر اس نے گھونسلہ لگایا ہے بچوں کو بسایا ہے وہ شاخ قائم بھی ہے یا نہیں؟

آپ کی زندگی کا آشیانہ جس شاخ پر ہے وہ شاخ آپ کی افادیت ہے آپ کا پیغام ہے دین کے ساتھ انسانیت کے ساتھ آپ کا تعلق ہے۔ اس ملک کی آبادی کیلئے آپ کی زندگی کا مفید ہونا ہے۔ مقصد کے ماتحت آپ کی زندگی کا اس ملک میں گزرنا ہے آپ کے مال سے کارخانوں اور فیکٹریوں سے تجربوں اور محنتوں سے اس مقصد کو پورا ہونا ہے۔ اگر آپ ہیں اور وہ مقصد نہیں ہے یا آپ ہیں اور وہ مقصد پورا نہیں ہو رہا ہے آپ ہیں اور اس ملک کے لئے مفید نہیں ہیں کوئی خاص پیغام اس آبادی کو نہیں دے رہے ہیں بالکل گم ہو گئے ہیں جو دھارا بہہ رہا تھا یہاں حیوانی زندگی کا دھارا پیٹ پالنے کا دھارا اسی میں آپ نے بھی اپنے آپ کو پوری طرح ڈال دیا ہے۔ بے عذر تنکے کی طرح حوالے کر دیا ہے زندگی مقصد یہی بنا دیا ہے دکانیں قائم ہوئیں ملیں کھولیں۔ الھکم التکاثر کا منظر آپ کا بھی ہو۔ رضوا بالحیوۃ الدنیا واطمئنوا بھا کا نقشہ آپ کا بھی ہو۔ دنیا کی زندگی پر بالکل مست کچھ اور نہیں چاہیے۔

پس اگر زندگی کا یہی نقشہ آپ کا بھی بن جائے تو وہ شاخ محفوظ نہیں ہے جس پر آپ کی زندگی کا آشیانہ ہے وہ شرط پوری نہیں ہو رہی ہے جس پر صرف یہاں بلکہ ہر جگہ آپ کی حفاظت کا وعدہ ہے صاف صاف کہا ہے:

"لاتھنوا ولا تحزنو او انتم الاعلون ان کنتم مومنین،،

سست مت پڑو، ہمت نہ ہارو اور غم نہ کرو تم ہی سر بلند رہو گے اگر ایمان کی صفت رکھتے ہو۔

وما علینان الاالبلاغ المبین

انسانیت کی بقاء وتحفظ کی فکر

6/7 جون 1998ء کو شہر پونا میں رابطہ ادب اسلامی کی جانب سے منعقد ہونے والے سیمینار کے موقع پر مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمہ اللہ نے پیام انسانیت کے ایک جلسہ میں یہ اہم تقریر فرمائی جس میں برادران وطن کی بھی ایک خاصی تعداد موجود تھی۔

حضرات! مجھے آپ جیسے مؤقر حضرات کو دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی، میں بڑے مجمع کا ہرگز قائل نہیں ہوں۔ لوگ تھوڑے ہی ہوں لیکن ان کے اندر نت نئے جذبات موجزن ہوں، انسانیت کا درد ہو، خلوص ہو، ان کے اندر قربانی دینے کا جذبہ ہو، یہی اصل مقصود بھی ہے۔ تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ ہمیشہ انقلاب برپا کرنے والے تھوڑے ہی ہوتے ہیں۔ لہٰذا مجھے چند چیدہ افراد پر مشتمل ایک چھوٹا سا مجمع دیکھ کر اس لئے بہت خوشی ہو رہی ہے کہ آپ میں سے ہر ایک حقیقت کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

میرے بھائیو! ایک باپ کو جتنا غم اپنے بیٹے کی بیماری پر ہوتا ہے سچ تو یہ ہے کہ اتنا ہی غم اپنے پڑوسی کے بیمار پر ہوتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اتنا ہی غم اپنے پڑوسی کے بیمار ہو جانے پر اتنا ہی غم اپنے گاؤں میں بسنے والے کسی بیمار فرد پر اتنا ہی غم اپنے ملک کے کسی بھائی کے بیمار پڑ جانے پر ہونا چاہیے، یاد رکھئے! تاریخ اس بات پر گواہ ہے بلکہ میں بھی تاریخ کے ایک طالب علم کی حیثیت سے کہتا ہوں کہ جب بھی یہ حسین جذبہ کسی حساس دل کے اندر پیدا ہوا تو اس نے ساری سوسائٹی کو بدل ڈالا۔ ماحول اور معاشرے میں اصلاح کا زبردست کام کیا اور اپنا نام روشن کیا، گھر اور خاندان کا نام روشن کیا۔ اپنے ملک کا نام روشن کیا لیکن یاد رکھئے! یہ کام انہیں خوش قسمت افراد کے ہاتھوں انجام پاتا ہے جن کا ذہن ودماغ عصبیت سے خالی ہوتا ہے جو انسانیت کی بقاء وتحفظ کی خاطر جان عزیز تک کی بازی لگا دیتے ہیں لیکن انسانیت پر آنچ نہیں آنے دیتے لیکن افسوس اس بات پر ہے کہ آج معاملہ خلاف فطرت ہے انسان انسان سے وحشت کھائے، انسان انسان سے ڈرے، یہ بڑے تعجب کی بات ہے انسان شیروں سے ڈرے انسان پھاڑ کر کھا جانے والے درندوں سے ڈرے لیکن انسان انسان

سے ڈرے؟ یہ بڑے تعجب اور خسارے بلکہ انسانی بقاء وتحفظ کے خلاف بات ہے۔

میرے بھائیو! ہمیں چاہیے کہ ہم سب مل کر اپنے اس ملک میں نظام امن پیدا کریں اپنے ملک کے وقار کو مجروح نہ ہونے دیں آپس میں میل محبت کے ساتھ رہیں کسی کے بارے میں غیر ہونے کا گھٹیا تصور وخیال بھی ہمارے ذہن ودماغ میں نہ آنے پائے یہی وہ ملک ہے جس کے پریم ومحبت کی داستان سرائی دوسرے ملکوں میں ہوتی تھی بلکہ آج بھی ہوتی ہے ایک سیاح کی حیثیت سے بھی کہتا ہوں اور مجھے بار بار یورپ، امریکہ اور دنیا کے مشہور ممالک میں جانے کا اتفاق ہوا ہے اور خود یہ میرا مشاہدہ بھی ہے کہ جب لوگ یہ جان جاتے ہیں کہ یہ ہندوستانی ہیں تو یہ سمجھتے ہوئے بڑی قدر اور احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ یہ وہ قوم ہے اور یہ ایسے ملک کے رہنے والے ہیں جن کے اندر اختلاط کا حسین امتزاج ہے۔

میرے بھائیو! اب ان کی یہ خوش فہمی اور ان کا یہ خواب اس وقت شرمندہ تعبیر ہوگا جب کہ ہمارے اندر میل ومحبت ہو اور ہم میں جو ایک دوسرے کو گھٹیا سمجھنے کا غلط تصور پایا جاتا ہے وہ ختم نہ ہو جائے۔ اگر ہم ایسا نہیں کرتے ہیں تو ہم نے اپنے ملک کے ساتھ انصاف نہیں کیا بلکہ میں اس سے آگے بڑھ کر کہوں گا کہ ہم نے اپنی ذات کے ساتھ ناانصافی کی۔

یاد رکھئے! اگر معاملہ اس کے برعکس ہے تو میں آپ سے معذرت چاہتے ہوئے صاف صاف یہ کہتا ہوں اور کہوں گا کہ اس ملک ہندوستان کے لئے خطرہ ہے یاد رکھئے تاریخ نے آج تک کسی کو بخشا نہیں۔ آپ رومتہ الکبریٰ کے زوال کی تاریخ پڑھئے۔ ان کے یہاں جب کھانے کے وقت روشنی کی ضرورت پڑتی تو قیدیوں کو دربار میں لا لا کر جلایا جاتا اور جلنے کی وجہ سے جوان کے جسم سے روشنی نکلتی اس میں بیٹھ کر کھانا کھاتے ایک دوسرے سے ہنسی مذاق کرتے اپنی اپنی محفلیں سجاتے ان کے یہاں بھیڑیوں کو آدمیوں کے ساتھ بھیڑا دیا جاتا اور یہ کھڑے تماشا دیکھتے۔ گبن (GIBBON) نے اس قسم کے واقعات اپنی کتاب The Decline and Fallof the Roman Empireedkard Gibbon میں جمع کیا ہے آپ چاہیں تو ان کی یہ کتاب پڑھیں، اسی طرح آپ پرسین امپائر کے زوال کی تاریخ پڑھیں۔ یہ دنیا کے مختلف ملکوں کو فتح کر کے ہندوستان کے باڈر تک آ پہنچا لیکن اخلاقی نہیں، ذہنی ودماغی عصبیت اور دوسروں کو اپنے سے کمتر اور حقیر سمجھنے کے تصور نے اس کے

بھی ستارے کو غروب کر کے چھوڑا اس کے علاوہ میں آپ سے معذرت چاہتے ہوئے یہ بات بھی کہوں گا کہ بعینہ یہی حال آج یورپ اور ان ترقی یافتہ ملکوں کا ہے جن کے یہاں اخلاق نام کی کوئی چیز نہیں جو کسی حال میں اپنے سے بڑا کسی کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔ قریب ہے کہ یہ بھی زوال و اضمحلال کا شکار ہو بلکہ اب اس کے آثار بھی نمایاں ہو رہے ہیں۔

میرے بھائیو! آزادئ ملک کے باوجود آج ہم میں اتحاد نہیں۔ شیرازہ بندی ہماری رگ رگ میں داخل ہے۔ آج دنیا کے اندر بڑی بڑی مشینیں کام کر رہی ہیں لیکن صرف اخوت، بھائی چارگی، مساوات، ہمدردی، انسانیت کے ناطے ایک دوسرے پر مر مٹنے کے حسین جذبہ کی ہی مشین اپنا کام نہیں کر رہی ہے آج اگر ساری مادی طاقتوں کے باوجود قوموں اور ملکوں میں اتحاد اور بھائی چارگی نہیں تو یاد رکھئے میں صاف صاف کہتا ہوں کہ یہ ترقیات نہیں بلکہ ترقیات کے پردے میں تنزل وانحطاط ہے۔ علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گذرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر نہ کر سکا
اپنی حکمت کے خمو پیچ میں الجھا ایسا
آج تک فیصلہ نفع و ضرر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

ہمارے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی مادی طاقت نہ تھی لیکن انہوں نے جو دنیائے انسانیت کے سامنے پیغام پیش کیا۔ آپ اگر دیانت داری کے ساتھ تاریخ کا مطالعہ کریں تو خود حقیقت آپ کے سامنے واشگاف ہو جائے گی۔

اسی طرح میں اس حقیقت کا بھی اعتراف کرتا ہوں کہ جس محبت و درد والے لوگ اس ملک ہندوستان میں پیدا ہوئے شاید کسی اور ملک میں پیدا نہ ہوئے ہوں آپ مولانا ابوالکلام آزاد کی زندگی دیکھیں آپ مولانا محمد علی جوہر کی زندگی کا جائزہ لیں۔ اسی طرح گاندھی جی کی خدمات پر غور کریں تو یہ بات آپ کی سمجھ میں

آ جائے گی کہ کسی انسان کی ترقی کے لئے یا کسی ملک کی ترقی کے لئے کن کن عناصر کی ضرورت پڑتی ہے اور کن کن قربانیوں کی ضرورت پڑتی ہے۔

لہٰذا آج ضرورت ہے کہ اپنے اندر سوز دروں اور جذبہ صادق پیدا کیا جائے اپنے اخلاق کو بلند کیا جائے۔ ایک دوسرے سے بھائی چارگی کے ناطے، انسانیت کے ناطے ملنے جلنے کے رواج کو بغیر کسی بھید بھاؤ کے عام کیا جائے۔ یاد رکھئے! یہی وہ عناصر ہیں جن کے بغیر کسی قوم و ملک میں تبدیلی نہیں آ سکتی۔ بس اخیر میں آپ سے یہی اپیل کرتا ہوں کہ آپ اس ملک کو بچانے کی کوشش کریں۔ اگر یہ ملک بچا تو یقیناً یہ دوسرے ملکوں کے بھی کام آئے گا لیکن یہ اس وقت ہوگا جبکہ ہمارا ذہن و دماغ بھید بھاؤ سے خالی ہو اور ہمارے اندر اختلاط آپس میں میل جول، الفت و محبت کا حسین امتزاج ہو، میں اپنی بات اس امید کے ساتھ ختم کرتا ہوں کہ اب ہم انشاء اللہ ایک نیا جذبہ لے کر کھڑے ہوں گے۔ اور اپنے ملک کی بقاء وتحفظ کی خاطر اپنے اپنے سینے میں ایک چبھن محسوس کریں گے اور ہم سب ایک پلیٹ فارم پر کھڑے ہو کر اپنے اور اپنے ملک کی فکر کریں گے۔

خودکشی مت کرو!

الحمد لله و کفیٰ و سلام علیٰ عباده الذین اصطفیٰ. امابعد. فاعوذ بالله من الشیطان الرجیم بسم الله الرحمن الرحیم. و انفقو فی سبیل الله و لا تلقوا بایدکم الی التھلکة

میرے بھائیو اور دوستو! میں نے آپ کے سامنے ابھی سورۂ بقرہ کی ایک آیت پڑھی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔ اور نیکی کرو بے شک اللہ تعالیٰ اچھی طرح کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ یہ آیت جس کا ٹکڑا بہت سے مسلمانوں کو یاد ہوگا۔ بہت جگہ اس سے صحیح اور غلط طریقہ پر کام بھی لیتا ہے۔ اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو اس آیت کی صحیح تفسیر اور اس کے نازل ہونے کا موقعہ اور اس کی اصل مراد اس واقعہ سے معلوم ہوگی جو میں آپ کو سنانے والا ہوں۔

ایک جلیل القدر صحابی سیدنا حضرت ابوایوب انصاریؓ

ایک مرتبہ مسلمانوں کی فوج جس میں صحابہ کرامؓ بھی تھے اور بڑے مرتبہ کے مسلمان بھی، قسطنطنیہ (استنبول) کا محاصرہ کر رہی تھی، وہ قسطنطنیہ جو اس وقت خدا کے فضل و کرم سے مسلمانوں کے قبضہ میں ہے مگر اس وقت فتح ہونا مقدور نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کو کسی اور زمانہ میں کسی اور سے یہ کام لینا تھا اور اسے اسلام کے قبضہ میں آنا تھا..... اس وقت اس فوج میں بڑے بڑے جلیل القدر صحابہؓ تھے۔ انہیں میں سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے جن کو صحابیت کے شرف اور دوسرے بڑے بڑے کمالات کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی دولت سے بھی نوازا تھا جس پر قیامت تک مسلمانوں کو رشک آئے گا رشک آنا چاہیے یعنی کہ جو ساری دنیا کا میزبان تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا کی ضیافت کرنے اور اللہ تعالیٰ کے خوان نعمت سے فائدہ اٹھانے کے لئے مبعوث فرمایا تھا، ان کی میزبانی ہونے کا شرف اللہ تعالیٰ نے سیدابو

ایوب انصاریؓ کو عطا فرمایا یعنی میزبان عالمؐ ان کے مہمان رہے ہیں۔ یہ ایسی فضیلت تھی کہ صحابہ کرامؓ اس کا پاس ولحاظ رکھتے تھے اور ان کو رشک اور احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ان کی ہر بات بڑی توجہ سے سنی جاتی تھی اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان ہونے کا مطلب یہی نہیں ہے کہ انہوں نے آپ کی ضیافت کی اور آپ کی میزبانی کا شرف حاصل کیا بلکہ اس کا مطلب یہی ہے کہ ان کو سب سے پہلے زیادہ قرب کا موقع ملا۔ اس لئے اسلام کی روح سمجھنے اور اللہ تعالیٰ کے کلام کا منشاء سمجھنے کا ان کو وہ حق بھی تھا جو ہر مسلمان کو ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ ہے کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طویل صحبت بھی حاصل ہوئی تھی۔ اسی لئے ذات نبویؐ سے مناسبت اور قربت نے ان کو مؤمنانہ فراست اور ایمانی ذہانت بخشی تھی اور انہوں نے بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے وہ حضرت ابوایوب انصاریؓ بھی اس جہاد میں بہ نفس نفیس شریک تھے۔

دوران جہاد، ایک آدمی کا غلط تفسیر بیان کرنا

اسی دوران میں کہ محاصرہ جاری تھا اور بڑے گھمسان کی جنگ ہورہی تھی۔ یہ دیکھ کر ایک صحابیؓ سربکف صف سے نکلے اور صفوں کو چیرتے پھاڑتے آخری صف تک جہاں عام طور پر فوج کو لڑانے والے ہوا کرتے ہیں وہاں تک پہنچ جاتے، پھر اسی طریقہ سے صفوں کو درہم برہم کرتے واپس ہوتے، جیسے کوئی مشاق کھلاڑی اپنے کمالات دکھاتا ہے۔ اس طرح وہ دور تک دشمنوں کی فوج میں پہنچ جاتے اور پھر چلے جاتے۔ دیر تک یہ ہوا پھر مسلمانوں کی زبان سے بے اختیار نکلا کہ یہ کام تو صریحاً قرآن مجید کے حکم کے خلاف ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ولا تلقو بایدیکم الی التهلکة٥

یعنی تم اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ یعنی جان بوجھ کر ایسا کم نہ کرو جس سے جان جاتی ہو اور یہ تو ایک طرح کی خودکشی ہوئی۔ یہ شخص اس طرح کی خودکشی کر رہا ہے کہ اکیلا آدمی اس طرح دشمنوں کے نرغے میں گھس جاتا ہے۔ گویا کہ دشمنوں کے سمندر میں چھلانگ لگاتا ہے۔ یہ اس کو مناسب نہیں یہ کام جائز نہیں۔

سیدنا ابوایوب انصاریؓ کا، صحیح تفسیر کی طرف متوجہ کرنا

سیدنا ابوایوب انصاریؓ نے اس پر فرمایا کہ دوستو! اس آیت کی تفسیر ہم سے پوچھو۔ یہ تو ہمارے گھر کی آیت ہے۔ یہ ان آیتوں میں سے ہے جن کا تعلق خاص طور پر حضرت انصاریؓ سے ہے صحابہ کرامؓ متوجہ ہوگئے اور تمام مسلمان ہمہ تن گوش بن کر کھڑے ہوگئے کہ دیکھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے میزبان جلیل القدر صحابیؓ قرآن کا بہت علم رکھنے والے اس آیت کی کیا تفسیر بیان کرتے ہیں؟

صحابہ کرامؓ کی دینی جدوجہد اور اس کے نتائج

انہوں نے فرمایا کہ اصل میں یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی کہ جب اسلام مدینہ پہنچا اور ہم گھر کو چھوڑ کر اور سب سے آنکھیں بند کر کے دین کے کام میں ہمہ تن لگ گئے۔ کیسا باغ؟ کہاں کی کھیتی؟ کیسی دکان؟ کیسا مکان؟ کیسی اولاد؟ سب کچھ دین پر قربان تھا اور ساری پونجی اس پر نثار تھی۔ بالکل ایک سرفروشی اور خودفراموشی کی حالت تھی جو اسلام کی خدمت کے لئے سب پر چھائی ہوئی تھی کسی کو اپنے گھر بار کا ہوش نہ تھا۔ اس ایثار قربانی کا اس ظاہری دنیا میں جو قدرتی نتیجہ ہوا کرتا ہے اور جو قانون خداوندی اور قانون تکوینی ہے وہ ہوا ہماری تجارت کے دیوالیے نکل گئے۔ ہمارے باغات ویران ہوگئے۔ ہماری کھیتیاں برباد ہوگئیں۔ غرض یہ کہ ہمارے کاروبار اس سے متاثر ہوئے لیکن اسلام گھر گھر پھیلنے لگا۔ اور جیسے نور پھیلتا ہے اور بارش ہوتی ہے اس طرح اسلام مدینہ میں پھیلنے لگا۔ اب پہلی سی حالت نہ رہی۔ یعنی اتنا تو ابھی نہیں ہوا کہ سارا مدینہ مسلمان ہو جائے لیکن ہزاروں کی تعداد میں مسلمان ہوگئے۔ بہتیرے دولت ایمان سے مالا مال اور سینکڑوں اس باران رحمت سے نہال ہوگئے۔

دینی جدوجہد کے دوران صرف چھٹی کا تصور

اس وقت ہمارے دل میں یہ خیال آیا کہ پہلے کی طرح اب اسلام کو اس درجہ ہماری خدمات کی، ہمارے کل اوقات کی اور ہمارے بالکل تن من دھن سے اس کی خدمت میں لگ جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ احکام حالات کے ساتھ بدلتے ہیں۔ اس وقت یہ حکم تھا کہ کوئی اپنے گھر نہ بیٹھے کوئی اپنی جان کو اپنے مال کو اور اپنی اولاد کو اسلام سے زیادہ عزیز نہ سمجھے اور جب ضرورت تھی تو ہم سب کچھ چھوڑ کر اسلام کی خدمت کے لئے کود پڑے تھے۔ اللہ نے اس کی

توفیق دی اور ہم نے ایسا کیا لیکن اب وہ پہلی سی حالت نہیں ہے اب خدا کے فضل وکرم سے مسلمانوں کی تعداد میں بہت بڑا اضافہ ہوگیا ہے اب اسلام کی خدمت گزار اور اسکے سپاہی اور اس کے مبلغ بہت ہیں۔ اس لئے اگر ہم تھوڑے دن کی چھٹی لے لیں تو کیا حرج ہے؟ چھٹی کا قانون تو ہر نظام میں ہوتا ہے۔

بدرجہ ضرورت اور عارضی چھٹی کا خیال

یہ بات تو ان حضرات کے ذہن میں وسوسہ کے درجہ میں آئی۔ یہ وسوسہ اور ایک خیال بھی نہیں آسکتا تھا کہ ہم اپنے آپ کو مستقل طور پر سبکدوش کرالیں کہ حضور! اب اسلام کی خدمت کرنے والے بہت ہو گئے ہیں ہم کو آپ چھٹی دے دیجئے تا کہ ہم اپنے گھر جا کر بیٹھیں اتنے دن ہم نے کام کیا اب دوسرے کام کریں۔ یہ بات تو ان حضرات کے خواب وخیال میں بھی نہیں آسکتی تھی صرف اتنا ہی خیال ہوا تھا کہ وقتی طور پر محض عارضی طور پر کچھ چھٹی لے لیں۔ آدمی محاذ جنگ سے چھٹی لیا کرتا ہے اس کو گھر واپس کیا جاتا ہے۔ اسی طریقہ سے ہسپتالوں سے بھی چھٹی دی جاتی ہے اور ایسے بہت سے نازک کام ہیں جہاں کوئی وقت آجاتا ہے کہ آدمی چھٹیاں لے لیتا ہے۔ تا کہ ذرا تازہ دم ہو جائے، آرام کرے اور اپنے گھر کے ضروری کام انجام دے آئے۔

چھٹی لینے کا انجام یعنی دوز بردست نقصان

حضرت ابوایوب انصاریؓ فرماتے ہیں کہ ہمارے دل میں صرف یہ خیال آیا کہ ہم تھوڑے دن کے لئے چھٹی لے لیں۔ بس اس خیال کا آنا تھا کہ یہ آیت نازل ہوگئی کہ کیا یہ خطرناک زہریلا خیال تمہارے دل میں آیا؟ یہ کیا شیطانی وسوسہ تمہارے دل میں آیا؟ تم اللہ تعالیٰ کے کام سے چھٹی لینا چاہتے ہو۔ جانتے ہو کہ اس کا کیا انجام ہوگا؟ اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ اس کا نتیجہ جو تم سمجھ رہے ہو وہ نہیں ہے بلکہ تم جو کچھ سمجھ رہے ہو وہ تو ہو جائے گا یعنی کھیتیاں سرسبز ہو جائیں گی اور یہ چھوٹی چھوٹی پونجی کی دکانیں جس میں کمی نہ ہو، کس میں پانچ سو کا سامان ہے برائے نام معمولی سا کاروبار اس میں تمہیں کامیابی ہو جائے گی۔

تمہاری دکانیں جو بالکل بیٹھ گئی ہیں جس میں خاک اڑنے لگی ہے وہاں دو چار گاہک نظر

آنے لگیں گے۔ اس میں روزانہ دس بیس درہم کی آمدنی شروع ہو جائے گیا۔ تمہارے باغ جو بالکل سوکھ گئے ہیں ان کو پانی دو گے تو وہ ہرے بھرے ہو جائیں گے لیکن اس کے دو نتیجے نکلیں گے۔ ایک کا تعلق تمہاری ذات سے ہے اور دوسرے کا تعلق پوری کائنات سے ہے۔ جہاں تک تمہاری زات کا تعلق کا سوال ہے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارا نام اللہ کے یہاں خدمت گزاری کی فہرست سے کٹ جائے گا اور تم بھی انہیں قوموں میں شمار کئے جانے لگو گے جن کی قسمت پر مہر لگا دی گئی ہے اور جن کو جانوروں کی فہرست میں لکھ دیا گیا ہے کہ ان کا کام گائے بیل گھوڑے کی طرح کھانا، کمانا اور پیٹ بھرنا ہے اور اس کے بعد حشرات الارض کی طرح زندگی گزار کر دنیا سے چلے جانا۔

آج تمہارا نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپاہیوں، ساتھیوں اور جاں نثاروں اور انسانیت کو سرسبز کرنے والوں میں لکھا ہوا ہے۔ دنیا کے معماروں میں نیز دنیا میں دوبارہ بہار لانے کے لئے کوشش کرنے والوں میں لکھا ہوا ہے۔ تمہارے لئے حیات نو اور دنیا کی حیات بخشی مقدر ہے کہ تمہارے ہاتھوں پر یہ دنیا جو کہ محض ایک قمار خانہ محض ایک جانوروں کا، محض انسانوں کا قبرستان بن کر رہ گئی ہے۔ جہاں ناؤ نوش ہر وقت پینے پلانے اور کھانے کمانے کے سوا کوئی آواز بھی نہیں آتی۔ اس دنیا کو دوبارہ زندہ کرنا مقدر ہے۔ اس فہرست سے تمہارا نام نکل جائے گا اور یہ دنیا جو اللہ سے بچھڑ گئی تھی خدا کو بھول گئی تھی، آج پھر تمہارے ذریعہ سے خدا کی چوکھٹ پر سر جھکانے لگی ہے اور جن کے نام باغیوں میں لکھے ہوئے تھے۔ ان کے نام اولیاء اللہ میں، عارفوں میں، عبادت گزاروں میں اور علماء ربانیین میں دنیا کے نجات دہندہ لوگوں کی فہرست میں لکھے جانے والے ہیں۔ یہ فیصلہ بدل جائے گا اور تم کاروبار میں لگنا چاہتا ہو تو پہلا نقصان تو اپنا کرو گے کہ اس قدسی اور نورانی فہرست سے کٹ کر محض اپنے لئے جینے مرنے والوں میں تمہارا نام لکھ دیا جائے گا۔

دوسرا نتیجہ جو اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے وہ یہ ہے کہ دنیا کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو فلاح کا دروازہ کھولا ہے اور یہ جو دربار ہدایت کا دروازہ کھولا ہے۔ اور اس دنیا کے متعلق اب اللہ تعالیٰ کی تقدیر کا یہ جو فیصلہ ہے کہ یہ دنیا دوبارہ خدا کو پہچانے، دوبارہ خدا کے راستے پر چلے، دوبارہ خدائے واحد کی بندگی کرے اور پھر اس دنیا میں آئے ہوئے انسان کو اپنا حقیقی مقام معلوم

ہو...... اور انسان کو اپنی زندگی کا مقصد معلوم ہو۔ یہ دروازہ بند ہو جائے گا۔

بلندیٔ ہمت اور نگاہ یہ سب کچھ دینی جدوجہد کا ثمرہ ہے

تم چوپائے درندے نہیں اور فرشتے بھی نہیں بلکہ انسان ہو تمہیں حکم دیا گیا ہے کہ اپنی ضروریاتِ زندگی کو بقدر ضرورت مہیا کر کے اللہ کے کام میں لگو۔ اللہ کے دین کو دنیا کے کونہ کونہ میں پھیلاؤ اللہ کے پیغام کو دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچاؤ۔ اگر تم ایسا نہیں کر سکتے تو نقصان یہ ہوگا کہ پورا یہ عالم انسانی اور یہ پوری کائنات اس فیض سے محروم رہے گی۔ اور اللہ تعالیٰ ان کو جو نعمت عطا فرمانا چاہتا ہے اس نعمت کو روک لے گا۔ لہٰذا اس فیض سے محرومی ہلاکت ہے، تمہارے حق میں بھی اور دوسروں کے حق میں بھی۔

تم تو دنیا میں کسی شمار و قطار میں نہیں تھے اور معلوم نہیں تم کتنی بیماریوں کے شکار ہو سکتے تھے۔ کتنے دشمنوں کے لقمۂ اجل بن سکتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے تم کو ہر موقع پر بچایا اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے لئے منتخب فرمایا۔ اور تمہیں ایسی طاقتیں عطا فرمائیں جو دوسروں کو نہیں ملیں اور تم میں ایک نیا حوصلہ عطا فرمایا۔ تمہارے دست و بازو کو نئی طاقت عطا فرمائی تمہاری ہمتوں کو بلند کیا اور نگاہوں کو روشن کیا۔ یہ سب اس اسلام کے طفیل تھا۔

شانِ نزول کی مختصر تفصیل

اب اگر تم اسلام کی خدمت سے ہاتھ اٹھاتے ہو۔ تو اپنا بھی نقصان کرو گے، اپنے حق میں خودکشی اور دنیا کے حق میں بہت بڑی ہلاکت اور خسارہ کا سامان کرو گے دنیا ایک رخ پر جاتے جاتے فوراً دوسرے رخ پر پڑ جائے گی۔ ابھی اس کا رخ ضلالت سے ہدایت کی طرف، شقاوت سے سعادت کی طرف، ظلمت سے نور کی طرف جہالت سے علم کی طرف پڑا ہے اور پڑا بھی کہاں ہے؟ پڑنے کی امید پیدا ہوئی ہے لیکن اگر تم اسلام کی خدمت سے ہاتھ اٹھا کر اپنے پیٹ کی سیوہ میں اپنے بچوں کی پرورش میں اپنے گھر والوں کی خدمت میں لگ جاؤ گے اور گویا تم اللہ کی عبادت سے ہٹ کر اپنے نفس کی عبادت میں لگ جاؤ گے تو پھر دنیا پر خیر کا یہ دروازہ بند کر دیا جائے گا۔ یہ ہے تفصیل ان حالات کی جن میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تھی۔

اس آیت کے معنی وسیع اور اس کے نتائج دور رس ہیں۔ یہ آیت کسی ایک انسان کی ایک

انفرادی خودکشی کے بارے میں نہیں اتری ہے۔ کسی ایک فرد کے ہلاکت میں پڑنے کے متعلق نہیں ہے بلکہ یہ ایک بہت، بڑے اہم موقع پر نازل ہوئی تھی جس کا تعلق پوری نوع انسانی اور اس کے مستقبل سے ہے یعنی وہ لوگ جو دنیا میں ہدایت کا کام کرسکتے ہیں جس کی وجہ سے دنیا کو نئے حقائق کی طرف توجہ ہوسکتی ہے۔ نئی منزل کی طرف توجہ ہوسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوسکتی ہے۔ جن کے ذریعہ انسان اپنی موجودہ زندگی پر پشیمان ہوکر سوچتا ہے کہ ہائے! میں کیا زندگی گزار رہا ہوں۔ یہ تو جانوروں کی، چڑیوں کی اور چوپایوں کی زندگی ہے۔ کھانا پینا اور بستر پر دراز ہوکر سو رہنا اور پھر اٹھ کر بیل، گھوڑے کی طرح اس کام میں جٹ جانا یہ کوئی انسانی زندگی ہے؟ جو جماعت انسانوں کو چونکائے اس کی دعوت سے اس کے عمل اور کردار کی تاثیر سے اور اس کی تبلیغ کی سرگرمیوں کی وجہ سے لوگوں کے دماغوں پر چوٹ پڑے لوگوں کے دماغوں پر ضرب لگے۔ اس کے لئے یہ زندگی نہیں ہے۔ اگر اس عمل سے فرار اختیار کرلے تو دنیا والوں کو کون سنبھالا دے سکتا ہے؟ کون ہوگا جو دنیا والوں کو بلند حقیقت کی طرف متوجہ کرے گا اور ان سے کہے گا کہ اے انسانو! یہ کیا زندگی ہے؟ عمدہ سے عمدہ پہننا اور آراستہ ہوکر نکلنا زندگی ہے تو یہ مردوں کی زندگی ہے، اگر خوش آوازی اور خوش آہنگی زندگی کا حاصل ہے تو بلبل میں تم سے زیادہ زندگی ہے۔ اگر دوسروں کا پیٹ کاٹ کر کے دوسروں کا خون پی کر کے زندگی گزارنا آدمیت اور مقصد زندگی ہے تو یہ تو شیروں کی زندگی ہے اور تیندوے تم سے زیادہ زندگی اور آدمیت کے راز سے واقف ہیں۔

میرے دوستو! اگر ایک شخص ہتھیلی پر سر رکھ کر میدان جنگ میں کودتا ہے، تو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ زندہ سلامت بچ کر آجاتا ہے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بڑھ کر کون موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر لڑا ہوگا ور ہمیشہ موت کو ہنسی کھیل سمجھا ہوگا بتایئے۔ اسلام کی تاریخ میں جاں بازی کی تاریخ میں، سرفروشی کی تاریخ میں۔ خالدؓ سے بڑھ کر جانباز اور سرفروش کوئی گزرا ہے؟ لیکن وہی خالدؓ کہ جب انتقال ہونے لگا اور بستر پر طبعی موت آنے لگی تو کہنے لگے کہ میری زندگی میں کوئی ایسا موقعہ نہیں آیا کہ جہاں موت کا امکان ہو اور میں نے وہاں اپنے آپ کو پیش نہ کیا ہو لیکن خدا کی شان کہ آج میں بستر پر مر رہا ہوں۔

فلاناهت اعين الجبنا فلاناهت اعين الجبنا، فلاناهت اعين الجبنا.

مجھ سے بڑھ کر اپنی جان ہلاکت میں ڈالنے والا اور شہادت کی تلاش میں نکلنے والا اور کون ہوگا؟ لیکن خدا آج دکھا رہا ہے کہ میں بیماری کے بستر پر مر رہا ہوں۔ اور جو لوگ موت سے بھاگتے تھے کتنے دنیا سے رخصت ہو گئے؟ اور وہ اپنے تمام اندازوں کے خلاف اور تمام تیاریوں کے خلاف موت کا نشانہ بن گئے۔

دوستو! خودکشی یہ نہیں ہے کہ آدمی کسی وقت اپنی جان پر کھیل کر کسی وقت اپنے کاروبار کو خطرے میں ڈال دے کسی وقت دور اندیشوں اور ہوشیار لوگوں کے مشوروں کی خلاف ورزی کرے جبکہ لوگ اس کو اس طرح کے مشورہ دیں کہ بھائی یہ کاروبار بند کرنے کا وقت نہیں ہے یہ وقت دکان چھوڑ کر جانے کا نہیں ہے یہ وقت گھر بار چھوڑ کر جانے کا نہیں ہے۔ اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے تو وہ ان لوگوں کے مشورہ کے خلاف چل پڑے۔ جو لوگ کسی وقت آنکھوں پر پٹی باندھ لیتے ہیں۔ یا دیکھی ان دیکھی کر دیتے ہیں۔ وہ خودکشی نہیں کرتے ہیں۔ خودکشی وہ کرتا ہے جو اپنا مقصد زندگی فراموش کر کے اپنے دل کی پرستش میں لگ جاتا ہے۔ ایک مسلمان فرد اور ایک مسلمان جماعت کے لئے خودکشی یہ ہے کہ اپنا حقیقی مقصد بھول کر اور جو کام اللہ نے اس کے سپرد کیا ہے ان کو فراموش کر دے۔ اور یہ بھول جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس دنیا میں ایک اہم فرض کی ادائیگی کے لئے مبعوث کیا ہے۔

کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنھون عن المنکر و تومنون باللہ

یعنی تم اس کام کے لئے محض اسی مقصد کے لئے دنیا میں بھیجے گئے ہو لہٰذا اگر تم اس کام کو بالائے طاق رکھ دو اور اپنے کاروبار میں سر سے پاؤں تک ڈوب جاؤ اور خالص کاروباری انسان بن جاؤ "بزنس مین"، بن جاؤ اور تمہاری سب سے بڑی تعریف یہ ہو کہ تمہارے بارے میں یہ کہا جائے گا کہ فلاں [illegible] کوئی مسلمان فرد کوئی مسلمان گروہ اگر خالص کاروباری حیثیت اختیار کرنے کے لئے میں کاروباری ہوں۔ میرا کاروبار مقدم ہے پیٹ مقدم ہے، دنیا کے تقاضے مقدم ہیں۔ گھر والوں کے مطالبے مقدم ہیں۔ گھر والوں کی ضرورتیں مقدم ہیں اسی کو "قرآن مجید"، خودکشی کہتا ہے۔ قرآن اس کو "خودکشی"، نہیں کہتا جس میں موت موسوم ہے۔ اس کو خودکشی کہتا ہے جس میں حقیقی موت ہو، یقینی خودکشی وہ نہیں جس میں موت کا امکان

ہے۔ خودکشی وہ ہے جس میں موت یقینی ہے۔ خودکشی وہ نہیں ہے جس میں وہ عارضی جس مہلاک ہو جائے بیمار ہو جائے، تکلیف اٹھائے جس کو ایک دن مرنا ہے، جس کی حیات عارضی ہے، خودکشی وہ ہے جس میں اس روح کو تکلیف ہو جائے جس کو موت نہیں۔ خودکشی وہ ہے جس میں وہ مقصد فوت ہو جائے جو سرمایہ تھا۔ جو اثاثہ تھا جو پونجی لے کر نکلے تھے وہ ڈوب جائے۔ یہ ہے کاروباری ذہنیت کے خلاف نہیں حقیقی کاروبار وہ ہے جو اپنی پونجی سلامت رکھ کر نئے نئے تجربے کرے۔ خودکشی یہ ہے کہ آدمی دعوت کا کام نہ کرے آدمی اسلامی زندگی اختیار کرنے کے لئے نہ نکلے اور دین کے لئے ہجرت نہ کرے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی اس کے بعد بہت سے لوگ بلکہ بہت سے صحابیؓ بیٹھے رہ گئے کمزور تھے اور بہت سے کمزور نہیں تھے مگر انہوں نے وقت کی نزاکت کو محسوس کیا اور ہجرت نہیں کی اور بہت سے وہ تھے جنہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یا بعد میں مدینہ طیبہ کی ہجرت کی۔ انہوں نے کیا فتوحات حاصل کیں اور مراتب حاصل کئے وہ ان سے کہیں زیادہ تھیں جنہوں نے ہجرت نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

والسابقون الاولون من المهاجرين و انصار والذين اتبعوهم باحسان رضى الله عنهم ور ضو عنه

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لايستوى منكم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئك اعظم درجةمن الذين انفقوا من بعد و قاتلوا۔

وہ لوگ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اور اللہ کی راہ میں جان کی بازی لگائی اور جنہوں نے بعد میں جان کی بازی لگائی برابر نہیں ہو سکتے۔

خودکشی

غرض حقیقی خودکشی یہ ہے کہ انسان اپنے حقیقی فائدے سے اپنی آنکھیں بند کرلے اور اپنے حقیقی فائدے کو خطرے میں ڈالے۔ فائدے کو خطرے میں ڈالنا خودکشی نہیں ہے۔ بلکہ یقینی فائدے کو یقینی طور پر خطرے میں ڈال دینا اور ہمیشہ کے لئے تلف کر دینا اور ہمیشہ کے لئے اس سے محروم ہو جانا یقینی خودکشی ہے اور اپنے کو واقعی نقصان پہنچانا ہے۔

حکمت روح

اب میں آپ حضرات سے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آیئے ہم اور آپ موجودہ حالات کا جائزہ لیں جہاں اس وقت ہم بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ یورپ کی سرزمین ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے محض اتفاقیہ طور پر نہیں بلکہ اپنے حکمت بالغہ کے تحت ہم کو پہنچا دیا ہے۔ حالات کچھ بھی ہوں اسباب کچھ بھی ہوں وہ اسباب سیاسی ہوں یا اقتصادی، اس کا تعلق اپنے پیدائشی ملک سے نکل جانے سے ہو یا یورپ کے عام حالات سے ہو، بہر حال اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی اور بہت بڑی رحمت بھی تھی کہ اس کے کلمہ گو انسانوں کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے وابستہ انسانوں کو اگر چہ ہزار خرابیاں، ان کے اندر تھیں، ہزار نقائص تھے، میں نے جانا وہ صفائی میں کم، سلیقے میں کم، وہ مستعدی میں کم، وہ علم میں کم، وہ حسن و جمال میں کم، وہ ذہانت میں کم، اور مزید بھی جو بھی نقائص اور کمی ہوسکتی ہے وہ میں ماننے کے لئے تیار ہوں لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک امتیاز ایک جوہر ان کو ایسا عطا فرمایا جس سے یورپ کی یہ گوری قومیں جنہوں نے دنیا میں ڈیڑھ ڈیڑھ دو سو برس تک اپنی حکومتوں کا ڈنکا بجایا اور جس کا مشرق و مغرب میں طوطی بولتا ہے اور جنہوں نے فضاؤں میں اڑکر اور پانی پر چل کر دکھایا ہے اور جو چاند پر قدم جمار ہے ہیں ان کا دامن جس گوہر نایاب سے خالی ہے وہ کیا ہے؟ وہ ایمان کا جوہر اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کا جوہر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ حضرات کو اس سرزمین پر پہنچایا ہے اب میں آپ کو صاف کہتا ہوں کہ آپ کے لئے خودکشی کیا ہے؟ اور آپ کا اپنے اوپر احسان کیا ہے؟ ان دونوں باتوں کو اچھی طرح سمجھ لیجئے۔ بس آج کی بات یہی ہے کہ سارے فیصلہ کا انحصار بھی اسی پر ہے۔ آپ کے لئے تباہی کا راستہ کیا ہے؟ اور آپ کے لئے سرسبزی اور فروغ کا راستہ کیا ہے، آپ کے لئے ہلاکت اور خطرے کا راستہ کیا ہے اور آپ کی حفاظت وضمانت کا راستہ کیا ہے؟ یہ مجھ سے سنئے اور صاف سنئے۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس ملک میں بھیجا ہے۔ اگر آپ یہاں صرف کاروبار میں مصروف رہے آپ کی ساری ذہانت اور محبت اور ساری تگ ودو اسی پر صرف ہوتی رہی کہ ہم نے یہاں آکر کیا کمایا۔ ہم وہاں سے لے کر کیا آئے تھے اور اب یہاں ہم کس حیثیت کے آدمی ہو گئے

ہماری پوزیشن کیسی ہوگی۔ ہم نے بینک میں کیا جمع کیا۔ ہم نے اپنے ملک میں کیا بھیجا وہاں دیہات میں کچا مکان چھوڑ کر آئے تھے وہ پکی حویلی بن گئی یا نہیں۔ ہم نے اپنے بچوں کو یہاں تعلیم یافتہ بنایا ان کو کسی کاروبار میں لگایا یا نہیں؟ ہم نے اگر خود کو اس پیمانہ پر تولا تو یاد رکھئے یہ ایک اجتماعی اور عمومی خودکشی ہوگی ایک فرد کی خودکشی ہوتی ہے ایک قوم کی خودکشی ہوتی ہے فرد کی خودکشی فرد کے لئے ہوتی ہے۔

اور قوم کی خودکشی پوری قوم کے لئے باعث ہلاکت بنتی ہے لوگ غلطیاں کرتے ہیں اپنی موت بھی مر جاتے ہیں۔ زہر بھی پی لیتے ہیں۔ سمندر میں چھلانگ بھی لگا دیتے ہیں چھتوں سے کود بھی جاتے ہیں اس کے لئے دنیا کے لیل ونہار میں کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن جب کوئی قوم خودکشی پر آمادہ ہو جاتی ہے اور وہ فیصلہ کر لیتی ہے کہ ہمیں صحیح راستہ چھوڑنا ہے ہمیں ظلم وزیادتی کا گناہوں اور سرکشی کا راستہ اختیار کرنا ہے۔ ہمیں اپنے لئے کانٹے بونے ہیں تو پھر اس پر کھانے والا نہیں ہوتا۔ اور اس کی کوئی جگہ نہیں ہوتی نہ اس پر آسمان روتا ہے اور نہ زمین آنسو بہاتی ہے۔

میرے دوستو! آپ کے لئے دو راستے ہیں۔ ایک راستہ تو یہ ہے کہ آپ خالص کاروباری رہیں اور صبح سے شام تک اسی فکر میں رہیں کل میں مسجد میں عصر ومغرب کے درمیان بیٹھا ہوا تھا میرے کانوں میں مسلسل آوازیں آرہی تھیں۔ کوئی کہہ رہا تھا کہ ہم اس حالت میں آئے تھے پھر ہم نے یہ کاروبار کیا اور دوسرے صاحب بھی اس قسم کی باتیں کر رہے تھے اور اپنے اپنے تجربہ بیان کر رہے تھے۔ وہ پورا اپنے کاروبار کی داستان سناتے رہے۔ یہ چھوٹا سا نمونہ تھا جو میرے سامنے ایک مسجد میں جمعہ کے دن عصر ومغرب کے درمیان میں پیش آیا۔ تو جب ہمارا زیادہ سے زیادہ وقت اور جو دعا کی قبولیت کا وقت ہوتا ہے جو انوار الٰہی کے برسنے اور ملاء اعلیٰ کے متوجہ ہونے کا وقت ہوتا ہے اس میں جب ہمارا موضوع یہ ہو تو مسجد سے باہر کیا ہوتا ہوگا؟ اس کا آپ اندازہ کر سکتے ہیں۔ اگر انگریز پانچ منٹ محنت کرتا ہے تو ہم سات دن محنت کریں گے اگر انگریز انسان کی طرح محنت کرتا ہے تو ہم گھوڑے کی طرح محنت کریں گے۔ اگر انگریز کھاتا پیتا اور تفریح کرتا ہے تو ہم تفریح کو اپنے ملک میں چھوڑ آئے ہیں، اکٹھا تفریح کریں گے۔ اگر انگریز صحت کا خیال رکھتا ہے ہمیں صحت سے کیا غرض؟ پیسہ اصل چیز ہے۔ اگر انگریز سلیقہ سے کماتا ہے تو کمانے کا مزہ بھی اٹھاتا ہے۔ تو ہمیں اس سے مطلب نہیں ہمیں

بس پیسہ چاہیے۔ ہمیں تو دیکھنا ہے کہ کتنے دن میں کتنی دولت کمائی۔،،

میرے دوستو! اگر یہ آپ کی ذہنیت ہے تو آپ اس ملک پر دھبہ ہیں اور اس سے بڑھ کر آپ اسلام پر دھبہ ہیں۔ اس لئے کہ آپ اسلام کے لئے دروازہ ہیں۔ فرض کیجئے میں چھوٹی سی مثال آپ کو دیتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ خدانخواستہ یہاں مسلمان نہ آتے اور خالص کاروباری اور پیٹ پالنے والی زندگی کا نمونہ پیش کرتے اور مسلمانوں کے مکانات کے بارے میں ان کے جو تاثرات ہیں وہ نہ ہوتے اور یہاں اسلام کی عمدہ عمدہ کتابیں پہنچتیں اور اسلام کی تبلیغ ہوتی اور کوئی اللہ کا بندہ مؤثر طریقے پر انگریزی زبان میں قرآن شریف اور سیرت نبوی کو پیش کرتا ہو سکتا ہے کہ انگریز کہتا کہ جس پاک نبی کی یہ سیرت ہے، معلوم نہیں اس کی امت کا کیا حال ہوگا؟ کیا اس کے اخلاق ہوں گے؟ کیا اس کی زندگی ہوگی؟ وہ تو بس مقدس انسان ہوں گے؟ اور وہ تو دنیا سے بالاتر انسان ہوں گے اور وہ ہر چیز میں نمونہ ہوں گے۔ آئیڈیل اور معیاری ہوں گے، اور ان کی ہر چیز سیرت نبویؐ کے سانچے میں ڈھلی ہوئی نکلتی ہوگی۔ کیسے صاف ستھرے لوگ ہوں گے کیسے فرض شناس لوگ ہوں گے۔ کیسے صادق الوعدہ اور صادق القول ہوں گے۔ ان کی زندگی میں کتنا اعتدال ہوگا؟ کتنا حقوق اللہ اور حقوق العباد کا خیال ہوگا؟ غرض بہت اونچا تصور ہوتا ہو سکتا ہے کہ یہاں سے انگریز جاتے اور مسلمانوں کی زندگی کا مطالعہ کرتے۔ کسی اچھے ماحول میں پہنچ جاتے یا نہ پہنچتے خود قرآن سے متاثر ہو کر اسلام قبول کرتے۔ لیکن اب بتائیے۔ ہم نے اگر اسلامی زندگی کا اچھا نمونہ پیش نہ کیا اور ہم نے اس میں یہ نمونہ اور نظیر نہ قائم کی کہ مسلمانوں کے لئے ہدایت کی کوشش اور اللہ کو پالینے کی کوشش مقدم ہے۔ اس کے بعد ان کی دوسری کوشش ہے پہلے ہدایت پانا اور دنیا کو ہدایت دینا، ہدایت سے آشنا کرنا، اس کے بعد کھانا، بیوی بچے اور گھر بار اور وطن ہے۔ اگر آپ نے یہ نمونہ پیش نہ کیا، تو بتائیے کہ ہم نے اپنی ذات پر اور انسانیت پر ظلم کیا یا نہیں؟

اب آپ حضرات یہاں ہیں۔ آپ کے لئے میں اس کو خودکشی کہوں گا۔ اس کے بعد آپ مجھے معاف کریں میں ایسا بھیانک لفظ بول رہا ہوں کہ جس کے تصور سے بھی مسلمان کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں، ''حرام موت،،؟ کون حرام موت۔ کے لئے تیار ہوتا ہے؟ ہزار ہا پھانسی کے تختہ پر چڑھ جانا، ہزار ہا بار تکلیف میں ایڑیاں رگڑ کر مرنا خودکشی سے بہتر ہے۔

میں بار بار خودکشی کہہ رہا ہوں، کیا میرا ذوق اس کو قبول کرتا ہے؟ کیا یہ اچھا معلوم ہوتا ہے؟ مگر کیا کروں۔ قرآن شریف کا خود ارشاد ہے۔

ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکہ۔

اپنے ہاتھوں میں ہلاکت میں نہ پڑو۔ اسی کا نام خودکشی ہے۔ خودکشی کے معنی خود اپنے گلے میں پھندا ڈال کر خود موت کا سامان اختیار کرنا۔ یہی قرآن شریف کہہ رہا ہے۔

لہٰذا اگر آپ یہاں اس طرح رہے جیسے غیر مسلم رہتے یا بنئے رہتے ہیں، سمیٹنے اور عیش کی فکر رہتی ہے اور اس طرح رہے غیر مسلم رہتے ہیں اور اس طرح رہے کہ اصل اصل تو کاروبار اور دولت سے 24 گھنٹہ فرصت نہیں۔ ہر لمحہ اسی کا استغراق یعنی نفع اندوزوں کا استغراق، تجارت کا استغراق، اس میں آپ مدہوش رہے آپ کو اپنی زندگی بنانے کی فرصت نہیں۔ آپ کو اللہ کے اور شریعت کے احکام معلوم کرنے کی فرصت نہیں۔ حلال وحرام کا فرق معلوم کرنے کی فرصت نہیں۔ اللہ کے اچھے بندوں کے پاس بیٹھنے کی فرصت نہیں۔ اس طرف رخ کرنے کی فکر نہیں جہاں دین کا بازار لگا ہوا ہے۔ جیسے ہندوستان پاکستان اور ممالک اسلامیہ کے دینی مراکز وہاں جانے کی اور وہاں سے اپنی اصلاح کرا کے آنے کی اور دین کے سبق سیکھنے کی فرصت نہیں۔ بھائیو! یہ خودکشی ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ضمانت نہیں۔ اس ملک میں کل کیا ہوگا کوئی نہیں کہہ سکتا۔ میں بہت ڈرتا ہوں کہ کوئی بدفالی، بدشگونی کی بات کروں۔ میری دلی تمنا ہے کہ اس ملک میں جتنے مسلمان ہیں وہ عزت وحفاظت کے ساتھ رہیں اور مسلمانوں کی آمد کا سلسلہ برابر جاری رہے۔ یہاں تک کہ یہاں مسلمانوں کی ایک بہت بڑی آبادی قائم ہو جائے۔ میں اس کی دل سے دعا کرتا ہوں اور یہاں آکر بہت خوش ہو رہا ہوں کہ دیکھئے ان گھروں میں پہلے کیا ہوتا تھا۔ اس عمارت میں پہلے کس کا نام لیا جاتا تھا۔ آج اس میں اللہ کا نام لیا جاتا ہے۔

میں ابھی خطبہ مسنونہ پڑھ رہا تھا اور دل باغ باغ ہو رہا تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت مجھے بھی دی ہے مگر آج سے بیس سال پہلے کوئی میرا نام لے کر کہتا کہ ایک وقت آئے گا تو انگلستان جا کر گرجے میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے گا اور کہے گا۔ اشھد ان محمد عبدہ و رسولہ۔ رسولہ سے بھی پھوٹ پڑتی ہے مسیحیت پر وہ بھی کہیں میدان میں نہیں، کسی اسٹیج پر نہیں،

بی بی سی ریڈیو پر نہیں، بلکہ خالص گرجے میں جا کر اشہد ان محمد عبدہ ورسولہ کی صدا بلند کرو گے تو بھائی مجھے یقین نہ آتا۔ اب دیکھئے یہ جماعت کی برکت ہے۔ یہ تھوڑے سے دینی کام ہونے کی برکت ہے کہ آج گرجے اللہ کی عبادت کے مرکز بن رہے ہیں۔ توحید کا یہ چوتھا گرجا ہوگا جس میں خطبہ مسنونہ پڑھنے اور اللہ کا پیغام پہنچانے کی توفیق ہو رہی ہے۔

دوستو! آپ کی حفاظت کا راستہ صرف یہ ہے کہ آپ یہاں اللہ کا نام بلند کریں اللہ کا نام بلند کرنے کے لئے ہندوستان و پاکستان میں مسلمانوں کو جتنی کوشش کرنی پڑ رہی ہے اس سے زیادہ آپ کو کوشش کرنی پڑے گی۔ جب آپ محفوظ رہ سکیں گے۔ اس لئے کہ وہاں اسلام تو خدا کے فضل وکرم سے ایک ہزار برس گزر چکا ہے۔ وہاں پر اسلام کے ستون نصب ہیں وہاں تو اسلام کی جڑیں پاتال تک پہنچ چکی ہیں وہاں تو مسجدوں کے مینارے اور مدرسوں کے گنبد آسمان سے باتیں کر رہے ہیں۔ وہاں تو قال اللہ اور قال الرسولؐ سے فضائیں گونج رہی ہیں وہاں تو انشاء اللہ اسلام محفوظ ہے۔ لیکن آج یہاں اسلام تازہ تازہ آیا ہے۔ اور آپ کے زریعہ سے آ رہا ہوں یہاں کی فضا آپ کے ذریعہ سے کلمہ توحید اور کلمہ شہادت سے آشنا ہو رہی ہے۔ اگر تم سے چوک ہوئی اور تم نے کاروبار میں زیادہ وقت لگایا اور تم نے اصل مقصد کو فوت کر دیا اس کی سزا تمہیں بھی بھگتنی پڑے گی اور ضمنی طور پر اس ملک کو بھی اٹھانی پڑے گی۔ اور پھر سارے مسلمان بلکہ ساری دنیا کا یہ نقصان ہوگا کہ یہ اسلام کی ہدایت کا دروازہ یہاں کھلتے کھلتے بند ہو گیا اور آپ کے کاروبار کی حفاظت میں اس ہے کہ آپ یہاں اپنی صلاحیت ثابت کریں اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اپنی اہلیت ثابت کریں۔

اس موقع پر آپ کو خاص واقعہ یاد دلاتا ہوں۔

میدان بدر میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ لیا کہ جہاں تک ہتھیاروں کا تعلق ہے قوت و بازو کا تعلق ہے مسلمانوں کی فتح کا کوئی امکان نہیں بلکہ مسلمانوں کی شکست یقینی اور کفار کی فتح یقینی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ تو کیا معمولی جرنیل اور فوجی افسر بھی فوجی طاقت کا اندازہ کر لیتا ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جن کا سینہ اللہ نے کھول دیا تھا۔ الم نشرح لک صدرک جن کو اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ سلیم الفطرت اور سلیم الذہن پیدا کیا تھا آپ کو کیسے اس بات میں شبہ ہو سکتا ہے۔ فوراً آپ کی بصیرت نے دیکھ لیا اور نگاہ نبوت نے سمجھ

لیا کہ ظاہری آثار کیا ہیں؟ پھر آپ نے کیا کیا؟ آپؐ زمین پر سر رکھ کر سجدے میں پڑ گئے اور فرمانے لگے۔

اے اللہ! میں اس چھوٹی سی مٹھی بھر جماعت کے بارے میں کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ یہ کیا کر لے گی۔ اس کے پاس ہے ہی کیا، یہ نہتی، بے دست و پا جماعت، یہ کنگال جماعت جو گھر میں بھی اپنے بچوں اور گھر والوں کے لئے بجھے چولہے چھوڑ کر آئی ہے جس کے پاس تلوار نہیں تلوار ہے تو نیام نہیں جس کے پاس دو گھوڑے ہیں اور چند اونٹ میں کس منہ سے کہوں کہ یہ فتح کے مستحق لیکن ایک بات کہتا ہوں انہوں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ جب تک رہیں گے تو یہ منادی کرتے رہیں گے۔

اب تجھے اختیار ہے کہ ان کو ختم کر کے اس کا دروازہ بند کر دے اس کا امکان ختم کر دے یا اس کو باقی رکھ کر اس کا سلسلہ باقی رکھ۔ اللھم ان تہلک ہذہ العصابۃ لم تعبد............ اے اللہ! اگر تو اس مٹھی بھر جماعت کو طاقتور مٹا دے گا تو تیری پرستش نہیں ہوگی یہ معمولی آدمی کے کہنے کی بات تھوڑی تھی اس کے لئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتماد چاہیے۔ صلاحیت بھی چاہیے تھی کہ اس کے اخلاص کے متعلق پورا اطمینان تھا کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں یہ اس کی پوری تصدیق کریں گے۔ اے اللہ! اگر تو اس مٹھی بھر جماعت کی ہلاکت کا فیصلہ کرتا ہے کہ ان بھیڑیوں کے دانتوں میں ان کے سر اور منہ ہوں تو میں کچھ نہیں کہتا، صرف ایک بات کہتا ہوں کہ پھر تیری حقیقی عبادت دنیا میں نہیں ہوگی اس لئے کہ یہی وہ لوگ ہیں جو اس کا فیصلہ کر کے آئے ہیں۔

قیامت تک کی ضمانت

پھر کیا ہوا؟ میدان بدر میں ہر قسم کے قرائن، آثار اور توقعات، اندازے اور حسابات کے خلاف مسلمانوں کو فتح ہوئی اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے ضمانت لی۔ قیامت تک قائم رہنے والی ضمانت کہ اگر یہ رہتے ہیں تو تیرا ہی کام کرتے رہیں گے اور جب اللہ نے فتح دی تو گویا یہ بات مان لی گئی کہ جب تک رہیں گے۔ اللہ ہی کا کام کریں گے۔

ہدایت ونورِ نبوت سے محروم سرزمین

دوستو! یہاں یورپ میں بھی تم یہ فیصلہ کرتے ہو کہ زندگی کا اچھا نمونہ پیش کرو گے یہاں تبلیغ کے لئے وقت نکالو گے اس قوم کی ہدایت کے لئے اور اپنی اصلاح کے لئے وقت نکالو گے، اپنے اخلاق سے اپنے اعمال سے اپنی سرگرمی سے اپنی فکر اور دھن سے۔ تو انشاء اللہ اس ملک میں اسلام کو مضبوط کرو گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاروبار کی حفاظت کرے گا۔ تمہارا مستقبل محفوظ اور یقینی ہے اور اگر یہ نہیں ہے تو بھائیو! ایسے کاروبار میں تو ہندوستان کے مارواڑی اور پاکستان کی بہت سی برادریاں تم سے بڑھی ہوئی ہیں۔ پھر تمہاری کیا خصوصیت ہے؟ یہاں تم نے کون سا ایسا تیر مار دیا ہے اور ایسے چار چاند لگا دیئے ہیں یہاں تو تمہاری جو کچھ خصوصیت ہے قابلیت ہے وہ یہ کہ تم اس ملک میں جس کی زمین ہدایت کے لئے پیاسی ہے جس کے آسمان ہدایت کے لئے پیاسے ہیں جس کی فضائیں اذانوں کے لئے پیاسی ہیں وہاں پر تم یہ عہد کرو کہ ہم انشاء اللہ یہاں اسلام کو پھیلائیں گے، چمکائیں گے اپنی زندگی سے بھی اپنی تبلیغی سرگرمیوں سے بھی اور انشاء اللہ یہاں سچے پکے مسلمان بن کر اسلام کا جھنڈا بلند کریں گے۔

فرصت کو غنیمت جانیے

دوستو! مجھے یہی کہنا ہے کہ اللہ کے لئے وقت نکالنے میں پس وپیش نہ کیجئے۔ اس لئے کہ اس میں تمہاری اور تمہارے مال اور مستقبل کی حفاظت ہے ورنہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فلا یامن مکر اللہ الا القوم الخاسرون خدا کی مخفی تدبیروں کو کوئی نہیں جانتا اور جن کی قسمت میں نقصان اٹھانا لکھا ہے وہی اللہ کی مخفی تدبیروں سے مطمئن ہو سکتے ہیں۔ خدا جانے کس وقت ان کے دل میں یہ خیال پیدا کر دے کہ ان کالے لوگوں کو نکالیں۔ خدا جانے کون سا مسئلہ کھڑا ہو جائے اس وقت تم دیکھتے رہ جاؤ گے اور جہاز بھر بھر کر تم کو بھیج دیا جائے گا۔

آثار سے مآل کا اندازہ کیجئے

آج دل تمہاری طرف ہیں۔ تمہارا خیر مقدم کر رہے ہیں تمہاری ضرورت محسوس کر رہے ہیں کل تمہارے خلاف باغی ہو جائیں گے اور اس کے آثار شروع ہو گئے ہیں جب اللہ تعالیٰ تنبیہ کرنا چاہتے ہیں تو ایسے موقع پر ایسے آدمیوں کو کھڑا کر دیتے ہیں جو تمہاری دشمنی کا نعرہ

لگاتے ہیں تاکہ تمہاری آنکھیں کھل جائیں کہ افق پر دیکھ لو کہ کیا ہونے والا ہے؟ بادل اٹھ رہے ہیں۔ بجلی چمک رہی ہے پانی برسنے والا ہے اپنی چھتوں کو ٹھیک کرلو برسات کا موسم آ گیا ہے۔

بار نہیں ابر باراں بنو

میرے یورپ کے دوستو! برسات کا موسم آ گیا ہے اپنی چھتوں کے سوراخوں کو بند کرلو برسات میں تمہیں موقع نہیں ملے گا ہر ملک کی ایک برسات ہوتی ہے برما کی برسات آ گئی زنجبار کی برسات آ گئی تو معلوم نہیں کتنے ملکوں کی برسات آ گئی یورپ کی برسات آنے سے پہلے پہلے تیاری کرلو اور یہاں اپنا استحقاق اور اللہ کے یہاں اپنی صلاحیت ثابت کردو کہ تم رہو گے تو اسلام رہے گا انشاء اللہ تعالیٰ تمہیں محفوظ رکھے اور ہوا کا رخ ایسا بدلے گا کہ یہ بھی دیکھتے رہ جائیں گے اور یہی تمہاری خوشامد کریں گے کہ تم رہو القلب بین اصبعی الرحمٰن انسان کا دل رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان ہے اس لئے دل کو بدلتے دیر نہیں لگتی دل کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا سامان کرو اور وہ سامان یہ ہے کہ اپنی افادیت ثابت کرو۔ اپنی افادیت سے تم مستفید ہو اس سرزمین پر بار نہیں ہو تم اس سرزمین پر اللہ کی رحمت ہو پھر انشاء اللہ کوئی خطرے کی بات نہیں۔

یہ میں نے بہت دنوں تک کی بات کہہ دی۔ عمل کرنا تمہارا کام ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تمہیں بھی اور مجھے بھی ان اعمال سے نفع پہنچائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

پیام انسانیت

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء
والمرسلین اما بعد

حضرات! میں اپنی تقریر کا آغاز حضرت جگر مراد آبادی کے ایک شعر سے کروں گا، وہ کہتے ہیں:

عشق ہے پیارے کھیل نہیں ہے
عشق ہے کار شیشہ و آہن

پیام انسانیت کی آواز پر آپ حضرات ہندوستان کے مختلف حصوں سے یہاں تشریف لائے، مجھے اس بات کا اقرار ہے اور میرے ساتھیوں کو بھی کہ ہمیں بہت تھوڑا وقت ملا اس سے کہیں زیادہ مجمع ہو سکتا تھا اور چوٹ کھائے ہوئے دل جو ہندوستان کے گوشے گوشے میں رہتے ہیں اور جن کے لئے ہندوستان ہمیشہ مشہور رہا ہے وہ اتنی بڑی تعداد میں یہاں جمع ہو سکتے تھے کہ لکھنؤ جیسا وسیع شہر بھی شاید ان کے لئے کافی نہ ہوتا ہمارا دل تو کافی ہو جاتا کہ دل میں بڑی گنجائش ہوتی ہے لیکن شاید شہر میں گنجائش نہ ہوتی لیکن بہت تھوڑے وقت میں ہم نے یہ دعوت ملک کے مختلف دور دراز حصوں میں پہنچائی اور وہ لوگ آ سکے جن کو خدا نے اس کی توفیق دی، ان کے لئے آسانیاں تھیں اور وہ بے چین ہو گئے۔ آپ حضرات نے کل سے اس وقت تک جو کچھ منظر دیکھا ہے اس کی وجہ سے مجھے یہ شعر پڑھنا پڑا۔

شاید آپ نے انسانوں کی طرح اس ملک میں رہنے اور بسنے کو بہت آسان کام سمجھ لیا۔ جلسے میں آپ نے بڑے سکون واطمینان کے ساتھ تقریریں سنیں۔ اب اپنے گھر خیر و عافیت کے ساتھ واپس جائیں گے۔ شاید آپ یہ سمجھیں کہ "پیام انسانیت"، کوئی الہ دین کا چراغ ہے جہاں رگڑا کام بنا، یہ نہیں یہ اسی ملک کی بات نہیں ہے میں کہتا ہوں کہ دنیا کے ہر

ملک ہر شہر میں بلکہ یہاں تک کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ مکہ اور مدینہ میں بھی جو مسلمانوں کے لئے مقدس ترین شہر ہیں اور ہمارے ہندو بھائیوں کے لئے بھی اس ملک میں کچھ شہر ہیں ان شہروں میں رہنے کے لئے بھی شیشہ و آہن کی طرح ساتھ رہنا پڑے گا۔ یہ الہ دین کا چراغ نہیں آپ نے سمجھا کہ پیام انسانیت کی صدا لگائی گئی اور اتنی دور دور سے لوگ اپنا کرایہ خرچ کر کے یہاں جمع ہو گئے معاملہ بہت آسان ہے اب اس ملک میں محبت کی بھائی چارے کی ہوائیں چلیں گی اب کسی فساد کی خبر سننے میں نہیں آئے گی، میں آپ کو دھوکے میں رکھنا نہیں چاہتا، زندگی زندگی ہے انسان وہی انسان ہے فطرت انسانی وہی فطرت انسانی ہے جو لاکھوں برس سے خدا نے اس انسان کی نسل میں ودیعت فرمائی ہے اور زندگی اپنی تمام خصوصیات کے ساتھ ہے ہم فرشتے نہیں ہیں اور اسی لئے ہم کو فرشتوں سے زیادہ اجر ملے گا اور خدا کے یہاں ہم کو شاباشی ملے گی اور پیٹھ ٹھونکی جائے گی اور ہم کو وہ انعام ملے گا جس کو شاید فرشتے بھی رشک کی نگاہ سے دیکھیں کہ ہم کر سکتے ہیں فرشتے کر نہیں سکتے ہم ٹھوکر کھا سکتے ہیں فرشتے ٹھوکر نہیں کھا سکتے، ہم کو غصہ آتا ہے اور سو بار آئے گا ہزار بار آئے گا لیکن ہم اپنے غصے کو دبانا جانتے ہیں اپنے غصے کو پی جانا جانتے ہیں اپنے غصے پر پشیماں ہونا جانتے ہیں ہمیں اسی زندگی کے ساتھ زندگی کی انہی خصوصیات کے ساتھ ایک ملک میں نہیں ایک شہر میں نہیں، ایک محلے میں نہیں، گھر گھر رہنا ہے اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ اب غلط فہمیاں نہیں ہوں گی اب شکر رنجیاں نہیں ہوں گی اب تلخیاں نہیں آئیں گی اب ہماری تیوری نہیں چڑھے گی اب ہمارے دماغ پر کوئی ضرب نہیں لگے گی تو وہ اس غلط فہمی کو دور کر لے ہمیں اس دنیا میں سب کچھ دیکھنا ہے سب کچھ سننا ہے اور سب کچھ سہنا بھی ہے اور پھر بھی ہم نہ انسان سے مایوس ہیں نہ اپنی فطرت سے نہ اپنے اس ملک سے ہم اگر کہیں جانا بھی چاہیں تو نہیں جا سکتے سیاروں پر ہمارے لئے جگہ نہیں ہے اور اب آپ سمجھ لیجئے کہ کس ملک میں بھی جگہ نہیں ہے، ہمیں اس ملک میں رہنا ہے، روٹھنا ہے اور سننا ہے گرنا ہے اور اٹھنا ہے، الجھنا ہے اور سلجھنا ہے، ہمیں یہ سب کام کرنے ہیں سارے پاپڑ بیلنے ہیں مگر ہم یہاں رہیں گے اور اسی طرح سے رہیں گے شہریوں کی طرح شیرفوں کی طرح، بھلے مانسوں کی طرح۔

تو اگر آپ اس جلسے کی یہ پرسکون فضا دیکھ کر اور یہ تقریریں جو آپ نے سنی ہیں ان کو

سن کر یہ خیال لے کر یہاں سے جارہے ہیں کہ اب سب درد دور ہوئے اور سب رنج کافور ہوئے اور اب نہ کسی کی نکسیر پھوٹے گی نہ کسی کو خراش لگے گی نہ کسی کا دل ٹوٹے گا نہ کسی کو کوئی پریشانی لاحق ہوگی تو اس خواب وخیال کو دور کر دیجئے اس ملکمیں سب کچھ ہوسکتا ہے اور ہوگا اور پھر جب کہ پنبہ وآتش کی بات یعنی آگ بھی ہے اور روئی بھی ہے دونوں رہ سکتے ہیں لیکن اگر آپ کو ہوا دینے والا کوئی ہے اور روزی کو قریب لانے والا کوئی ہے تو پھر اس کا اطمینان نہیں کہ روزی میں آگ نہ لگے گی ہمارے اس ملک میں جہاں تعمیری طاقتیں ہیں جہاں خیرسگالی اور خیرخواہی کی طاقتیں ہیں وہاں مختلف اسباب کی بناء پر تخریبی طاقتیں بھی ہیں وہ اپنا کام کریں گی جیسا کہ ہمارے دوست مولوی عبدالکریم پاریکھ صاحب نے شیطان کا کردار بتایا کہ دیوار پر گڑ کی ایک انگلی لگا کر الگ ہوجاتا ہے ایسی انگلی لگا کر الگ ہوجانے والے بھی اس ملک میں ہیں اور رہیں گے لیکن ہمیں اپنے دماغی توازن کو درہم برہم نہیں ہونے دینا ہے ہمیں بچوں کی فطرت اختیار کرنی نہیں ہے ہمارے اندر صبر وضبط کی طاقت ہونی چاہیے ہمارے اندر اخلاق کی جہانگیری ہونی چاہیے ہمارے اندر یہ صلاحیت ہونی چاہیے کہ دل پر پتھر رکھ سکیں اپنی اس خود داری کو قائم رکھتے ہوئے جس کا اظہار بعض تقریروں سے ہوا وہ بھی انسانی جذبات تھے، میں ان کی بھی گنجائش سمجھتا ہوں لیکن بہرحال ہمیں اپنے دل پر پتھر رکھنا پڑے گا اور پھر اس کے بعد ہمیں ان پتھروں کو موم بنانے کی کوشش کرنی پڑے گی۔

ہمارے سامنے اس سلسلہ میں سب سے اونچا نمونہ خدا کے پیغمبروں کا ہے وہ کس حال میں کس زمانے میں آئے، ایک آدمی ان کی بات سننے کا روادار نہیں تھا ایک آدمی ان کی بات سمجھنے کے قابل نہیں تھا۔ انسانوں کی بستی نہیں معلوم ہوتا ہے کہ جنگل میں آگئے ہیں درندوں میں آگئے ہیں کوئی ان کی بولی سمجھنے والا نہیں۔ چنانچہ قرآن شریف میں ہے کہ ایک پیغمبر کو خطاب کر کے انکی قومنے کہا کہ ”**قالو یا شعیب مانفقه کثیرا مما تقول وانا لنراک فینا ضعیفاً**،، اکثر آپ کی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں، ہمارے پلے کچھ نہیں پڑ رہا ہے ہم نہیں جانتے آپ کیا کہہ رہے ہیں، ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ہمارے درمیان سب سے کمزور آدمی ہیں۔ پھر ہم آپ کی بات کیوں سنیں لیکن انہوں نے کیا کہ اس کی بھی کیا حقیقت ہے کہ پتھر کو چھو جاتا ہے تو سونا بنا دیتا ہے۔ کیمیا کی بھی کیا حقیقت ہے کہ مٹی کو وہ سونا بنا دیتی ہے۔ انہوں نے انسانوں کو فرشتوں سے

اونچا کر دیا انسانوں میں وہ صبر وضبط پیدا کیا کہ اگر تاریخ کی متواتر شہادتیں نہ ہوتیں تو یقین کرنا مشکل تھا کہ انسان اتنا صابر وضابط ہوسکتا ہے آپ دیکھیں گے کہ جوان کے خون کے پیاسے تھے ان کو انہوں نے سینے سے لگایا دل میں جگہ دی اس کے بعد وہ ان پر اپنی جان نچھاور کرنے لگے لوگ ان کو مارنے کے لئے آتے تھے لیکن ان کا کلمہ پڑھتے ہوئے وہاں سے رخصت ہوتے تھے جنہوں نے خون کئے تھے اور جن کی آنکھوں سے اب بھی خون ٹپک رہا تھا انہوں نے ان کو محبت کا پیغام دیا انہوں نے ان کو اپنے سینے سے لگایا پھر دنیا کیا ہوگئی دنیا میں کیسی ہوائیں چلنے لگیں۔خزاں کے بعد بہار کا دور آیا۔ بادسموم کے بعد نسیم جانفزا کے وہ جھونکے چلے۔آج تک وہ ہم کو محسوس ہورہے ہیں۔ میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں بغیر کسی معذرت کے کہ اس وقت بھی جو کچھ دنیا میں خیر ہے اس وقت بھی دنیا میں محبت کا جو کچھ مادہ ہے اس وقت بھی انسانوں کے دلوں میں جو کچھ روشنی ہے اس وقت بھی انسانوں کے دلوں پر درد کی جو چوٹ ہے وہ سب ان پیغمبروں کا صدقہ ہے ہم کتنی ہی تقریریں کر جائیں، ہم آسمان پر پہنچ جائیں لیکن پیغمبروں کی سطح پیغمبروں کے صبر وضبط کی سطح، پیغمبروں کی انسانیت کی سطح پیغمبروں کے رحمت ومحبت کی سطح سب سے اونچی ہے اور وہاں پر آسمان سے اوپر ایک نیا آسمان نظر آئے گا۔

دوستو اور بھائیو! تھوڑی دیر میں ہم آپ رخصت ہوجائیں گے جیسے رات کے ستارے ڈھل جاتے ہیں اور شمع کے پروانے ایک دوسرے سے رخصت ہوجاتے ہیں لیکن یہ پیغام لے کر جایئے کہ آپ کو اس ملک کی تخریب کو تعمیر سے، نفرت کو محبت سے، عداوت کو دوستی سے، بداخلاقی کو اخلاق سے بدلنا ہے۔

یہاں دولت پرستی کا جو روگ لگ گیا ہے اور ہمارے اس درخت کو جو گھن کھاتا چلا جارہا ہے پیسے کی حد درجہ بڑھتی ہوئی محبت اس کے لئے آدمی سب کچھ کرنے کے لئے تیار ہے مجھے ان فسادات کے پیچھے بھی پیسے کی محبت ہی نظر آتی ہے اس کو میری نظر کی کوتاہی کہیے یا کچھ کہیے مجھے ان فسادات کے پیچھے حسد نظر آتا ہے۔

تنگ نظری نظر آتی ہے ہمیں ان حقیقتوں کو سامنے رکھنا ہے خواب وخیال کی دنیا میں احمقوں کی جنت میں رہنا نہیں ہے حقائق کا سامنا کرنا چاہیے اس ملک میں بیماریاں ہیں، اس ملک کو روگ لگ گیا ہے اس ملک کے درخت کو گھن کھاتا چلا جارہا ہے اس ملک کا معاشرہ

فاسد (CORRUPT) ہے اس میں بیسیوں ایسی بیماریاں ہیں کہ باہر سے کسی خطرہ کی خطرہ نہیں۔ یہ اس کو اندر سے چاٹ جانے کے لئے کافی ہے۔ برگد کا درخت دور سے کھڑا نظر آتا ہے بڑا شاندار بڑا عظیم، بڑا مہیب لیکن اندر سے اس کو دیمک چاٹ رہی ہے ہوا کا ایک جھونکا اس کو گرا سکتا ہے ہمارا معاشرہ ویسے ہی گھن کھائے ہوئے برگد کے درخت کی طرح ہے مجھے کہنے کا حق ہے میں اسی ملک کا رہنے والا ہوں اور بظاہر میری عمر یہیں گذری ہے میں ایک بار نہیں دس بار نہیں پچاس بار کہوں گا اس ملک کے معاشرے کو گھن لگ گیا ہے۔ اس ملک کو دیمک اندر سے چاٹتی چلی جارہی ہے میں نے لکھنؤ میں اسی بارہ دری کے ایک جلسہ میں کہا تھا۔ ''ایسا معلوم ہوتا ہے ہندوستان میں ساری حقیقتیں سب صداقتیں مر چکی ہیں، دو حقیقتیں زندہ ہیں ایک پیسے کی محبت اور ایک فرقہ وارانہ منافرت،، میں ڈنکے کی چوٹ پر کہتا ہوں اور یہ بھی ایک ڈنکا ہے میرے پاس اگر اس سے زیادہ بلند آواز کا ڈنکا ہوتا تو میں اس سے زیادہ بلند آہنگی کے ساتھ کہتا کہ اس وقت ہمارا ملک سخت خطرے سے دوچار ہے قدم قدم پر رشوت دینی پڑتی ہے قدم قدم پر بداخلاقی کرنی پڑتی ہے، قدم قدم پر انسانیت کو اپنی خودداری کو پامال کرنا پڑتا ہے قدم قدم پر غلامانہ ذہنیت اور سیرت کا اظہار کرنا پڑتا ہے۔ انگریزوں کے زمانے میں ہم اتنے غلام نہ تھے انگریزوں کے زمانے میں ہمارے جسم غلام تھے آج ذہن غلام ہے، ہمارا ضمیر غلام ہے غلامی کی بدترین اور خلاف فطرت قسم یہی ہے کہ بھائی بھائی کا غلام ہو، ایک ملک میں رہنے والے ایک دوسرے پر حکومت کرنے لگیں اور یہ سمجھیں کہ جس کو موقع مل جائے اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے وہ اپنے بھائی کے ساتھ وہ معاملہ کرے جو بدیشی حاکم ہندوستانی کے ساتھ کرتے تھے آج ہندوستان ہندوستان کے ساتھ وہ معاملہ کر رہا ہے کچہریوں میں وہ معاملہ ہو رہا ہے کوتوالیوں میں وہ معاملہ ہو رہا ہے اور افسوس کی بات مجھے معاف کیا جائے دانش گاہوں اور یونیورسٹیوں میں وہ معاملہ ہو رہا ہے جو غلامانہ ذہنیت کا آئینہ دار ہے آج سارا ملک دو کیمپوں میں تقسیم رہا ہے لوگ کہتے ہیں ہندو اور مسلمان میں کہتا ہوں ایک حاکم ایک محکوم اور محکوم کی مثالیں ہم نے تاریخ میں اتنی پڑھی ہیں کہ ہم بے حیا ہو گئے ہیں، دل سخت ہو گیا ہے۔ لیکن جب ہم ملک میں دیکھتے ہیں کہ ایک شہری دوسرے شہری پر حکومت کرنا چاہتا ہے، اس کو اسی طرح ذلیل کرنا چاہتا ہے

جس طرح انگریزوں نے بھی کیا ہوگا، آج جس کی بن آتی ہے جس کی کمان چڑھی ہوتی ہے جس کے نشانے پر کوئی آجاتا ہے تو وہ کوئی کسر نہیں رکھتا، آپ ریلوں کا سفر کریں ہوائی جہاز کا سفر کریں، پلیٹ فارموں پر انتظار کریں، پارکوں کی بینچوں پر بیٹھیں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کریں ہر جگہ آپ کو معلوم ہوگا کہ آپ آزاد نہیں ہیں۔ اس ملک میں عزت کے ساتھ نہیں رہ رہے ہیں اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ ہم کسی ملک سے آئیں اپنے ملک کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی اپنی ذلت کا احساس ہوتا ہے اس سے بڑھ کر ڈوب مرنے کی کوئی بات نہیں کہ میں یوکے (UK) میں اپنے کو محسوس کروں عزت والا محسوس کروں امریکہ میں اپنے کو عزت والا انسان محسوس کروں، سعودی عرب میں اپنے کو عزت والا انسان محسوس کروں اور اپنے دیس میں آکر پہلے ہی جو واسطہ پڑتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم غلام ہیں۔ ہم صبر کئے بغیر ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا سکتے، ہم کو آج سب کچھ سننا پڑے گا سب کچھ برداشت کرنا پڑے گا ایئرپورٹ پر دیکھئے پلیٹ فارموں پر دیکھئے کوتوالیوں کو دیکھئے جہاں جہاں ضرورت پڑتی ہے وہاں آپ دیکھیئے ہر جگہ ہندوستانی کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ ابھی آزاد نہیں ہوا، اپنے بھائی سے اپنے جسم کے ایک ٹکڑے سے اپنے ایک ساتھ رہنے والے شہری سے بات نہیں کر رہا ہے بلکہ آسمان سے اترا ہے یہ صورتحال طبعی و قدرتی (NATURAL) نہیں ہے اس کو بدلنا چاہیے۔

یہ ''پیام انسانیت،، اسی کے اندر محدود نہیں کہ فرقہ وارانہ فسادات نہ ہوں یہ فسادات تو کبھی کبھی ہوتے ہیں اور کبھی کبھی ہی ہو سکتے ہیں۔ لیکن جو فساد گھر گھر ہو رہا ہے وہ فساد جو قدم قدم پر ہو رہا ہے، وہ فساد جو ہمارے اندر برپا ہے وہ فساد جس سے ہمیں چوبیس گھنٹے واسطہ پڑتا ہے وہ بھی فساد ہے ہمیں اس فساد سے بھی بچنا چاہیے اور اس فساد کو روکنا چاہیے۔

میرے بھائیو اور دوستو! راستہ بڑا لمبا ہے اور یہ پھولوں کی سیج نہیں ہے یہ کانٹوں اور انگاروں کی چتا ہے جس پر سے آپکو گزرنا ہے میں آپ کو دھوکے میں نہیں رکھنا چاہتا جب یہاں سے آپ جائیں گے تو محبت کی ہوائیں چل رہی ہونگی ممکن ہے یہاں سے نکلتے ہی آپ کو کوئی ایسا تلخ تجربہ ہو جہاں آپ کہیں کہ کہاں آ گئے؟ قدم قدم پر اس کا تجربہ ہو رہا ہے اور یہ سب ہمارا اور آپ کا ہے۔ قرآن نے کہا ہے ''ظهر الفساد في البر و البحر بما

کسبت ایدی الناس،، خشکی اورتری میں کباڑ پھیل گیا۔ کرپشن پھیل گیا ہے خشکی اور تری میں سمندروں کو دیکھئے پہاڑ کی چوٹیوں پر دیکھئے غاروں کے اندر دیکھئے کرپشن پھیل گیا ہے، کہ انسان کی فطرت کا خالق انسان کو بنانے والا کہتا ہے کہ ''بما کسبت ایدی الناس،، لوگوں کے اعمال کی وجہ سے لوگوں کے کرتوتوں کی وجہ سے ہمارے اعمال میں یہ پیسے کی حد سے بڑھی ہوئی محبت یہ خون کا سفید ہو جانا، خدا سے نہ ڈرنا انسانیت کا احترام نہ کرنا، انسان کی قدر و قیمت کا نہ پہچاننا، ہر انسان کو گاہک سمجھنا، میں کہتا ہوں دفتروں میں لوگ بیٹھے ہوتے ہیں جہاں کوئی آدمی کام سے آیا انہوں نے کہا بڑی موٹی آسامی ہے۔ بس اب اس سے سب وصول کرلیا جائے گا چاہیے تھا کہ اٹھ کر استقبال کیا جاتا اور کہا جاتا کہ میں یہاں اس لئے بیٹھا تھا کہ تمہاری سیوا کروں تمہاری خدمت کروں، میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا تھا، کس مصرف کا تھا تم آئے تم نے مجھے باکار اور قیمتی بنا دیا۔ کہیے کیا حکم ہے ہم آپ کی کیا سیوا کر سکتے ہیں؟ آدمی کے دھڑکتے ہوئے دل پر اس کی نظر نہیں ہوتی، اس کے مضطرب دماغ پر نظر نہیں ہوتی، اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے پر نظر نہیں ہوتی، اس کے چہرے پر جو زردی چھائی ہوتی ہے اس پر نظر نہیں ہوتی، اس کی جیب پر نظر ہوتی ہے دیکھا جاتا ہے کہ کوئی بڑا نوٹ جھانک رہا ہے کہ نہیں اور ہوشیار آدمی جب اپنا کام کرانے جاتے ہیں تو نوٹ اس طرح رکھتے ہیں کہ کچھ دکھائی دیتا ہے کچھ چھپا ہوا کچھ نکلا ہوا تا کہ معلوم ہو جائے کہ میرے پاس ''مشکل کشا،، موجود ہے یہ ''قاضی الحاجات،، موجود ہے یہ کیا انسانیت ہے؟ اس انسانیت میں کوئی مزا ہے؟

حضرات! آپ کا کام بہت مشکل ہے، آپ یہاں سے جائیں گے، شربت کے گھونٹ نہیں بڑے کڑوے گھونٹ آپ کو پینے پڑیں گے، بڑے صبر وضبط سے کام لینا پڑے گا، میں کیا کہوں جو کچھ مجھے کہنا تھا میں نے اپنے ناچیز خطبہ میں کہہ دیا کہ انسان میں تو خود ہی کمزوریاں تھیں ان کمزوریوں کو ہوا دینے کی کیا ضرورت تھی۔ ہمارے اخباروں کو کیا ضرورت تھی ہمارے مضمون نگاروں، کالم نویسوں کو کیا ضرورت تھی۔ ہماری سیاسی پارٹیوں اور لیڈروں کو کیا ضرورت تھی کہ اس مادہ کو (جو تناسب کے ساتھ رکھا گیا ہے) بھڑکائیں اور اس کو مشتعل بنائیں؟ بھائیو! انسانوں کو اپنی فطرت پر چھوڑ دو ان کو غصہ بھی آئے گا لیکن تم غصہ دلانے کی بات کیوں کرتے ہو۔

ملک کے موجودہ حالات اور ہماری ذمہ داریاں

ملک کے موجودہ حالات میں ہم کو جائزہ لینا پڑے گا کہ وہ کون سی خرابیاں اور کمزوریاں ہیں جو ہمارے سماج میں نفوذ کر کے اسے کھوکھلا۔ مفلوج اور ملک کی تعمیر و ترقی کی کوششوں کو بے اثر بنا رہی ہیں اس ملک کے لئے جو حقیقی خطرات ہیں ان کی نشاندہی نہ کی جائے تو یہ ایک بہت بڑی خیانت ہوگی، میں میدان سیاست کا کوئی شہسوار نہیں، مذہب و تاریخ اور اخلاقیات کا ایک طالب علم ہوں۔ اس طرح کے آدمی کی زبان سے تنقید و اصلاح کی کوئی بات نکلے تو اس کی نیت پر شبہ نہیں کرنا چاہیے۔

ہمارے ملک کے لئے پہلا خطرہ

اس ملک کے لئے اولین اور اہم ترین خطرہ یہ ہے کہ یہاں انسان کی صحیح قدر و قیمت اور انسانی شرف و عزت کا پورا احساس نہیں۔ اس سلسلے میں میرا نقطہ نظر اور تاثر ایک عملی انسان کا ہے، میری قسمت اس ملک سے وابستہ ہے میں نے یہاں رہنے کا فیصلہ کیا ہے۔ میں زندگی کی منجدھار میں ہوں، میں ایسی جگہ کھڑا ہوں جہاں کا ہر مسئلہ مجھ پر براہ راست اثر انداز ہوتا ہے، میں بیرون ملک اگر یہ بات کہتا تو اس کی حیثیت دوسری ہوتی، حقیقت تو یہ ہے کہ انسانی جان کی صحیح قدر و قیمت کو نہ پہچانا کسی سماج کے لئے سب سے بڑا خطرہ ہے بلکہ انسانی جان کا بے قیمت ہو جانا تہذیب و تمدن اور انسانیت کے مستقبل کے لئے پیام موت ہے

غارت گر اقوام ہے یہ صورت چنگیز

برادر کشی زوال کی علامت ہے

کسی ملک کی آبادی خواہ کتنی کثیر ہو اس کے پاس قدرتی وسائل کی کتنی ہی بہتات ہو، وہ ملک کتنا ہی زرخیز اور دولت مند ہو، اس میں تعلیم کیسی ہی اعلیٰ مدارج تک پہنچ چکی ہو، کوئی چیز ایسے ملک کو محفوظ نہیں رکھ سکتی جو برادر کشی کے مرض میں مبتلا ہو۔

یہ بڑی حیرت اور انتہائی افسوس کی بات ہے کہ وہ ملک جس نے کبھی زمانہ قدیم میں پریم

کی سریلی بانسری بجائی تھی اور دل کش کے میں ہندی، سنسکرت، فارسی اور پھر اردو میں محبت کا پیغام دیا تھا اور آخر دور میں بھی جہاں بیٹھ کر مسلمان صوفیوں نے انسان دوستی اور انسانیت کے احترام کا درس دیا تھا اور جس سرزمین سے گاندھی جی نے عدم تشدد اور اہنسا کا پیغام ساری دنیا کو سنایا تھا اور جس کے پاس آج بھی ہر زبان میں انسان دوستی کا وسیع لٹریچر ہے اس ملک میں آج انسانیت کے شرف اور انسانی جان کی قیمت کا پورا پورا احساس نہیں۔

ہر چیز انسان ہی کے تعلق سے بامعنی اور قیمتی ہوتی ہے

یہ احساس و خیال اس ملک میں رچ بس جانا چاہیے تھا کہ زبانوں کے مسائل، کلچر و تہذیب کے مسائل، رسم الخط کے مسائل، ان کے مسائل ہیں اور اس کے تابع ہیں۔ انہیں انسانوں نے پیدا کیا ہے، ان کے اندر جو کچھ کشش اور معنویت ہے، وہ انسان کی نسبت سے ہے۔ اگر انسان کی جان محفوظ نہیں تو کیسی زبان، کہاں کا کلچر، کہاں کے دریا، کیسے پہاڑ، کیسا ادب ولٹریچر، کہاں کی شاعری، ان چیزوں میں کوئی معنویت نہیں، معنویت تو انسان میں ہے۔ میں تفصیلات میں جانا نہیں چاہتا۔ آپ بخوبی واقف ہیں اور یہ ایک واقعہ ہے کہ اس ملک میں انسانی زندگی کی قدر و قیمت کا جتنا عمیق احساس ہونا چاہیے وہ نہیں ہے۔ انگریزوں کی تفرقہ انگریز سیاست، فرقہ پرستی اور جذبہ احیائیت (REVIVALISM) کا اس میں کتنا حصہ ہے اس کا تعین مؤرخ کا کام ہے۔

معمولی واقعات پر قتل و غارت گری کا طوفان

بعض اوقات ایک درخت یا جانور کی خاطر یا کسی قدیم چیز کو زندہ کرنے کے جوش میں یا احیائیت کے جذبہ سے سیکڑوں انسانوں کا خون کر دیا جاتا ہے، اور ایسے ناخوشگوار، دل آزار اور شرمناک واقعات ظہور میں آتے ہیں جن سے ہماری گردنیں شرم سے جھک جاتی ہیں، ایک لہر اٹھتی ہے اور وہ انسانوں کے متاع، جان و مال کو بہالیجاتی ہے جن سے دنیا کی آبرو قائم ہے جن کی خاطر اس کائنات کا حسن، فلسفہ، شاعری، ادب و ثقافت اور زندگی کی چہل پہل ہے وہ انسان ظلم و بربریت کا شکار ہوتا ہے۔ جو خدا کی صنعت کا بہترین نمونہ ہے اور جس کے ساتھ ہم رہتے بستے ہیں اور جنکے ساتھ پوری زندگی گزرتی ہے یہ صورت حال ملک کے لئے بڑی

خطرناک ہے کہ یہاں کسی انسان کا وجود برداشت نہ کیا جائے۔

اس ملک میں بڑے بڑے دانشور ہیں، یونیورسٹیوں کی تعداد شاید کسی ملک میں اتنی ہو جتنی یہاں ہے مگر یہ افسوسناک حقیقت ہے کہ یہاں کبھی کبھی ایسی ذہنی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ انسان سے بڑھکر یہاں کوئی گردن زدنی اور کشتنی نظر نہیں آتا، بنیادی اور اہم بات یہ ہے کہ اس ملک میں انسان کی قیمت کا پورا پورا احساس ہو، یہ عقیدہ ہو کہ سب چیزیں انسان کے لئے ہیں اور انسان کسی کی خاطر نہیں

ایک فلسفی کا قول

میں نے کہیں ایک فلسفی کا قول نقل کیا تھا کہ ''جو بچہ دنیا میں پیدا ہوتا ہے، وہ اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ خدا نسل انسانی سے مایوس نہیں لیکن ہم انسان اپنے طرز عمل سے یہ ثابت کرتے رہتے ہیں، اور وقتاً فوقتاً اعلان کرتے ہیں کہ نسل انسانی زندہ رہنے کی مستحق نہیں انسان کے اس دنیا میں آنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ اسے زندہ رہنا چاہیے خوش وخرم رہنا چاہیے اور پروان چڑھنا چاہیے، خدا نے جب اس پر اعتماد کیا ہے تو ہم کیوں اس پر بے اعتمادی کریں۔،،

انسانی دستور کی پہلی اور اہم دفعہ

آج ہندوستان میں لاکھوں کی تعداد میں ایسے مضمون نگاروں، شاعروں، ادیبوں اور دانشوروں کی ضرورت ہے جو سارے مسائل بالائے طاق رکھ کر گھر گھر، محلے محلے، گلی کوچے اس کی تبلیغ کریں کہ دستور ہند کی پہلی دفعہ چاہے جو کچھ ہو مگر ہمارے دستور زندگی کی سب سے اہم اور پہلی دفعہ یہ ہے کہ انسان کو زندہ رہنے کا حق ہے ہم اپنی سوسائٹی کے خوش نما چہرے پر بدنما داغ دیکھ رہے ہیں اور ہم خاموش ہیں۔

اسلام میں انسان کا مقام

اب میں آپ سے کہوں گا کہ اسلام کی تعلیمات اس سلسلے میں ہماری بڑی مدد کرسکتی ہیں اسلام کی بنیادی تعلیم یہ ہے کہ انسان قدرت کا شاہکار ہے اور اس دنیا کے باغ کا سب سے حسین پھول۔

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم.

ہم نے انسان کو سب سے اچھی صورت میں پیدا کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے سر پر تعظیم و تکریم کا تاج رکھا ہے۔

ولقد کرمنا بنی آدم

اور ہم نے اولاد آدم کو بڑی عزت بخشی۔

اور اس کو اپنی خلافت سے سرفراز کیا ہے جس سے بڑھ کر کوئی اعزاز اور اعتماد کے اظہار کا طریقہ نہیں۔

انی جاعل فی الارض خلیفه

بیشک میں زمین میں (آدم کو) اپنا نائب بنانے والا ہوں۔

خدا نے فرشتوں کو آدم کے سجدے کا حکم دیا جس سے اس کا اظہار ہوا کہ اب اس کے لئے خدا کے سوا کوئی ایسی ہستی اور طاقت نہیں ہے جس کے سامنے اس کو جھکنے کی ضرورت ہو۔

انسان کے قدر و قیمت کی انتہا یہ ہے کہ خدا کی مخلوق کو خدا کا کنبہ کہا گیا ہے۔

الخلق عیال الله

انسان کا خدا کے ساتھ اور خدا کا انسان کے ساتھ جو نازک تعلق ہے اس کے لئے وہ پیرایہ بیان اختیار کر گیا ہے جس سے زیادہ طاقتور اور دلنشیں پیرایہ بیان نہیں ہوسکتا۔ ایک حدیث قدسی میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں انسان سے کہے گا کہ میرے بندے میں بیمار تھا تو عیادت کو نہیں آیا وہ کہے گا کہ پروردگار تیرے مرض اور عیادت کا کیا سوال؟ تو تو سارے جہاں کا پروردگار ہے، ارشاد ہوگا کہ تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا تھا تو اسے دیکھنے نہیں گیا، اگر تو اس کو دیکھنے جاتا تو مجھے وہیں پاتا پھر ارشاد ہوگا کہ اے انسان! میں نے تجھ سے غذا طلب کی تھی، تو نے مجھے غذا نہیں دی، وہ کہے گا کہ پروردگار میں تجھے غذا کیا دیتا تو تو رب العالمین ہے، ارشاد ہوگا کہ تجھے معلوم نہیں کہ میرے فلاں بندے نے چاہا تھا کہ تو اس کا پیٹ بھر دے اسے کھانا نہیں کھلایا اگر تو اس کو کھانا کھلاتا تو اس کو میرے پاس پاتا۔ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا تھا تو نے مجھے پانی نہیں پلایا۔ بندہ ویسے ہی جواب دے گا ارشاد ہوگا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی طلب کیا تھا تو نے اسے پانی نہیں پلایا۔ یاد رکھ اگر تو اس کو پانی پلاتا تو اس کو میرے پاس پاتا۔

پھر خدا نے انسان کی جان کی قیمت اتنی بڑھادی کہ وہ فرماتا ہے

انه من قتل نفساً بغير نفس او فساد في الارض فكانما قتل الناس جمعياً من احياها فكانما احيا الناس جمعيا .

جو شخص کسی کو ناحق قتل کرے گا یعنی بغیر اس کے کہ جان کا بدلہ لیا جائے یا ملک میں خرابی کرنے کی سزا دی جائے اس نے گویا تمام لوگوں کو قتل کیا اور جو اس کی زندگانی کا موجب ہوا تو گویا تمام لوگوں کی زندگانی کا موجب ہوا۔

انسانی زندگی کی حرمت وعظمت کے مسئلہ میں ایک اور سو، قلت وکثرت، فرد اور جماعت میں کوئی فرق نہیں ایک ایک فرد قیمتی اور ایک ایک جان انسانیت کی عزت متاع ہے، ایک فرد کو پوری سوسائٹی قائم مقام بنانا کسی انسانی ذہن میں نہیں آ سکتا۔

ملک کے لئے دوسرا خطرہ

ملک کے لئے دوسرا عظیم خطرہ جو اس کے سر پر منڈلا رہا ہے، تنگ نظری اور تہذیبی لسانی اور علاقائی عصبیت ہے اسی بیماری نے ہمارے ملک کو ماضی میں ٹکڑے ٹکڑے کیا اور باہر کی طاقتوں کو یہاں آنے کی شہہ دی یہ عفریت اب بھی موجود ہے جسے بعض بیرونی اور اندرونی حالات نے دبا رکھا ہے مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ یہ داستان الف لیلہ کے افسانوی دیو کی طرح کسی بھی وقت بوتل سے باہر آ سکتا ہے۔

اس ملک میں جنوب وشمال میں بڑی بیگانگی اور بے اعتمادی ہے جو کسی وقت رنگ لا سکتی ہے پھر برادریوں اور ملک کے مختلف طبقوں کے درمیان بڑی بڑی دیواریں کھڑی ہیں ہر طبقہ اور برادری ایک مستقل دنیا ہے ایک برادری دوسری برادری کے افراد کو اسی غیریت اور اجنبیت کی نگاہ سے دیکھتی ہے جیسے ایک قوم دوسری قوم کو اپنی برادری کے لئے وہ ہر طرح کی ناانصافی اور حق تلفی کو روا رکھتی ہے اور اس کو نہ صرف جائز سمجھتی ہے بلکہ ایک بڑی خدمت اور عبادت سمجھتی ہے۔ اگر کسی محکمے میں کسی برادری کا کوئی فرد پہنچ جاتا ہے تو سارے محکمے کو اپنی برادری کے لوگوں سے بھر دیتا ہے اور اس میں کسی اہلیت اور نااہلیت اور مستحق اور غیر مستحق کا لحاظ نہیں رکھتا ہماری سوسائٹی کا یہ وہ روگ ہے جو اسے گھن کی طرح کھا رہا ہے اور جس نے تمام انتظامیہ کو کھوکھلا اور کمزور بنا دیا ہے۔

اسلام ہی رہنمائی کر سکتا ہے

تنگ نظری اور لسانی ونسلی اختلافات کو دور کرنے اور فراخ دلی و بے تعصبی اور انسانی وحدت کا خیال وجذبہ پیدا کرنے میں بھی اسلام ہی بیش قیمت مدد اور صحیح رہنمائی کر سکتا ہے حب الوطنی کے صحیح جذبے کے تحت یہ دیکھے بغیر کہ یہ اصول ونظریہ اور یہ بات کہاں سے آئی ہے اور اس کا کہنے والا کون ہے؟ صحیح اور مفید بات کو اپنایئے اگر کسی مکان میں آگ لگ جائے تو اسے بجھاتے وقت یہ نہیں دیکھا جاتا کہ بالٹی کس کی ہے اور پانی کہاں کا ہے، کس مکان یا بستی کی تباہی سے کہیں زیادہ ملک وقوم کی تباہی ہے، ملک وخطرات سے بچانے، اسے سلامتی اور استحکام بخشنے کے لئے یہ نہ دیکھیے کہ ملک کے لئے مفید نظریات قرآن مجید یا حدیث نبویؐ سے ماخوذ ہیں، اسلام بلاشبہ ملک کو درپیش اس دوسرے خطرے کو رفع کرنے کے لئے بہترین رہنمائی کر سکتا ہے۔

نسل انسانی کی وحدت کا اصول اسلامی تعلیمات کا اولین اصول ہے، اسلام نے بار بار اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ نسل انسانی کا خالق بھی ایک ہے اور ان کا مورث اعلیٰ بھی ایک ہے اسی لئے سب ایک ہی کنبے کے افراد اور ایک ہی ہستی کے پیدا کئے ہوئے ہیں، اور ایک ہی باپ کے بیٹے ہیں۔

یایها الناس انا خلقنکم من ذکر وانثیٰ وجعلنکم شعوبا و قبائل لتعارفوا

لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تم میں قوم اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کی شناخت میں آسانی ہو۔

ملک کے لئے تیسرا اہم خطرہ

ہمارے ملک پر دولت پیدا کرنے کا ایک ایسا بھوت سوار ہو گیا ہے جس نے ملک کے حالات اور اقتصادی نظام کو درہم برہم کر دیا ہے۔ ہر شخص اس فکر میں ہے کہ وہ راتوں رات دولت مند بن جائے دولت حاصل کرنا برا نہیں مگر جلد از جلد دولت مند بن جانے اور ہتھیلی پر سرسوں جمانے کا شوق سخت خطرناک اور تباہ کن ہے۔ یہ شوق ایک لاوے کی طرح بہہ پڑا ہے اور ایک آتش فشاں پہاڑ کی طرح پھٹ پڑا ہے اس مرض کا شکار شہر، قصبات اور دیہات سب

ہیں، دولت پرستی کا یہ جنون دیکھ کر بعض مرتبہ کچھ ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ اس ملک میں ہر چیز دم توڑ چکی ہے صرف دو چیزیں زندہ ہیں ایک باہمی نفرت اور دوسرے زیادہ سے زیادہ دولت پیدا کرنے کی ہوس جیتی، جاگتی حقیقتیں یہی دو ہیں اور باقی سب کچھ فلسفہ اور شاعری ہے باہمی منافرت کے واقعات آئے دن ہماری آنکھوں کے سامنے ہوتے رہتے ہیں کبھی اس نفرت کا رخ کسی فرقے کی طرف ہوتا ہے کبھی کسی برادری کی طرف کبھی کسی کلچر، زبان یا علاقے کی طرف تو کبھی کسی سیاسی پارٹی کی طرف ہے۔

سیاسی پارٹیوں کا اختلاف اپنی جگہ سوسائٹی میں اخلاقی خرابیاں ہر دور میں رہی ہیں مگر دولت پرستی کا اس طرح اعصاب پر سوار ہو جانا کہ اپنے مفاد کے لئے ملک کے مفادات کی ذرا بھی پرواہ نہ ہو یہ کس قدر تشویشناک بات ہے۔

ہمارے یہاں مختلف تعمیری منصوبوں، پل باندھ وغیرہ میں اتنی مقدار کا سیمنٹ اور مسالہ استعمال نہیں ہوتا جو اس کی پختگی کے لئے ضروری ہو۔ ٹھیکیدار اور عملے کی ملی بھگت اس کی پرواہ نہیں کرتی کہ ان کے اس عمل سے اس شہر کو نقصان پہنچے گا کوئی محکمہ ایسا نہیں جس میں رشوت کا بازار گرم نہ ہو۔ اس بات کو ذمہ دار بھی جانتے ہیں کہ دولت پرستی کا ایسا جنون جو ملک کے مفادات سے آنکھیں بند کر لے بہت بڑا خطرہ ہے ایک شخص اپنی زندگی کو خوشحال بنانے اور اپنے گھر کی فرمائشیں پوری کرنے کے لئے ملک کے عوام کو صریحاً نقصان پہنچاتا ہے چھوٹے سے چھوٹا کام ایمانداری اور سادگی کے ساتھ کرنا مشکل ہو گیا ہے ہر ایک کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے اور ہر قدم پر رشوت دینی پڑتی ہے۔ خود شہری زندگی کی آسائشوں اور حکومت کے انتظامات کے فائدوں سے محروم ہوتے جا رہے ہیں ہر شخص کی نظر دوسرے کی جیب پر ہے اور وہ اس کی ضرورت و مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتا ہے اور کہیں انسانی ہمدردی اور سچی حب الوطنی کا نام نہیں۔

اس خطرے کا علاج

اس خطرے کا علاج صرف خدا کا خوف، آخرت کی باز پرس کا خطرہ ایسی دانا و بینا ذات کا تصور ہے۔ جس کے متعلق یقین ہے کہ وہ دیکھ رہی ہے، حب الوطنی بھی کسی حد تک اس کا علاج کر سکتی ہے۔ آپ میں سے بہت سے لوگوں نے یورپ کا سفر کیا ہوگا، مغرب کے لوگ ان

شروع اللہ کے نام سے

10 مارچ 1997ء کو بھٹکل میں کتاب "سیرت سلطان ٹیپو شہید"، کے اجراء کے موقع سے سفر کے وقت حضرت مولانا سید ابوالحسن حسنی ندوی رحمۃ اللہ نے پیام انسانیت کے نام پر منعقد ہونے والے جلسے میں جس میں ہر مذہب وملت کے لوگ شریک تھے۔ یہ پر اثر تقریر فرمائی۔

الحمد للہ و کفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم ولاتفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا وادعوہ خوفا و طمعا:

میرے بھائیو، دوستو اور عزیزو!

آج میں نے آپ کے سامنے بسم اللہ سے تقریر شروع کی ہے سب لوگ جانتے ہیں کہ بسم اللہ کیا ہوتی ہے اور کب پڑھی جاتی ہے لیکن بہت کم لوگوں نے غور کیا کہ بسم اللہ کے اندر کیا پیغام ہے جب کوئی اہم کام شروع کرنا ہوتا تھا تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر اسلام، صحابہ کرامؓ، بزرگان دین اور علماء کرام سب کا طریقہ یہ تھا کہ بسم اللہ سے کام شروع کرتے۔ اور یہاں ہندوستان میں بھی آپ دیکھیں مولانا آزاد ہوں یا اور کوئی، دیش کے بڑے خدمت گزار اور اس کو آزاد کرنے والے وہ بھی بسم اللہ پڑھنے کے کتنے عادی تھے یہاں تک کہ کھانا کھانے کے لئے بھی یہی سنت ہے کہ پہلے بسم اللہ پڑھی جائے پھر اس کے بعد کھانا شروع کیا جائے اور کوئی بڑا یا چھوٹا کام کرنا ہو تو بسم اللہ کہہ کر شروع کیا جائے مگر آپ یہ سوچئے کہ جب اللہ کا نام لے کر کام شروع کیا جارہا ہے تو اللہ کے نام تو بہت ہیں۔

وللہ الاسماء الحسنیٰ قرآن شریف میں خود آتا ہے کہ اللہ کے بڑے اچھے نام ہیں وہ جبار بھی ہے، قہار بھی ہے، طاقت والا قوی بھی ہے، توانا بھی ہے، قادر بھی ہے اور وہ بڑے جلال والا ہے، بڑے کمال والا ہے اور بڑے جمال والا ہے، سب کچھ ہے مگر کیوں ہمیں یہ تعلیم دی گئی کہ جب ہم کام شروع کریں تو اللہ کے نام سے شروع کریں۔ اور اس کی صفتوں میں سے یہ دو

صفتیں الرحمن الرحیم بڑی رحمت والا اور بڑا رحمان ہے یہی مزاج بناتا ہے یہی مسلمان ہی کا نہیں انسان کا مزاج بناتا ہے کہ خالی صفتوں میں سے ان دوصفتوں کو خاص طور پر یاد رکھے کہ ہم یہ کام شروع کرر ہے ہیں اس خدا کے نام سے جو بڑی رحمت والا ہے اور بڑا مہربان ہے یہاں کیا کچھ نہیں کیا جا سکتا تھا کہ ہم یہ کام شروع کرر ہے ہیں اللہ کے نام سے جو بڑا قوی ہے بڑا توانا ہے، بڑا قادر ہے، بڑی سلطنت والا ہے، بڑی قدرت والا ہے لیکن یہ الرحمن الرحیم کی صفت اس میں اس لئے داخل کی گئی ہے تا کہ ہماری زندگی اس کے سانچے میں ڈھلے اور ہم یہ سمجھیں کہ خدا جس نے ہم کو پیدا کیا اور جو ہمیں زندہ رکھے ہوئے ہے اور جو ایک ساتھ زندگی گزارنے کا موقع دے رہا ہے ایک ملک میں ہمیں بسایا ہے اور ایک جگہ ہمیں پیدا کیا ہے وہی کھلاتا ہے اور پلاتا ہے۔ وہ خدا جس کی یہ شان ہے وہ تو ہے ہی لیکن الرحمان الرحیم بڑی رحمت والا اور بڑا مہربان اور بڑا ہی شفیق ہے تو وہ اس سے ہماری زندگی کا رخ معین کرتا ہے۔ کہ ہماری زندگی کا رخ رحمن کی طرف ہو، ہم یہ سمجھیں کہ ہم جس خدا کے بنائے ہوئے ہیں جس خدا کے بندے ہیں جو خدا ہمیں کھلا رہا ہے پلا رہا ہے ہماری حفاظت کر رہا ہے اور پھر اس نے ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ بسایا ہے وہ الرحمن الرحیم ہے بڑی رحمت والا ہے۔ بہت بڑا مہربان ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی پیروی کرو اپنے اندر اللہ تعالیٰ کی وہ صفات جو بندے اختیار کر سکتے ہیں جو CHARACTER بنا سکتے ہیں اس CHARACTER میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی ان صفتوں کو جگہ دی گئی اور اسی طرح سورۂ فاتحہ۔ الحمد للہ رب العالمین میں کیا کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ یہ وہ چیزیں ہیں جب کوئی چیز بہت زیادہ کان میں پڑتی ہے ہر وقت سنائی دیتی ہے۔ اذان ہی ہے، کیا اذان کوئی نہیں سنتا۔ لیکن اذان پر، اذان کے الفاظ پر۔ اذان کے معنی پر غور کرنے والے کتنے ہیں۔ کسی چیز کا علم ہونا، آسان ہو جانا، قابو میں آجانا ہر وقت سننا اور ہر وقت اسے دیکھنا وہ ایک حجاب بن جاتا ہے، ایک پردہ بن جاتا ہے آپ خیال کیجئے کہ الحمد للہ سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں اور رب العالمین ہے سارے جہانوں کا پالنے والا ہے ایک جہاں کا نہیں، ایک ملک کا نہیں، ایک سوسائٹی ایک ذات کا نہیں ایک کلاس ایک طبقہ اور ایک درجہ کا نہیں، ایک STANDARD کا نہیں۔ وہ تو رب العالمین ہے سارے عالموں کا ساری دنیاؤں کا پالنے والا ہے۔ ہماری دنیا ستاروں کی دنیا آسمانوں کی دنیا اور پھر

کہاں کہاں کی دنیا کتنے براعظم کتنے ملک یہ سب اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سایہ کے نیچے ہیں لہٰذا ہمیں یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ ہم رحمت کو ایک دوسرے کو دیکھ کر اس کو اپنا بھائی سمجھنے کو اس کی ضرورت پوری کرنے کو اس کی تکلیف دور کرنے کو اور اس کے غم و رنج میں شریک ہونے کو اپنا فرض سمجھیں اور یہ سمجھیں کہ یہ خدا کی شان اور خدا کی صفتیں ہیں ہمیں ان کو اپنا IDEAL بنانا چاہیے اپنا پیشوا اور اپنا رہنما بنانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا۔ زمین میں بگاڑ نہ پیدا کرو۔ اس کے بنانے کے بعد کسی کو اپنا گھر بگڑتے ہوئے دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ کوئی اس کے بنائے ہوئے گھر کو بگاڑ دے ایک معمولی سی چیز ہے اگر بچہ بھی ذرا سا لکھے اور کوئی اس کو مٹا دینا چاہے پھاڑ دینا چاہے تو اس بچہ کو بھی غصہ آئے گا۔ اور ایسے ہی کوئی اینٹ پر اینٹ رکھ دے کوئی معمولی سا کام کرے چاہے وہ سفر میں ہو یا حضر میں اور اس میں کوئی دخل دے اور اس میں دست درازی کرے اور اس کی بنائی ہوئی چیز کو بگاڑے تو اس کو گوارا نہیں تو پھر وہ خدا جس نے یہ دنیا پیدا کی اور اس شان سے پیدا کی اور کتنی وسیع پیدا کی اور کتنی طویل اور عریض اور کتنی طویل العمر پیدا کی تو اس کے بگاڑ کو خدا کیسے پسند کر سکتا ہے، یہ دنیا اس کی بنائی ہوئی ہے وہی اس کو چلا رہا ہے وہی اس کا مالک ہے، وہ اپنے گھر کو بگاڑنے کی اجازت کیسے دے سکتا ہے۔ آپ دیکھئے کہ ہمارا اور آپ کا گھر ہی کیا، میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ یہاں کے بڑے بڑے جو مرکزی حکمراں ہیں اور دارالسلطنت (CAPITAL) ہے اور بڑے بڑے حکمرانوں کے محل ہیں خدا کی اس دنیا کے سامنے ان کی کیا حیثیت ہے۔ اگر آپ ان میں ذرا سی اینٹ توڑنا چاہیں اگر اس میں درخت لگا ہوا ہے اس درخت کو کاٹنا چاہیں تو کوئی اس کو گوارا نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ جو سب سے زیادہ غیور ہے جو سب سے زیادہ قادر ہے اور سب سے زیادہ عزت والا ہے وہ اپنے گھر کے بگاڑ کو کیسے پسند کرے گا لیکن آج کیا ہو رہا ہے آج ہم اسی گھر کے رہنے والے اسی گھر کو ہم تباہ کر رہے ہیں اور یہ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ کوئی گھر اکیلا محفوظ نہیں رہ سکتا۔ کوئی گھر اگر شیشے کا بنایا ہوا ہے لوہے کا بنایا ہوا ہے۔ اور ہزار اس کے تحفظ کا سامان کیا جائے۔ اس کے علاوہ اور بھی جو اس کے تحفظ کے ذرائع ہو سکتے ہیں وہ سب کئے جائیں کہ ہاتھ لگانے سے آدمی کا ہاتھ کٹ جائے اور اس میں اور زیادتی کرنے سے آدمی کی جان چلی جائے تب بھی کوئی گھر اس طرح محفوظ نہیں رہ سکتا۔ آپ کو معلوم ہے کہ جب لوگ

اٹھتے تھے فوجیں نکلتی تھیں تو پھر ملک کے ملک الٹ پلٹ ہو جاتے تھے۔ اس میں نہ بادشاہ کا گھر بچتا تھا اور نہ کوئی سی صدر جمہوریہ کا گھر بچتا تھا۔ نہ کسی بڑے دولت مند کا گھر بچتا تھا نہ کسی حکیم و دانا کا گھر بچتا تھا۔ تو ہمیں سمجھنا چاہیے کہ یہ ہمارا گھر ہے ہم سب اس کے رہنے والے ہیں ہم اپنا گھر محفوظ رکھ ہی نہیں سکتے چاہے اس کے باہر شیشہ کی دیوار بنا دیں یا لوہے کا بڑا حصار بنا دیں۔ اس کو روکنے کے لئے جو طریقے ہوتے ہیں سب کریں۔ تب بھی جب موسم خراب ہوگا تو اس گھر پر بھی اثر پڑے گا۔ جب زور کی بارش ہوگی تو وہ گھر بھی متاثر ہوگا اور جب لوگوں کے اخلاق خراب ہوں گے اور لوگ کسی کی عزت کو عزت نہیں سمجھیں گے جان کو جان نہیں سمجھیں گے اور یہ سمجھیں کہ بس ہم محفوظ رہیں، ہمارے گھر کے بچے گھر والے محفوظ رہیں باقی جو کچھ ہو جائے تو ان کا گھر بھی محفوظ نہیں رہ سکتا دنیا کی تاریخ یہ بتاتی ہے جو UNIVERSAL HISTORY ہے HISTORY OF THE WORLD ہے آپ GIBBOU کی کتاب۔ THE HISTORY DECLINCE AND FALL OF ROMAN EMPIRE کو پڑھئے دیکھئے۔ کہ ظلم کس طرح شروع ہوا تھا۔ اس سے کتنی بڑی رومتہ الکبریٰ جو دنیا کا سب سے بڑا EMPIRE تھا جس کا ROMAN LAW آج تک مشہور ہے اور مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے اور جس کی تہذیب آج تک برطانیہ، امریکہ اور پورے یورپ پر آج بھی سایہ فگن ہے تو اس ملک کا یہ زوال اس کا یہ DECLINE AND FALL کیسے شروع ہوا۔ یہ اسی طرح کی زیادتیوں سے شروع ہوا۔ انسان کی ذات کی کوئی قیمت نہیں، مال کی کوئی قیمت نہیں۔ ایک معمولی بات جو انہوں نے لکھی کوئی امیر آدمی اگر کوئی دعوت کرتا اور وہ سوچتا کہ اگر میں چراغ جلالوں اور شمع جلالوں تو مجھ میں اور ایک معمولی آدمی میں کیا فرق ہے تو وہ روشنی کیسے پیدا کرتا۔ آج بھی یورپ میں اصل کھانا جو ہے ہم نے انگلینڈ میں دیکھا ہے، لندن میں اور دوسری جگہوں پر رات کا کھانا اصل کھانا ہوتا ہے۔ اور اسی میں وہ سب سیاسی باتیں ہوتی ہیں، مشورے ہوتے ہیں اور اسکیمیں تیار ہوتی ہیں اور جب امیر آدمی اپنے یہاں دعوت کرتا تھا تو بجائے چراغ جلانے کے شمع جلانے کے جیل خانے سے قیدیوں کو بلوا کر اور منگوا کر ان کے کپڑے میں آگ لگا دیتا تھا ان کے کپڑے جلتے رہیں اور وہ خود جلتے رہیں اور ہم کھانا کھاتے رہیں۔ یہ فیشن تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا تھا کسی کی بڑائی کا تو یہ کتنا بڑا ظلم تھا پھر

اس کے بعد انہوں نے لکھا ہے کہ وہ ان کو جانوروں سے لڑواتے تھے اور جس وقت جانور ان کو گرادیتا اور آدمی کی جان نکلنے لگی تو اس کی سسکی سننے کے لئے اس کی کراہ سننے کے لئے اس طرح ریلا ہوتا تھا کہ پولیس اور فوج بھی نہیں روک سکتی تھی۔

جب انسان کی فطرت اتنی بگڑ جاتی ہے اتنی مسخ ہو جاتی تو پھر وہ ملک بھی سلامت نہیں رہتا وہ پوری سوسائٹی، پوری نسل، سب کی سب تباہ کردی جاتی ہے۔

میرے بھائیو! یہ مذہب جو سب سے بڑی تعلیم دیتا ہے وہ خدا کی پہچان کے بعد اس کی ایکتائی اس کے قادر مطلق ہونے کے بعد یہ کہ انسانوں کے ساتھ اپنے بھائیوں کے ساتھ آدم کی اولاد کے ساتھ مہربانی کرنا اور ان کو دیکھ کر خوش ہونا ان کی ترقی سے ان کی صحت سے ان کی دولت سے خوش ہونا اور ان کی مدد کرنا، لیکن جب یہ بات چلی جائے تو پھر پوری کی پوری تہذیب (CIVILIZATION) پورا CULTURE اور پورا جتنا بھی وہ پہلے ترکہ میں ملا ہے قوموں سے SISTERS سے وہ سارا کا سارا تباہ کر دیا جاتا ہے اور مٹا دیا جاتا ہے آپ تاریخ میں دیکھئے کہ دنیا میں جتنے ملک ہیں کتنی تہذیبیں ہیں CIVILIZATIONS ہیں اور کتنے CULTURES ہیں اور کتنے بڑے بڑے EMPIRES ہیں وہ سب کے سب مٹ کر رہ گئے ان کا نام رہ گیا ہے۔

تو سب سے زیادہ جو ڈرنے کی بات ہے وہ ظلم و زیادتی ہے، غرور و تکبر ہے اور اپنے چھوٹے سے مقصد کے لئے بڑے بگاڑ کو پسند کرنا ہے، یہ بگاڑ ہمیشہ چل نہیں سکتا اور کوئی گھر ایسی حالت میں محفوظ نہیں رہ سکتا کہ دوسرے گھر محفوظ نہ ہوں۔ یہ سمجھ لیجئے چاہے وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں خدا کا قانون یکساں ہے ایک بادل چھایا ہوا ہو اوپر سے ایک شامیانہ تنا ہوا ہو وہ شامیانہ محبت کا ہو۔ وہ شامیانہ امن وامان کا ہو۔ وہ شامیانہ اعتماد کا ہو ایک دوسرے پر CONFIDENCE کا ہو یعنی یہاں تک یہ بات ہو کہ آدمی اپنے مال کے متعلق بھی یہ سوچے کہ کوئی ڈرنے کی بات نہیں ایسی SOCIETY ہونی چاہیے۔ وہی ملک سب سے زیادہ خوش قسمت سب سے زیادہ ترقی یافتہ سب سے زیادہ قابل مبارک باد ہے کہ جہاں کے لوگ چوری چوری سے نہ ڈریں اور دھوکہ دینے سے نہ ڈریں۔ بے رحمی اور سنگدلی سے نہ ڈریں اور یہ سمجھیں کہ یہ سب بھائی ہیں، ایک کنبہ ہے۔ ایک فیملی ہے، یہاں کسی ڈر کی ضرورت نہیں اور خاص طور

پر ہمارا ہندوستان تو اس کا بہت زیادہ مستحق تھا یہ تو رشی اور منیوں کا ملک ہے۔ یہ صوفیہ کا ملک ہے یہ تو خدا کے ان بندوں کا ملک ہے جنہوں نے صالح محبت کا پرچار کیا، محبت کی تعلیم دی محبت کر کے دکھایا۔ محبت کا سب کو سبق پڑھایا اور یہ سبق سکھایا کہ ہر انسان کو دوسرے انسانوں کو دیکھ کر خوش ہونا چاہیے کہ یہ ہمارا بھائی ہے، اس ملک میں تو خاص طور پر یہ بات ہونی چاہیے بلکہ دوسرے ملکوں کے لئے اس ملک کو مثال بننا نمونہ بننا چاہیے تھا مگر افسوس ہے جیسے شاعر نے کہا ہے ؎

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

باہر سے کوئی شعلہ نہیں آیا۔ باہر سے کوئی چنگاری تک نہیں آئی یہاں جو کچھ ہوتا ہے وہ یہاں کے رہنے والوں کے ذریعہ سے ہوتا ہے یہ COMMUNAL RIOTS یہ دھوکہ اور یہ بے رحمی کی باتیں سنگدلی کی باتیں اور یہ فرقہ وارانہ فسادات یہ سب یہاں کے لوگوں کے کرتوت ہیں ان کی کمزوریاں ہیں باہر سے کسی نے آکر یہ سبق نہیں پڑھایا۔ نہیں سکھایا اور اگر کسی نے سکھایا تو اس کے سکھانے کی کوئی حیثیت نہیں تھی یہاں کے جورشی اور مینوں نے زندگی گزارنے کا طریقہ سکھایا اور انہوں نے اس میں ساری عمر فنا کردی محبت کا سبق دیا اور انسانیت کی حفاظت کا سبق دیا اپنے بھائیوں کی عزت کی حفاظت کرنا اور ان کے ناموس کی حفاظت کرنا اور عورتوں کی عصمت و عزت اور ان کی آبرو کی حفاظت کرنا اور لڑکیوں اور عورتوں کے ساتھ انصاف کرنا اور ان کا حق دینا اور اسی طریقہ سے کمزوروں پر رحم کھانا یہ سب چیزیں ہمارے بزرگوں نے سکھائی ہیں۔

آپ کتابوں میں دیکھئے تاریخ بھری پڑی ہے کہ انہوں نے کس طریقہ سے یہاں پر رحم کا اور محبت کا سبق دیا تھا۔ اور جہاں تک آسمانی مذہب کا تعلق ہے خدائی تعلیم کا تعلق ہے وہ تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع ہی......... ہوتا ہے تاکہ آپ سبق لیں کام کرنے والا سبق لے کر ہم جو کام شروع کر رہے ہیں وہ اس خدا کے نام سے شروع کر رہے ہیں جو رحمان اور رحیم ہے، قہار کہا جاسکتا تھا، قوی کہا جاسکتا تھا، جبار کہا جاسکتا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے الرحمٰن الرحیم کو بسم اللہ میں کیوں داخل کیا بسم اللہ کو اس کا جز کیوں بنایا تاکہ ہم اس سے سبق لیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفت جو سب پر غالب ہے اور حاوی ہے اور جو سارے جہاں کی

حفاظت کرنے والی ہے وہ رحمت کی صفت ہے اس رحمت کی صفت کو اپنے اندر پیدا کرنا چاہیے دوسرے کی عزت وناموس کو اپنی عزت وناموس سمجھنا چاہیے دوسرے کی ملکیت کو اس کے مال کو اپنے بھائی کا مال سمجھنا چاہیے۔ اس کی حفاظت کرنا چاہیے اور کم از کم ہندوستان کو تو اس بارے میں وہ LEADING PART ادا کرنا چاہیے تھا کہ تمام ملکوں میں اس سے سبق لیا جاتا اور اس کو استاد مانا جاتا اور یہاں کے لوگوں کو بلایا جاتا یورپ میں دعوت دی جاتی امریکہ میں دعوت دی جاتی کہ کسی ہندوستانی کو بلاؤ وہ امن کا پیغام دے گا اور وہ محبت سکھائے گا سب سے زیادہ محبت اور مساوات اس ملک میں پائی جاتی ہے مگر افسوس ہے کہ یہاں بجائے اس کے اپنے عارضی اور حقیر چھوٹے چھوٹے سیاسی مقاصد اور مفاد حاصل کرنے کے لئے یا مالی فوائد حاصل کرنے کے لئے یا عزت ووجاہت پیدا کرنے کے لئے اور کونسل اسمبلی وغیرہ میں منتخب ہونے کے لئے ایک دوسرے سے باہمی منافرت کا سبق دیا جاتا ہے کہ کس وقت ہمارا کام کس طرح نکل سکتا ہے دشمنی ہو ایک دوسرے سے عداوت ہو پھر اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور اس سے عزت حاصل کرتے ہیں حالانکہ یہ عزت عزت نہیں جس میں ملک کی بے عزتی ہو۔ وہ کسی آدمی کی عزت نہیں ہوسکتی چاہے وہ کتنا بڑا ہو، بس آپ کم سے کم یہ طے کرلیں کہ .... ہم یہ فضا پیدا کریں گے اور اس طرح کا ایک محبت کا شامیانہ ہمارے اوپر تنا ہوا ہوگا۔

آپ بھٹکل کے ہی سب ہندو مسلمان بھائی کم از کم اس کو ایک نمونہ کی جگہ بنایئے ایک ایسی مثالی جگہ (MODEL) کہ جس کو دیکھنے کے لئے لوگ باہر سے آئیں اور دیکھیں کہ محبت کا شامیانہ تنا ہوا ہے اور محبت کی فضا چھائی ہوئی ہے اور جہاں پہنچ کر انسانیت کی قدر ہوتی ہے اور یہ دولت، عزت اور وزارت حکومت ساری چیزیں بالکل عارضی اور محدود ہیں اور ان سے کسی ملک کی قسمت وابستہ ہو جائے یا اس کو IDEAL مان لیا جائے تو ملک بچ نہیں سکتا۔ ساری تاریخ بھری ہوئی ہے کہ جہاں پر یہ چیز ہو کہ صرف دولت کی پوجا ہو اور اپنا مطلب نکالنا مقصود ہو چاہے کسی کا کتنا ہی کیوں نہ نقصان ہو پھر وہاں کی سوسائٹی نہیں رہ سکی وہ خودکشی کرتی ہے ایک دوسرے کو ختم کرتی ہے پھر اپنے کو ختم کرتی ہے ایک دوسرے کو ختم کرنا اپنے کو ختم کرنا ہے۔

بس بھائیو! ہمارے اس ملک کو خاص طور پر اس میں LEADING PART ادا کرنا چاہیے پیشوائی کا جو منصب ہے وہ ہمیں قبول کرنا چاہیے اور اس کی ذمہ داری سنبھالنی چاہیے کہ

وہ دنیا کے لئے ایک نمونہ بنے مگر افسوس ہے کہ یہاں COMMUNAL RIOTS اور یہاں چھوٹے چھوٹے اور حقیر مقاصد کے لئے ایک دوسرے کی عزت وآبرو پر ہاتھ ڈالنا اور جان کی پروانہ کرنا، جان لے لینا اور اس کو تباہ کر دینا یہ روزمرہ کا کھیل بن گیا ہے۔ اس سے ہمارے ملک کی بڑی بدنامی ہوتی ہے میں چونکہ باہر جاتا رہتا ہوں امریکہ اور یورپ کے دورے بھی ہوتے ہیں عرب ممالک میں شاید ہی کوئی ملک بچا ہوگا۔

جہاں میں نہ گیا ہوں تو یہ بات ہندوستان کی وہاں پہنچ گئی ہے وہاں خبر لگ گئی ہے کہ ہندوستان میں COMMUNAL RIOTS بہت ہوتے ہیں اور وہاں اس میں جو محبت ہونی چاہیے شہریوں میں جو الفت ہونی چاہیے نہیں پائی جاتی ہے اس سے خود ہمارا سر ندامت اور شرمندگی سے جھک جاتا ہے کیا کہا جائے کیا ہم لوگ اس کا انکار کر سکتے ہیں جتنے بھی یہ واقعات ہیں اخباروں میں آتے ہیں اور ریڈیو وغیرہ سے ایک دوسرے ملکوں تک پہنچ جاتے ہیں کتابیں لکھی جاتی ہیں اور اس پر CRITISED ہوتا ہے تنقید ہوتی ہے لیکن ہم انکار بھی نہیں کر سکتے تو ہم ہندوستانیوں کو باہر جانے کے قابل بنایئے کہ ہم وہاں آنکھیں ملا سکیں بلکہ ان سے کہہ سکیں کہ نہیں! ہم تو امن ومحبت کا پیغام دیتے ہیں ہم سب ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور بھائیوں کی طرح رہتے ہیں...... اس وقت ہندوستانیوں کو سب سے زیادہ اس چیز کی ضرورت ہے اگر یہ چیز پیدا ہوگئی تو یہ ملک باقی رہے گا یہ پارٹیوں کے بدل جانے سے وزارتوں کے بدل جانے سے کسی کے مستعفی ہونے سے یا کسی کے الیکشن ہار جانے سے اور اس کو اپنی MAJORITY ثابت نہ کر سکنے سے یہ ملک نہیں بچ سکتا۔ یہ ملک بچے گا۔ امن سے محبت سے، پریم سے ایک دوسرے پر اعتبار کرنے سے اب یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ آدمی ایک پڑھے لکھے اور تعلیم یافتہ آدمی کا اعتبار نہ کرے، پہلے تو یہ ہوتا تھا کہ بڑی سے بڑی مالیت کی چیز بغیر کسی ڈر کے چھوڑ جاتے تھے لیکن اب تو ذرا سی چیز بھی نہیں چھوڑ سکتے ریلوں پر کیا ہوتا ہے اور بازاروں میں کیا ہوتا ہے یہاں بھی اور ہمارے پڑوسی ملک میں کیا ہوتا ہے۔

میں صاف کہتا ہوں کسی میں بھی وہ فضا نہیں ہے جو فضا ہونی چاہیے۔ ایک دوسرے پر اعتبار کرنے کی اور ایک دوسرے کی عزت کرنے کی اور اس کی عزت وآبرو سمجھنے کی اس کے عزیزوں کو اپنے خاندان ہی کا فرد سمجھنے کی مختصر بات یہ ہے کہ محبت کو عام کیجئے تا کہ آدمی یہ سمجھے

کہ شریف اور پڑھا لکھا آدمی ہے ہمارے ملک کا ہمارا ہم وطن آدمی ہے، اس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ جب آدمی اپنے ہم وطنوں سے ڈرنے لگے تو پھر کیا؟ سانپ اور بچھو کا موقع کب آتا ہے وہ کب ظاہر ہوتے ہیں آدمی کا تو آدمی سے کام پڑتا ہے۔ ایک محلّہ میں مختلف مذاہب کے لوگ رہتے ہیں بعض اوقات تو ایک ہوٹل میں معلوم نہیں کتنے مذہب کے لوگ ٹھہرے ہوئے ہوتے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ ایک دوسرے کی عزت کریں ایک دوسرے کو اپنا بھائی سمجھیں اور اس کی طرف سے مدافعت DEFENCE کریں، حفاظت کریں اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق دے، اگر ایسا ہم کریں گے تو ہمارا ملک چمن بن جائے گا۔ گلزار بن جائے گا اور پھر اس دنیا میں اس کا نام ہوگا اور اس کو دیکھنے آئیں گے کہ یہ کیسا باغ و بہار ملک ہے کیسی محبت و پریم ہے اور بھائی چارہ کا ملک ہے لیکن افسوس ہے کہ اس کے بجائے ہماری شہرت دوسرے ملکوں میں دوسری طرح ہورہی ہے اور ہمارے ملک کی جو شناخت ہے جس پر ہمیں فخر تھا وہ جاتی رہی۔

لیکن اب ہمیں چاہیے کہ ہم ایک نیا MODEL پیش کریں، ہماری زندگی کا اس سے پھر وہ اعتبار، وہ شناخت اور عزت و وقار جو تھا واپس آئے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

رشتوں کے توڑنے سے زندگی پر برے اثرات

الحمد للہ و کفیٰ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفی۔

اس وقت مسلمانوں میں زوال وادبار کی جو کھلی ہوئی علامتیں اور بے برکتی، نحوست، فضیحت ورسوائی بدنامی و جگ ہنسائی کے جو قومی اسباب پائے جاتے ہیں ان میں تعلقات کی کشیدگی۔ قطعی رحمی اور اس سے آگے بڑھ کرنا چاقی، عداوت ایک دوسرے کی عزت کے درپے ہونا اس کو خاک میں ملانے کی کوشش کرنا اور اس کے نتیجہ میں مقدمہ بازی، مال اور وقت کی بربادی اور نہ ختم ہونے والی پریشانیاں ہیں سینکڑوں بلکہ ہزاروں خاندان ہیں جن میں زمین و جائیداد کے سلسلہ میں اور کبھی بعض افسوسناک واقعات کے نتیجہ میں سخت درجہ کی نا چاقی و کشیدگی دیکھنے میں آتی ہے خاندان دو حصوں میں بٹ جاتا ہے ملنا جلنا، سلام و کلام بھی موقوف ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات صرف غمی کے موقع پر برسوں کے بچھڑے ہوئے ملتے ہیں اور بعض اوقات اس کی بھی توفیق نہیں ہوتی، سالہا سال تک اور نسل در نسل اس کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور دل و دماغ کی بہترین صلاحیتیں اور توانائیاں دوسروں (اور وہ غیر نہیں خونی اور رشتہ کے بھائیوں) کو نیچا دکھانے اور ان کے گھر کی اینٹ سے اینٹ بجوا دینے میں صرف ہوتی ہے، کسی بھائی کی سبکی اور ناکامی پر ایسی خوشی منائی جاتی ہے جیسے کبھی (دور اقبال میں) کسی قلعہ کی فتح اور کسی نئی سلطنت کے حصول پر منائی جاتی تھی، جو لوگ اس پستی سے کچھ بلند ہیں اور اتنے گئے گزرے نہیں اور ان کو کچھ دینی تعلیم یا نیک صحبت حاصل ہے اور وہ اچھے دیندار نظر آتے ہیں وہ بھی صلہ رحمی کے مفہوم سے نا آشنا اس کے فضائل سے بے خبر، قرآن وحدیث میں اس کا جو درجہ ہے اس سے یکسر غافل اور دولت بے بہا اور اس سنت جلیلہ سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت محبوب اور عزیز تھی اور جس کا رنگ سیرت نبویؐ میں بہت نمایاں اور غالب ہے بالکل محروم ہیں، بزرگوں کی دوستی کا نباہ پرانے تعلقات کی پاسداری، والدین کے دوستوں کے ساتھ سلوک اور اس کو والدین ہی کی محبت وخدمت کا لازمہ سمجھنا چھوٹوں کے ساتھ الفت، بڑوں کا ادب تو بہت

دور کی باتیں ہیں۔ ضابطہ کا تعلق اور قانونی فرائض بھی ادا نہیں ہوتے۔

اس کا نتیجہ ہے، کہ خاندان اور محلے اور پھر گھر جنت کے بجائے جہنم کا نمونہ اور دارالامن و دارالسلام ہونے کے بجائے دارالحرب بنے ہوئے ہیں۔ زندگی کا لطف اور اجتماعی زندگی بلکہ اسلامی زندگی کی بھی کوئی برکت نظر نہیں آتی۔ پھر اس کے نتیجہ میں غیبی طور پر اللہ اور اس کے رسول کی اطلاع اور وعدوں کے مطابق جو سزائیں مل رہی ہیں اور جو برکتیں سلب ہوتی جارہی ہیں ان کے سمجھنے کے لئے نہ شریعت اور قرآن وحدیث کا ضروری علم ہے نہ طبیعتوں میں انصاف نہ وقت میں گنجائش حالانکہ قرآن وحدیث میں کھول کھول کرنا اتفاقی، قطع رحمی، بغض، کینہ اور انتقامی جذبہ وکارروائی کے انفرادی واجتماعی نتائج بیان کردیئے گئے ہیں اور اس کے مقابلہ میں صلہ رحمی اصلاح ذات البین کی کوشش عفو ودرگزر، ایثار وقربانی، حق پر ہوتے ہوئے بھی دب جانے اور طرح دیئے جانے، قطع رحمی کرنے والوں کے ساتھ صلہ رحمی، تکلیف پہنچانے والوں کو راحت پہنچانے کی فضیلت اور درجہ پوری وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

اسی زمانہ میں دین کے بہت سے شعبوں میں بہت کام ہوا ہے۔ عبادات، فضائل اعمال پر ایک کتب خانہ کا کتب خانہ تیار ہوگیا ہے مسائل واحکام پر بھی بڑی بڑی کتابیں تیار ہوگئی ہیں اور کچھ عرصہ سے سیاست واجتماعیات پر بھی بڑی توجہ کی گئی ہے اور اس کے ایک ایک پہلو کو روشن ونمایاں کیا گیا ہے۔ ان کوششوں کے اثرات مسلمانوں کی زندگی میں نظر بھی آتے ہیں اور انہوں نے دین کے ان شعبوں میں کچھ ترقی بھی کی ہے لیکن جہاں تک بندہ کی معلومات و مطالعہ کا تعلق ہے تعلقات کی استواری، صلہ رحمی اور اصلاح ذات البین کے موضوع پر بہت کم کام ہوا ہے اور خاص طور پر آسان اردو اور عام فہم طریقہ پر روزمرہ کی زندگی کے مطالعہ اور واقعات کی روشنی میں بہت کم مضامین ورسائل اور کتابیں لکھی گئی ہیں اور اس سلسلہ میں ہمارے معاشرہ میں کچھ بہتری کے آثار نظر نہیں آتے۔ حالانکہ آپس کے اختلافات وافتراق، قطع رحمی، برادرکشی اور نزاع باہمی کا مرض وہ عام وباء ہے جس سے مشکل سے کوئی شہر، قصبہ، چھوٹا سا چھوٹا گاؤں اور حد یہ ہے کہ مشکل سے کوئی محلّہ اور خاندان محفوظ رہا ہوگا۔ اور اس سے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی اس بری طرح متاثر ہورہی ہے کہ نہ دینی جدوجہد پوری طرح مفید ہورہی ہے اور نہ سیاسی اتحاد وتنظیم کی کوششیں بارآور ہورہی ہیں۔ ضرورت ہے کہ اس شعبہ کی طرف پوری توجہ

کی جائے اس کے بغیر زندگی کی چول صحیح طور پر نہیں بیٹھتی اور عبادت وتعلق باللہ میں بھی قوت و قبولیت نہیں پیدا ہوتی یہ مرض جتنا عام اور شدید ہے اتنا ہی اس کے ازالہ کے لئے قوت، جرأت اور فکر ودلسوزی کی ضرورت ہے

نوار اتلخ تر میزن، چو ذوق نغمہ کم یابی
حدی رائیز ترمی خواں چو محمل داگراں بینی

واقعات سے سبق لینے کی ضرورت

الحمد للہ و کفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد

حضرات! ہم مسلمانوں کو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جا بجا ہدایت فرمائی ہے کہ ہم واقعات و حالات سے فائدہ اٹھایا کریں اور ان سے صحیح سے نتیجہ نکالیں۔ اسباب اور اسباب کے نتائج میں اللہ تعالیٰ نے ایک خاص تعلق پیدا کیا ہے۔ جیسے دواؤں میں خاصیت ہے درخت کی پتیوں میں خاصیت ہے یہاں تک کہ گھاس پھوس میں خاصیت ہے۔ اعمال، اخلاق طرز عمل اور زندگی کے طور طریق میں اس سے بھی زیادہ طاقتور خاصیتیں ہیں۔ اس لئے کہ دوائیں، غذائیں، نباتات، حجریات تو انسان کی زندگی کی حفاظت اور انسان کو امراض کی تکلیف سے بچانے کے ملئے پیدا کی گئی ہیں۔ زندگی تو اصل چیز ہے جو واقعات ہمارے گرد و پیش گزرتے ہیں ان سے ہمیں سبق لینا چاہیے اور قرآن مجید میں اس کی نہ صرف ہدایت کی گئی ہے بلکہ سبق نہ لینے پر ناراضگی کا اظہار اور اس بے حسی کی مذمت کی گئی ہے۔

سورہ یوسف کے آخر میں ہے:

ترجمہ:- اور آسمان وزمین میں بہت سی نشانیاں ہیں جن پر یہ گزرتے ہیں اور ان سے آنکھیں بند کر کے چلے جاتے ہیں۔

یعنی کتنی نشانیاں ہیں اس زمین و آسمان میں کہ اس کے پاس سے یہ لوگ منہ پھیر کر گزر جاتے ہیں اور اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے ہیں ان سے کوئی سبق نہیں لیتے۔ اس سے بھی زیادہ سخت الفاظ میں سورۂ یونس میں کہا گیا۔

ترجمہ:- جو لوگ ایمان نہیں رکھتے ان کے لئے نشانیاں وڈراوے کچھ کام نہیں آتے۔

ایک جگہ فرمایا ہے۔

ترجمہ:- ہم عنقریب ان کو اطراف عالم میں بھی اور خود ان کی ذات میں بھی

نشانیاں دکھلائیں گے۔ یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہ حق ہے

اس وقت کا اہم ترین واقعہ جن کی طرف خاص طور پر ہم سب مسلمانوں کی توجہ ہونی چاہیے وہ روزمرہ کے فسادات ہیں۔ یہ فسادات کیوں ہوتے ہیں؟ کیا یہ محض اتفاقی واقعہ ہیں؟ یا یہ مسلمانوں کی تقدیر بن گئے ہیں؟ اس میں کچھ ہماری کوتاہی، ہمارے طرزِ عمل کو بھی دخل ہے اور اس لئے کچھ ہم پر بھی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، یا صرف حکومت اور انتظامی عملے ہی پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟ یہ مسئلہ تمام مسائل میں اس وقت سب سے زیادہ قابلِ غور ہے اگرچہ اپنے حجم و تعداد (QUANTITY) میں یہ کوئی بڑا مجمع نہیں لیکن آپ حضرات اپنی ثقافتی اپنی ذہنی سطح (QUALITY) کے لحاظ سے بہت اہم ہیں میں سمجھتا ہوں کہ جو بات اس مختصر جماعت کے سامنے کہی جا سکتی ہے وہ بعض اوقات بڑے مجمع میں کہی جانے والی بات سے بھی زیادہ قیمتی ہوگی۔

حضرات! مسلمانوں کا پہلا فرض تو یہ ہے کہ وہ جہاں بھی اور جس ملک میں بھی ہوں وہاں وہ اولاً اپنے ہم وطنوں کو اللہ کی اس نعمت دینِ حق میں شریک کرنے کی کوشش کریں جو اللہ نے ان کو عطا کی ہے اور ان کو اس کی فکر رہے۔ یہ فکر سب سے زیادہ پیغمبروں کو رہا کرتی تھی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے بار بار رسول کو تسکین دی۔

ترجمہ:- اے پیغمبر، شاید تم اس رنج سے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے اپنے تئیں ہلاک کر دو گے۔

اس کے بعد درجہ بدرجہ جن لوگوں کو ان سے زیادہ مناسبت ہوتی ہے ان کے اندر فکر زیادہ ہوتی ہے۔ تو پہلا درجہ تو یہ ہے کہ مسلمان جس ملک میں بھی رہیں وہاں ہدایت کا کام کریں اور اللہ تعالیٰ نے ان پر جو احسان فرمایا ہے ان کو جو ہدایت دی ہے ان کو جو روشنی عطا فرمائی ہے اس روشنی کو زیادہ سے زیادہ پھیلائیں۔ سارا قرآن شریف اس سے بھرا ہوا ہے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس کا ذمہ دار قرار دیا ہے۔

دوسرا فرض جو از روئے دین انسانیت اور عقلِ سلیم ہم پر عائد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ہم اپنا تعارف کرائیں کہ ہم کس دین کے ماننے والے ہیں کن اصولوں کو ہم تسلیم کرتے ہیں اور ہماری زندگی کن چیزوں کی پابند ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم اپنے اخلاق سے لوگوں کو مانوس اور

قریب کریں لوگوں کو اس دین کے مطالعے پر آمادہ کریں جس دین کے ہم پابند ہیں اس دین کے بارے میں ان میں تجسس (CURIOSITY) پیدا ہو، یہ کس طرح کے لوگ ہیں یہ کس دین کو مانتے ہیں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یہ کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتے یہ ہر ایک کے خیر خواہ ہیں یہ دولت ہی کو سب کچھ نہیں سمجھتے۔ ان کے نزدیک کچھ اور حقائق ہیں (VALUES) کچھ اور (IDEAIS) ہیں۔ یہ کس طرح کے لوگ ہیں جن کو دولت کی بڑی سے بڑی مقدار خرید نہیں سکتی۔ ان کو اپنے اصول سے ہٹا نہیں سکتی اور ان کو ظلم پر آمادہ نہیں کر سکتی۔ کیا ان کے سامنے کوئی اور عالم ہے جو ہماری نگاہوں سے اوجھل ہے؟ ذہن پر چوٹ لگانے والی بعض چیزیں ہوتی ہیں جو بعض اوقات آدمی کی زندگی اور خیالات میں انقلاب پیدا کر دیتی ہیں۔

جبار بن سلمیٰؓ نامی ایک صحابی تھے۔ وہ اسلام لائے ان سے کسی نے کہا کہ آپ کیسے اسلام لائے؟ آپ تو اپنے مذہب میں بڑے سخت تھے؟ انہوں نے کہا کہ ایک فقرہ اس کا سبب بن گیا۔ واقعہ یہ پیش آیا کہ میں نے ایک مسلمان (عامر بن فہیرہؓ) کے نیزہ مارا اور وہ نیزہ ایک پہلو سے گھس کر دوسرے پہلو سے نکل گیا اور تڑپ کر گر گئے زمین پر گرتے گرتے اور جان دیتے دیتے ان کی زبان سے ایک جملہ نکلا اور وہی جملہ ہے جو مجھے اسلام کی طرف کھینچ لایا۔ انہوں نے کہا کہ ''کعبہ کے رب کی قسم میں تو کامیاب ہو گیا۔،، (سیرت ابن ہشام) میں نے سوچا کہ کامیابی کسے کہتے ہیں؟ کیا کامیابی کے دو معیار ہیں؟ میں دیکھ رہا ہوں کہ ایک شخص جانکنی کے عالم میں گرتا ہے۔ تھوڑی دیر میں وہ دنیا کی ہر لذت سے محروم ہو جائے گا وہ جانتا ہے کہ اس کی بیوی بیوہ ہو جائے گی۔ اس کے بچے یتیم ہو جائیں گے پھر کس چیز کو دیکھ کر وہ کہتا ہے کہ میں کامیاب ہو گیا؟ میرے دل میں ایک خلش پیدا ہو گئی کہ معلوم کرنا چاہیے کہ مسلمان کامیابی کسے کہتے ہیں؟ میں نے دیکھا کہ تمام دنیا کی ناکامیاں اس کے لئے جمع ہو گئیں اور اس نے ہر چیز سے ہاتھ دھولیا مگر وہ ایسے وقت میں جب کوئی جھوٹ بول نہیں سکتا کہتا ہے کہ میں کامیاب ہو گیا (مرتے وقت عام طور پر کوئی جھوٹ نہیں بولتا اور عرب تو زندہ رہ کر بھی جھوٹ نہیں بولتے) میں نے لوگوں سے کہا کہ اس نے کیا دیکھ کر کہا کہ میں کامیاب ہو گیا؟ انہوں نے کہا کہ تم نہیں جانتے! اس کو خوشی تھی کہ میں نے کس کے لئے جان دی۔ یہ مسلمان اللہ پر یقین رکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ جو شہید ہوتے ہیں جنت میں جاتے ہیں اس زخمی مسلمان

نے کچھ دیکھا ہوگا۔ جنت دیکھی ہوگی اور یہ یقین اس کے دل میں بیٹھا ہوگا کہ میں شہید ہو جاؤں گا تو جنت میں جاؤں گا تو اس نے کہا کہ میں کامیاب ہو گیا۔ کہنے لگے کہ اس جملے نے میرے دل کو پکڑ لیا اور کھینچ کر دائرہ اسلام میں لے آیا۔

حضرات اس نے جو واقعہ سنایا۔ بہت آخری درجے کا واقعہ ہے میں یہ نہیں کہتا کہ ہر مسلمان اس کا مظاہرہ کر سکتا ہے اور کرنا چاہیے۔ البتہ مسلمانوں کا طرز زندگی ضرور ایسا ہونا چاہیے تھا کہ پڑوسیوں کو اور اس ملک کی دوسری آبادی کو وہ یہ سوچنے پر آمادہ کریں کہ یہ کیسے لوگ ہیں۔ کیا یہ پیسے کی قیمت نہیں جانتے۔ یہ نہیں جانتے کہ پیسے سے آدمی عیش و راحت، عزت و طاقت کے کیسے سامان خرید سکتا ہے۔ یہ نہیں جانتے کہ جھوٹ بولنے سے بعض مرتبہ کتنا فائدہ ہوتا ہے یہ نہیں سمجھتے کہ بڑی عمدہ کوٹھیوں میں بڑے بینک بیلنس کے ساتھ آدمی کس طرح عیش سے رہ سکتا ہے پھر یہ ان چیزوں کے پیچھے کیوں نہیں دوڑتے جن کے پیچھے ہم دوڑتے ہیں جو چیزیں ہمیں خرید لیتی ہیں وہ چیزیں انہیں کیوں نہیں خرید لیتیں؟

ہماری زندگی ایسی ہوتی جو لوگوں کو اسلام کی طرف کھینچتی میں مثال کے طور پر کہتا ہوں یہ اہل علم کے لئے ایک سوال ہے کہ آنحضرتؐ تیرہ برس تک مکہ معظّمہ میں اسلام کی طرف دعوت دیتے رہے۔ اپنی ان تمام خصوصیات اور برکتوں کے ساتھ جو آپ کا حصہ تھیں اللہ کی پوری مدد پوری تائید آپؐ کے ساتھ تھی۔ قرآن شریف نازل ہو رہا تھا اور دس برس مدینہ طیبہ میں آپؐ نے دعوت دی کل تئیس برس ہوئے لیکن صلح حدیبیہ ہوئی ہے 6ھ میں ہجرت کے چھٹے سال اور مکہ 8ھ میں فتح ہوا۔ امام زہریؒ جو بڑے جلیل القدر تابعی اور امام ہیں کہتے ہیں کہ اس دو ڈھائی برس میں جتنی تعداد میں لوگ مسلمان ہوئے ہیں پورے بیس و اکیس برس میں اس قدر لوگ مسلمان نہیں ہوئے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا بات ہے؟ وہی اللہ کے رسولؐ! وہی قرآن! وہی معجزات! وہی تاثیر وہی صحبت کی برکت لیکن دو ڈھائی برس میں جیسے معلوم ہوتا ہے پشتہ ٹوٹ گیا ہو تسبیح کے دانے بکھر گئے۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ صلح حدیبیہ نے موقع دیا کہ عرب آزادانہ مدینہ آئیں جائیں اور مسلمانوں کی زندگی دیکھیں۔ اب تک ایک دیوار کھڑی تھی اسلام اور کفر کے درمیان اور لڑائیاں ہو رہی تھیں غیر مسلم مدینے میں آتے ڈرتے تھے۔ اب مسلمان ادھر گئے غیر مسلم ادھر گئے ان کو

مسلمانوں کو دیکھنے کا یا میدان جنگ میں موقع ملتا تھا یا پھر سفر وغیرہ میں کہیں ساتھ ہو جائے وہ بھی کم۔ لیکن صلح حدیبیہ کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ مکہ کا جو آدمی چاہے مدینہ میں بے خطر آئے اور جو مسلمان چاہے بے خطر مکہ چلا جائے ملنے جلنے کی پوری آزادی ہے کوئی کسی پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتا۔ بس پھر کیا تھا؟ مکے کے لوگ اپنے عزیزوں سے ملنے مدینہ آئے اور آئے تو دیکھا کہ ان کی زندگیاں بدل گئی ہیں۔ ہم سب ایک ہی زبان بولتے ہیں، ایک ہی نسل کے ہم لوگ ہیں، ایک ہی لباس پہنتے ہیں، ایک ہی خوراک ہے۔ پھر کیا بات ہے کہ ان کے اخلاق ہم سے مختلف ہیں ان کا معاملہ، ان کا طرز گفتگو ہم سے مختلف ہے ہم ان کے یہاں مہمان رہتے ہیں (حالانکہ ہم ان کے مذہب کے نہیں) تو یہ اپنے بچے کو بھوکا رکھ کر ہمیں کھلاتے ہیں۔ یہ پہلے ہماری خبر لیتے ہیں پھر اپنے گھر والوں کی خبر لیتے ہیں۔ ہمیں پہلے آرام سے سلاتے ہیں پھر خود سوتے ہیں۔ انہوں نے نہ کبھی ہمارا انداق اڑایا نہ ہم پر کبھی کوئی فقرہ کسا۔ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ یہ اپنے کاموں میں بڑے مستعد ہیں یہ نہیں کہ اسلام لانے کے بعد یہ کاہل ہو گئے ہوں۔ نماز کے وقت نماز پڑھتے ہیں اور کام کے وقت کام کرتے ہیں اور اپنے بال بچوں کے ساتھ بھی ان کا بڑا اچھا رہتا ہے۔ سب ان سے خوش ہیں یہ فرق کہاں سے آیا؟ معلوم ہوا کہ یہ فرق اسلام نے پیدا کیا۔ اب ان کو اسلام پر غور کرنیکا موقع ملا اور وہ اسلام کی طرف کھنچنے لگے۔ ہزاروں ہزار آدمی مسلمان ہوئے امام زہریؒ سے بڑھ کر معتبر کون ہو سکتا ہے۔ حدیث کی روایات کے بڑے حصے کا دارومدار ان پر ہے وہ کہتے ہیں کہ عربوں کو اس عرصے میں مسلمانوں سے ملنے کا موقع ملا۔ انہوں نے مسلمانوں کو قریب سے دیکھا۔ اس سے اسلام نے ان کے دل میں گھر کر لیا اور اپنا عاشق بنا لیا۔

اب آپ بتائیے کہ کسی ملک میں مسلمان ایک ہزار برس سے ہوں اور وہ مسلمان نہ اپنا تعارف کرا سکیں نہ ان کو متاثر کر سکیں تو بتائیے یہ کوتاہی ہے یا نہیں؟ اصل بات یہ ہے کہ ہمارے اخلاق کی خوشبو ہمارے ہم وطنوں کو نہیں پہنچ سکی۔ انہوں نے ہمکو سیاسی میدان میں دیکھا یا انتخابی معرکہ (الیکشن) کے میدان میں ہم کو آزمایا یا تجارت کے مقابلے میں ہم کو دیکھا مسجدوں میں یہ آتے نہیں۔ انہوں نے ہم کو معاملات میں نہیں پرکھا۔ انہوں نے ہم کو اخلاق سے نہیں جانچا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ اس طرح مسلمانوں پر حملہ کرتے ہیں جیسے بالکل غیر مانوس

پردیسی اور دشمن پر کرتے ہیں ابھی تک ان کو یہی معلوم نہیں کہ ہم اپنے اندر کیا جوہر رکھتے ہیں، کیسی محبت رکھتے ہیں، کیسی انسانیت رکھتے ہیں۔ ہمارے دل میں ان کے لئے کیسی خیرخواہی کا جذبہ ہے ہم اس ملک کے لئے کتنے مفید ہیں کتنے ضروری ہیں؟ ہماری وجہ سے ملک پر اللہ کی کیسی رحمتیں نازل ہوسکتی ہیں۔ ابھی تک ہم غیر مسلموں کو اپنے پڑوسیوں تک کو واقف نہیں کرا سکے۔ اس کا ثبوت برابر ملتا رہتا ہے آپ کسی پڑھے لکھے ہندو سے پوچھ لیجئے کہ آپ نے اسلام کا مطالعہ کیا ہے؟ کہیں گے بالکل نہیں۔ اچھا آپ اسلام اور مسلمانوں سے متعلق کیا جانتے ہیں؟ وہ کہیں گے کہ ہم مسلمانوں سے متعلق اتنا جانتے ہیں کہ مسلمان ختنہ کراتا ہے گائے کا گوشت کھاتا ہے اور کچھ ہو جائے تو اسے بڑی جلدی غصہ آجاتا ہے۔ تین علامتیں مسلمان کی بتائیں۔ ویسے یہ دوسری بات ہے کہ مسلمان سر پر چوٹی نہیں رکھتا) ہم سے ہمارے ایک عرب فاضل دوست کہتے تھے کہ جب میں امریکہ گیا تو وہاں لوگ مسلمان اور عرب سمجھ کر مجھ سے دو باتیں پوچھتے تھے ایک یہ کہ یہ بتاؤ کہ تمہارے حرم میں کتنی بیویاں ہیں؟ دوسرے تمہارے دروازے پر کتنے اونٹ بندھے ہیں؟ تو گویا مسلمان کی پہچان امریکہ میں دو ہیں کئی بیویاں رکھتا ہو اور اونٹ ضرور پالتا ہو۔ تو آج یہ ہندوستان کا ہندو جو متوسط درجے کا ہے (اس کالرز کو آپ الگ کردیں) وہ تین چار علامتیں مسلمانوں کے بارے میں جانتا ہے کہ ختنہ کراتا ہے، گائے کا گوشت کھانا اس کے مذہب میں داخل ہے چاہے چوری سے کھائے۔ وہ سمجھتا ہے کہ ایمان اس کا ناقص ہوگا اگر وہ گائے کا گوشت نہ کھائے۔ اور غصہ اس کی ناک پر رکھا ہوا ہے۔ بات تم نے کی اور مسلمان کو غصہ آگیا۔ مسلمانوں کی دوسری اہم خصوصیت یہ ہے، گویا دین کی علامت ہے۔ کہ مسجد کے سامنے دوسروں کا باجا نہیں سن سکتا۔ چاہے خود بجائے لیکن غیر مسلم کی بارات کا باجا نہیں سن سکتا۔ مسجد کے سامنے اپنی اس کی جان ایک کردے یہ ہے کل تعارف ہمارا اس ملک میں۔

میں ہردوئی سے لکھنؤ آرہا تھا تبلیغی جماعت کے کچھ احباب تھے نماز کا وقت ہوا تو ہم (ریل میں) نماز کے لئے کھڑے ہوئے۔ رکوع میں سجدے میں جاتے ہوئے اللہ اکبر کہنا ہوتا ہے ایک صاحب جو ہمارے قریب بیٹھے تھے اور جنہوں نے اپنا تعارف کرایا تھا کہ وہ ایک ضلع کے ڈسٹرکٹ بورڈ کے چیئرمین ہیں انہوں نے بڑے بھولے پن سے پوچھا کہ ''مولانا

صاحب! یہ بار بار اللہ اکبر! کہتے تھے۔ یہ اکبر بادشاہ کا نام لیتے تھے؟،،

ہم ابھی تک انہیں اذان کا مطلب تک نہیں سمجھا سکے جو پانچوں وقت اور اکثر جگہ لاؤڈ اسپیکر سے ہوتی ہے ہمارے ایک بزرگ تھے انہوں نے کہا بھائی! کچھ نہیں تو کم از کم اذان میں جو کچھ کہا جاتا ہے اسی کا ہندی میں ترجمہ کردیں۔ ہندو بھائی سمجھتے ہیں کہ اذان میں ہمارے بتوں کو برا بھلا کہا جاتا ہے۔ یا ہمیں برا بھلا کہا جاتا ہے یا یہ جہاد کا نعرہ ہے۔ ان کو نہیں معلوم کہ حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح، الصلوۃ خیر من النوم کے معنی کیا ہیں؟

تو ہم اس ملک میں کرتے کیا رہے اتنے دنوں تک؟ جب فساد ہو جاتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ دیکھئے صاحب یہ کیسے لوگ ہیں کہ اتنے دنوں سے ہم ان کے ساتھ رہ رہے ہیں اور ذرا بھی ان کو ہمارے ساتھ تعلق نہیں ہے۔ اس میں ہمارے ان ہم وطنوں کی بھی غلطی ہے ان کے رہنماؤں کا بھی قصور ہے اس سیاسی نظام اور الیکشنی طریقے کا بھی عیب ہے تعلیمی نصاب اور کورس و مطالعے کی کتابوں کی بھی ذمہ داری ہے میں ان حقیقتوں کو تاریخ کے طالب علم کی حیثیت سے خوب جانتا ہوں مگر اس وقت غیر مسلم بھائیوں اور حکومت و تعلیم کے ذمہ داروں سے میرا خطاب نہیں ہے۔ جب ہوگا تو بتادوں گا کہ خود ان کی کتنی بڑی ذمہ داری تھی کہ وہ اس عظیم ترین اقلیت کے بنیادی عقائد، تہذیب و معاشرت اور اخلاق و عادات اور خصوصیات کو سمجھنے کی کوشش کرتے جو ایک ہزار سال سے زیادہ مدت سے ان کے ساتھ دیوار بدیوار رہتی چلی آرہی ہے اور جس نے اس ملک کی تعمیر و ترقی میں قائدانہ کردار ادا کیا ہے، اور جس کے ہم مذہب ان کے ہمسایہ ممالک اور درجنوں آزاد ملکوں میں رہتے بستے ہیں۔ نیز محکمہ تعلیم کے ذمہ داروں اور ملک کے دانشوروں کو بارہا بتایا جاچکا ہے کہ تاریخ کی نصابی کتابیں کس قدر نفرت اور خوف پیدا کرنے کی ذمہ دار ہیں خود ہمارے ہموطنوں کے اندر بھی بہت سی کمزوریاں ہیں۔ مگر ان کی کمزوریاں آپ کے سامنے بیان کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ میں تو اس وقت اپنی کمزوریاں بیان کر رہا ہوں کہ ہم نے اپنے سے ان کو مانوس نہیں کیا۔ اسلام کا تعارف نہیں کرایا۔ آپ ہی میں سے کوئی بتائے کہ ہم میں سے کتنوں نے اپنے ساتھ کام کرنے والوں کو یا کلاس فیلو دوستوں کو کوئی چیز ایسی پڑھنے کو دی ہو جس سے اسلام کا تعارف ہو۔ میں پوچھتا ہوں کہ مرہٹی، گجراتی، تامل میں اسلام کے تعارف میں کتنی چیزیں ہیں جو غیر مسلموں کو آنکھ بند کر

کے دی جاسکیں؟ علاقائی زبانوں میں ہم نے کتنا کام کیا؟ ان میں کتنے اچھے لکھنے والے ہم مسلمانوں میں پیدا ہوئے۔ ہاں یہاں بڑے بڑے جرنلسٹ مل جائیں گے۔ بہت کریں گے تو ہم اردو کا اخبار نکالیں گے۔ چار نکل رہے ہیں تو پانچواں نکالیں گے اور اسے بہت بڑا جہاد سمجھیں گے۔ کیا مرہٹی، گجراتی کا روزنامہ نکالنے کی ضرورت نہیں تھی یا کم سے کم کوئی ویکلی نکالنے کی ضرورت نہیں تھی؟ ایسا اخبار جو جدید اسٹائل میں ہو بالکل اپٹوڈیٹ ہم آج تک انگریزی کا کوئی روزنامہ نہیں نکال سکے جب فساد ہو جاتا ہے اور اخباروں میں یکطرفہ خبریں شائع ہوتی ہیں تو شکایت کرتے ہیں کہ دیکھئے صاحب کیسا اندھیرا ہے کہ ہم ہی مارے جائیں اور ہم ہی ملزم ٹھہرائے جائیں۔ مجھے خوب یاد ہے کہ مسلم پرسنل لاء کا جلسہ (غالباً 69ء) میں ممبئی میں ہوا تھا۔ بڑا عظیم الشان جلسہ تھا خیال یہ ہے کہ پچاس ساٹھ ہزار یا غالباً ایک لاکھ آدمی شریک تھے۔ اگلے دن یا اسی دن دلوائی صاحب نے ایک مظاہرہ (DEMONSTRATION) کیا۔ مسلمانوں نے ان پر چپل پھینکے ان کو مارنے دوڑے اور پولیس نے ان کو گھیرے میں لے کر نکال لیا۔ دوسرے دن بمبئی کے انگریزی اخباروں میں ہمارے جلسے کی خبر تو ایک کونے میں ذرا سی دی گئی اور دلوائی صاحب کے مظاہرہ کی ایسی تھی جیسے اس میں دس بیس ہزار آدمی تھے۔

فساد کے مستقل سدباب کا طریقہ یہ ہے کہ آپ اپنا طرز زندگی ایسا بنائیں جس میں کشش ہو غیر مسلم کیلئے۔ وہ دیکھیں کہ مسلمان اس طرح نظر نیچی کر کے چلتا ہے اس سے کسی کو تکلیف نہیں پہنچتی۔ وہ دیکھیں کہ اسٹیشن پر نل کھلا ہوا ہے اور منوں پانی بہہ رہا ہے ہزاروں آدمی دیکھتے ہیں اور گزر جاتے ہیں، ایک مسلمان جاتا ہے اور نل بند کر دیتا ہے وہ کہتا ہے کہ پانی ہمارے خدا کی دی ہوئی نعمت ہے یہ ہمارے ملک کا پانی ہے اسے ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ بارہا ایسا ہوا سفر ہے، فرسٹ کلاس ہے، ہمارے غیر مسلم ہم سفر نے چائے کا آرڈر دیا اور ان کی چائے میں دیر ہوئی، ہماری پہلے آ گئی۔ ہم نے ان کو پیش کر دی اور کہا کہ جب آپ کی آئے گی تو ہم پی لیں گے یہ بھی کوئی قابل ذکر بات ہے لیکن وہ بالکل توقع نہیں کرتے تھے کہ مسلمان اس طرح کے کام کرتے ہیں۔ اس سے ان کا تخیل اسلام کے متعلق بدلتا ہے۔ وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اسلام پھاڑ کھانے والی، چٹکی لینے والی چیز نہیں۔ اسلام تو انسانیت کی تعمیر کا سانچہ ہے جس سے انسان

ڈھل کر نکلتے ہیں، اپنے طرزِ عمل سے بازاروں میں دفتروں میں کارخانوں میں اور جہاں جہاں اپنے ہم وطنوں کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملنا چاہیے۔ آپ اسلامی تعلیمات اسلامی اخلاق اور اسلامی سیرت کا دل کش نمونہ پیش کریں۔ بوڑھا آدمی ہو تو اس کو سہارا دے دیں۔ کوئی عورت ہو تو اس کی مدد کردیں اور کوئی غلط کام کر رہا ہو جس سے معاشرے کو تکلیف یا ملک کو نقصان ہو رہا ہو تو اس کی اصلاح اور اس کو نرمی کے ساتھ روکنے کی کوشش کریں۔

اس وقت کے حالات کی رعایت سے میں نے اتنی بات کہی ہے اور کہنے کی باتیں تو بہت تھیں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم کو صحیح سمجھ عطا فرمائے اور عمل کی توفیق دے۔ ہماری معروضات کو قبول فرمائے اور مفید بنائے اور ہماری حفاظت و نصرت فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

طبقۂ اشرافیہ کے خاص امراض اور ان کی شفا

25 نومبر 1983ء کو دیپال پور کی نئی مسجد میں ایک مدرسہ کے سنگ بنیاد کے موقع پر حضرت مولانا سید ابوالحسن حسنی ندوی رحمۃ اللہ نے یہ اثر تقریر فرمائی

میرے بھائیو اور دوستو! آپ حضرات بہت دیر سے یہاں بیٹھے ہوئے ہیں اور علمائے کرام اور قرآن مجید کے شارحین اور خدمت کرنے والوں کی تقریریں سنتے رہتے ہیں اب بظاہر کسی تقریر کی ضرورت نہیں لیکن اس خیال سے کہ اکثر جگہ جہاں جانا ہوا ہے وہاں کچھ نہ کچھ میں عرض کرتا ہوں آپ لوگوں کو کہیں خیال نہ ہو کہ یہیں آ کر میں نے کیوں خاموشی اختیار کی اور کچھ نہیں کہا؟ حالانکہ یہاں سے جو تعلق ہے وہ آپ کو معلوم ہے۔ دیپال پور کے رہنے والوں کی دعوت پر ہی ہم لوگ آئے ہیں اور یہیں کچھ نہ کہا جائے یہ مناسب نہیں، اس لئے میں مجبوراً بیٹھ گیا، ورنہ خدا کے فضل سے آپ کی جھولی قرآن وحدیث کی باتوں اور اللہ ورسولؐ کے اقوال سے بھر چکی ہے۔

خواص کے ساتھ خصوصی معاملہ

میں صرف ایک بات آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا قانون امت مرحومہ کے ساتھ الگ ہے اور دوسری قوموں کے ساتھ الگ ہے اور ہم آپ سب بھی ایسا کرتے رہتے ہیں مثلاً مکتب میں کئی لڑکے بٹھائے جائیں تو ایک لڑکا جس سے دور کا تعلق نہیں کہیں پاس پڑوس کا آ گیا ہے۔ کسی نے بھرتی کر دیا ہے اس کے خاندان کو بھی ہم نہیں پہچانتے اس سے کسی قسم کا جذباتی، خاندانی لگاؤ نہیں وہ اگر نہیں پڑھتا تو استاد یا مدرسہ کے جو ذمہ دار ہوتے ہیں وہ طرح دے جاتے ہیں۔ اور چشم پوشی کرتے ہیں سنی ان سنی بھی کر دیتے ہیں بھاگ جائے تو بھاگنے دیتے ہیں لیکن گھر کا کوئی لڑکا کسی معزز گھرانہ کا جن کا اس مدرسہ کے قائم کرنے میں خاص ہاتھ ہوتا ہے ان کا بڑا احسان ہوتا ہے یا مدرسہ کے پڑھانے والے استاد وغیرہ اسی

خاندان سے تعلق رکھتے ہیں ایسے کسی گھر کا لاڈلا بچہ مکتب میں داخل ہوتا ہے تو اس کے ساتھ یہ معاملہ نہیں ہوتا، سبق یاد کرے نہ یاد کرے چلو چلنے دو وقت پورا کر کے چلا جائے یا بھاگ گیا ہو چوری کی عادت پڑ جائے تو ایسے ہی منہ پھیر لو۔ آنکھ بند کرلو، یہ نہیں ہوا کرتا، پھر اللہ تعالیٰ کا اس امت مرحومہ کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے اپنا جو قانون بنا دیا ہے عزت کا اور ترقی کا اس قانون پر چلے بغیر اس کی عزت اور ترقی نہیں ہوسکتی۔

نزدیکاں رابیش بود حیرانی

پھر اس امت مرحومہ میں بھی خاندانوں کے افراد کی رگوں میں سیدنا صدیق اکبرؓ کا خون ہو سیدنا فاروق اعظمؓ کا خون ہو سیدنا عثمان غنیؓ کا خون ہو، سیدنا علی مرتضیٰؓ کا خون ہو، حضرات انصار کا خون ہو، مہاجرین کا خون ہو اللہ تعالیٰ ان کو اس طرح کی ڈھیل نہیں دیتا۔ ان کے لئے قانون یہ ہے کہ دوسروں سے آگے بڑھنے کی کوشش کریں یہ سمجھیں کہ اگر کسی کے لئے کوئی بات ایک مرتبہ ضروری ہے تو ہمارے لئے چار مرتبہ ضروری ہے اگر کسی کے لئے فرض پڑھ لینا کافی ہے تو ہمارے لئے سنتیں پڑھنا بھی اور نفلیں پڑھنا بھی ضروری ہے اس لئے کہ نزدیکاں رابیش بود حیرانی، جو جتنے نزدیک ہیں جن کا جتنا قرب ہوتا ہے ان کو اتنی ہی احتیاط کرنی پڑتی ہے دیکھئے نا! بادشاہوں کے دربار میں جن کو پاس کرسی ملتی ہے اور جو بڑے عہدیدار ہوتے ہیں وہ مکھی بھی بیٹھ جائے تو اڑا نہیں سکتے اور دوسرے دو آپس میں باتیں بھی کر سکتے ہیں، لڑ جھگڑ بھی سکتے ہیں لیکن جو بادشاہ کے قریب بیٹھا ہوتا ہے اس کو اگر کھجلی معلوم ہوتی ہے تو ہاتھ نہیں ہلا سکتا۔

بابر کتنا بڑا فاتح گذرا ہے اس نے ہندوستان میں سب سے زیادہ مضبوط سب سے زیادہ لمبی عمر کی سلطنت قائم کی۔ اس نے کہا کہ میری زندگی میں سب سے بڑے امتحان اور نازک وقت دو گزرے ہیں ایک اس وقت جب میں ایک سفر میں ایک پتھر پر سر رکھ کر سو رہا تھا میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ ایک سانپ اپنا منہ کھولے ہوئے میرے منہ کے قریب پھنکار رہا ہے کالا سانپ بڑا زہریلا اب میں اگر حرکت کرتا ہوں تو مجھے ڈس لے گا یا معلوم نہیں منہ میں چلا جائے؟ اور اسی حال پر رہے تو بھی چھوڑے گا نہیں بس میں نے ہمت کی اور اپنے منہ سے اس کے منہ کو دبا لیا اور دبائے دبائے اس کو کچلا ہوا اٹھایا اور اٹھ کر کے اس کو دور جا کر پھینکا اور مارا۔

دوسرا واقعہ یہ کہ میں دربار کر رہا تھا سلطنتوں کے سفیر آئے ہوئے تھے کھجلی کا شدید تقاضا ہو رہا تھا اور میں کھجلا نہیں سکتا تھا کہ بادشاہ دربار میں کھجائے اس کے داد ہو یا خارش ہو اس کے ضبط کرنے میں جو میری حالت ہوئی وہ میں ہی جانتا ہوں، آپ دیکھئے اتنے بڑے بادشاہ نے کتنی بڑی بڑی مہمیں سر کیں ہیں اور کیسی کیسی فتوحات اور خطرہ سے دوچار ہوا ہے وہ ان دو واقعوں کا ذکر کرتا ہے، بات کیا ہے؟ کہ جو بات ایک معمولی آدمی کے لئے صرف جائز ہی نہیں مستحسن ہے، اور بڑے عیب کی بات ہے کھجانا کوئی عیب کی بات ہے؟؟ ... نہ شرعاً نہ اخلاقاً نہ قانوناً نہ طبی اصول سے لیکن اس کو خیال تھا کہ میں اس وقت دربار کر رہا ہوں سلطنتوں کے سفراء حاضر ہیں اور دم بخود کھڑے ہیں اور میں کھجا رہا ہوں یہ میرے لئے مناسب نہیں۔

بھائیو! یہی نامی گرامی خاندانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہے کہ ان کی ذرا سی غلطی اور ان کی ذرا سی ناقدری (غلطی بھی اتنی بڑی چیز نہیں ہے جتنی ناقدری) اللہ کی شریعت کی ناقدری اس پر نہ چلنا جس پر ان کے بزرگوں نے اسلاف نے سر کٹا دیئے ہیں اس پر وہ انگلی بھی نہ ہلائیں اس پر وہ چار پیسے کا نقصان بھی نہ برداشت کریں اپنے بچے کے لئے ذرا سا خطرہ بھی مول نہ لیں کہ یہ دینی تعلیم حاصل کرے گا۔ یہ نیک اور دیندار بنے گا تو اتنی بڑی تنخواہ نہ ہوگی اتنی بڑی آمدنی نہ ہوگی جو دوسروں کی ہے جنہوں نے دنیا کا راستہ اختیار کیا تو دین کی اس ناقدری کو اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرتا۔

شرفاء کی بستیوں میں فلاکت کیوں؟

میں ملک ملک پھرا ہوں اور ہندوستان کا چپہ چپہ تقریباً دیکھا ہوا ہے۔ میں نے ہر جگہ شرفاء کی بستی میں فلاکت دیکھی خود ہمارے خاندان کی بعض بعض بستیوں میں جہاں ہمارے بزرگ تھے اور جہاں ان کے مزارات ہیں اور بڑے بڑے اولیاء اللہ گزرے ہیں آج وہاں جایئے تو بس یہ معلوم ہوتا ہے کہ فلاکت برستی ہے اور فلاکت کیا برستی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ تختہ ہی الٹ گیا ہے ایسی شرفاء کی بستیاں ہمارے اودھ میں بہت ہیں، بات کیا ہے محض اللہ کی شریعت کی ناقدری اور دین کو اپنے لئے باعث ترقی نہ سمجھنا۔ باعث کامیابی نہ سمجھنا، دنیا کو اپنے لئے باعث کامیابی سمجھ لینا۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کو ہر ایک کی بری معلوم ہوتی ہے۔ لیکن جو صحابہ کرامؓ کی اولاد ہوں اور اپنے کو اشراف کہیں ان کے لئے تو بالکل ناقابل برداشت ہے اس کا اثر ضرور ہوتا ہے۔

ہمارے اور آپ کے لئے ترقی کا راستہ دین اور علم دین کا راستہ ہے اس میں جو آسانی ہمیں تھوڑی محنت سے ہوگی وہ دوسرے راستوں میں بڑی محنت سے بھی نہیں ہوگی۔

تاریخی بستیوں اور اونچے خاندانوں کی خاص بیماریاں اور کمزوریاں

یہ آپس کی ناچاقیاں ان بستیوں اور خاندانوں کی خاص بیماری ہے میں نے اشراف میں اکثر یہ مصیبت دیکھی گھر گھر لڑائی، بھائی بھائی سے دل صاف نہیں، شرفاء اور خاندانی لوگوں میں یہ بیماری ایسی پائی جاتی ہے کہ اس کا عشر عشیر (دسواں حصہ) بھی ان لوگوں میں نہیں ہے جنہوں نے سو برس سے اسلام قبول کیا ہے دو سو برس سے اسلام قبول کیا ہے۔ وہ خوب پھل پھول رہے ہیں ماشاء اللہ بڑے متحد متفق ہو کر رہ رہے ہیں ان کے اندر حفظ قرآن کا رواج ہے علم دین حاصل کرنے کا شوق ہے میں نام نہیں لیتا نومسلم ہونا کوئی عیب نہیں۔ صحابہ کرامؓ سب نومسلم تھے یہ حضرات معلوم نہیں سو برس، دو سو برس، چار سو برس سے اسلام لائے ہوں گے اور بڑے اہل اللہ کے ہاتھوں پر معلوم ہوتا ہے اسلام لائے ہیں لیکن ان کے خاندانوں میں ایسی برکت دیکھی شریعت کا احترام، نماز کی پابندی اور ماشاء اللہ اولاد میں بھی برکت جو ہمارے یہاں شرفاء کے یہاں نہیں ہے اور پھر اس کے ساتھ ساتھ حفظ قرآن کا رواج، ایسے ایسے جید علماء ان برادریوں میں ہیں کہ سادات اور شیوخ میں ان کا آدھا بھی کوئی نہیں۔ بڑے بڑے محدث، بڑے بڑے عالم کیا بات ہے۔ انہوں نے اللہ کے دین کی قدر کی۔ شریعت کی قدر کی اور وہ نفسانیت کہ ہر ایک کہتا ہے۔ ہم چومن دیگرے نیست، وہ بات ان کے اندر نہیں تھی یا کم تھی اللہ تعالیٰ نے اس کی برکت سے یہ نعمت و برکت ان کو عطا فرمائی۔

اتحاد و اتفاق کے لئے ایثار قربانی

بھائیو! دو تین باتیں ہیں جو میں عرض کرتا ہوں، الحمد للہ سب کام کی باتیں ہو چکی ہیں ایک تو اس ناچاقی اور نااتفاقی سے بچئے اور خدا کے لئے اس کو دور کیجئے اور اللہ کی خوشی کے لئے مل جائیے اور یہ کہہ کر اپنے بھائی کے پاس جائیے کہ کوئی مجبوری نہیں ہے ابھی دس برس آپ سے اور لڑ سکتا ہوں، مقدمہ بھی لڑ سکتا ہوں اور جسمانی طور پر بھی لڑ سکتا ہوں لیکن محض خدا اور رسولؐ کی خوشی کے لئے اللہ کو راضی کرنے کے لئے، ایثار کر کے میں اپنا حق معاف کرتا ہوں اور آپ

سے ملتا ہوں۔ اور باقی اب آگے جو کچھ بھی ہو جو لوگ ایسا کریں گے میں سمجھتا ہوں کہ انہیں بڑی بڑی نفل نمازوں سے اور ممکن ہے کہ نفلی حج سے بھی زیادہ ثواب ملے اس لئے کہ یہ نفس کے خلاف کرتا ہے اور نفس کے خلاف میں اللہ تعالیٰ کی جو رضا اور ثواب ہے وہ نفس کی لذت کے ساتھ نہیں۔ ماشاء اللہ نفلی حجوں میں تو بڑے لطف ہیں دور جانا نئی نئی چیزیں دیکھنا نئی نئی چیزیں لے کر آنا اب تو نئی نئی چیزیں دیکھنا ہی نہیں رہا نئی چیزیں جو یہاں نصیب نہیں ہوتیں، دیکھنے میں نہیں آتیں وہاں سے لائیے اور چاہے خود رکھئے چاہے تحفہ میں دیجئے چاہے فروخت کیجئے بہرحال اب تو ان چیزوں میں بڑا ثواب ہے۔ اللہ کے لئے دل کو صاف کر لینا کدورت کو نکال دینا؟ بچھڑے ہوئے بھائی سے مل جانا، بلکہ ان لوگوں سے بھی ملنا جنہوں نے کھلی ناانصافی کی۔

حضرت ابوبکرؓ کا کارنامہ

اس ایثار کا سب سے بڑا نمونہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے کہ ان کو ان کے ایک عزیز (مسطح بن اثاثہ) نے ایسی تکلیف پہنچائی تھی جس سے بڑھ کر تکلیف کا تصور کوئی شریف آدمی کر نہیں سکتا اور ان کا تو معاملہ ہی دوسرا ہے اس لئے کہ ہمیں آپ کو تکلیف پہنچے یہاں کسی بیٹی کے باپ کو تکلیف پہنچے تو ایک ہزار بیٹی کے باپ ایک طرف اور اس بیٹی کا باپ جس کا نام ابوبکرؓ تھا ایک طرف اور بیٹی بھی کس کی اور کس کی بیوی؟ اس مسئلہ کا تعلق اس ذات سے تھا جن سے ان کو عزت حاصل ہوئی تھی، عزت کیسی عزت؟ اس پر بٹہ لگایا اور پر حملہ کیا اس سے بڑھ کر کسی شریف آدمی کے لئے کیا کسی حساس آدمی کے لئے بھی زندہ آدمی کے لئے بھی کوئی آزمائش ہوسکتی ہے؟ لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

ولایاتل اولو الفضل منکم والسعة ان یوتو اولی القربیٰ والمسکین والمهجرین فی سبیل الله.

اور جو لوگ تم میں صاحب فضل اور صاحب وسعت ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ رشتہ داروں اور محتاجوں اور وطن چھوڑ جانے والوں کو کچھ خرچ پات نہیں دیں گے۔

جن کو اللہ تعالیٰ نے کچھ گنجائش دی ہے اور کچھ عطا فرمایا ہے ان کو اس بات میں کمی نہیں

کرنی چاہیے کہ وہ اپنے قرابت داروں کو دیں۔ ولیعفوا ولیصفحوا اور ان کو چاہیے کہ اگر ان کی کوئی بات بری لگی ہے تو معاف کر دیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو بند کر دیا تھا وہ جاری کر دیا اور معاف کر دیا اور کہا کہ بیشک میں چاہتا ہوں کہ اللہ مجھے معاف کرے بیشک مجھے اس کی ضرورت ہے کہ اللہ مجھے معاف کرے اس سے بڑھ کر کوئی نمونہ نہیں ہو سکتا صلہ رحمی کا اور پھر حدیث میں آتا ہے کہ

"لیس الواصل بالمکافی ولکن الواصل الذی اذا قطعت رحمه وصل"

رشتہ، ناطوں کو جوڑنے والا وہ نہیں ہے جو بدلہ دینے والا ہو۔ ہم سے کوئی رشتہ جوڑ رہا ہے تو ہم بھی جوڑ رہے ہیں۔ اصل رشتہ جوڑنے والا وہ ہے کہ اس کا رشتہ توڑا جائے تو وہ جوڑے

شریعت پر عمل نہ کرنے کی بے برکتی

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ کی شریعت کی پابندی بلکہ میں یہاں تک کہہ دوں کہ صحیح طریقہ پر میراث نکالنا، ترکہ تقسیم کرنا، بہنوں کا حق دینا، پھوپھیوں کو حق دینا، اور جس کا جو حق ہے اس کو پہنچانا ان میں غفلت کی وجہ سے بڑی بے برکتی ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ بہت سے خاندانوں میں بڑی بڑی جائیدادیں ہیں لیکن فلاکت برستی ہے۔

تیسری بات جو مولوی معین اللہ صاحب نے کہی کہ بچوں کی تعلیم کا اہتمام کرنا یہ نہ سمجھنا کہ ان کو دینی تعلیم دی تو یہ کھوئے جائیں گے۔ یہ ہمارے کام نہیں آئیں گے انہوں نے کھول کھول کر مثالیں دیں اور نام لے لے کر ایک ایک آدمی کا ذکر کیا کہ اللہ نے ان پر کیا فضل فرما رکھا ہے۔

اخیر میں پھر کہتا ہوں کہ شرفاء کی بستی میں اس وقت تک برکت، خدا کی رحمت اور ہر چیز میں کامیابی نہیں ہو سکتی ہے جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی اور رسولؐ کی لائی ہوئی شریعت کا احترام نہ کیا جائے جتنا ہو سکے اس کی پابندی کریں اللہ کے دین کے بارے میں ہمارے اندر غیرت ہونی چاہیے جس کو تبلیغ کے عنوان سے مولانا معین اللہ صاحب نے بیان کیا کہ یہ دین کو باقی رکھنے کے لئے ساری دنیا میں ایک کوشش ہے، اس میں آپ حصہ لیں۔

عربوں سے عبرت لیجئے!

اخیر میں یاد رکھئے کہ آپ لوگوں کی فلاح دین پر چلے بغیر نہیں ہے، بس یہ پکی بات ہے سن لیجئے ایک وہ موقعہ آیا تھا کہ عربوں نے کوشش کی تھی اور جان توڑ کوشش کی تھی کہ وہ دنیا کے راستہ سے بلکہ دین کے خلاف راستہ اختیار کر کے کامیابی حاصل کریں تو اللہ نے ان کو منہ کے بل گرایا اور ایسا ذلیل کیا کہ صدیوں سے ایسے ذلیل نہیں ہوئے تھے۔ مجھے اسی زمانہ میں جانے کا موقع ملا اور میں نے وہاں جدہ میں مکہ مکرمہ میں خطاب کیا اور کہا دیکھو بھئی! ترک کامیاب ہو جائیں ایرانی کامیاب ہو جائیں تم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے، اللہ میاں تمہیں کان پکڑ کر کے اور باندھ کر کے لائیں گے اور دین ہی کے دروازہ پر تم کو ڈالیں گے۔ اگر کچھ ملے گا تو یہیں کی بھیک ملے گی۔ یہیں کی خیرات ملے گی، تم سو سر کے ہو جاؤ تم کامیاب نہیں ہو سکتے۔ ہم نے کہا تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے یہاں مقدر یہی ہے کہ تم دین کے راستہ سے پاؤ تو کچھ پاؤ یہی میں آپ سے کہتا ہوں اور ان سب لوگوں سے کہتا ہوں کہ جن کے آباء و اجداد میں اللہ تعالیٰ نے بڑی بڑی ہستیاں پیدا کیں اور جن کی بستیوں میں دین کا بہت کام ہوا، اچھے اچھے لوگ پیدا ہوئے تمہاری فلاح دین کے اوپر چلنے میں ہے، دس باتوں کی پچاس باتوں کی یہ ایک بات ہے۔

وماعلینا الا البلاغ المبین

ما تعبدون من بعدی

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلامضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، ونشھد ان لاالہ الااللہ وحدہ لاشریک لہ، ونشھد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ واھل بیتہ وبارک وسلم تسلیما کثیراً کثیراً. أمابعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمن الرحیم.

ام کنتم شھداء اذحضر یعقوب الموت، اذقال لبنیہ ماتعبدون من بعدی قالوا نعبدالھک والہ آبائک ابراھیم واسماعیل واسحاق الھا واحدا ونحن لہ مسلمون.

بھلا جس وقت یعقوب وفات پانے لگے تو تم اس وقت موجود تھے جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ تو انہوں نے کہا کہ آپ کے معبود اور آپ کے باپ دادا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے جو معبود یکتا ہے، اور ہم اسی کے حکم بردار ہیں۔

حضرات! جہاں تک مسلمان کا تعلق ہے اس کے لئے دینی تعلیم اور دین کی بنیادی واقفیت کی وہی حیثیت ہے، جو ایک انسان کی زندگی کے لئے ہوا اور پانی کی ہے، ایک مسلمان کو مسلمان کی حیثیت سے زندہ رہنے کے لئے، مسلمان کہلانے کے لئے اور پھر آخرت میں خدا اور اس کے رسول کو منہ دکھانے اور نجات حاصل کرنے کے لئے بنیادی دینی عقائد کے جاننے کی ویسی ہی ضرورت ہے جیسے کہ ایک انسان کو زندہ رہنے کے لئے ہوا پانی کی ضرورت ہے۔ اس میں قطعاً کوئی مبالغہ نہیں، اس لئے کہ مسلمان کسی نسلی تسلسل کا نام نہیں ہے، کسی قومیت کا

م نہیں ہے، کسی تہذیب کا نام نہیں ہے (تہذیب اس میں شامل ہے، تہذیب اس کے تقاضوں اور اس کے معاون چیزوں میں سے ہے) لیکن اسلام محض ایک تہذیب، خالی ایک کلچر نہیں، کسی ذات برادری کا نام نہیں، کسی برہمن کے یہاں کوئی بچہ پیدا ہو جائے تو وہ بہر حال برہمن ہے چاہے مانے چاہے نہ مانے، اس کے لئے اس کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، مسلمانوں میں بھی بہت سی پشتیں اور خاندان ہیں جن پر مسلم معاشرہ میں فخر کیا جاتا ہے اور لوگ اس کی وجہ سے عزت کرتے ہیں۔

لیکن اصل نسبت صحیح عقیدہ، اللہ سے صحیح رشتہ غلامی وعبودیت ہے اور اس کا صحیح طریقہ تعلیم ہے، یہی وہ نسبت ہے جس کا حضرت یعقوب علیہ السلام دنیا سے کوچ کرتے وقت (حالت احتضار) میں اطمینان حاصل کرنا چاہتے تھے، انہوں نے اپنے فرزندوں، پوتوں، نواسوں کو جمع کر کے (اور وہ ماشاء اللہ کثیر الاولاد تھے) دریافت فرمایا کہ "ماتعبدون من بعدی" میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ یہ بات انہوں نے کس سے کہی تھی ان سے کہی تھی جو نبی زادے تھے نبی کے پوتے تھے، نبی کے پڑپوتے تھے، اسی موقعہ سے رسول اللہ ﷺ نے خود فرمایا ہے، کسی نے پوچھا کہ "من ھوالکریم" کہ کریم کون ہے، معزز آدمی کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "الکریم ابن الکریم ابن الکریم یوسف ابن یعقوب ابن اسحاق ابن ابراہیم" اگر خاندانی عزت کے بارے میں پوچھتے ہو تو یوسف علیہ السلام سے بڑھ کر کون معزز آدمی ہوگا؟ کہ نبی کے بیٹے، نبی کے پوتے، نبی کے پڑپوتے تھے، پیغمبروں کے اس خاندان کا سرپرست اپنے بچوں کو جمع کرتا ہے، بیٹوں، پوتوں کو جمع کرتا ہے، ماشاء اللہ کثیر الاولاد تھے، قرآن تعداد کا موضوع نہیں ہے، توریت، انجیل، بائبل میں گنتیوں کو بڑی اہمیت دی گئی ہے اور بہت بڑے حصہ میں گنتیاں پھیلی ہوئی ہیں، لیکن قرآن مجید گنتیوں کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا، بہر حال افراد خاندان بڑی تعداد میں تھے۔ اللہ نے ان کو عمر بھی طویل عطا فرمائی تھی، برکت بھی عطا فرمائی تھی۔ ان کو بنی اسرائیل کی پوری ملت کا مورث اعلیٰ ہونا تھا۔ ظاہر ہے کہ ان کے سامنے کتنے پوتے نواسے اور ان کی اولاد ہوگی، آپ نے سب کو جمع کیا، ان سے زیادہ کون جانتا تھا کہ یہ کس کی اولاد ہیں، ان کی رگوں میں کن کا خون ہے، اس خون کے کیا خصائص ہیں، اور اس خاندان کی کیا تاریخ ہے، اس کی تاریخ عالم میں کیا کردار رہا ہے؟ یہ ان کے بیٹے ہیں جس کے متعلق

اللہ تعالیٰ نے فرمایا''ان ابراھیم کان امة قانتا لله حنیفاً'' (ابراہیم خود ایک امت تھے) اور فرمایا''ملة ابیکم ابراھیم ھو سماکم المسلمین'' (وہ خدا کا پہلا گھر بنانے والا ابراہیم، وہ توحید کا پہلا اعلان کرنے والا ابراہیم، وہ جس نے توحید کے عقیدہ کے لئے ہجرت کی، جس نے خطرات مول لئے، جس نے اپنے باپ سے پہلی لڑائی مول لی، اس کا باپ صرف یہ نہیں کہ وہاں کا ایک معزز آدمی تھا، وہاں کے سب سے بڑے معبد (عبادت گاہ) کا سب سے بڑا آدمی تھا، ان کی جو پہلی گفتگو ہوئی اور پہلے جو مسلک کا اظہار و اعلان ہوا وہ باپ کے سامنے ہوا۔ پھر اس زمانے کے غالباً سب سے بڑی نہیں تو ایک بڑی متمدن سلطنت کے فرمانروا سے ان کا مقابلہ ہوا، ابراہیم کی اولاد کو ابراہیم ہی کا جانشین (حضرت یعقوب علیہ السلام) اپنے بیٹوں، پوتوں کو جمع کر کے کہتا ہے۔

''پیارے بیٹو، پوتو، نواسو! اب میں تم سے رخصت ہونے والا ہوں، لیکن میری پیٹھ قبر سے نہیں لگے گی، جب تک یہ اطمینان نہ ہو جائے کہ تم خدائے واحد ہی کی عبادت کرو گے؟ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو گے، یا لوگوں کو جیسا کرتے دیکھو گے تم بھی کرنے لگو گے، اور انہیں کی بولیاں بولنے لگو گے، تم ایک نہیں تین تین پیغمبروں کی اولاد ہو۔ تمہاری رگوں میں نوع انسانی کے موحد اعظم (سیدنا ابراہیمؑ) کا خون ہے، جس نے توحید خالص کی اس وقت صدا لگائی، جب دنیا میں وہ بالکل نامانوس ہو چکی تھی، اس نے اللہ کے نام پر اس وقت گھر تعمیر کیا جب دنیا میں اس کے نام کا کوئی گھر نہیں رہ گیا تھا، اس نے اس کے لئے اپنے باپ اور گھر والوں سے ناطہ توڑا، آگ میں ڈال دیا جانا گوارا کیا، اس کے لئے گھر بار اور محبوب و عزیز وطن چھوڑا اور ملک ملک کے سفر کئے۔ لیکن میں اتنا کافی نہیں سمجھتا۔ (میں نے بڑے بڑے خدا پرستوں اور بت شکنوں کے خاندانوں کا حشر دیکھا ہے کہ وہ کس قدر جلد صحیح راستہ چھوڑ کر بھٹک گئے۔)

عزیزو! اس وقت کہنے کی پچاس باتیں ہو سکتی ہیں، مل کر رہنا، اتحاد کے ساتھ رہنا، اپنی محنت سے حق حلال کی کمائی کھانا، شریفانہ زندگی گزارنا، کسی کو تکلیف نہ پہنچانا، سب کے کام آنا، پچاس باتیں کہی جا سکتی ہیں، لیکن میں صرف ایک بات پوچھتا ہوں ''ماتعبدون من بعدی؟'' یہ بتا دو کہ میرے بعد تم بندگی کس کی کرو گے؟

اللہ کبر! یہ وہ وقت ہے کہ آدمی سب کچھ بھول جاتا ہے، ہمارے سامنے اگر دن

وصیتوں کا لٹریچر جمع کیا جائے، یعنی کوئی ریسرچ اسکالر، دین کا کوئی طالب علم اس پر کام کرے کہ لوگوں نے اپنی اپنی اولاد اور پسماندگان کو کیا وصیتیں کی ہیں، دنیا سے جاتے وقت اپنے دوستوں اور عزیزوں کو کیا ہدایت کر گئے ہیں، تو ایک جلد نہیں، ایک چھوٹا سا کتب خانہ تیار ہو جائے گا، لیکن اللہ کے اس مومن بندے کو فکر صرف یہ ہے کہ کیا میری اولاد اس دولت کو اپنے سینے سے لگائے رکھے گی، جس پر خدا کی ہر مدد، خدا کی ہر رحمت، خدا کے ہر بہتر فیصلے اور خدا کی نصرت، فرد و امت کی نجات اور انسانیت کے مستقبل کا دارومدار ہے، وہ ایک ہی چیز ہے۔ ''ماتعبدون من بعدی'' تم یہ بتادو کہ میری آنکھ بند ہونے کے بعد بندگی کس کی کرو گے؟

یہ ہے مسلمانوں کے ذہنوں کو ڈھالنے والا سانچہ، ایمان کی قیمت پہچاننے کا امتحان و معیار، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس واقعہ کا ذکر کرکے اس کو قیامت تک کے لئے محفوظ کردیا ہے کہ ہر نسل کا مسلمان بلکہ ہر نسل کا انسان پڑھے اور اس سے سبق لے، اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو نقل کرکے تاریخ نہیں سنائی ہے، قرآن تاریخ کی کتاب نہیں ہے، تاریخ ہے، لیکن وہ تاریخ کے لئے نہیں، یہاں پر ہمیں بتایا کہ اس طرح مسلمان کے ذہن کو کام کرنا چاہئے۔

اب مسئلہ اس وقت فرد کا نہیں ملت کا ہے، میں مسلمانوں سے پوچھتا ہوں کہ ملت کیا اس ذہن سے کام کررہی ہے؟ کیا اپنی اولاد کے بارے میں اسے یہ فکر ہے کہ ''ماتعبدون من بعدی'' ہم میں سے کتنے آدمی ہیں جن کے دل پر اس بات کا اثر ہے، جن کے دماغوں میں اس بات کی اہمیت بیٹھی ہوئی ہے؟ اپنے دل کو ٹٹولیں، اپنے دماغوں کا جائزہ لیں اگر مجھ سے کوئی پوچھے کہ ملت کے لئے صرف ایک پوسٹر بنانا ہے، اور صرف ایک جملہ کی گنجائش ہے اور اس کے علاوہ کچھ نہیں، تو میں کہوں گا کہ ''ماتعبدون من بعدی'' لکھ دو، پوسٹر کے نیچے لکھو کہ ہر مسلمان اپنی اولاد سے دنیا سے جانے سے پہلے سوال کرے اور جب تک دنیا میں ہے اپنا جائزہ لے، محاسبہ کرے کہ اس کے نزدیک اس کی اہمیت ہے یا نہیں؟ وہ اپنے بچوں کے لئے، اپنی آئندہ نسل کے لئے یہ اطمینان کرنا ضروری سمجھتا ہے یا نہیں کہ ''ماتعبدون من بعدی'' میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ میں آپ سے کہتا ہوں کہ ہم اور آپ سب اپنے اپنے دلوں کو ٹٹولیں اور یہ دیکھیں کہ واقعی اس سوال کی ہمارے یہاں اہمیت ہے یا نہیں؟ اور یہ سوال افراد کے پیمانہ پر، خاندان کے پیمانہ پر، برادری کے پیمانہ پر، معاشرہ کے پیمانہ پر، محلّہ کے پیمانہ

پر، قصبہ کے پیانہ پر اور آخر میں، میں کہتا ہوں کہ ملت کے پیانہ پر اور ملت ہندیہ اور اسلامیہ کے پیانہ پر، ہمارے دلوں پر نقش ہے یا نہیں؟ ہماری آئندہ نسل ہمارے بعد کس راستے پر چلے گی، وہ کس گروہ وملت کی پیرو ہوگی، کس کی پرستش کرے گی، کن عقائد کو مانے گی...... یہ خدائے واحد کی پرستار ہوگی یا سینکڑوں، ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں، خداؤں اور دیوتاؤں کی، یہ اس وسیع کائنات میں اور اپنی محدود زندگی میں کس کے دست قدرت کو کام کرتا ہوا دیکھے گی اور مانے گی۔

یہ سب سے بڑا اطمینان ہے اس کے بغیر میں سمجھتا ہوں کہ مسلمان مسلمان نہیں رہ سکتا، جب تک وہ کسی نہ کسی درجے میں یہ اطمینان نہ کرلے کہ میری نسل اسلام کے صحیح راستے پر رہے گی۔ صحیح عقیدہ پر قائم رہے گی، خواہ اس کو اس کے لئے کتنی قربانیاں دینی پڑیں، آج ہماری اصل کمزوری یہ ہے کہ ہم اس کے لئے معمولی قربانی دینے کے لئے تیار نہیں، ہم اپنے بچوں کے لئے اس خطرہ کے تصور سے نہیں لرزتے کہ وہ صحیح دین وعقیدہ سے بے خبر اور آخرت میں نجات پانے اور خدا اور رسول کے سامنے سرخرو ہونے سے محروم رہیں گے، لیکن اس سے لرزہ براندام ہوتے ہیں کہ ہمارے بچے کمپیٹیشن میں کامیاب ہونے یا اپنا تعلیمی کیریئر بنانے میں ناکام ہوں گے، اگر بچہ نے اردو کو اپنی زبان قرار دیا، اس کو اپنی مادری زبان ڈکلیئر کیا، تو اس کے نتیجہ میں اس کے کیریئر پر اثر پڑے گا، حالانکہ یہ بالکل موہوم خطرہ اور ''اندیشہ دور دراز'' کی حیثیت رکھتا ہے، اب نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ مسلمان اپنے دین کی بقاء کے لئے ایک فی ہزار خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں، مسلمان گارجین اس کے لئے تیار نہیں ہیں کہ وہ اسکولوں میں یہ لکھا دیں کہ ہمارے بچے کی زبان اردو ہے، اس کی مادری زبان اردو ہے، جب ملت کی اپنے دین کے ساتھ وابستگی کی قیمت ادا کرنے کی اتنی ہی اہمیت نہیں ہے کہ میرے بچہ کو کہیں دس برس میں اردو بول لینے کی قیمت ادا کرنی پڑے، حالانکہ اس کی سینکڑوں، ہزاروں مثالیں مل سکتی ہیں کہ اردو کے ذریعہ سے لوگوں نے پڑھا، اور اپنی ذہانت سے، اپنی محنت سے، اپنی صلاحیت سے بڑے بڑے امتحان میں کامیابی اور امتیاز حاصل کیا، بڑی سے بڑی اسامی اور بڑے سے بڑے عہدہ پر فائز ہوئے، اس کے لئے ہزاروں مثالیں مل جائیں گی، آپ بتایئے کہ اس ملت کی نگاہ میں اپنے ایمان کی کتنی قیمت ہے، اپنے دین کی کتنی قیمت ہے؟ اس کے متعلق آپ دنیا کی کسی عدالت سے پوچھ لیجئے، مت پوچھئے علماء سے، آپ ماہرین نفسیات سے پوچھ لیجئے، آپ

تقابل ادیان کے استادوں سے پوچھ لیجئے کہ جوملت اتنا خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں ہے ۔ ایک فیصدی اس کا خطرہ ہے کہ بچہ ایک بڑے امتحان میں نہ آئے ، امتیاز نہ حاصل کرسکے، کسی بڑے اسامی پر نہ جائے ، اسی لئے میں نے اسکول میں جا کر یہ نہیں لکھوایا کہ بچہ کی مادری زبان اردو ہے، میں نے ہندی لکھوادی ، اس ملت کے متعلق آپ غیر مسلموں سے پوچھئے جیسا کہ ابھی ہمارے محترم مہمان سید حامد صاحب نے فرمایا کہ اقلیت کمیشن کے ایک ہندو ذمہ دار نے یہ لکھا ہے کہ ''ہندوستان ہی کی یہ خصوصیت ہے کہ یہاں اقلیت اتنی محنت نہیں کرتی جتنی اکثریت کرتی ہے، حالانکہ اس کو اس سے زیادہ محنت کرنے کی ضرورت ہے۔'' میں اس سے زیادہ آگے قدم بڑھا کر اپنی زبان میں کہتا ہوں ،ایک دین کے طالب علم کی زبان میں کہتا ہوں کہ امت اپنے دین وایمان کے لئے اتنی بھی قربانی دینے کے لئے تیار نہیں جتنی ملک کو آزاد کرانے کے لئے ، جتنی اپنی تہذیب کو باقی رکھنے کے لئے ، جتنی ہندی زبان کو رائج کرنے کے لئے ہندو اکثریت نے دی ہے، امریکہ کے یہودیوں کا ذکر تو فضول ہے جنہوں نے اپنی شخصیات و امتیاز ثابت کردیا اور اپنے ملی وتہذیبی مطالبات منوالئے ،خود ہندوستان میں ملک کو آزاد کرانے کے لئے اور اپنے مطالبات کو منوانے کے لئے یہاں کے مختلف فرقوں نے جو قیمت ادا کی ہے، اس کا دسواں حصہ بھی یہ ملت اپنے دین وایمان کی حفاظت کے لئے ادا کرنے کو تیار نہیں، اپنے بارے میں آپ خود فیصلہ کیجئے ، یہ فیصلہ میں آپ پر چھوڑتا ہوں، جب ملت کی ذہنی کیفیت، جب ملت کی شکست خوردگی، جب ملت کی اپنے دین کی قیمت سے ناواقفیت اس درجہ کو پہنچ جائے کہ وہ موہوم سے موہوم خطرہ بھی اپنے بچے کے لئے مول لینے کے لئے تیار نہ ہو، دنیاوی ترقیات اور معاشی مسئلہ کے لئے دین وایمان کو خطرہ میں ڈال دے، بلکہ دین و ایمان کو زد پر لگادے، تو اس کا کیا مقام رہ جاتا ہے؟

اس وقت دنیا میں وہ طریقے نہیں ہیں جو نسل کشی کے۔ پرانے طریقے تھے، اور جس کے لئے اس زمانہ کے مطلق العنان فرماں روا بدنام ہیں، میں آپ ہی کے شہر الہ آباد کے شاعر نہیں بلکہ اپنے دور کے سب سے بڑے شاعر اور لسان العصر کے شعر کا حوالہ دیتا ہوں ، وہ انگریزوں کا دور تھا، انہوں نے اس دور کو سامنے رکھ کر کہا:

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا

افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

اس شعر میں انہوں نے ایک پوری کتاب کا مضمون بیان کردیا ہے۔ میں ان کا دوسرا شعر پڑھتا ہوں:

شیخ مرحوم کا قول اب مجھے یاد آتا ہے
دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے

آج سے ساٹھ ستر برس پہلے انہوں نے یہ شعر کہا ہوگا، لیکن آج بھی یہی حقیقت ہے اور حقیقتوں کی عمر نہیں ہوتی، برسوں کے حساب سے ان کی عمر نہیں ناپی جاتی۔ ابدی صداقتیں سینکڑوں، ہزاروں برس تک اور سیاسی وثقافتی اور تہذیبی تبدیلیوں کے ساتھ باقی رہتی ہیں، اس تعلیمی انقلاب اور معنوی نسل کشی سے ملت اپنے ماضی ہی سے نہیں، وہ اپنے دین سے، اپنے دینی شخصیت سے اپنے دینی حقائق وعقائد سے نہ صرف یہ کہ بیگانہ ہوگی، بلکہ بےزار ہوگی، اپنے اسلاف سے نہ صرف ناواقف ہوگی، بلکہ اس کے نام پر شرماتی ہوگی، اور ان کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتی ہوگی، ہمارے چھوٹے اسکولوں کے بچے بتاتے ہیں کہ اٹھتے بیٹھتے ہم سے کہا جاتا ہے کہ اورنگزیب ظالم تھا اور جب تک کہ ایک من جنیو جلا نہیں دیتا تھا، اس وقت تک ناشتہ نہیں کرتا تھا۔ اسلام تلوار سے پھیلایا گیا، اس دنیا کا کارخانہ دیوی، دیوتا چلاتے ہیں۔ یہ آج ہمارے اسکولوں میں پڑھایا رہا ہے۔

میرے بھائیو اور دوستو! سیدھی سیدھی بات یہ ہے کہ خالص مسلم اکثریت کے ملک میں بھی مسلمانوں کو مسلمان رہنے کے لئے، اپنی آئندہ نسل کو مسلمان رکھنے کے لئے سخت جانفشانی اور سخت قربانی کی ضرورت ہے، وہاں بھی بغیر جانفشانی اور قربانی کے مسلمان اپنی آئندہ نسل کے دین وایمان کا تحفظ نہیں کرسکتے، وہاں بھی ماتعبدون من بعدی کا سبق ہمارے سامنے، چہ جائیکہ ایک ایسے ملک میں جہاں ہم اقلیت میں ہیں، اور اقلیت کے ساتھ ارادی اور غیر ارادی، شعوری یا غیر شعوری طریقے پر ایک ایسی تاریخ اور ایک دور وابستہ ہے، کہ جائز یا ناجائز، حق بجانب ہو یا غیر حق بجانب، اس کے متعلق نہ صرف یہ کہ غلط فہمیاں ہیں بلکہ بدگمانیاں بھی ہیں اور شکایتیں بھی، یعنی ہماری ملت کی یہاں صحیح پوزیشن یہ ہے کہ ایک تو وہ اقلیت میں ہے، پھر اس کی ایک بڑی آزمائش یہ ہے کہ اس نے آٹھ سو برس تک اس ملک میں

حکومت کی ہے، اس شکل سے چھٹکارا نہیں، اب اس سے خلاصی حاصل کرنے کی کوئی صورت نہیں، تاریخ جب ایک مرتبہ بن جاتی ہے تو اس کو مٹایا نہیں جاسکتا، دوسری بات یہ ہے کہ انگریزوں نے (اپنے انتظامی وسیاسی مصالح) سے اپنے دور میں اقلیت واکثریت کے مسائل پیدا کئے، اس میں خلیج پیدا کی، پھر یہ بھی واقعہ ہے کہ اس ملک کے پڑوس میں ایک اسلامی مملکت بنی اور وہ قائم ہے، ہم کو اور آپ کو ان سب حقائق کو سامنے رکھنا پڑے گا، یہ وہ چیزیں ہیں جن پر پردہ ڈالنے سے کام نہیں چلے گا، ایک ہزار کہیں کہ ہمیں اس سے کوئی تعلق نہیں، مگر یہ سائے اور ذہنی اثرات ہمارے ساتھ لگے ہوئے ہیں، پھر یہ بھی واقعہ ہے کہ ہم نے اپنے ہم وطنوں کو اپنے دین کی حقیقت سے اور صحیح تاریخ سے باخبر نہیں کیا، ہم نے انسانیت کی جو خدمت انجام دی، اس ملک کو چار چاند لگائے، عالمگیر انسانی تمدن پر اس ملت کے جو احسانات ہیں اور اس کے جو اثرات پڑے ہیں ان سے ہم نے ابھی تک ان کو آگاہ نہیں کیا ہے، انہیں میں سے کسی کو خدا نے توفیق دی تو اس نے کچھ لکھ دیا۔

یہ ملک جمہوری ہے، اس نے جمہوری سیکولرازم کو پسند کیا ہے، اس لئے یہاں پر تعداد ایک اہمیت رکھتی ہے، ہماری تاریخ ایک بیرونی قوم کی تاریخ نہیں ہے، ایک ایسی قوم کی تاریخ ہے جو یہاں ایک ہزار برس سے رہ رہی ہے، اس طویل سفر میں نشیب وفراز آئے ہیں، زندہ قوموں کی تاریخ میں نشیب وفراز آتے ہی ہیں، لیکن ان کو رنگ آمیزی کے ساتھ نمایاں کیا گیا ہے، اور اب ان کو خاص طور سے زندہ کیا جارہا ہے، زندہ اور حکومت کرنے والی قوموں کی تاریخ میں ساری چیزیں خوشگوار اور ساری چیزیں بالکل ہموار نہیں ہوتیں۔

اب آپ خود فیصلہ کیجئے کہ آپ کے لئے اپنی دینی تعلیم کا تحفظ، اس کے انتظامات اور اپنی آئندہ نسل کو مسلمان باقی رکھنے کی جدوجہد کتنی ضروری ہے؟ اس کو زبان قال سے بھی اور زبان حال سے بھی اس حقیقت کا اطمینان کرلینا ضروری ہے کہ ہمارے بچے خدائے واحد کے پرستار ہوں گے، محمد رسول اللہ ﷺ کو سچا اور آخری پیغمبر سمجھتے ہوں گے، یہ قرآن ہی کو اپنا دستور حیات سمجھیں گے، کتاب وسنت نے مسلمانوں کو عائلی قانون کا جو نقشہ دیا ہے، نکاح وطلاق، ترکہ ومیراث، موت وحیات کے لئے جو ہدایت دی ہیں ان کو وہ اپنے دین کا جز سمجھیں گے، نمازروں کے پابند ہوں گے، فرائض کے پابند ہوں گے، اللہ اور رسول سے محبت رکھتے ہوں

گے، اور اللہ و رسول کے نام پر اپنی عزت اور جان و مال کی قربانی کرنے کے لئے تیار ہوں گے۔

حضرات! یہی دینی تعلیمی کونسل اور اس کی اس دینی تعلیمی تحریک کا حاصل ہے، آپ اپنی اولاد سے زبان حال سے پوچھیں یا زبان قال سے پوچھیں کہ کل وہ کس دین و ملت کے پیرو ہوں گے؟ اور آپ کے پاس جو وسائل اور امکانات ہیں ان سب کو اس مقصد کے حصول کے لئے استعمال کریں گے کہ یہ خدائے واحد کے پرستار ہوں اور مختصر لفظوں میں صحیح مسلمان ہوں، موحد ہوں، اس زندگی کے بعد دوسری زندگی پر ایمان رکھتے ہوں، اس پر یقین رکھتے ہوں کہ ''ان الدین عند اللہ الاسلام'' اللہ کے یہاں جو دین مقبول ہے وہ اسلام ہے۔

ہم اپنی پوری دینی خصوصیات کے ساتھ اور پوری اسلامی شخصیت کے ساتھ آزادی اور عزت کے ساتھ اس ملک میں رہیں گے۔ راتب اور جان کے تحفظ کی ضمانت پر محض جانوروں کی زندگی نہیں گذاریں گے، عزت و آبرو کے ساتھ اس ملک کے نظم و نسق میں شریک ہوتے ہوئے اور اس ملک میں اپنی اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے اس ملک کی تعمیر و ترقی میں مساویانہ حصہ لیتے ہوئے اور اس ملک کی حفاظت کرنے کے ساتھ، اور اس ملک کا نام اونچا کرنے کے ساتھ اور اس ملک کی دنیا کے دوسرے ملکوں میں عزت بڑھانے کے ساتھ ہم اس ملک میں اپنے عقائد و خصوصیات کے ساتھ رہیں گے، خدا نے اور ہمارے دین نے جو تعلیم دی ہے، اور ہمارے پاس جو تاریخ ہے اس سے ہم اس ملک کو اخلاقی گراوٹ سے، کرپشن سے اور اس اخلاقی دیوالیہ پن سے بچاسکتے ہیں جو اس ملک کے لئے اس وقت سب سے بڑا خطرہ ہے، ہم اپنی نسلوں کے بھی ایمان و اسلام کی حفاظت کا بندوبست کریں گے، ان کی دینی تعلیم کے لئے اسلامی مکاتب قائم کریں گے، ہماری آئندہ نسل کی زبان اردو ہوگی، اس لئے کہ یہ اس کے لئے دین سے واقفیت کا سب سے آسان ذریعہ ہے اور یہ اس کی تہذیب کا نشان ہے، اس کا کلچر ہے، اس کے لئے اول تو قومی فیصلہ کی ضرورت ہے، اس کے بعد تھوڑی سی قربانی کی ضرورت ہے، ہمیں امید نہیں یقین ہے کہ ایک خوددار، صاحب ضمیر و عقیدہ اور صاحب دعوت اور ایک شاندار تاریخ رکھنے والی زندہ ملت کی حیثیت سے آپ اس کے لئے تیار ہیں۔

وما التوفیق الا من عند اللہ

عالم عربی کا اصل خطرہ
اسرائیل یا مردہ ضمیر؟

حضرت مفکر اسلام مولانا علی میاںؒ نے یہ تقریر ۲۴ شعبان ۱۳۸۸ھ (۱۷ نومبر ۶۸ء) کو کویت میں کی تھی جس میں ممتاز شہری، دانشور، حکومت کے اعلیٰ افسران اور صحافی شریک تھے۔

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ، ونومن بہ ونتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیاٰت اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلاھادی لہ و نشھد ان لاالہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وعلی الہ واصحابہ أجمعین ومن تبعھم باحسان و دعابد عوتھم الی یوم الدین. اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیمo

ایک تاریخ ساز اور عہد آفریں واقعہ

میں آپ کو تاریخ کا ایک واقعہ یاد دلانا چاہتا ہوں اہم، مؤثر اور فیصلہ کن واقعہ۔ وہ واقعہ جس سے دعوت اسلامی کی تاریخ کا آغاز ہوا۔ بلکہ اسی سے انسانیت کا نیا تاریخی سفر شروع ہوا۔ یہ اس نازک اور اہم موقعہ کا ذکر ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا کی چوٹی پر کھڑے ہوکر بلند آواز سے صدا دی۔ یا صباحاہ

عربوں میں یہ لفظ بہت اہم اور مشہور تھا۔ بے خبری میں کسی حملہ کا اندیشہ ہوتا یا گھات میں لگے ہوئے کسی دشمن کے حملہ کا خطرہ ہوتا اور شہر کے کسی آدمی کو ان کی سن گن مل جاتی تو وہ کسی پہاڑی یا چوٹی یا کسی بلند ٹیلہ پر چڑھ جاتا اور پوری طاقت سے پکارتا یا صباحاہ۔ لوگ سنتے ہی سمجھ جاتے کہ گردوپیش یا شہر پر کوئی خطرہ منڈلا رہا ہے وہ سب کے سب پکارنے والے کی

طرف دوڑ پڑتے۔ وہ اپنے کاروبار اور اپنی صنعت وتجارت کو اپنی جگہ چھوڑ کر ہمہ تن اس کی طرف متوجہ ہو جاتے اور اس انجانے خطرہ کی تحقیق وتفتیش کرنے لگتے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفا کی چوٹی پر گئے اور پوری طاقت سے آواز دی ،یا صباحاہ، اور آپ کی آواز بھی ان کے لئے اجنبی یا نامانوس نہیں تھی۔ اس مانوس آواز سے ان کے کان آشنا تھے اور اس آواز کو سننے والوں کا بے مثال اعتماد بھی آپ کو حاصل تھا یہ کسی عام آدمی کے ہونٹوں سے نکلی ہوئی معمولی آواز نہیں تھی۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہونٹوں سے نکل رہی تھی۔ جن کو لوگ نبوت سے پہلے ہی صادق اور امین کا لقب دے چکے تھے۔ جب اہل مکہ نے اس صادق اور امین کو یہ آواز دیتے ہوئے سنا اور اس پکار کے بارے میں ان کا تجربہ تھا کہ اس میں ظن وتخمین یا مبالغہ کا ادنیٰ شائبہ بھی نہیں ہوسکتا۔ اور نہ کسی بات کے صرف اعلان یا کسی بات پر آمادہ کرنے یا اس سے برگشتہ کرنے کیلئے یہ حرکت کی جاسکتی ہے انہوں نے یہی سمجھا کہ بہت بڑا خطرہ درپیش ہے اور سب کے سب سنتے ہی آپ کی طرف دوڑ پڑے اور وادی مکہ کے بسنے والے پہاڑ کے دامن میں جمع ہو گئے حیرت واستعجاب سے ان کے سر اٹھے ہوئے تھے اور سب کی نگاہیں قریشی ، ہاشمی نوجوان محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مرکوز تھیں لوگ منتظر تھے کہ دیکھیں کیا کہتے ہیں۔

عربوں کا ذوق سلیم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بنی عبدالمطلب ،اے بنی فہر ،اے بنی کعب ذرا یہ تو بتاؤ کہ اگر میں تمہیں اطلاع دوں کہ اسی پہاڑی کے اوٹ میں سواروں کا ایک دستہ چھپا ہوا ہے جو تم پر ٹوٹ پڑنا چاہتا ہے تو کیا تم سچ مانو گے؟

عربوں کو اس کی ناخواندگی یا زیادہ صحیح الفاظ میں ''فن علم'' ناآشنائی کے باوجود اللہ کی جانب سے ذوق سلیم سے نوازا گیا تھا اور ان کو فکر صحیح عطا ہوئی تھی ،انہوں نے صورتحال کا جائزہ لیا سامنے کی حقیقت کو دیکھا کہ ایک شخص پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہے اور پہاڑ کے آگے اور پیچھے دونوں جانب دیکھ رہا ہے اس کو پورا حق حاصل ہے کہ پہاڑ کے دامن میں کھڑے ہوئے لوگوں کو دوسری طرف کی خبر دے، جہاں پہنچنے سے ان کی نگاہیں قاصر ہیں۔ اس کے لئے صرف عقل سلیم کی ضرورت تھی اور عقل سلیم نے ہی ان کی رہنمائی کی اس نے فیصلہ دیا کہ پہاڑ کی چوٹی پر

کھڑے ہوئے اس شخص کی تنبیہ وتحذیر بے محل نہیں، اس کو حق ہے کہ انہیں ایسی خبر دے جو خود ان کی نگاہوں سے اوجھل ہے اور نیچے کھڑے ہوئے لوگوں کو اعتراف کرنا پڑا۔ انہوں نے کہا، ابھی تک ہم نے تمہاری کذب بیانی کا کوئی تجربہ نہیں کیا ہے بلکہ ہمیشہ تمہیں صادق اور امین ہی پایا ہے اور جب انہوں نے اس کا اقرار کرلیا تو آپ نے فرمایا۔ فانی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید۔

سب سے بڑا خطرہ

میرے بھائیو! ذرا غور کیجئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا؟ یہی کہ اے اہل مکہ تمہارا یہ طرز حیات جس کے مطابق تم زندگی گزار رہے ہو، یہی تمہارے لئے سب سے بڑا خطرہ ہے، یہی تمہارا سب سے بڑا دشمن ہے، اگر میں تمہیں خبر دوں کہ پہاڑ کے پیچھے دشمن کا ایک دستہ چھپا ہوا ہے جو تم پر حملہ کرنے کی تاک میں ہے تو تم اسے پوری اہمیت دو گے اور اپنے گھروں کی طرف دوڑ پڑو گے کہ فوراً اسلحہ اور سامان جنگ سے لیس ہو کر مقابلہ کیلئے تیار ہو جاؤ۔ لیکن جب میں کہتا ہوں کہ تمہاری یہ زندگی، تمہارے تسلیم کئے ہوئے عقائد، تمہارا پسندیدہ طرز حیات، تمہاری تہذیب وتمدن، تمہارے اخلاق وعادات اور گلے سے لگائی ہوئی تمہاری یہ بلند قدریں، یہ بت جن کے سامنے تم سر جھکاتے ہو، جن کی تعظیم وتقدس اور جن کی عبادت پر تم جمے ہوئے ہو، تمہارا یہ طرز حیات، تمہاری اسی لہو ولعب اور جہالت وحماقت سے معمور زندگی تمہارے لئے سب سے بڑا چیلنج اور دشمن کی پوشیدہ فوج سے کہیں زیادہ خطرناک ہے، کیونکہ یہ طرز حیات ہی تمام خطرات کا منبع ومخرج ہے تو کیا وجہ ہے کہ تمہیں یقین نہیں آتا؟

قریش اپنی کوتاہ عقل اور محدود تجربات کی وجہ سے حملہ کرنے والے دشمن کی کمین گاہوں میں چھپی ہوئی فوج اور قبائلی لشکر کے علاوہ جس سے ان کو آئے دن سابقہ پڑتا تھا کسی خطرہ کا وجود ہی تسلیم نہیں کرتے تھے۔ ان کا علم اور ان کے تجربات اسی تنگ دائرہ میں محدود تھے۔ اور اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو متنبہ کیا کہ وہ جس انداز سے زندگی گزار رہے ہیں وہی اصل خطرہ ہے، اور درحقیقت وہی طرز زندگی ہر طرح کی محرومیوں، ناکامیوں، مصیبتوں اور بلاؤں کا سرچشمہ ہے اس وسیع سرچشمہ کا وجود اس کا متقاضی ہے کہ وہ ہر وقت ہوشیار رہیں اور سروں پر منڈلانے والے خطرہ سے غافل نہ ہو، قریش کے معاشرہ کی یہی کھتی رگ تھی جس

پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلی رکھ دی تھی جب تک یہ مستقل خطرہ موجود ہے کوئی خارجی خطرہ چنداں اہمیت نہیں رکھتا۔

قلب وضمیر سے غفلت

محترم حضرات! ازل سے یہ انسان کی فطری کمزوری رہی ہے کہ وہ خارجی خطرات اور وغیروں کی دشمنی کا یقین رکھتا ہے اوران کو پوری اہمیت دیتا ہے۔لیکن خطرات کی ان بنیادوں اوراس کے گہرے سرچشموں سے غفلت کا شکار رہتا ہے اوران کی طرف مطلق توجہ نہیں دیتا جو قوم کے قلب وضمیر اور معاشرہ کے رگ وریشہ میں سمائے رہتے ہیں جو اجتماعی زندگی کے عوام کے اخلاق میں گھر چکے ہیں۔اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلیغ اور موثر زبان سے متنبہ کیا (جس کو قریشی کے ذہین لوگ اہل زبان ہونے کی وجہ سے بخوبی سمجھتے تھے) کہ تم کو چاہئے کہ اس مہلک اور مستقل خطرہ سے خبردار ہو جاؤ جو تمہارے جسم وجان میں پوشیدہ ہے لیکن آنکھوں سے نظر نہیں آتا۔تم اس وقت تک مستقل خطرات کی زد پر اور گڑھے کے کمزور کنارہ پر کھڑے ہو،جب تک جہالت اور بت پرستی پر قائم رہو گے،انفرادی مفاد کو اجتماعی مصالح پر ترجیح دیتے رہو گے وقتی فوائد اور لذائذ کو دائمی ابدی منافع سے بہتر سمجھتے رہو گے کمزوروں کے مقابلہ میں طاقتوروں کو فوقیت دیتے رہو گے اوران کی جنبہ داری کرتے رہو گے،جب تک تم مادہ پرستی کے جنگل میں گرفتار رہو گے طاقت کے سامنے سرنگوں رہو گے اور خود تراشیدہ بتوں کی تقدیس تمہارے دلوں میں سمائی رہے گی خواہ وہ بت پتھر کے ہو یا انسانی ہاتھوں کی صناعی کی رہین منت ہو یا فکرے انسانی کے ساختہ پرداختہ وہ علم وتحقیق کے منت کش ہو یا خیالات کی بلند پروازی اور امیدوں اور آرزؤں کے دلکش خواب کا نتیجہ،جب تک تمہارے یہ حالات باقی رہیں گے خطرات کا سرچشمہ بند نہیں ہوسکتا۔

خارجی دشمن،خیالی خطرات

میرے دوستو، بھائیوں! تمہاری مثال اس جہاز کے سواروں جیسی ہے جس کے نچلے حصے میں ایک بڑا سا سوراخ ہے اوراس سے پورے زور اور تیزی کے ساتھ جہاز میں پانی ابل رہا ہے لیکن وہ اس سوراخ کی طرف توجہ نہیں دیتے اور خارجی دشمن کے خیالی خطرہ سے پریشان

ہیں انہوں نے سند باد جہازی اور گولیور کے سفر ناموں میں بحر قذاقوں کے بارہ میں پڑھ رکھا تھا ان کی کہانیاں مشرق ومغرب کے سیاحوں کی زبانی سن چکے تھے اور وہ اپنی ساری توجہ انہیں بحری قذاقوں کے امکانی خطرہ پر مرکوز کئے ہوئے تھے۔ لیکن جہاز کے پیندے میں موجود سوراخ کی طرف ذرا بھی توجہ نہیں کرتے جس سے پورے زور کے ساتھ پانی ابل رہا ہے اور جہاز بھی بھر رہا ہے۔

ہمارا موجودہ معاشرہ

ہمارے موجودہ معاشرہ کی بھی حالت یہی ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ یہ بلیغ مثال جس کے لئے آپ نے ایسا حکمت آمیز طریقہ اختیار کیا جس کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی قریش مکہ کے تنگ اور محدود معاشرہ ہی کے لئے مخصوص نہیں جو اب تاریخ کی زینت بن چکا ہے۔ بلکہ وہ ہر زمانہ کے لئے ایک حکیمانہ اور زندہ وجاوید مثال ہے جو ہمارے اوپر بھی پوری طرح منطبق ہو رہی ہے اور ہمارے معاشرہ کی صحیح اور سچی تصویر کشی کر رہی ہے۔ ہم وباؤں سے ڈرتے ہیں امراض سے گھبراتے ہیں بلاؤں کی دہشت ہمارے دلوں میں سمائی ہوئی ہے۔ اور اس کیلئے ہر طرح کی احتیاجی تدبیریں عمل میں لاتے ہیں یہاں تک کہ اگر کوئی کہہ دے کہ یہاں کالرا کا(1) ایک کیس ہو گیا ہے تو پورے شہر میں دہشت پھیل جاتی ہے ہر شخص پر خوف مسلط ہو جاتا ہے اور یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اس وبا کا سب سے پہلا شکار وہی ہوگا۔ لیکن اخلاقی امراض، یہ غلط اخلاق وعادات، جن کو اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناپسند کرتے ہیں۔ یہ مادہ پرستی، شہوت پرستی، ہر جگہ قوت۔ کے سامنے سرنگوں ہو جانا، خواہشات کی بے قید اطاعت، جذبات کی رو میں بہہ جانا، لہو ولعب میں انہماک، رقص وسرور میں ذہنی تسکین اور آرام طلبی وعیش کوشی کے دیگر وسائل میں حد سے بڑی ہوئی دلچسپی، قیادتوں اور نعروں کی اندھی تقلید، حقائق سے چشم پوشی، بار بار کے تجربات سے عبرت حاصل نہ کرنا، امیدوں اور آرزوؤں کی بے لگامی، انسانوں کا حد سے بڑا ہوا احترام، سیاسی اور غیر سیاسی لیڈروں اور رہنماؤں کی تقدیس اور ان کے بارہ میں غلطیوں اور لغزشوں سے معصومیت کا اعتقاد، یہ امراض ہمارے انجام اور ہمارے معاشرہ کیلئے ہزاروں دشمنوں اور دشمن کے ہزاروں لشکروں سے کہیں زیادہ خطرناک، کہیں زیادہ

(1) ہیضہ

مہلک اور کہیں زیادہ تشویشناک ہیں۔

ثابت شدہ حقائق سے چشم پوشی

یہی صحیح مفہوم اور اس حکیمانہ اور بلیغ مثال کا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر زمانہ اور ہر جگہ کے لئے بیان فرمایا ہے اور ہم آج اس صورت حال سے دوچار ہیں ہم ثابت شدہ حقائق سے چشم پوشی کرتے ہیں اور زمانہ کے دیئے ہوئے اسباق اور تجربات سے پہلو تہی کرتے ہیں اور عبرت پذیری سے اعراض کرتے ہیں یہ انتہائی تشویشناک صورتحال ہے۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے۔

فلولا اذجاء هم باسنا تضرعوا ولكن قست قلوبهم وزين لهم الشيطن ماكونوا يعملون

پھر کیوں نہ جب ان پر عذاب پہنچا گڑگڑاتے ہوتے لیکن ان کے دل سخت ہو گئے اور ان کو بھلے دکھائے شیطان نے جو کام کر رہے تھے۔

قرآن کا اعجاز

اور اعجاز کا مقام یہی ہے اور ان کو بھلے دکھائے شیطان نے جو کام کر رہے تھے لوگوں نے تجربات سے فائدہ کیوں نہیں اٹھایا۔ ان حادثات اور مصائب سے سبق کیوں نہیں حاصل کیا۔ جوان پر پھٹ پڑتے تھے اس لئے کہ شیطان نے ان کے لئے نیا فلسفہ تیار کر دیا۔ نئے نام ایجاد کر دیئے تاویل کا وسیع دروازہ کھول دیا اور عبرت ونصیحت جاتی رہی انہوں نے تکوینی اور طبعی اسباب وعلل کے تلاش میں اپنا دل ودماغ مشغول کر دیا اپنے طرز عمل اور سابقہ زندگی کیلئے وجہ جواز تلاش کرنے لگے اور اپنے اخلاق وکردار کی مدافعت میں پوری قوت صرف کر دی یہ قرآن کے معجزات میں سے ایک زندہ پائندہ معجزہ ہے۔

5 جون کا المناک حادثہ

تاریخ نے ایک بار پھر اپنے آپ کو دہرایا، اور فطرت انسانی اپنی اسی پرانی راہ پر گامزن ہوئی جب ہم 5 جون 68 کے المناک حادثہ سے دوچار ہوئے یہ درحقیقت اجتماعی زندگی میں ہمارے اختیار کردہ طریق کار اور دین اور فطرت سلیم سے انحراف کا نتیجہ اور ایک زمانہ سے کارفرما

اسباب وعوامل کا انجام ہے۔ لیکن ہمارے قائدین عرب اقوام کے سامنے ایک پردہ اور روک بن کر کھڑے ہوگئے۔ اور اس المیہ سے انہوں نے دلوں کو عبرت وبصیرت حاصل کرنے سے محروم کردیا۔ انہوں نے ہمارے سامنے نئے نظریات پیش کئے نئے الفاظ واصلاحات ایجاد کیں، اور کہنا شروع کردیا کہ یہ المیہ نہیں مصلحت آمیز پسپائی ہے شکست نہیں فتح ہے وہ فتح مبین جس کی مثال نہیں ملتی، یا جس مصیبت سے ہم دوچار ہوئے وہ عرب اقوام میں باقی ماندہ رجعت پسندی کا نتیجہ ہے، سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔

وزينا لهم الشيطن ما كانو يعملون (الانعام ۴۳)

اور ان کو بھلے دکھائے شیطان نے جو کام کر رہے تھے۔

انسانی تجربات قیمتی اثاثہ

یہ انتہائی تشویشناک صورتحال ہے انسانی تجربات ایک قیمتی اثاثہ ہیں جن سے انسان ہمیشہ اور ہر جگہ فائدہ اٹھاتا ہے اگر ہم ان تجربات کو غلط ٹھہرادیں عقل کا فیصلہ جو اس انسانی کا فیصلہ آنکھ اور کان کا دیکھنا سننا غلط ٹھہرادیں اور ہم یہ کہنے لگیں کہ ہم دیکھتے ہیں پھر بھی نہیں دیکھتے، مانتے، سنتے پھر بھی انکار کرتے ہیں ہمیں پے در پے سبق مل رہے ہیں مگر ہم اسے حقارت سے ٹھکرادیتے ہیں تو اس سے زیادہ تشویشناک صورتحال اور کیا ہوسکتی ہے یہ ایک زبردست تنبیہ ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی صلاحیتوں سے محروم ہوگئے ہیں۔

نازک اور اہم مرحلہ

اس وقت عرب قوم اپنی تاریخ کے انتہائی نازک اور اہم مرحلہ سے گزر رہی ہے میں یہ نہیں کہتا کہ یہ شکست کا مرحلہ ہے یا مصیبت کا مقام ہے اور میں اس مصیب سے خوف زدہ نہیں ہوں دعوت اور پیغام کی حامل قومیں، طویل تاریخ رکھنے والی قومیں، زندہ ضمیر اور روشن زندگی سے بھرپور قلب رکھنے والی قومیں، ان مراحل سے گزرتی ہی رہتی ہیں ہم خود اس طرح کے بے شمار مراحل سے گزر چکے ہیں، ہمارے اوپر صلیبوں نے یلغار کی، تاتاریوں کا طوفان ہمارے سروں پر سے گزر گیا۔ جبکہ خطرہ پیدا ہوگیا تھا کہیں مسلمانوں کی آخری سانس بھی رک نہ جائے پھر بھی وہ مایوسی اور بدشگونی کا مقام نہیں تھا۔ کیونکہ مومن کا ضمیر زندہ تھا مومن کی عقل،

باشعور تھی اور وہ خیر و شر، دوست و دشمن اور مفید و مضر کی تمیز کر سکتا تھا۔ اور اس وقت مسلمان جری، صاف گو اور بہادر تھا۔

قومی ضمیر پر موت طاری

میں ان جیسے المیوں سے کوئی خطرہ محسوس نہیں کرتا بلکہ مجھے اصل خطرہ اس ضمیر سے ہے جس نے اپنا کام کرنا چھوڑ دیا ہے ضمیر کا کام ہے، احتساب اور غلطیوں کی گرفت، خواہ وہ اپنے باپ اور بھائی سے سرزد ہوئی ہو یا کسی ذی وقار پیشوا اور رہنما سے، اگر یہ ضمیر مردہ ہو جائے اپنا فطری عمل چھوڑ دے، اپنی افادیت کھو بیٹھے اور اس میں حقائق کے اعتراف کی صلاحیت باقی نہ رہ جائے تو یہی سب سے بڑا خطرہ ہے یہ انسانیت کی موت ہے، ایک انسان مرتا ہے تو ہزاروں انسان پیدا ہو جاتے ہیں لیکن جب ضمیر مردہ ہو جائے تو اجتماعی اور قومی ضمیر سے زندگی کے آثار ناپید ہو جاتے ہیں۔ جب قوم سے محاسبہ کی صلاحیت اور جرأت ختم ہو جائے، جب تنقید و احتساب کی جگہ شاباشی اور داد و تحسین کے پھول برسنے لگیں تو یہ ایسا المیہ ہوگا جس کے بعد کسی المیہ کا تصور ہی ممکن نہیں۔

فتح اور شکست معیار نہیں

میرے دوستو، بھائیو! آپ حضرات واقف ہیں کہ ہر قوم نشیب و فراز کے ان مراحل سے گزرتی ہے شکست کے بعد فتح، فتح کے بعد شکست اور کبھی پے در پے ہزیمتیں قوموں کی عروج و زوال میں یہ مراحل بار بار آتے ہیں اور کسی قوم میں خود اعتمادی کے جوہر اور کارزار حیات میں سرگرم عمل رہنے کی صلاحیتیں ان مراحل میں گزرے بغیر اجاگر بھی نہیں ہوتیں۔ اسی غرض سے اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحابؓ کے لئے آزمائش مقدر فرمائی تھی، اور کبھی کبھی ان کو پیچھے ہٹنا چنانچہ فرماتا ہے۔

لقدنصر كم الله فى مواطن كثيرة، يوم حنين اذا عجبتكم كثرتكم فلم تغن عنكم شيئاً و ضاقت عليكم الارض بما رجيت و ليتهم مدبرين (توبہ۲۵)

بہت سے میدانوں میں اللہ تمہاری مدد کر چکا ہے اور حنین کے دن جب تم اپنی کثرت پر

اتر آئے پھر وہ کچھ تمہارے کام نہ آئی اور زمین اپنی فراخی کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی۔ پھر تم پیٹھ دے کر ہٹ گئے۔

یہ تربیت الٰہی کا ایک انداز ہے جس میں کسی قوم یا کسی طبقہ کے لئے کوئی استثنا یا رعایت یا کوئی امتیاز نہیں اور یہ فتح و شکست کسی قوم کی عزت و ذلت اور بلندی و پستی کا معیار نہیں۔

اصل معیار

اصل معیار ہے قلب اور ضمیر، جب قوم میں اتنی ہمت اور جرأت نہ ہو کہ اپنے قائد کی غلط کاری پر ٹوک سکے تو ایسی قوم کو جو سر پھرا بھی چاہے غلام بنا سکتا ہے۔ ہر جاہل اور احمق اس کی عزت و شرف کی دھجی بکھیر سکتا ہے۔ ایسی قوم ہر ظلم و زیادتی کا شکار ہو سکتی ہے اور ہر استعمار کے لئے لقمۂ تر ثابت ہوتی ہے۔

استعمار سے نفرت

غیر ملکی استعمار ناپسندیدہ اور مبغوض کیوں تھا؟ اسی لئے تو کہ اس نے ہمارے جسموں، ہماری روحوں، ہمارے قلوب، ہماری عقلوں پر، سب پر اپنا تسلط قائم کر لیا تھا۔ تو کیا یہی استعمار اگر کسی بیرونی شخص کی طرف سے ہو تو ناپسندیدہ اور ناقابل برداشت ہے لیکن اپنی ہی قوم و وطن کا کوئی فرد اس کا مرتکب ہو تو یہی استعمار پسندیدہ اور محبوب ہو جائے گا؟ اللہ نے آپ کو عدل کی میزان عطا کی۔ ہے تاکہ دنیا میں انصاف قائم کریں اور رہتی دنیا تک لوگوں میں حق و عدل کی شہادت دیتے رہتے ہیں۔

یایھا الذین امنو اکونو اقوامین اللہ شھداء بالقسط، ولایجرمنکم شان قوم علیٰ الا تعدلو، اعدلو ھو اقرب للتقویٰ واتقواللہ ان اللہ خبیر بما تعملون　(المائدہ۔۸)

اے ایمان والو کھڑے ہو جایا کرو اللہ کے واسطے، انصاف کی گواہی دینے کو اور ایک قوم کی دشمن کے باعث عدل نہ چھوڑ و عدل کرو، یہی بات تقویٰ سے لگتی ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو، اللہ کو خبر ہے جو تم کرتے ہو۔

اللہ نے دوستوں، دشمنوں، خوردوں اور بزرگوں سب کے ساتھ عدل کا حکم دیا ہے۔

عجیب منطق

لیکن اگر آپ اس میزان ہی سے ہاتھ دھو بیٹھیں اور ایک ہی کام جب کسی اجنبی کی جانب سے منسوب ہو تو مردود اور مبغوض قرار پائے لیکن وہی حرکت جب کسی اپنے آدمی سے سرزد ہو جس سے ہمارا سلسلہ نصب ملتا ہو یا اس کی اور ہماری قومیت مشترک ہو اور وہ ہماری گردو نواح اور اس پر رعونت کے ساتھ مسلط ہو جائے تو ہم اس کے سامنے سر جھکا دیں اس کے لئے اپنی عقلوں اور ضمیروں کو معطل کر دیں۔ خدا گواہ ہے کہ یہی حقیقی خطرہ ہے دنیا کی دیگر اقوام وملل کی قسمت اسی امت مسلمہ کے ساتھ وابستہ ہے۔ یہ امت تمام قوموں میں حق کی شہادت کیسے دے سکتی ہے ان کی اتالیق اور نگران کیسے بن سکتی ہے، تمام اقوام کا محاسبہ کس طرح کر سکتی ہے جب یہ خود اپنے رہنماؤں کے ساتھ انصاف نہ کرے۔ حق و باطل میں تمیز کرنا چھوڑ دے مخلص اور فریبی میں فرق نہ کرے اور طاقت کے سامنے اس گھناؤنے شرمناک طریقے سے ہتھیار ڈال دے سر تسلیم خم کر دے، اس قدر پست ہمتی کا ثبوت دے اور اس ضمیر سے محروم ہو جائے جس نے دنیا کو اس جگمگاتی ہوئی تہذیب وتمدن سے آشنا کیا۔ جس نے دنیا کو یہ ترقی یافتہ علوم عطا کئے اور اس کو یہ قابل فخر تاریخ سرمایہ بہم پہنچایا جب کہ دنیا تباہی کے دھانے پر پہنچ چکی تھی۔

واذکرو نعمت الله علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاستجم بنعمته اخواناً و کنتم علی شفاحفرة من النار فانقد کم منها

(آل عمران۔۱۰۳)

اور تم اپنے اوپر اللہ کا احسان یاد کرو جب تم آپس میں دشمن تھے پھر تمہارے دلوں میں الفت دی اور اب اس کے فضل سے بھائی بھائی ہو گئے۔ اور تم ایک آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے پھر تم کو اس سے بچایا۔

بے حسی اور مردہ ضمیری

میرے دوستو، بھائیو! سب سے بڑی مصیبت اور سب سے بڑا خطرہ یہ ہے کہ یہ ضمیر اپنا کام کرنا بند کر دے اور یہ صرف عرب یا صرف مسلمانوں کیلئے خطرہ نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لئے خطرہ ہے، کیونکہ اللہ نے اسی مسلم ضمیر ہی کو اپنے رازوں کا امین بنایا ہے۔ اس نے ہر

مسلمان کو دنیا کا متولی اور ہمیشہ کے لئے عدل و انصاف کی میزان پر بنایا ہے۔ جو کامل احتیاط اور ایمانداری کے ساتھ اور پوری جرأت اور بے باکی کے ساتھ فیصلہ کرے کسی فرد کی رعایت نہ کرے اور کسی کو کسی پر ترجیح دے۔ لیکن جب یہ میزان ہی اپنا کام چھوڑ دے تو پھر عدو انصاف کی توقع کس سے کیا جائے۔ جب نمک اپنی نمکینی ضائع کر دے تو آپ بتلائے کہ کھانا کس چیز سے نمکین کیا جائے، یہاں یہ مصیبت نہیں کہ کھانا نمکین نہیں ہے بلکہ مصیبت یہ ہے کہ نمک کی نمکینی جاتی رہی، مصیبت یہ ہے عدل و انصاف کی میزان سے کارکردگی کی صلاحیت ختم ہوگئی، وہ غیر جانبدار نہیں رہی کسی کی دوست ہوگئی تو کسی کی دشمن۔

حادثات سے سبق

میں حادثات ومصائب سے پریشان نہیں ہوں کیونکہ ایمان کی چنگاری بجھی نہیں ہے بلکہ وہ مسلمانوں اور عربوں کی دلوں میں چھپی ہوئی ہے اور مجھے پورا یقین ہے کہ چنگاری بھڑک اٹھنے کے لئے تیار ہے وہ کسی ایک شخصیت کی منتظر ہے جو اسے راکھ کے ڈھیر سے نکال دے، اس کے اوپر آئے ہوئے کھوٹی تہذیب، آرزوؤں کی بے لگامی، اوہام پرستی، خود پسندی، موت سے خوف اور خطرات سے گھبراہٹ کے غبار کو ہٹادے اگر کوئی ایسا مبارک اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھنے والا ہاتھ آگے بڑھے اور ایمان کی چنگاری کو گرد وغبار سے صاف کردے، تو اب بھی یہ چنگاری بھڑک اٹھنے خود تپنے اور تپانے کی صلاحیت رکھتی ہے، خود بھی روشن ہوگی اور دنیا کو بھی روشن کردے گی۔ اس رخ سے مجھے کوئی خطرہ نہیں، خطرہ اس بات سے ہے کہ ہم نے حادثات سے سبق لینا چھوڑ دیا ہے۔

قیادت سے محاسبہ کیجئے

ہم رومیوں کی تاریخ میں پڑھتے ہیں کہ وہ بہت سے دیوتاؤں پر اعتقاد رکھتے تھے، بحر و بر، جنگ وامن ہر ایک کے لئے ان کا الگ دیوتا تھا لیکن ان دیوتاؤں کے پرستش کے باوجود کبھی کبھی ان پر بھی جھلا جاتے تھے اگر ان کو کسی مہم میں کامیابی نہ ہوتی یا ان کی امیدیں بر نہ آتیں تو دیوتاؤں پر ان کا غصہ بھڑک اٹھتا، تاریخ کا واقعہ ہے کہ رومی شہنشاہ آگسٹس (Augustus) کا بحری بیڑا سمندر میں غرق ہوگیا تو وہ غصہ میں اتنا مشتعل ہوگیا کہ سمندر کے

دیوتا نیپچون (Neptune) کی مورتی چور چور کردی یہ کوئی انہونی بات نہیں ہے، ناکامی پر جھنجھلاہٹ انسان کی فطرت ہے اور ہم تو مومن اور موحد ہیں اور ایک اللہ کی ذات پر ایمان رکھتے ہیں ہمارے لئے تو کسی صورت میں بھی یہ جائز نہیں کہ کسی قیادت پر اللہ اور اس کے رسول پر ایمان کی طرح کامل ایمان لے آئیں۔ ہمارا فرض ہے کہ اپنے قائدین کا محاسبہ کریں۔ اور خود اپنے آپ کا محاسبہ کریں اور اپنے سیاسی، اخلاقی اور معاشری حالات کا غائر نظر سے جائزہ لیں اور انہی میں مصائب کے اسباب تلاش کریں کسی فرد یا جماعت کی اندھی اطاقت گمراہی کے ایسی غار میں پہنچا دے گی جہاں ہدایت کی روشنی پہنچ نہیں سکے گی۔ اور نہ اس سے نجات آسان ہوگی اور قیادت کا محاسبہ نہ کرنا اور اس کی غلطیوں کا موخذہ نہ کرنا اور اس سے وضاحت طلب نہ کرنا یہ ایسی اطاعت ہے جس کے بارے قرآن کا فیصلہ ہے۔

فاتبعو امرفرعون ومامرفرعون برشید، یقدم قومه یوم القیمة فاورد هم النار، و بئس الوردالمورود واتبعو فی هذا لعنته یوم القیمته بئس الرفدالمرفود . (ہود۔۹۷۔۹۹)

پھر وہ فرعون کے کہنے پر چلے اور فرعون کی بات درست نہیں تھی وہ قیامت کے دن اپنے قوم کے آگے ہوگا اور ان کو آگ پر پہنچا دیگا اور یہ پہنچنے کی بری جگہ ہے اور پیچھے سے اس دنیا میں اس کو لعنت ملی، اور قیامت کے دن یہ برا انعام ہے جو ملا۔

اللہ کا مطالبہ

میرے دوستوں اور بھائیوں! اللہ نے ہم کو انسانوں پر مسلط ہونے والی طاغوتی طاقوں سے اظہار بے زاری کا حکم دیا ہے خواہ وہ کسی زمانہ میں اور کہیں بھی ہوں اور یہاں تو متعدد طاغوت ہیں اگر یہ ہم پر مسلط ہو جائیں تو ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمارے لئے ہرگز جائز نہیں کہ ان کا احترام کریں بلکہ اللہ کا مطالبہ تو یہ ہے کہ ہم ان کا اقتدار تسلیم کرنے سے انکار کردیں اور اس سے اپنی بے زاری اور بے تعلقی کا اعلان کردیں جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ نے اعلان کردیا تھا۔

انا براء وامنکم ومما تعبدون من دون الله کفرنا بکم وبدابیننا و بینکم العداوة والبغضاء ابداً حتیٰ تومنو بالله وحده (ممتحنہ۔۴)

ہم تم سے اور ان چیزوں سے جو تم پوجتے ہو بے تعلق ہیں اور ہمارے اور تمہارے درمیان بیر اور دشمن کھل گئی ہمیشہ کے لئے یہاں تک کہ تم ایک اللہ پر ایمان لے آؤ۔

آنحضرتؐ کی ہدایت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار فرمایا

''اپنے بھائی کی مدد کرو، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم''

تو صحابہ کرامؓ کو تعجب ہوا کیونکہ بہت اہتمام اور توجہ کے ساتھ ان کی تربیت کی گئی تھی وہ جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ فرماتے ہیں وحی الہٰی سے فرماتے ہیں اپنے جی سے کوئی بات نہیں کہتے لیکن اس کے باوجود وہ آپؐ کے فرامین میں بھی اپنی عقل سے کام لیتے تھے اور جو سمجھ نہیں آتا تھا اس کی وضاحت چاہتے تھے، چنانچہ انہوں نے کہا ''ہم اپنے مظلوم بھائی کی تو مدد کریں ظالم کی کیونکر کریں'' آپؐ نے وضاحت کی کہ ''ظالم کی مدد یہ ہے کہ اسے ظلم سے روک دو'' اسی طرح صحابہ کرام جانتے تھے کہ خالق کی نافرمانی کرنا مخلوق کی اطاعت میں جائز نہیں ہے۔ خواہ وہ کوئی بھی ہو، ان کے طرزِ عمل سے بھی اس کی شہادت ملتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار ایک مہم روانہ کی اور اس کا سردار ایک انصاری کو بنایا راستہ میں وہ کسی بات پر اپنے ساتھیوں سے خفا ہو گئے اور ان سے کہا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری اطاعت کا حکم نہیں دیا ہے؟ لوگوں نے کہا ''ہاں دیا ہے'' انہوں نے کہا لکڑیاں جمع کرو، لکڑیاں جمع ہو گئیں تو آگ منگا کر ان کو دہکا دیا پھر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں تم کو حکم دیتا ہوں کہ تم سب کو اس آگ میں کودنا ہوگا۔ امیر لشکر کے یہ تیور دیکھے تو ایک نوجوان نے کہا اسی آگ سے بھاگ کر ہم لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن میں پناہ لی ہے پھر اس دوسری آگ میں کود پڑیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل لو اگر وہ بھی یہی حکم دیں تو بے خطر کود پڑو۔ لوگ لوٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور واقعہ سے آگاہ کیا۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ اگر تم اس آگ میں داخل ہو جاتے تو پھر کبھی نہیں نکل سکتے تھے، اطاعت صرف بھلائی میں ضروری ہے۔''

غفلت، حماقت اور لہو ولعب کا انجام

میں ایک بار پھر آپ حضرات سے کہنا چاہتا ہوں کہ عرب ممالک کی موجودہ لہو ولعب اور

بے فکری کی زندگی حقائق سے آنکھیں بند کر لینے والی زندگی جو ہر معاملہ میں غیر معقول اور معمولی باتوں کا سہارا تلاش کرتی ہے۔ جس میں ثقاہت پر حماقت غالب آ چکی ہے اگر آپ برا نہ مانیں تو صاف کہہ دوں جس میں بہادری پر بزدلی غالب آ چکی ہے۔ اور اگر میں کہوں کہ مادہ پرستی اللہ اور اس رسولؐ کی محبت پر غالب آ چکی ہے۔ تو غلط یا مبالغہ نہ ہوگا۔ اگر اس زندگی کو کوئی انسان دور سے دیکھے یا کوئی اجنبی کسی عربی شہر میں پہنچ جائے تو اتنے بڑے المیے ـــ سے دوچار ہونے کے بعد کھیل کود اور ناچ رنگ کے ان مظاہروں کو دیکھ کر دنگ رہ جائے، اسے اپنی آنکھوں اور کانوں پر یقین نہیں آئے گا۔ ہم ہنگامی حالات سے گزر رہے ہیں اس عرصہ میں عرب ممالک اور ان کے مراکز میں دن رات ہنگامی حالات طاری رہنا چاہئے اور ہر معاملہ میں معقولیت، مقصدیت احتیاط اور دور اندیشی کے مظاہر نظر آنے چاہئیں۔

اسلامی عقیدے کا اشتراک

اگر ہمارے اور آپ کے درمیان اسلامی عقیدہ کا اشتراک نہ ہوتا تو بات یہ نہ ہوتی کہ ہمارا اور آپ کا انجام ایک ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور جو کچھ یہاں ہو رہا ہے ہمارے یہاں اسکا جواب ہم سے طلب کیا جاتا ہے۔ تو شاید مجھے محاسبہ کا حق نہ ہوتا اور حقیقت تو یہ ہے کہ قومیں اسی محاسبہ کے سہارے زندہ رہتی ہیں یورپی اقوام میں اگر اتنی بے داری اور مخلصانہ تنقید کا چلن نہ ہوتا تو وہ تاریخ ماضی کی کہانی بن چکی ہوتیں کڑی تنقید ان کی زندگی کا ایک اہم سبب ہے وہ اپنے کسی رہنما کو یہ موقع نہیں دیتیں کہ ہمیشہ اقتدار پر قابض رہے اور ان کی تعظیم وتکریم ہوتی رہے یہ صرف یورپی اقوام کی خصوصیت نہیں بلکہ مسلمانوں کے سربراہ اور قائدین کی بھی یہی حالت ہے۔

ایک مسلمان قائد کا احتساب

میں ہندوستان میں ابتدائی اسلامی فتوحات کا ایک عبرت انگیز واقعہ آپ کو سناؤں، ہند کی سرزمین پر اسلامی اقتدار کی بنیاد رکھنے والے بادشاہ شہاب الدین غوری (م ۶۰۲ ھ) کا واقعہ ہے اس نے ہندوستان پر فوج کشی کی تو اجمیر کے راجہ پتھورا نے اس کا سخت مقابلہ کیا یہاں تک کہ مسلمان فوج شکست کھا گئی اور اس نے بھاگ کر لاہور میں پناہ لی تو سلطان نے جنگ میں

پیٹھ دکھانے والے غوری اور خراسانی امرا کو سخت سرزنش کی اور کہا تم انسان نہیں چوپائے ہو اور ان کی گردنوں میں جو سے برا ہوا تو بڑا لٹکا دیا اور دوبارہ حملہ کی تیاری کیلئے اپنے دارالسلطنت غزنی چلا گیا اور ایک سال بعد ایک لشکر جرار تیار کر کے بغیر کسی سے مشورہ کئے یا بتلائے وہاں سے چل پڑا راستہ میں ایک مرد بزرگ نے ان کا ارادہ معلوم کرنا چاہا تو اس نے ٹھنڈی سانس لی اور کہا کہ ہندوستان کے راجہ سے شکست کے بعد آج تک میں اپنے بستر پر سویا نہیں ہوں اور اپنی قبا ہٹاتے ہوئے کہا دیکھو اس تاریخ سے آج تک میں نے اپنا لباس تبدیل نہیں کیا اور نہ ان سرداروں کا منہ دیکھا ہے جنہوں نے مجھے جنگ میں رسوا کیا تھا۔ پھر فوج کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہمارا فرض ہے کہ گزشتہ سال اسلام اور مسلمانوں کے دامن پر شکست کا جو دھبہ لگا ہے اس آج دھوڈالیں، لوگوں نے تلوار پر ہاتھ رکھ کر اخیر دم تم سلطان کی اطاعت ورفاقت کا عہد کیا۔ اس کے بعد ہندوستان کا رخ کیا۔ راجہ پتھورا کو ایک خط بھیج کر اسلام کی دعوت دی جسے اس نے اپنی طاقت کے غرور میں انتہائی رعونت اور تکبر کے ساتھ رد کر دیا۔ اور مقابلہ پر آ گیا سلطان نے اس پر اتنا سخت حملہ کیا کہ اس کی فوج ٹک نہ سکی، بھاگ کھڑی ہوئی اور ہندوستان میں اسلامی حکومت قائم ہوگئی جو مختلف شکلوں میں سات صدیوں تک باقی رہی۔

احتساب اور محاسبہ ہمارا امتیاز

جب ایک بڑھیا خلیفہ ثانی کو ٹوک سکتی ہے تو ایک مسلمان یا مورخ کو یہ حق کیوں حاصل نہ ہو کہ اپنے قائدین کا محاسبہ کرے۔ حضرت عمر ابن خطابؓ کے زمانہ میں ہر مسلمان کو یہ حق تھا کہ اس سے جواب طلب کرے۔ ایک دفعہ وہ مسجد نبوی میں خطبہ دینے کھڑے ہوئے اور کہا کہ لوگو! سنو اور اطاعت کرو، ایک صحابی کھڑے ہوئے اور کہا ہم نہیں سنتے، خلیفہ نے کہا کیوں؟ لوگوں نے کہا کہ آپ کے جسم پر مال غنیمت کی دو چادریں نظر آرہی ہیں جب کہ ہم لوگوں کے حصہ میں ایک ہی ایک آئی ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ کیا یہاں عبداللہ بن عمرؓ موجود ہیں وہ کھڑے ہوئے اور کہا کہ ایک چادر میرے حصے کی ہے جو میں نے انہیں دے دی ہے صحابی نے کہا ”ٹھیک اب ہم ہر حکم کی اطاعت کے لئے تیار ہیں۔“

امت کی زندگی

اسی ضمیر اور اسی جرات وہمت کے ساتھ یہ امت زندہ رہی اور حادثات ومصائب کا سامنا کرتی رہی ہے اور اپنی طویل تاریخ میں ترقی یافتہ اور بیدار شعور کا ثبوت دیتی رہی ہے، اس نے ہمیشہ حق وانصاف کا ساتھ دیا ہے اور غلطیوں اور کوتاہیوں کے ارتکاب پر گرفت کی ہے۔ اور انہیں اوصاف کے ساتھ مستقبل میں بھی زندہ رہ سکتی ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

ناشاد شادی آباد سے عبرت وموعظت

یہ تقریر ۲۷ نومبر ۱۹۸۳ء بروز شنبہ مانڈو (قدیم شادی آباد) کے طویلہ محل کی بالائی منزل پر کی گئی

آج صفر ۱۴۰۳ھ کی ۱۰/ تاریخ اور نومبر ۱۹۸۳ء کی ستائیسویں تاریخ ہے۔ ہم لوگ اس وقت شادی آباد مانڈو میں ہیں جو اب ناشاد ہے اس کو اب ناشاد شادی آباد کہنا چاہئے اور سچی بات تو یہ ہے کہ ہم سب آنے والے بھی ناشاد ہیں، اس لئے کہ جس انسان کے دل پر چوٹ نہیں لگتی وہ صحیح الفطرت انسان نہیں۔

ہم اس وقت یہاں قیام گاہ طویلہ محل کی بالائی منزل پر ہیں ہمارے چاروں طرف کھنڈر پھیلے ہوئے ہیں قبور بھی ہیں اور قصور بھی ہیں کسی صاحب دل سے ایک مرتبہ کسی نے انسانی زندگی اور شان وشوکت کا انجام پوچھا تو انہوں نے کہا "**ھذہ قبورھم وتلک قصورھم** "ھذہ" اشارہ قریب کا ہے اور "تلک" اشارہ بعید کا ہے یہ تو ہیں ان کی قبریں اور وہ رہے ان کے محل۔

یہاں قرآن مجید کی دو آیتیں ہیں جو اس وقت ذہن میں تازہ ہوئی ہیں ایک آیت ہے۔ **اولم یھدلھم کم اھلکنا من قبلھم من القرون یمشون فی مسکنھم، ان فی ذلک لایت افلا یسمعون** (السجدہ۔۲۶)

ترجمہ: کیا ان کو اس (امر) سے ہدایت نہ ہوئی کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی امتوں کو جن کے مقامات سکونت میں یہ چلتے پھرتے ہیں ہلاک کر دیا، بے شک اس میں نشانیاں ہیں تو یہ سنتے کیوں نہیں۔

بھلا یہ نہیں دیکھتے کہ ان سے پہلے ہم نے کتنی پشتیں اور کتنی نسلیں کھپا دیں، وہ رخصت ہوئیں "**یمشون فی مسکنھم**" جس چیز نے متوجہ کیا وہ ہے لفظ "**یمشون فی مسکنھم**" یہ ایسا حسب حال ہے کہ کوئی فوٹو گرافی کی تصویر بھی اتنی حسب حال نہیں ہو سکتی "**یمشون فی مسکنھم**" ان کے رہنے کی، ان کی سکونت کی جگہوں پر چل پھر رہے ہیں گذر رہے ہیں، "**ان فی ذلک لایت**" اللہ تعالیٰ متوجہ کرتا ہے کہ تم جس طرح چل پھر رہے

ہو یہ کچھ چلنا پھرنا نہیں،''ان فی ذلک لآیت'' اس میں نشانیاں ہیں کیا سنتے نہیں غور نہیں کرتے،دوسری آیت ہے کہ۔

وکاین من آیته فی السموت والارض یمرون علیها وهم عنها معروضون (یوسف۔۱۰۵)

''هم عنها معروضون'' اعراض جسمانی بھی ہوتا ہے اعراض قلبی بھی اور اعراض فکری بھی اعراض فکری اور اعراض معنوی اعراض جسمانی سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔

میں اس وقت انسانی زندگی کی بے ثباتی،اور سلطنتوں اور حکومتوں اور جاہ وحشم کی بے وفائی اور حکومتوں اور تہذیبوں کے زوال وانحطاط پر کوئی روشنی ڈالنا نہیں چاہتا وہ تو آپ کے سامنے ہے عیاں راچہ بیاں۔میں نے یہاں پچھلی مرتبہ دو شعر پڑھے تھے۔

چمن کے تخت پر جس دم شہ گل کا تجمل تھا ہزاروں بلبلیں تھیں باغ میں ایک شور تھا غل تھا
کھلی جب آنکھ نرگس کی نہ تھا جز خار کچھ باقی بتاتا باغباں رو رو یہاں غنچہ یہاں گل تھا

زوال پذیر ملکوں اور سلطنتوں سے سبق

لیکن میرے قلب پر ایک اور تقاضہ غالب اور ایک مضمون وارد ہوا ہے وہ یہ کہ میں اس سے پہلے قرطبہ اور غرناطہ بھی گیا ہوں جہاں چھ سو برس تک بڑے جاہ وجلال کے ساتھ عرب مسلمانوں نے حکومت کی اور ایسا نقش قائم کیا کہ وہ یورپ کے لئے بھی رہنما بنا آج بھی ان کے محلات شاہی اور وہاں کی مسجدیں اپنی نظیر نہیں رکھتیں۔حالی مرحوم نے کہا تھا۔

کوئی قرطبہ کے کھنڈر جاکے دیکھے مساجد کے محراب ودر جاکے دیکھے
حجازی امیروں کے گھر جاکے دیکھے وہ اجڑا ہوا کرّ وفر جاکے دیکھے
جلال ان کا کھنڈروں میں ہے یوں چمکتا
کہ ہو خاک میں جیسے کندن دمکتا

میں غرناطہ بھی گیا،قرطبہ بھی گیا،ابھی اورنگ آباد گیا تھا میں نے کہا تھا کہ اورنگ آباد اور غرناطہ میں مجھے بڑی مماثلت نظر آتی ہے اب یہ کہتا ہوں کہ مجھے اس ناشاد شادی آباد اور غرناطہ میں بھی مماثلت نظر آتی ہے ان سب میں ہم سب لوگوں کے لئے ایک سبق ہے اور اسی کو عرض

کرنا چاہتا ہوں۔

فاتحین اور حکمرانوں کی ایک غلطی

اسپین پھر اس کے بعد ہندوستان میں ان حکومتوں کے تخت پر جو لوگ متمکّن تھے ان کے کہیں تصور میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ کبھی ان کا یہاں سے کوچ ہوگا۔ اور وہ بالکل بے دخل ہو جائیں گے وہ اپنا زوال خواب میں بھی نہیں دیکھتے تھے۔ بہت سی ایسی سلطنتیں ہوئی ہیں جو اپنے کو ''دولت ابد قرار'' لکھتی تھیں یہ سمجھتی تھیں کہ ہم اس ملک کا چارج براہ راست حضرت اسرافیل کو دیں گے، ان لوگوں نے ملک فتح کئے۔ لیکن قوم فتح نہیں کی، انہوں نے زمین فتح کی لیکن دل فتح نہیں کئے، دونوں مثالیں ہمارے سامنے ہیں انہوں نے اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا کہ یہاں کی اصل آبادی کیا اہمیت رکھتی ہے۔ اور وہ کس حد تک قابل توجہ ہے، اللہ تعالیٰ کے قانون فطرت کے مطابق ایسا بہت کم سنا گیا ہے کہ کسی ملک کی آبادی سو فیصدی فنا ہو گئی ہو، کسی ملک میں مسلمانوں کو اس وقت تک اپنے مستقبل پر اعتبار نہیں کرنا چاہئے جب تک کہ وہاں کی اکثریت کو اپنے عقائد اپنے مسلک زندگی اور حقائق اور احساسات میں (اور ایک لفظ میں) اس عقیدہ ایمان میں شریک نہ کر لیا جائے جو اللہ نے نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اس امت کو نصیب فرمایا ہے۔ جب تک مسلمان ان کو اس دولت میں شریک نہ کر لیں اس وقت تک نہ ان کی سلطنت کا پرکوئی اعتبار ہے نہ تہذیب کا اعتبار ہے۔

عرب فاتحین اولین کا امتیاز

یہ نکتہ تھا جس کو ان عرب اولین نے سمجھا۔ جنہوں نے مصر، شام اور عراق فتح کیا تھا وہاں کی قوم کو انہوں نے سینہ سے لگایا، ان کے ساتھ ایسی مساوات برتی ان کے ساتھ ہمدردی کی اور ان کے مسائل سے ایسی دلچسپی لی اور ان میں ان کی رہنمائی کی ان کے درد دکھ میں ایسے شریک ہوئے کہ وہ قوم ان کے دین اور ان کی انسانیت وشرافت کا کلمہ پڑھنے لگی۔ اور اس نے اپنی خواہش سے ان کی تہذیب اور ان کی زبان بھی اختیار کر لی۔ مصر میں آج بہت تھوڑی تعداد میں قبطی ہیں اور وہ عربی ہی بولتے ہیں اور مجھے خوب یاد ہے کہ جس وقت مصر میں ایک قانون بنا تھا کہ غیر مسلم اقلیت کے بچوں کو قرآن مجید کی تعلیم سے مستثنیٰ کر دیا جائے تو عیسائیوں نے بڑا

احتجاج کیا تھا اور کہا تھا کہ ہماری عربی زبان کمزور ہوجائیگی۔ اور ہم جاہل رہ جائیں گے یہ قانون ہم پر نافذ نہ کیا جائے ان میں حافظ بھی ہوئے ہیں، مصریوں کا مذہب بدل گیا، تہذیب بدل گئی، زبان بدل گئی، قومیت بدل گئی، سب نے عرب قومیت اختیار کرلی، اسی طرح عراق میں ہوا، اسی طرح شام میں ہوا اور جب اول اول سندھ میں آئے انہوں نے وہاں بھی اثر ڈالا جس کا اثر آج تک ہے کہ سندھی زبان میں آج تک چٹائی حصیر کہتے ہیں آج تک لہسن کو ثوم کہتے ہیں، آج تک جمعرات کو خمیس کہتے ہیں، ابھی تک سندھیوں کا رسم الخط عربی ہے، اسی طرح انڈونیشیا میں انہوں نے ایسا اثر ڈالا کہ انڈونیشیائی رسم الخط بھی اصلاً عربی تھا، اب وہاں قومیت کی تحریکیں اٹھیں تو یہ حقیقت نظر انداز ہوگئی۔

اصل آبادی کو نظر انداز کرنے کی غلطی

ہندوستان میں ہمارے یہاں کے حکمرانوں نے سب کچھ کیا مگر یہ نہیں سوچا کہ اس ملک کی اصل آبادی کو یہاں رہنا ہے اور بظاہر اکثریت واقلیت کا یہ تناسب سیکڑوں ہزاروں برس تک رہے گا۔ اس کو جب تک اپنے سے مانوس نہ کیا جائے اس کے دلوں میں جب تک گھر نہ کرلیا جائے اس کے دل میں جب تک ایمان کا تخم نہ بودیا جائے اور کم سے کم ان کے اندر اسلام کی قدر اور اسلام کی عظمت نہ پیدا کردی جائے جب تک ان کی وحشت ونفرت کو دور نہ کیا جائے اس وقت تک حکومت کا کوئی اعتبار نہیں ہم چاہے زمین میں، چاہے پہاڑوں پر فن تعمیر کے محیر العقول نمونے پیدا کردیں جیسا کہ قوم ثمود نے کیا تھا کہ ''تنحتون من الجبال بیوتا فرھین'' انہوں نے پتھر تراش تراش کر بستیوں کی بستیاں آباد کرلیں۔ لیکن یہ چیز بالکل قابل اعتبار نہیں تھی۔ اصل کام کرنے کا یہ تھا کہ یہاں کی آبادی کو مانوس کیا جاتا اور اپنے اخلاق سے، تعلیم سے، تربیت سے، طرز عمل سے، محبت سے، خلوص سے یا ان کو (ان کی رضامندی بلکہ خواہش واصرار سے) اسلام میں داخل کرلیتے، یا اسلام سے اتنا مانوس کرلیتے کہ اسلام سے کسی قسم کی کوئی وحشت اور اجنبیت نہ رہتی۔ اسپین میں جو کچھ ہوا اور آج ہم یہاں جو کچھ دیکھ رہے ہیں یہ اسی غفلت کا نتیجہ ہے۔ یہاں کے مسلمان حکمرانوں کے اندر احساس برتری رہا، ہم حکمران طبقہ کے افراد ہیں ہم حکمرانی کیلئے پیدا کئے گئے ہیں اور یہ محکومیت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں یہ ہمارے ترکی النسل سلاطین اور افغانی النسل سلاطین کے ذہن سے نہیں نکلا اس کے

بالکل برخلاف عربوں کے اندر یہ تھا کہ نہیں ہم سب بھائی ہیں ہم یہاں داعی اور مبلغ ہو کر کے آئے ہیں اور ہمیں یہاں اللہ کا دین پھیلانا اور پہونچانا چاہئے۔

بربر کی مثال

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بربر جیسی ناقابل تسخیر قوم جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی عربوں سے پہلے اس نے کسی کی حکومت کو تسلیم نہیں کی۔ یہاں تک کہ رومن امپائر **Roman Empire** اپنے عروج اور شان وشوکت کے ساتھ رہی لیکن بربر آزاد کے آزاد رہے انہوں نے رومیوں کی کوئی چیز قبول نہیں کی وہ رام اور تسخیر ہوئے تو عربوں سے ۳۰-۳۲ء میں فرانس نے ایڑی چوٹی کا زور لگادیا کہ بربروں میں اپنی قومیت وقدیم تہذیب کو زندہ کرنے کا جذبہ پیدا ہو۔ انہوں نے بربروں میں یہ احساس پیدا کرنے کی کوشش کی کہ وہ الگ ہیں عرب الگ ہیں۔ فرانسیسیوں نے الظہیر البربری کے نام سے شاہ مراکش کی طرف ایک فرمان نکلوایا کہ بربروں کو اندرونی آزادی دی جاتی ہے وہ اپنی قدیم تہذیب کا احیاء کریں، اپنا رسم الخط الگ بنائیں، اس کی لغت اور ڈکشنری بنائیں اور اپنے آپ کو مستقل قوم سمجھیں، بربروں نے اس سے انکار کردیا اس وقت ہمارے مشائخ ہی میدان میں آئے انہوں نے ایک وظیفہ نکالا ''**یالطیف الطف بنافی ماجرت به المقادر و لا تفوف بیننا و بین اخواننا البرابر**'' یہ ان کا ہر نماز کے بعد وظیفہ تھا اس وقت اس وظیفہ نے وہ کام کیا کہ فرانسیسی حکومت بالکل ناکام ہوگئی ادھر بربروں نے انکار کردیا ادھر عربوں نے کہا کہ یہ ہمارا گوشت پوست ہیں نتیجہ یہ ہے کہ وہ ایسے شیر وشکر نظر آتے ہیں کہ پہچان نہیں پڑتے۔

اسپین کی عرب حکومت کی غلطی

اسپین میں عربوں سے یہ غلطی ہوئی کہ وہاں کی عیسائی آبادی اور اکثریت کو انہوں نے نظر انداز کیا۔ وہ فنون لطیفہ کی ترقی اور تعمیرات میں لگ گئے، الزہر جیسا شہر انہوں نے آباد کیا جس کی نظیر دنیا میں ملنی مشکل ہے۔ الحمراقلعہ بنایا جو لوگ اسے دیکھ آئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس کے سامنے مغلوں کے تعمیری نمونے بھی نہیں جچتے، اندلس کے زوال کی جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں جو اسباب بیان کئے گئے ہیں اس میں یہ بھی ہے کہ عربوں نے اس آبادی سے آنکھیں

بند کرلیں جوان کے گرد سمندر کی طرح پھیلی ہوئی تھی اپنے حال میں مگن اور اپنے خول میں بند رہے وہ علوم ادبیہ اور شعر وشاعری میں مست رہے انہوں نے خاص اسٹائل پیدا کیا، فن تعمیر کا ایک نیا نمونہ ایک نیا آرکیٹیکٹ (Architect) دنیا کو دیا، یہ سب کچھ کیا لیکن ملک کی آبادی کی طرف سے انہوں نے آنکھیں بند رکھیں۔ اس کو دین فطرت میں لانے کی کوئی اہم اور کوئی منظم کوشش نہیں کی اس کا نتیجہ یہ ہے جب وہ بے دخل ہوتے ہوتے غرناطہ کی آخری سرحد تک پہنچے جہاں سے پھر آبنائے جبل الطارق تھی اور وہاں ان کو آخری دھکا دیا گیا تو وہ تعمیرات کو تو چھوڑ گئے۔ باقی چیزوں کو لے کر وہ زمین سے ایسے بے دخل ہوئے جیسے کبھی یہاں تھے ہی نہیں۔

غلطی کا اعادہ نہ ہو

ہم نے بھی اگر ہندوستان کی اصل آبادی کو نظر انداز کیا، اور اسلام کا پیغام اس تک نہیں پہنچایا اور اسے اپنے اخلاق سے تسخیر نہیں کیا اور ان کے دلوں میں ہم نے گھر نہیں کیا تو (اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے) یہ ملک بھی کسی وقت اسپین بن سکتا ہے ترکستان میں بھی یہی ہوا مسلمانوں نے ایک سرحد بنالی کہ بس اس سے آگے نہیں جاتے، ادھر روس کا سارا علاقہ طاقت حاصل کر رہا تھا لیکن بخارا اور سمرقند میں بیٹھے ہوئے ہمارے مسلمان بادشاہ یہ سمجھ رہے تھی کہ ہم قیامت تک یہی رہیں گے اور کسی کی کیا مجال کہ سرحد پار کرے اور یہاں آئے نتیجہ یہ ہوا کہ جب یورپین روس سے انقلاب کا ریلا آیا تو سب بہا کر لے گیا۔

ہم مسلمانوں کو اس حقیقت کو اب سمجھ لینا چاہئے کہ اگر ۱۰۰ فیصد مسلمان تہجد گزار ہو جائیں اور ہر مسلمان کے ہاتھ میں تسبیح آجائے اور ہر مسلمان اشراق اور چاشت کا پابند ہو جائے لیکن اگر اکثریت اس سے نامانوس ہے اکثریت اپنے دل میں اس کی طرف سے زہر لئے بیٹھی ہے۔ اور سینہ میں انگارے سلگ رہے ہیں تو خدانخواستہ جس وقت اس ملک میں کوئی بھونچال آئے گا تو ہم اپنی تمام عبادتوں، نوافل کے ساتھ بے دخل ہو جائیں گے۔ اس وقت نوافل تو نوافل جو بنیادی چیزیں ہیں وہ بھی نہیں رہیں گی۔ اس لئے دینی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اس آبادی کو اپنے سے مانوس بنائیں، اسلام کا پیغام گھر گھر پہنچائیں، ان کو بتلائیں کہ اسلام کیا ہے؟

آج ایران کا ایک نمونہ دنیا کے سامنے آیا ہے کہ بس مارو اور بزن بزن پچیس آدمی کل مارے گئے اور پچاس آدمی آج مارے گئے۔ یہ اسلام کی تعلیم نہیں ہے، ان کو بتایا جائے کہ دین کس طرح پھیلا ایک اکیلی ذات سے دین پھیلا ہے اور جو ایمان لاتے رہے وہ بھی غیر مسلح اور کمزور لوگ تھے۔ یہ آخر کون سی تلوار تھی جو میدان میں آئی اور اس نے دین کو پھیلایا۔ ہم اپنے طرز زندگی سے، طرز عمل سے، اپنے اخلاق سے، اپنی خوش معاملگی سے، اپنی دیانتداری سے اپنے میٹھے بول سے یہاں کی اکثریت کو زیادہ سے زیادہ مانوس کرنے کی کوشش کریں ورنہ دوستو بقول اقبال۔ ؎

میں نہ عارف نہ مجدد نہ محدث نہ فقیہ مجھ کو معلوم نہیں کیا ہے نبوت کا مقام
ہاں مگر عالم اسلام پر رکھتا ہوں نظر فاش ہے مجھ پہ ضمیر فلک نیلی فام
عصر حاضر کی شب تار میں دیکھی میں نے وہ حقیقت کہ روشن صفت ماہ تمام

یہ ایسی حقیقت ہے جس کے لئے کسی بڑی فراست اور دور بینی کی ضرورت نہیں، کیا میرٹھ اور مرادآباد میں عابد و زاہد لوگ نہیں تھے، خدا معاف کرے کیا وہاں دینی تعلیم نہیں تھی؟ مسجدیں نہیں تھیں؟ لیکن جب فساد کی لہر آئی تو سب کو نقصان پہنچ گیا جس وقت کوئی لاوا پھٹے گا کسی کوہ آتش فشاں سے پھر وہ کسی چیز کی تمیز نہیں کرے گا۔ اس کو ہم رو رہے ہیں کئی برس سے کہ دیکھو شہروں کی فضا ایسی بناؤ اگر کوئی مفسد آئے اور لڑوانا چاہے اور وہاں فساد کروانا چاہے تو اس کو وہیں کے شہری ناکام بنادیں۔ وہ کہیں کہ ہم کس کے خلاف ہاتھ اٹھائیں؟ یہ مسلمان جن کی وجہ سے یہاں کی وبائیں دور ہوتی ہیں، بلائیں دور ہوتی ہیں، ان کی وجہ سے ہم خدا کا نام سنتے ہیں، جو ہمارے بچوں سے پیار کرتے ہیں، جو ہمارے مریضوں کی خبر لیتے ہیں، جو اسپتالوں میں جا کر بلا تفریق مذہب و ملت مسلمان، ہندو سب مریضوں سے ہمدردی، غمگساری کرتے ہیں۔ برادران وطن کو پتہ ہی نہیں کہ اسلام کیا ہے؟ وہ اپنے اندر رحمت کا کیا پیام رکھتا ہے، وہ انسانیت کو کیا دیتا ہے؟ اور مسلمان کیسے خلیق کیسے عالی ظرف، کیسے رقیق القلب، کیسے مخلص کتنے فرض شناس ہوتے ہیں یہ کوئی نہیں جانتا

صوفیائے کرام کا کارنامہ

یہ کام یہاں ہمارے صوفیائے کرام نے کیا اگر وہ نہ کرتے تو آج اتنا بھی نہ ہوتا ہم اتنی تعداد میں بھی یہاں نہ ہوتے، آپ پڑھیں تو خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ غیاث پور انسانیت کی پناہ گاہ تھی کہ مارے، کھدیرے، ستائے ہوئے، گھروں سے نکالے ہوئے لوگ آتے تھے ان کو وہیں پناہ ملتی تھی، روٹی بھی کھاؤ، بستر بھی ملے گا، یہاں پڑے رہو کوئی تمہیں ترچھی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتا۔ یہ غیاث پور کی خانقاہ ہی کا اثر تھا کہ میوات کا سارا علاقہ مسلمان ہو گیا۔ وہیں سے وہ دھارا چلا ہے یہ بات دہلی کے اور اطراف میں کیوں نہیں؟ اس پر کبھی غور کیا۔

یہی وہ چیز ہے جس کو ہم کہتے ہیں مگر نقار خانہ میں طوطی آواز بھی کچھ ہوتی ہے۔ ہماری آواز تو طوطی کی آواز کے برابر بھی نہیں، یہاں آکر ایک چوٹ سی لگی ہے کہ آخر اس آسانی کے ساتھ یہاں کے باشندے کیسے چل گئے۔ جنہوں نے اپنی ذہانت، اپنی کارکردگی اور اپنے عزم کے سکے بٹھا دیئے تھے۔

وظنو اانهم مانعتهم خصو نهم من الله (الحشر۔۲)

ترجمہ: اور وہ لوگ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ ان کے قلعے ان کو خدا (کے عذاب) سے بچالیں گے۔

قلعے نہیں بچاتے، اصل میں پیغام بچاتا ہے، دین بچاتا ہے عمل بچاتا ہے، اخلاق بچاتے ہیں اور وہ رشتہ اور تعلق جو عام انسانوں کے ساتھ ہوتا ہے کہ ماں اور باپ کی گود میں جگہ نہیں وہ کہتے ہیں، ہماری گود میں آجاؤ، حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے کیسے اجمیر میں بیٹھ کر اتنا بڑا کام کرلیا، یہی وہ انسان دوستی اور وہ رحمت ورافت تھی جو ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اولیاء عظام رحمہم اللہ سے میراث میں ملی تھی۔ وہ گویا شیروں کے بھٹ میں آکر بیٹھ گئے ہم آپ اس وقت اندازہ نہیں کر سکتے کہ اجمیر کی اس وقت کے ہندوستان پر کیا حیثیت تھی؟ اس وقت خدا کا ایک بندہ ایران سے چل کر کے آتا ہے اور سیدھے آکر کے وہاں بیٹھ جاتا ہے۔ اور کوئی اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا کیا آپ سمجھتے ہیں کہ لوگ ان سے ڈرتے تھے نہیں، ان کی سیرت، ان کے حالات دیکھ کر لوگوں کے ہاتھ ان کے خلاف اٹھ نہیں سکتے تھے وہ سمجھتے تھے جیسے مہا پاپ (بڑا گناہ) ہے، ایسے آدمی کو تکلیف دینا معلوم نہیں کیا آفت آجائے گی۔

زلزلہ آجائے گا۔ ابھی تک یہ حقیقت نظر انداز ہوتی رہی اس کا نتیجہ دیکھئے، مغلیہ سلطنت کس آسانی کے ساتھ ختم ہوگئی۔ یہ جو علاقائی حکومتیں تھیں ان کا کرّ وفر، ''اللہ اکبر'' کہتے ہیں کہ مانڈو میں (۱۷) سترہ لاکھ کے قریب آبادی تھی، سترہ لاکھ کی آبادی اس زمانہ میں؟ ایسے ہی گولکنڈہ ایک زمانہ میں ایشیا کا عظیم ترین نہیں تو دو تین عظیم ترین شہروں میں سے تھا، اس کی تہذیب ضرب المثل تھی۔ کوہ نور وہیں سے مغل بادشاہوں کو ملا تھا۔ کسی طریقہ سے اس پر غور کیا جائے کہ اس آبادی کو اپنے عقیدہ اور مسلک میں ادنیٰ درجہ کا کوئی فرق کئے بغیر مانوس کیا جائے اور یہ بالکل ممکن ہے ہمارے بزرگوں نے کر کے دکھا دیا۔ ان کے ادنی معمولات میں بھی فرق نہیں آتا تھا۔ بلکہ اور بڑھ جاتے تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک کام انہوں نے یہ بھی کیا کہ ان کو قریب کیا اور ان کو مانوس بنایا۔ بس یہی مجھے عرض کرنا تھا کہ ہمیں یہ عبرت لینی چاہئے کہ کیوں یہاں سے مسلمانوں کا مکمل زوال ہوگیا۔ اور ایسا زوال ہوا کہ اب۔ ؎

بتاتا ہے باغباں رو رو کے یہاں غنچہ یہاں گل تھا

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

نکاح، ایک عظیم، وسیع، و مسلسل عبادت

یہ تقریر ۲۶ نومبر ۱۹۸۳ء بروز جمعہ مدرسۃ الفلاح آزادنگر اندور میں مولوی محمد یحییٰ ندوی کے عقد کی تقریب میں خطبہ کے موقعہ پر کی گئی تھی

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره،ونومن به ونتوكل عليه و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلاهادى له و نشهد ان لااله الا الله وحده لاشريك له ونشهد ان سيدنا ومولانا محمداً عبده ورسوله صلى الله عليه وعلى اله واصحابه أجمعين ومن تبعهم باحسان و دعابد عوتهم الى يوم الدين.اعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيمo قل ان صلاتى ونسكى ومحياى ويماتى لله رب العالمين، لاشريك له، وبذلک امرت وانا اول المسلمين (الانعام ۔۱۶۲۔۱۶۳)

ترجمہ: (یہ بھی) کہدو کہ میری نماز اور میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا سب خدائے رب العالمین ہی کے لئے ہے، جس کا کوئی سریک نہیں اور مجھ کو اسی بات کا حکم ملا ہے اور میں سب سے اول فرماں بردار ہوں۔

دو عبادتیں جن سے غفلت عام ہے

حضرات ہمارے اس عہد اور ہمارے اس جوار (پڑوس) کے ایک بڑے عارف باللہ حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی بھوپالی رحمۃ اللہ علیہ قدس اللہ سرہ نے ایک بات فرمائی جس کو میں نے دہرایا بھی، اور لکھا بھی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کی پوری گہرائیوں تک ذہن ابھی نہیں پہونچا تھا، اور اب بھی یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ پوری گہرائیوں تک پہونچ گیا ہے، فرماتے تھے کہ دو (۲) عبادتیں ایسی ہیں کہ جن سے لوگ عام طور پر غافل ہیں بلکہ ان کے عبادت کے ہونے سے بھی ناواقف ہیں،، ان کو سرے سے عبادت ہی نہیں سمجھتے، ان پر عادت ہونے کی چھاپ اتنی غالب آچکی ہے کہ عبادت ہونے کی حیثیت بالکل محجوب نہیں بلکہ غائب

ہو گئی ہے، ان میں سے ایک نکاح ہے، ایک کھانا، یہ بات حضرت نے بہت سیدھے سادے طریقہ پر (جیسا کہ بزرگوں کا قاعدہ ہے) فرمائی، اس پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ حضرت نے بڑی گہری بات فرمائی۔

اول تو عبادت کا مفہوم سمجھ لیں، عبادت کا مفہوم کیا ہے، عبادت کا مفہوم ہے، کسی کام کو اللہ کی خوشی کے لئے اللہ کے حکم کے مطابق، اس کے رسول کی تعلیم کے مطابق اجر وثواب کی لالچ میں کرنا، ہر وہ عمل جو اللہ کی خوشی کے لئے اور اتنا کافی نہیں ہے، بلکہ اللہ کے حکم اور شریعت کی تعلیم کے مطابق، اور اگر اس میں کوئی سنت ثابت ہے تو اس کی سنت کے مطابق اس کو ادا کرنا، اجر وثواب کی امید پر اور اس پر جو وعدے ہیں، ان پر یقین کے ساتھ انجام دینا عبادت ہے، اور یہ ہر عادت کو عبادت بنا دیتی ہے، اور یہ روح نکل جائے تو ہر عبادت خالی عادت اور محض رسم، اور نفس کی پیروی رہ جاتی ہے۔

بڑی بڑی عبادتیں اور فرائض اس وقت تک عبادت رہتے ہیں جب تک آدمی ان میں مشغول ہے

ابھی یہاں آتے ہوئے اچانک ذہن میں یہ بات آئی کہ جتنی عبادتیں ہیں، وہ اپنے وقت کے ساتھ ہیں، اور تھوڑے عرصہ کے لئے ہیں، مثلاً نماز سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں، لیکن جب تک آپ نماز کے آداب کے ساتھ اللہ کے سامنے قبلہ رخ کھڑے ہوئے ہیں تو آپ عبادت میں ہیں، لیکن جیسے ہی آپ نے سلام پھیرا، یہ عبادت ختم ہوگئی، روزہ بہت بڑی عبادت ہے لیکن جب سے آپ نے روزے کی نیت کی اور روزہ شروع ہوا، صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک آپ نے روزہ کے احکام ومسائل پر عمل کیا، آپ روزہ کی عبادت میں مشغول تھے، لیکن ادھر آپ نے افطار کیا، روزہ کی عبادت ختم ہوگئی، زکوٰۃ کا حال بھی یہی، آپ پر زکوٰۃ فرض ہوئی، اور آپ نصاب کے مالک ہیں، آپ نے مسئلہ کے مطابق زکوٰۃ نکالی، اپنے مال میں سے اور کسی کے حوالے کردی، جب حوالہ کردی تو زکوٰۃ کی عبادت ختم ہوگئی، سب سے بڑھ کر حج کا معاملہ ہے کہ سب سے زیادہ وقت اس میں لگتا ہے، سب سے زیادہ مجاہدہ اس میں ہوتا ہے، بڑی ہمت کی چیز، بڑی عزیمت کی چیز اور بڑے مرتبہ کی چیز ہے، لیکن

وہ بھی اس وقت ہے جب آپ نے احرام باندھا، اور حج کی نیت کی ''احرام کھولتے'' تک اور حج کے آخری مناسک ادا کرنے تک، آپ حج کی عبادت میں مشغول ہیں لیکن جیسے ہی آپ آخری مناسک سے فارغ ہوئے آپ حج کی عبادت سے فارغ ہو گئے، میرے ذہن نے ابھی آتے آتے کام کیا کہ نکاح کی عبادت بھی عجیب ہے کہ یہ نکاح ایجاب وقبول کے بعد سے لے کر، سوتے رہیں آپ، جاگتے رہیں آپ، چلتے رہیں آپ، باتیں کرتے رہیں آپ، اس عبادت میں مشغول ہیں، یہ عبادت مستمر ہے، یہ عبادت طویل ترین عبادت ہے اور اس میں حالات کا تغیر کوئی اثر نہیں ڈالتا، نماز میں حالات کا تغیر اثر پیدا کرتا ہے، مثلاً یہ کہ آپ بول دیئے، نماز کی عبادت ختم ہوگئی لیکن یہ عبادت ایسی ہے کہ اس میں بولتے رہئے تو نہ صرف یہ کہ یہ عبادت ختم نہیں ہوتی، بلکہ یہ عبادت اور مقبول ہو جاتی ہے، اس میں حکم ہے کہ اخلاق کے ساتھ پیش آؤ، اپنے گھر والوں کے ساتھ باتیں کرو، حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تو کہانیاں تک سناتے تھے، بخاری شریف میں ام زرعت کی طویل اور مشہور حدیث ہے، یہ بات کبھی ذہن میں نہیں آئی کہ حضرت نے یہ جو فرمایا کہ عبادت یہ ہے تو یہ ایک ایسی مسلسل عبادت ہے، جس کی مثال مجھے ابھی نہیں مل سکی۔

جمالی وجلالی عبادت

بعض عبادتیں جمالی ہی جمالی ہیں، بعض عبادتیں جلالی ہی جلالی ہیں، بعض عبادتیں وہ ہیں کہ جب تک مشغول ومصروف ہیں وہ عبادت ہے، قرآن مجید کی تلاوت عبادت ہے، زبان چلتی رہے، پڑھتے رہیں، آنکھ سے پڑھتے رہیں، اس وقت تک آپ مشغول، لیکن یہ ایسی عبادت ہے کہ اکثر عبادتوں کے تنوعات اس میں ہیں، یہ عبادت ایسی ہے کہ اس میں مختلف مزاجی کیفیات، اور ان مزاجی کیفیات سے کامیابی کے ساتھ گزر جانا، اور ان مزاجی کیفیات کو برداشت کرنا، اور جو اس میں مزاج کے خلاف باتیں پیش آئیں، ان کا تحمل کرنا، سب عبادت ہے، تو نہ صرف یہ کہ یہ ایک طویل ترین عبادت ہے، مسلسل بلا انقطاع عبادت ہے، بلکہ بہت سی عبادتوں کے رنگ اس میں آ گئے ہیں، اس میں جہاد کی عبادت بھی ہے، اس میں حج کا بھی نقشہ ہے، اس میں روزے کا پرتو بھی ہے، نماز کا عکس بھی ہے، تو سچی بات یہ ہے کہ حضرت نے بالکل القائی بات فرمائی، حضرت نے فرمایا، میں نے ایک شخص کو مجلس نکاح میں دیکھا کہ وہ

سگریٹ پی رہا ہے، تو میں نے کہا کہ دیکھو ایک شخص نماز میں سگریٹ پی رہا ہے لوگوں نے کہا کون ایسا بد بخت ہے، جو نماز کی حالت میں ایسی حرکت کر سکتا ہے؟ میں نے کہا کہ یہ عبادت کا موقعہ ہے، سب لوگ یہاں بیٹھے ہوئے ہیں، متوجہ الی اللہ ہیں، اللہ رسولؐ کی باتیں سنیں گے، اور مسلمان ہستیوں کے، بلکہ سچ پوچھئے، تو دو خاندان، دو زندگیاں اللہ کے لئے ایک دوسرے سے مربوط ہو رہی ہیں، اور شریعت کے مطابق اور یہ اللہ کا بندہ یہاں سگریٹ پی رہا ہے، تو یہ تو عبادت کی مجلس میں سگریٹ پی رہا ہے، اس لئے کہ جہاں عبادت کی جائے، وہ جگہ اللہ تبارک وتعالےٰ کی رحمت کے نزول کی ہوتی ہے، وہ موقع تفریح اور سگریٹ نوشی کا ہے؟

عجیب وغریب عبادت

یہ عجیب وغریب عبادت ہے کہ برسوں چلے گی، .... کھا رہے ہیں، جب بھی عبادت میں ہیں، سو رہے ہیں جب بھی عبادت میں ہیں، جاگ رہے ہیں جب بھی عبادت میں ہیں، کما رہے ہیں اور کما کر دے رہے ہیں، جب بھی عبادت میں ہیں، اس کی تائید میں کہتا ہوں کہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو تم اپنی بیوی کے منھ میں لقمہ رکھو گے وہ بھی صدقہ ہے، وہ بھی عبادت ہے، اور یہاں تک فرمایا کہ انسان کے جو جنسی طبعی تقاضے ہیں ان کو پورا کرنا بھی عبادت ہے، پھر صحابہ کرامؓ سے بڑھ کر فقیہ کون تھا، لیکن ان کو بھی اس وقت ذرا تامل ہوا سمجھنے میں، انھوں نے کہا کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ کیسے عبادت ہے، اس میں نفس کا تقاضہ پورا ہوتا، انسان کے قلب کو اس کے دماغ کو سب کو فرحت حاصل ہوتی ہے تو اس کا حصہ تو مل گیا، قلب کو قلب کا حصہ ملا، دماغ کو دماغ کا حصہ ملا، جسم کو جسم کا حصہ ملا، تو اس میں ثواب کیوں؟ فرمایا، اچھا اگر غلط جگہ، اور غلط طریقہ پر آدمی اپنا تقاضا پورا کرتا، تو گناہ ہوتا کہ نہ ہوتا؟ صحابہؓ نے کہا کہ ضرور، فرمایا کہ اس پر تو گناہ ہو، اور اس پر ثواب نہ ملے، یہ اللہ کے انصاف سے بعید ہے۔

شریعت کا اعجاز

ابھی تک اس تقاضہ کو پورا کرنے میں کیوں دیر لگی؟ اللہ کا حکم نہیں تھا، وہ بیچ میں جو دیوار کھڑی تھی، حجاب کی حرمت، کی، غیرت کی، وہ دیوار بغیر اللہ کے حکم کے ہٹ نہیں سکتی تھی نکاح

پڑھایا گیا، ایجاب وقبول ہوا، نکاح پڑھانے والے نے کہا میں نے فلاں کو تمھاری زوجیت میں دیا، تم نے قبول کیا؟ اتنے مہر کے بدلہ، نوشہ نے کہا، ہاں، بس وہ دیوار فوراً ہٹ گئی، اس وقت تک ساری دنیا، اس دیوار کو ہٹانا چاہے یعنی اس وقت روس اور امریکہ بھی اس دیوار کو ہٹانا چاہیں تو نہیں ہٹا سکتے، اس کو تو ایک کلمہ ہٹائے گا کہ ہاں قَبِلْتُ میں قبول کیا، اردو میں کہیے، ہندی میں کہیے، انگریزی میں کہیے، لوگ سمجھیں کہ اس نے کہا، اور قبول کیا، یہ شرط ہے کہ لوگ بھی سمجھیں کہ ہاں ایجاب وقبول ہو گیا، وہ دیوار پاش پاش ہو گئی، دیوار دھواں ہو کر اڑ گئی، اب اس دیوار کو کوئی دوسرا کھڑا نہیں کر سکتا، نہ وہ حکومتیں اور طاقتیں اس دیوار کو ہٹا سکتی ہیں، نہ وہ حکومتیں اور طاقتیں اس دیوار کو بیچ میں لا سکتی ہیں، یہ صرف اللہ کے حکم کی طاقت ہے، شریعت کی مسیحائی اور اعجاز نمائی۔

شریعت محمدی اب بھی جوان ہے اور اس کی حکومت قائم

مجھے حضرت مسکین شاہ صاحب حیدرآبادی کی ایک بات بہت پسند آئی، میں نے سنا کہ ایک بڑی بی، حضرت کے پاس بیعت ہونے کے لئے آئیں عمر ۷۰۔۷۵ سال کی، حضرت کی عمر بھی ایسے ہی، تو انھوں نے کہا کہ بی بی بیٹھو ایک طرف پردہ میں، اور چادر دے دو، ایک سرا آپ پکڑ لیجیے، انھوں نے کہا، میاں آپ بھی بوڑھے، میں بھی بوڑھی، آپ بھی ۷۰۔۷۵ سال کے، اور میں بھی ۷۰۔۷۵ سال کی تو پردہ کا ہے کا؟ فرمایا ہاں، بی بی ہم بھی بوڑھے، تم بھی بوڑھی، لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت جوان ہے، میں کیا کروں، محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت جوان کھڑی ہے، مجھے اس سے شرم آتی ہے، تو بھئی یہ شریعت جوان ہے، اور یہی شریعت آج بھی ہم پر حکومت کر رہی ہے، یہ اتنے سب آدمی اسی کے حکم پر چل رہے ہیں، اللہ کے فضل وکرم سے کہ جب تک یہ ایجاب وقبول نہ ہو، شرعی طریقہ پر نکاح نہ ہو، مجال نہیں، کہ مرد عورت کا سایہ بھی دیکھ سکے، آج بھی ہمارے گھروں میں ایسا پردہ ہے، خدا کے فضل سے کہ پرچھائیں نہیں پڑ سکتی، کسی غیر مرد کی، سب سے خون کا رشتہ ہے، اور یقیناً یہاں بھی رشتہ ہوگا اور ہر جگہ ہے، اور عام طور پر قرابتوں میں شادیاں ہوتی ہیں، لیکن جب تک شریعت بیچ میں نہ آجائے، جو جوان ہے، جس کی حکومت اب بھی ہے، کوئی کچھ کہے ہماری حکومت ہے، ہماری حکومت ہے، لیکن سچ پوچھئے تو شریعت محمدیؐ کی حکومت ہے، وہ جیسی

حکومت ہے، کیا روس کی حکومت ہوگی؟ کیا امریکہ کی حکومت ہوگی؟ یہاں ہے کوئی کسی حکومت والا، کون یہ سب کرا رہا ہے، کون اتنے آدمیوں کو اتنی دور سے بلا کر لایا ہے، کس نے اتنے آدمیوں کو سب کام چھڑا کر یہاں بٹھایا ہے، کس نے اس بچہ کو ابھی تک رو کے رکھا، کس نے اس بچی کو اس سے دور رکھا، یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت ہے، اس سے بڑھ کر حکومت کسی کی ہوسکتی ہے، ہوتی ہو تو بتا دے، ہم نے تو یہ دیکھا ہے کہ لوگ دیوار کے پیچھے آئے اور گالیاں دینی شروع کر دیں، اور حکموں کو ایسا توڑتے ہیں، مسلتے ہیں، پاؤں سے روندتے ہیں، کیا حکومتوں کے آج قانون نہیں ٹورے جا رہے ہیں، کون سا قانون ہے جو پورے طور پر چل رہا ہے، لیکن آج بھی اللہ کے فضل وکرم سے کروڑوں انسان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات مان رہے ہیں، اور آپ کی شریعت پر چل رہے ہیں، اور جیسے نکاح یہاں ہو رہا ہے، ایسے ہی مراکش میں، اور ایسے ہی الجزائر میں، اور ایسے ہی امریکہ میں، خدا کے فضل وکرم سے وہاں بھی مسلمان رہتے ہیں، کیا مجال کہ کوئی مسلمان جس کے اندر ایمان ہے، وہ وہاں امریکہ کے قانون کے مطابق سول میرج کر لے، کوئی شادی ویسے ہی کرے، وہ کرے گا تو ویسے ہی کسی مولوی کو ڈھونڈ کر لائے گا، کسی تبلیغی آدمی کو لائے گا اور مجلس ہوگی اور سو، پچاس آدمیوں کے سامنے نکاح پڑھایا جائے گا، یورپ میں بھی ایسا ہی ہو رہا ہے، کس کی ایسی حکومت ہے کہ وہ خشکی اور تری پر، شمال اور جنوب پر، امیر وغریب پر، بوڑھے اور جوان پر، مرد وعورت پر، ہر ایک پر اس کی حکومت ہو، اللہ کا دین زندہ ہے، اور اللہ کا رسول اپنی قبر مبارک میں بھی زندہ ہے، اور اس کی شریعت اس دنیا میں بھی زندہ ہے، یہ معجزہ ہے، اور یہ بات اور یہ طاقت صرف شریعت ہی میں ہے، اور کسی چیز میں نہیں' اس ازدواجی زندگی میں بھی ایسے مرحلے آتے ہیں کہ بعض مرتبہ آدمی بالکل اس کا جی چاہتا ہے کہ اس وقت کچھ کر گزرے، غصہ اتار دے، وہ حقوق کا خیال نہ کرے، حقوق کو پامال کر دے، اور دیکھا جائے گا، جو کچھ ہوگا، لیکن شریعت روکتی ہے، کہیں مرضی کے خلاف کوئی بات ہو رہی ہے، سب برداشت کر رہا ہے، تو یہ عبادت نہیں، عبادات کا مجموعہ ہے، اور اس میں درجنوں عبادتوں کے نمونے موجود ہیں، اور ان کے عکس موجود ہیں، اس لئے یہ بڑی مبارک عبادت ہے۔

محبوب سنّت

پھر اس کے بعد وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبوب سنت ہے، اس لئے کہ یہ وہ سنت ہے، جس میں حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام امت کے مقابلہ میں زیادہ اختیار دیا گیا ہے، اور یہ نہیں کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پانچ وقت کی نماز فرض تھی، حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر چھ وقت کی ہو، ایسا نہیں، ویسے تہجد آپؐ ایسی پڑھتے تھے،، ایسی پابندی کرتے تھے، جیسے گویا فرض ہے، اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ کے لئے وہ فرض ہی تھا، لیکن مسئلہ کے اعتبار سے، شرعی اعتبار سے، وہی پانچ وقت کی نمازیں آپ کے لئے بھی تھیں، ہمارے لئے بھی ہیں، لیکن نکاح کی وہ سنت ہے کہ آپ کو ہم سے زیادہ بیویاں رکھنے کا اختیار تھا، اور امت کا عقیدہ ہے اس پر، اور یہ امت کی ان چیزوں میں ہے جن کا ثبوت قطعی اور متواتر طریقہ پر ہو چکا ہے، تو یہ ایسی سنت ہے کہ جس میں حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حصہ امت کے مقابلہ میں بھی زیادہ ہے، اس سے آپ سمجھ لیجئے کہ یہ محبوب سنت ہے، محض ایک چل پہل، رونق یا اپنی شان وشوکت کا اور اپنی دولت کا اظہار (جیسے بعض جگہوں پر ہوتا ہے) مقصود نہیں ہے، یہ خالص عبادت ہے)۔

وسیع و مُتعدّی ثواب

اس کو عبادت سمجھ کر کرے تو انشاء اللہ نوشہ کو بھی ثواب، اس کے سرپرستوں، بزرگوں اور افراد خاندان کو بھی ثواب اور بچی کے گھر والوں کو بھی ثواب، اور اس میں حصہ لینے والوں کو بھی ثواب، اس میں آنے والوں کو بھی ثواب اور بیٹھنے والوں کو بھی ثواب، اور گواہ بننے والوں کو بھی ثواب، اور سب کو ثواب، یہ ایسی متعدی اور وسیع دائرہ کی عبادت ہے، کہ جو اس شامیانہ کے نیچے آجائے، یہ شامیانہ مراد نہیں، یہ بھی اچھا ہے، لیکن وہ عبادت کے شامیانہ کے نیچے شادی کے شامیانہ کے نیچے، وہ سب اس ثواب کے کام میں شریک ہیں، اللہ تعالےٰ مبارک فرمائے، البتہ نیت صحیح ہونی چاہئے اور شریعت کے احکام کو ڈھونڈھنا چاہئے، آپ کی معاشرت کا، آپ کے گھر کی زندگی، اہل بیت کی زندگی کا مطالعہ اہتمام کے ساتھ ہونا چاہئے، ان سب چیزوں کو اختیار کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

حیات ملی میں خواص امت کا مقام اور ان کی ذمہ داریاں

یہ تقریر ”میر واعظ منزل جموکشمیر“ میں جمعہ ۳۰ اکتوبر کو بعد نماز عصر علماء، ائمہ مساجد اور خواص کے ایک مؤقر مجمع کے سامنے کی گئی۔

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره،ونومن به ونتوكل عليه و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلاهادى له و نشهد ان لااله الا الله وحد ه لاشريک له ونشهد ان سيدنا ومولانا محمداً عبده ورسوله صلى الله عليه وعلى اله واصحابه أجمعين ومن تبعهم باحسان و دعابد عوتهم الى يوم الدين.

جناب میر واعظ مولانا محمد فاروق صاحب، علماء کرام، مجھے بڑی خوشی ہے کہ جن حضرت کی خدمت میں مجھے فرداً فرداً حاضر ہونا چاہئے تھا، وہ خود یہاں تشریف لے آئے ہیں، اور ایک جگہ مجھے ان کی زیارت وملاقات نصیب ہوگئی، میں میر واعظ صاحب کا بہت شکر گذار ہوں کہ جو فرض مجھ پر عائد ہوتا تھا، اس سے مجھے انھوں نے بہت خوبی اور بڑی کریم النفسی کے ساتھ سبکدوش کردیا۔

حضرات! میں اس تھوڑے سے وقت میں ایسے معزز حضرت کی خدمت میں کیا عرض کروں؟ میں ایک حدیث سے مدد لیتا ہوں، صحیحین کی حدیث ہے: ”ألا ان فى السجد مضغتة اذا صلحت صلح الجسد كله واذا فسدت فسد الجسد كله ، ألاوهى القب[1] کلام نبوت کا نور اس میں صاف چمک رہا ہے، (غور سے سن لو، جسم انسانی میں گوشت کا

(۱) صحیحین، بخاری ومسلم

ایک ٹکڑا، مضغہء گوشت، ایسا ہے کہ اگر وہ درست ہو جائے تو جسم کا پورا نظام درست رہتا ہے، ''واذافسدت فسد الجسد کله'' اور اگر اس میں بگاڑ آ جائے تو پھر پورا جسم بگڑنے لگتا ہے، اس میں فساد پھیل جاتا ہے)، معلوم ہے مضغہء گوشت کیا ہے، کونسا ہے؟ (آپ نے خود ہی اس کی تشریح فرمائی) '' ألا وھی القب، یاد رکھو وہ دل ہے'' تو میں سمجھ رہا ہوں کہ جس طریقہ سے جسم انسانی کا ایک قلب ہوتا ہے، امت کا بھی ایک قلب ہوتا ہے، انسانیت کا بھی ایک قلب ہوتا ہے، یہ قلب جسم انسانی کے اندر اپنے فرائض انجام دیتا ہے، اور اس انسانی جسم کا پورا نظام اس پر موقوف ہوتا ہے، یہ قلب اگر خراب ہو جائے (اور اس کی شکلیں بہت سی ہیں) اس بگاڑ کی اور اس بیماری کی نوعیت کچھ ہو، لیکن جب قلب اس سے متاثر ہو جاتا ہے تو پورا جسم اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا، اور پورا جسم اپنے اس نقطہء اعتدال اور اپنے اس مقام سے ہٹ جاتا ہے، جس مقام پر وہ تھا، اس وقت میں سمجھ رہا ہوں کہ میں کشمیر کے قلب، شاید قلب و دماغ دونوں سے خطاب کر رہا ہوں، ہم آپ سب خدا کے فضل سے صاحب قلب ہیں، اہل دل تو نہیں کہتا، اہل دل تو بہت با معنی اور بہت بلند مفہوم رکھنے والا لقب ہے، شیخ سعدیؒ جہاں ذکر کرتے ہیں، '' صاحب دلے گفتہ'' '' صاحب دلے فرمود'' کہتے ہیں، اہل دل کا تو بڑا مقام ہے لیکن ہم سب اصحاب قلوب ضروری ہیں، آپ غور فرمایئے، دل کے لئے جادۂ اعتدال پر رہنے کے لئے، اور اپنا فطری وظیفہ بحیثیت ایک مضغہء گوشت، بحیثیت ایک جز کے (لیکن کل کی تنظیم کرنے والے اور حفاظت کرنے والے عضو کے) بڑے نازک اور عظیم فرائض ہیں۔

صالح دل کے لئے ضروری چیزیں

اب میں عرض کروں گا کہ دل کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں، تا کہ وہ اپنا فطری وظیفہ ادا کر سکے، اور جسم کا نظام درست رہے، پہلی چیز یہ ہے کہ وہ زندہ ہو، سارا انحصار اس کی زندگی پر ہے، اگر دل مر گیا تو پھر کسی چیز کا سوال نہیں، کسی شاعر کہا ہے،

مجھے یہ ڈر ہے ، دل زندہ تو نہ مرجائے
کہ زندگی ہی عبارت ہے، تیرے جینے سے

پہلی شرط ہے کہ دل زندہ ہو، اس کا زندگی سے رشتہ جڑا ہوا ہو، دوسری بات یہ کہ دل میں

حرکت ہو، دل متحرک ہو، اور آپ جانتے ہیں کہ دل کی حرکت بند ہوئی تو دل بھی ختم اور جسم بھی ختم، پھر زندگی کا کوئی سوال نہیں، دل کو حرکت میں رکھنے کیلئے کیا کیا تدبیریں کی جاتی ہیں، طبی، جسمانی، عضوی، اور اب میکانکی بھی، آپ سب جانتے ہیں کہ دل کو حرکت میں لانے کے لئے جس طریقہ سے ایک انسان اپنی زندگی کے لئے ہاتھ پاؤں مارتا ہے، اسی طرح معالجین اور اطباء اور ہارٹ اسپشلسٹ ہیں، اس کو حرکت میں لانے کے لئے کیا کیا تدبیریں کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حرکت میں آجائے، پھر آگے اس کو باقی رکھنے کی کوشش کی جائے گی، تیسری شرط یہ ہے کہ دل میں حرارت ہو، دل سرد اور افسردہ نہ ہو جائے، یہ تین شرطیں ہوئیں، حیات، حرکت، حرارت۔

اب میں عرض کروں گا کہ جس خطہ، جس ملت وامت اور جس خاندان کے خواص ہوں، ان کے لئے بھی یہ تین شرطیں ہیں، پہلے یہ کہ وہ زندہ ہوں، دوسرے یہ کہ وہ متحرک ہوں، تیسرے یہ کہ ان کے اندر حرارت ہو، اگر ان میں سے کوئی چیز چلی جائے اور خواص کا رشتہ زندگی سے منقطع ہو جائے، تو پھر عوام کا کیا حال ہوگا، آپ سمجھ سکتے ہیں، یوں سمجھئے کہ خواص پاور ہاؤس (PowerHouse) ہیں، ملت اسلامیہ اور یہ ملت جو آج تک قائم ہے، اپنے اس پاور ہاؤس کے تعلق کی وجہ سے اس کا پاور ہاؤس کبھی بند نہیں ہوا، معطل نہیں ہوا، آپ دیکھتے ہیں، تھوڑی دیر کے لئے پاور ہاؤس آپ کے شہر کے کا کام کرنا چھوڑ دیتا ہے، اور اس کا ربط ٹوٹ جاتا ہے، تو وائرز (بجلی کے تاروں) میں کرنٹ بند ہو جاتا ہے اور ہر جگہ اندھیرا، اور سردی پھیل جاتی ہے، تو ملت کا پاور ہاؤس اس کے خواص ہیں، تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ کسی دور میں اس ملت کا پاور ہاؤس بند نہیں ہوا، یہ امت کے تسلسل کی تاریخ درحقیقت خواص کے اصلاحی کارناموں کے تسلسل کی تاریخ ہے، اگر آپ اس کو ذرا گہرائی سے دیکھیں تو آپ جس کو ملت اسلامیہ کی بقا کی تاریخ کہے ہیں، یہ ملت اسلامیہ کے خواص کی بقا اور تسلسل کی تاریخ ہے، ملت میں ہر دور میں ایسے لوگ موجود تھے، جو خود زندہ تھے، خود متحرک تھے، صاحب حرارت تھے، ان کی وجہ سے ملت کی رگوں میں خون کی تقسیم صحیح ہوتی تھی، آپ جانتے ہیں کہ دل خون تقسیم کرتا ہے، اس کی وجہ سے یہ خون رگوں اور شرائین میں دوڑتا ہے، تو ملت کے قلب نے کبھی اپنا کام بند نہیں کیا، ملتوں پر جو زوال آیا، اور ملتیں مٹ گئیں، اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ان کا پاور ہاؤس بند ہو گیا، آپ عیسائیت کی تاریخ پڑھیں، یہودیت کی تاریخ پڑھیں، آپ کو معلوم ہوگا، کہ انبیاء بنی اسرائیل کے تھوڑے

عرصہ کے بعد اسرائیلی پاور ہاؤس نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا، وہ کام کیا تھا احتساب کا کام امر بالمعروف نہی عن المنکر کا کام، حق و باطل میں تمیز کا کام، اور بے خوفی، بے رعبی، خدا پر توکل، صحیح کلمۂ حق کہنا، ہر حال میں کوئی ناراض ہو، کوئی راضی ہو، بنی اسرائیل کی تاریخ بتاتی ہے کہ اس پاور ہاؤس نے اپنا کام کرنا چھوڑ دیا تھا، قرآن مجید اس کی شہادت ہے۔

یا ایھا الذین آمنوان کثیراً من الاحبار والرھبان لیا کلون اموال الناس بالباطل ویصدون عن سبیل اللّٰہ۔ (التوبہ۔۳۴)

اے ایمان والو (اہل کتاب کے) بہت سے عالم اور فقیر لوگوں کا مال ناحق کھاتے ہیں، اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔

اس سے بڑھ کے شاید شہادت نہیں ہوسکتی کہ بنی اسرائیل کا پاور ہاؤس کیا تھا؟ یہ اس کے احبار و رہبان تھے، ان کے علماء اور مشائخ تھے، احبار و رہبان اگر آپ اس وقت کی اصطلاحات میں، اور اسلامی ٹرمس (TERMS) میں ترجمہ کریں، تو ''علماء و مشائخ'' ترجمہ ہوگا، ان کے اکثر علماء و مشائخ لوگوں کا مال ناحق کھاتے تھے،'' ویصدون عن سبیل اللّٰہ ''یعنی جو کام تھا وہ نہیں کرتے تھے، اور جو کام نہیں کرنا تھا، وہ کرتے تھے، اور اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ پاور ہاؤس نے اپنا اصلی کام چھوڑ دیا، دوسرا کام شروع کر دیا، یہ کانسٹیبل جو ٹریفک کنٹرول کرتا ہے، یہ اگر اپنی جگہ چھوڑ دے، اور پانی پلانے لگے، راستہ بتانے لگے، تو سواریوں میں ٹکر ہو جائے، بیسیوں حوادث پیش آئیں، حالانکہ وہ کار خیر کر رہا ہے، بہت ثواب کا کام کرتا ہے، پیاسے کو پانی پلاتا ہے، دور تک جاتا ہے، راستہ بتانے کے لئے، لیکن وہ مستوجب تعزیر ہوگا، کہ اس نے اپنا اصلی کام چھوڑ دیا، ڈیوٹی چھوڑ دی، علماء و مشائخ کا کام کیا تھا؟ اللہ پر بھروسہ کرنا، زہد و قناعت کی زندگی گذارنا، دوسروں کی جیبوں پر نظر نہ ڈالنا، دوسروں کے مال کو نہ دیکھنا، اور جو نہ ملے اس پر شکر کرنا، لیکن کیا کرنے لگے،''یاکلون اموال الناس بالباطل'' وہ لوگون کا باطل طریقہ پر مال کھانے لگے، خود محنت نہ کرتے دوسروں کی محنت سے فائدہ اٹھاتے، دوسروں کی محنت کیا ہے؟ اپنے اور اپنے بچوں کا پیٹ بھرنے کیلئے ہاتھ پاؤں مارنا، اس محنت سے تو یہ مفت میں فائدہ اٹھاتے ہیں، لیکن ان کی جو محنت تھی، انھوں نے جو پڑھنے میں محنت کی تھی، علم حاصل کرنے میں محنت کی تھی، اس کا نتیجہ لوگوں کو وہ دیتے نہیں، یہ اپنی محنت کے نتیجہ میں لوگوں کو

شریک نہیں کرتے، اور لوگوں کی محنت کے نتیجہ پر وہ حاوی اور مسلط ہو گئے ہیں، کہ اس کا بڑا حصہ انھیں کی نذر ہو جاتا ہے،" ویصدون عن سبیل اللہ " ان کا کام تھا لوگوں کو راستہ بتانا، الٹا راستہ روکنے لگے، یعنی بجائے رہبر کے رہزن بن گئے، اگر آپ ملتوں کی تاریخ پڑھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان کا پاور ہاؤس پہلے بند ہوا، اور ملت میں بعد میں فساد آیا یا تحریف آئی۔

یہ ہر ملت کی تاریخ ہے، لیکن ہماری ملت کی تاریخ یہ ہے کہ مختصر سے مختصر دور میں بھی اس کے پاور ہاؤس نے کام کرنا نہیں چھوڑا، اور یہ ایک ایسا تسلسل ہے کہ اگر کوئی شخص اس پر قسم کھائے تو وہ حانث نہیں ہوگا (یعنی اس کو کفارہ دینا نہیں ہوگا) اگر میں یہ کہوں کہ اس ملت کی تاریخ میں ایک مہینہ کی مدت بھی ایسی نہیں گذری کہ جس میں اس کا پاور ہاؤس بالکل خاموش ہو گیا ہو، اور کوئی خدا کا بندہ عالم اسلام کے کسی حصہ میں، کسی ملک میں بھی نہیں رہا، جو حق کو حق کہے، باطل کو باطل کہے، تو یہ بات صحیح نہیں اور اس کی سب سے بڑی شہادت صحاح کی روایت ہے، کہ "لاتزال طائفة من أمتی قوامة علی امر اللہ، لایضرھامن خالفھا"[1] (میری امت میں ہر دور میں، ہر زمانہ میں ایک جماعت ضروری رہے گی، جو حق پر قائم ہوگی، اور کوئی ان کی کتنی ہی مخالفت کرے، اور اس کی مدد نہ کرے، ان کو کوئی نقصان نہیں پہونچا سکتا)۔

اب کسی علاقہ کے لئے سب سے بڑا خطرہ یہ ہے کہ وہاں کے خواص جو وہاں کے قلب ہیں وہ یا مردہ ہو جائیں، یا غیر متحرک ہو جائیں، یا ان کی حرارت ختم ہو جائے، بس اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ یہ تینوں شرطیں ہم میں پائی جاتی ہیں یا نہیں؟ حیات، حرکت، حرارت، اگر حیات ہے لیکن حرکت نہیں ہے، ہماری زندگی میں وقوف وتعطل پیدا ہو گیا ہے، تو جیسے بہتا ہوا پانی، رکنے کے بعد خراب ہونا شروع ہو جاتا ہے، اور اس میں تعفن پیدا ہو جاتا ہے، اسی طرح ہمارے معاشرہ اور حیات ملی میں بھی فساد آ جائے گا، تیسری بات یہ کہ آپ کے اندر حرارت بھی ہو، یعنی آپ کے اندر تعلق مع اللہ، عشق رسول، لقائے رب اور جنت کا شوق، ایمان کی قوت اور حق بات کہنے کی جرأت باقی ہو، تو پھر کوئی کتنی ہی سازش کرے اس جسم کو خراب کرنے کی جسم خراب نہیں ہوگا، لیکن اگر قلب اپنا کام کرنا چھوڑ دے تو دنیا کی ساری سلطنتیں اور طاقتیں جمع ہو جائیں تو، اس جسم کو زندہ نہیں رکھ سکتیں، جس طریقہ سے کسی درخت کی اگر قوت نمو ختم ہو جائے تو آپ

(۱) سنن ابن ماجہ

ہزار مرتبہ ہزار طریقے سے اس پر پانی گرائیں تو وہ درخت سرسبز نہیں رہ سکتا، تھوڑے دن میں وہ گر جائے گا، اور ایندھن بن جائے گا۔

حضرات! ہمیں تاریخ بتاتی ہے کہ ہندوستان میں ہر دور میں ایسے لوگ رہے جو حق بات کہتے تھے، اور ان کے اندر حرارت تھی، حرارت ایمانی اور حرارت عشقی ان کے اندر باقی تھی، جو شخص ان کے پاس بیٹھتا تھا، وہ متاثر ہوتا تھا، ان کے پاس سے گذر جانے والا بھی بعض اوقات محروم نہیں رہتا تھا، اس کو بھی آنچ پہونچتی تھی، اس میں بھی کرنٹ دوڑ جاتا تھا، یہ جو آپ تصوف کی تاریخ اور صوفیائے کرام کے ذکر میں سنتے ہیں، کہ ان کے اندر بھی توکل کے بجائے توأکل(۱) اور حرکت کے بجائے تعطل پیدا ہو گیا تھا، اور رسمیت آ گئی تھی، تو یہ بعد کی بات ہے اور کسی حلقہ اور جگہ کے ساتھ مخصوص ہے، ہم ہندوستان میں دیکھتے ہیں کہ لوگ جو صوفیاء اور مشائخ کہلاتے تھے، ان کے ذریعہ سے عوام میں ایمان اور عمل کا ایک کرنٹ دوڑتا تھا، اور اگر ایک شہر میں ایک بھی ایسا آدمی ہوتا تھا تو اس شہر پر غفلت، جاہلیت، خدافراموشی، دولت پرستی اور موقعہ پرستی کا پورا حملہ نہیں ہونے پاتا تھا، ہوتا تھا، لیکن یہ نہ تھا کہ پورا معاشرہ اس کا شکار ہو جائے، اور اس بہاؤ میں بہہ جائے، ایسا نہیں ہوتا تھا، ایک آدمی بیٹھا ہے، خدا کا بندہ اور سارے شہر میں ایک گرمی سی معلوم ہوتی ہے، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء دہلی میں بیٹھے تو معلوم ہوتا تھا کہ دنیا کا مرکز ثقل یہی ہے، کیا سرکاری، کیا امیر کیا وزیر، کیا شاعر کیا ادیب، کیا عالم، ساری مخلوق ان کی طرف چلی آ رہی ہے، پھر خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کا دور آیا، اور سارا ماحول روشنی اور گرمی سے معمور و مخمور ہو گیا، ہر شہر میں ایسا رہا ہے، آپ اپنے کشمیر ہی کو دیکھ لیجئے، یہاں اللہ کا ایک شیر آیا، حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ اور سارے خطہ کو انھوں نے مسلمان بنا دیا، اور آج بھی ان کے خلوص کی برکت ہے، ان کی للّٰہیت کی برکت ہے، ساری خرابیوں کے باوجود بھی یہاں مسلمان ہیں، یہ کیا تھا؟ یہ وہی قلب کی حرکت وحرارت ہے، ایک قلب اس کا تناسب کیا ہوتا ہے، آپ دیکھئے جسم انسانی کتنا بڑا ہے، اور قلب کتنا چھوٹا ہے، لیکن یہ چھوٹا سا ٹکڑا (مضغہ، گوشت) سارے جسم پر حکومت کرتا ہے، اور سارے جسم کا صلاح وفساد اس سے مربوط ہے، خواص میں تعطل پیدا ہونا، خواص میں دنیا طلبی آنا، خواص میں دولت پرستی کا آنا، خواص میں

(۱) ترک سعی وعمل اور دوسروں پر بھروسہ

انتشار پیدا ہونا، اصل خطرے کی بات ہے۔

میں ایک واقعہ سناتا ہوں، ایک بزرگ نے ․․ایا کہ حیدرآباد میں ایک بزرگ کے گھٹنے میں درد ہوگیا تھا تو میں اس میں قیروطی مل رہا تھا (جو وجع مفاصل اور جوڑوں کے درد کے لئے مفید ہے) ان کے خدام، معتقدین، مریدین، جن کا برا حلقہ تھا، جب مجلس میں بیٹھے تھے، خاموش مؤدب، بالکل معلوم ہوتا تھا کہ سب کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں'' **کان علی رئوسھم الطیر** '' حضرت فرماتے ہیں، سب سنتے ہیں، اس دن معلوم نہیں کہ کیا بات ہوئی کہ ایک یہاں سے بولا، ایک نے بات کہی ایک نے اس کو کاٹا، کسی نے اس کا جواب دیا، اور بالکل معلوم ہوتا کہ بزرگوں کی مجلس نہیں ہے، ہم کسی منڈی میں پہونچ گئے ہیں، مچھلی بازار یا سبزی منڈی میں، ادھر سے شور ادھر سے شور، مجھے بڑا تعجب ہوا کہ آج ہوا کیا؟ آج یہ کیا نئی بات ہے کہ یہاں بزرگ اپنی پوری خصوصیات کے ساتھ بنفس نفیس موجود لیکن آج معلوم ہوتا ہے کہ جیسے لوگوں کو احساس ہی نہیں کہ بزرگ سامنے بیٹھے ہوئے ہیں، انھوں نے میرا استعجاب وحیرت دیکھی تو گھٹنے کی طرف اشارہ کیا میں سمجھا کہ یہاں درد زیادہ ہو رہا ہے، تو میں وہاں ملنے لگا، پھر مجھے تعجب ہوا کہ لوگ اب بھی خاموش نہیں ہو رہے ہیں، تو انھوں نے پھر گھٹنے کی طرف اشارہ کیا، تو میں ادھر ملنے لگا، میں نہیں سمجھا کہ کیا بات ہے، اس وقت وہ بزرگ میرے کان کے پاس منھ لائے اور فرمایا کہ گھٹنے کے درد کی وجہ سے میں رات کے معمولات پورے نہیں کر سکا ہوں اس کی بے برکتی اور اس کی نحوست ہے، جو تم دیکھ رہے ہو، اچھا میں پوچھتا ہوں کہ ایک بزرگ کے اپنے معمولات کے چھوڑ دینے کا کیا نتیجہ ماحول اور معاشرہ پر ہوگا؟ اب آپ ضرب لگائیے کہ ایک کا اثر اتنا تو چار کا کتنا، تو آٹھ کا کتنا، تو پچاس کا کتنا تو اگر کسی جگہ کے سب خواص ایسے ہو جائیں، (خوانخواستہ) تو کیا حال ہوگا؟ اکبرالہ آبادی مرحوم نے اسی حالت کو دیکھ کر کہا ہے۔

رحم کر قوم کی حالت پہ تو اے ذکر خدا
بے ادب ہوگئی محفل تیرے اٹھ جانے سے

جب خواص کو عوام دیکھیں کہ دولت کی اہمیت ان کے دل میں بھی وہی ہے، عہدہ اور عزت کی اہمیت ان کے دل میں بھی وہی ہے جو ہمارے دل میں ہے تو بتائیے کہ پھر عوام پر کیا اثر ہوگا؟۔

کسی زمانہ میں خواص کا عالم تو یہ تھا کہ اللہ کا ایک بندہ ایک جگہ بیٹھا ہوا ہے اور وہ وہاں کے بادشاہوں اور حاکموں کو منہ نہیں لگاتا، ایک بزرگ کا میں واقعہ سناتا ہوں، ان کا نام ہے شیخ الاسلام عز الدین بن عبدالسلام، سلطان العلماء کا خطاب تھا، اپنے زمانہ کے بہت بڑے (شاید سب سے بڑے) شافعی عالم تھے، دمشق میں قیام تھا، بادشاہ وقت کی کسی بات پر خطبہ میں نکیر کی، بادشاہ کو ناگوار ہوا، بادشاہ نے ان کے ساتھ وہ معاملہ کیا جو علماء کے ساتھ نہیں کرنا چاہئے تھا، بے رخی، اور بے توجہی، اس کے بعد وہاں کہیں سے اس کے معزز مہمان آئے، وہ بھی اپنے یہاں کے بادشاہ اور حاکم تھے، ان کو معلوم تھا کہ اس ملک کے سب سے بڑے عالم شیخ عز الدین بن عبدالسلام ہیں، اور آج کل وہ معتوب ہیں، انھوں نے کہا کہ ہمارے ملک میں ایسا کوئی عالم ہوتا تو ہم اس کو سر پر بٹھاتے، تعجب ہے کہ آپ اپنے یہاں کے ایسے عالم کے ساتھ ایسا سلوک کررہے ہیں، بادشاہ نے برا نہیں مانا، اس کو اپنی غلطی کا احساس ہوا، لیکن بادشاہ تو بادشاہ ہوتے ہیں، اس کو یہ خیال ہوا کہ اگر میں ایسے ہی چپ چاپ معافی مانگ لوں، اور کہوں مجھ سے غلط ہوئی میری سبکی ہوگی، اور میرا رعب کم ہوجائے گا، تو خواص میں سے کسی کو بلایا اور کہا کہ دیکھو حضرت سے یہ کہنا کہ میں کسی مجلس میں بیٹھا ہوا ہوں تو وہ تشریف لائیں اور دست بوسی کرلیں، میرا احترام قائم رہے گا، لوگ بھی دیکھ لیں گے، اسکے بعد بات رفع دفع ہو جائے گی، جب کسی نے ان سے جاکر کہا تو انھوں نے کہا کہ تم کس خیال میں ہو؟ واللہ میں تو اس پر بھی راضی نہیں کہ وہ میری دست بوسی کرے، چہ جائیکہ میں اس کی دست بوسی کروں، یہ لفظ تاریخ میں موجود ہے، بالکل ان کے الفاظ ''**لا أرضى أن يقتبل يدى فضلاً عن أن اقتبل يده**'' ایسے ہی ہمارے دہلی کے (جو حقیقی سلاطین دہلی کہلانے کے مستحق ہیں) بہت سے مشائخ عظام کا بھی یہی حال تھا، بادشاہ دہلی نے ایک مرتبہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں سے کہا کہ اللہ نے مجھے بڑی دولت دی ہے، حکومت دی ہے، کچھ قبول فرمائیں، فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''**متاع الدنيا قليل** (النساء ۷۷)'' دنیا کی متاع قلیل ہے، اس قلیل میں سے ایک قلیل ٹکڑا ہندوستان ہے، پھر اسمیں سے ایک قلیل ٹکڑا وہ جو آپ کے قبضہ میں ہے، (مثل مشہور تھی، سلطنت شاہ عالم از دہلی تا پالم) اگر اس اقل قلیل میں سے میں بھی حصہ بٹاؤ تو کیا رہ جائے گا؟ ایسے ہی ایک مرتبہ بادشاہ نے کہا کہ میں ایک رقم پیش کرتا ہوں، آپ نے معذرت کی، بادشاہ

نے کہا غرباء میں تقسیم فرمائیں، فرمایا مجھے اس کا بھی سلیقہ نہیں، آپ اپنے لوگوں کے ذریعہ تقسیم کرادیں، یہاں سے بانٹتے چلے جایئے قلعہ تک پہونچتے پہونچتے ختم ہوجائے گی، نہ ختم ہوگی تو دہاں جا کر ختم ہوجائے گی، ایسے ہی سینکڑوں قصے ہیں۔

یہ مثالیں تھیں، جو لوگوں کے دلوں میں گرمی پیدا کرتی تھیں، دنیا کی، مال کی محبت، فطرت انسانی ہے،'' **دانه لحب الخير لشديد** (العدیٰت۔ ۸)'' مال کی محبت انسان کی فطرت میں داخل ہے، لیکن اس کے مقابلہ میں یہ مثالیں جب آتی تھیں، استغنا کی، بے نیازی کی، دنیا کے جاہ وحشم سے بے رغبتی کی، تو لوگوں میں ایمان تازہ ہوجایا کرتا تھا، اور قوت مقابلہ ابھر آتی تھی، اور پھر مسلم معاشرہ تنکے کی طرح نہیں بہتا تھا جیسے آج بہتا ہے۔

خواص کے لئے صرف حیات وحرکت ہی کافی نہیں، بلکہ حرارت بھی ضروری ہے، اور حرارت کہاں سے پیدا ہوتی ہے، حرارت پیدا ہوتی ہے، ذکر اللہ سے، حرارت پیدا ہوتی ہے، دعا اور مناجات وتوکل سے، اللہ کے راستہ میں تکلیف اور کچھ مجاہدہ کرنا پڑے تو دل میں حرارت پیدا ہوتی ہے، یہ فقر وقناعت کے قصے جو آپ تاریخ میں پڑھتے ہیں، اور یہ حضرات جن کے قصے ہیں، انھوں نے کسی مجبوری سے اس کو نہیں اختیار کیا تھا، یہ ان کے دل کی آواز تھی، اور اس مجبوری سے ضرور اختیار کیا تھا، کہ وہ اپنے دل سے مجبور تھے، یعنی اندر سے کوئی ان کے یہ کہتا تھا کہ نہیں یہ نہیں ہوسکتا، ہم دولت کے بندے نہیں ہیں، ہم طاقت واختیار کے بندے نہیں ہیں۔

اس کی ضرورت ہے کہ یہ خواص کا طبقہ باقی رہے، اپنی خصوصیات کے ساتھ اس میں زندگی رہے، اس میں حرکت رہے، اس میں حرارت رہے، اور کوئی جگہ کوئی مقام اللہ کے ان بندوں سے خالی نہ ہو، جن کو کوئی تہمت نہیں لگا سکتا تھا، کہ یہ بک گئے، ہزار تہمتیں سہی، فلاں نے غلطی کی، فلاں کے علم میں فلاں کمی ہے، فلاں چیز نہیں بتائی، لیکن یہ کہ بک گئے، کسی کو یہ تہمت نہ لگائی جا سکے، یہ سمجھئے کہ امت کی حفاظت کا گر ہے، کہ ایک ہی دو آدمی چاہے ہوں، لیکن ایسے ہوں کہ شکوک وشبہات سے بالاتر ہوچکے ہوں ''**ماعلمنا عليه من سواء** ی یوسف ۵۱'' جو حضرت یوسفؑ کے متعلق امرأۃ) العزیز نے یہ بات کہی تھی، جب بادشاہ نے پوچھا کہ آخر قصہ کیا ہے؟ تمام شہر میں چرچا ہے، تو اس نے کہا'' **ماعلمنا عليه من سوءٍ** '' سچی بات یہ ہے کہ کوئی کمزوری ہم نے ان کی نہیں دیکھی، تو آج بھی امرأۃ العزیز ہی کا مقابلہ ہے، دولت کو امرأۃ

العزیز زلیخا کہہ لیجئے، طاقت کو زلیخا کہہ لیجئے، وجاہت کو زلیخا کہہ لیجئے اور یوسف مصری، یوسف عزیز کون ہیں؟ دین، دین کو ایسا ہی ہونا چاہئے کہ کوئی اس کو خرید نہ سکے، اور سب شہادت دیں کہ ''ماعلمنا علیه من سوء یوسف۔۵۱'' درودیوار سے یہ آواز آئے کہ کھرا سونا ہے، جس کا جی چاہے پرکھ لے، سچی بات یہ ہے کہ امت کا مزاج جو اس وقت باقی ہے۔

انھیں بندگان خدا، اور اہل دل کی وجہ سے ہے، کہ جن کی وجہ سے یہ امت ہوا میں اڑ نہیں گئی، جیسے اور امتیں خشک پتوں، تنکے کی طرح اڑ گئیں، یا پانی میں بہہ نہیں گئی، جیسی اور امتیں خس وخاشاک کی طرح بہ گئیں۔

تبلیغی جماعت کا کارنامہ

دوسری بات یہ ہے کہ اس ملت کی ہدایت اور اس کا دینی احتساب کا کام جاری ہو، نمازوں میں ترقی ہو رہی ہے، اس پر نظر ہو کہ تناسب کم ہو رہا ہے؟ یا بڑھ رہا ہے، مسجدیں خالی ہو رہی ہیں کہ بھر رہی ہیں؟ قمار خانے زیادہ آباد ہیں کہ مسجدیں زیادہ آباد ہیں؟ مسلمانوں میں کوئی نئی بیماری تو نہیں پھیل گئی، مثلاً شراب نوشی، قمار بازی کی، یا کسی خراب عادت اور بیماری کی ترقی تو نہیں ہے؟ اس سب کی فکر رکھنا اور اس سے متفکر اور غمگین ہونا، اس کا صدمہ ہونا کہ مسلمانوں میں یہ چیز غلط پھیل رہی ہے، اچھی چیز ختم ہو رہی ہے، خواص امت کا فریضہ اور طبعی وظیفہ ہے، یہ تبلیغی جماعت کا بڑا کارنامہ ہے کہ اس نے خواص کو عوام تک پہونچا دیا، پہلے عوام کو خواص کے پاس لاتے تھے، اس نے خواص کو عوام سے جوڑ دیا، میں یہ نہیں کہتا کہ یہی واحد طریقہ ہے، لیکن عوام سے ربط ہونا چاہئے، ان کے پاس جانا چاہئے، محلوں اور گلیوں میں جانا چاہئے، تاکہ دیکھا جا سکے کہ دین بڑھ رہا ہے، یا گھٹ رہا ہے، ترقی ہے کہ تنزلی ہے، کیا چیز نئی پیدا ہوئی، اکبر الہ آبادی مرحوم نے کہا ہے۔

نقشوں کو تم نے جانچوں لوگوں سے مل کے دیکھو
کیا چیز جی رہی ہے کیا چیز مر رہی ہے

حضرات: میں اس وقت اس حال میں نہیں ہوں کہ اس سے زیادہ عرض کروں، ورنہ اس

کی ضرورت ہے، میں سمجھتا ہوں، کہ مغز کی بات ہو چکی[1]، آخر میں میں حدیث شریف برکت کے لئے دہراتا ہوں "قال رسول الله صلی الله علیه وعلی آله واصحابه وسلم، ألا ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله واذا فسدت فسد الجسد كله ألاوهی القب"۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

---

(۱) مقرر تقریر ختم کر کے بیٹھ گئے تھے کہ ان کو ایک بات یاد آئی، انھوں نے کھڑے ہو کر کہا کہ عقیدہ توحید راسخ کرنے، شرک کی بیخ کنی اور عقائد کی اصلاح میں قران مجید سے بڑھ کر کوئی تریاق اور قوی التاثیر چیز نہیں ہے، علماء کو چاہئے کہ وہ شہر اور ملک کے مختلف مقامات پر درس قرآن کو رواج دیں، اور شرح و تفسیر میں خاص طور پر عقیدۂ توحید اور رد شرک پر زور دیں، پنجاب میں مولانا حسین علی صاحب (ساکن وان بچھراں ضلع میاں والی) اور شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحب لاہوری نے اس سے بڑا کام لیا اور ہزاروں، لاکھوں انسانوں کو اس سے نفع پہنونچا اور ان کے عقائد کی اصلاح ہوئی۔

ازدواجی زندگی کے رہنما خطوط

مولانا قاری عبدالحمید ندوی امام وخطیب جامع مسجد السلام دبئی امارات متحدہ عرب (دبئی) کی صاحبزادی کا خطبہ نکاح حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے پڑھا تھا، اس موقع پر خطبہ میں پڑھی جانے والی آیتوں کی حضرت مولانا نے نہایت معنی خیز تشریح فرمائی تھی جو گویا ازدواجی زندگی میں نہیں بلکہ پوری زندگی کا دستور عمل ہے۔

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نو من به و نتو كل عليه و نعو ذ بالله من شرر انفسنا و من سيأت اعمالنا من يهده الله فلا مضل له و من يضل الله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله وحد ه لاشريک له و نشهد ان سيد نا ومولانا محمداً عبده و رسوله صلى الله تعالىٰ عليه و علىٰ آله واصحابه اجمعين اما بعد فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم.

يايها الناس اتقو ربكم الذى خلقكم من نفس واحدة وخلق منهازو جها وبث منهمار جالاً كثيراً ونساءً، واتقو الله الذى تساء لون به والارحام، ان الله كان عليكم رقيباً۔

تیرا خرابہ فرشتے نہ کر سکے آباد

حضرات: آپ کے سامنے جو آیتیں پڑھیں گئیں وہ نکاح کے خطبہ کی آیتیں ہیں اور وہ مشہور ہیں، ثابت ہیں، ان میں پورا پیغام ہے، خوشگوار فریضہ کے لئے بھی اور ساری عمر کے لئے بھی اور ساری زندگی کے لئے ضابطہ حیات اور ہدایات ہیں، اور پوری زندگی کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام اور اس کی ہدایات کا ذکر آ گیا ہے، یہ آیت سورۃ النساء کی ہے، اسی سے عورتوں کا درجہ معلوم ہوتا ہے، کہ ان کے نام سے طویل سورۃ نازل ہوئی، جس کا نام سورۃ نساء ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ایک درجہ، ان کا ایک مقام ہے اور ان کے حقوق ہیں اور اس کے

فرائض ہیں، ان کے بارے میں احکامات جیسا کہ پہلی آیت میں اللہ تبارک تعالیٰ فرماتا ہے، یاایھا الناس سے خطاب کیا گیا ہے، اس لئے کہ ایہ انسانی حیثیت رکھتا ہے، قلبی حیثیت رکھتا ہے، یاایھاالناس سے خطاب کیا گیا ہے کہ اے انسانو: کہ جب تم انسان ہو، تمہاری ضروریات ہیں، فطرتی تقاضے بھی ہیں، بلکہ شرعی فطری، اخلاقی تقاضہ یہ ہے کہ ایک رفیق حیات ہو، کوئی بھی ایسا جوڑا ہے، جس سے وہ اپنی زندگی کو شرعی طریقے پر بھی، طبعی طریقے پر بھی اور فطری طریقے پر بھی مکمل کر سکے، خود اللہ نے خطاب کیا ہے، کہ اے لوگو: ڈرو اور لحاظ کرو اور اپنے پروردگار کا کہ جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور پھر اسی سے اس کا جوڑا بھی پیدا کیا، اس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا کہ یہ ایک حکیمانہ آغاز ہے، تقریب کا، نکاح کا، دو ہستیوں کو معمولی بات نہ سمجھو، ایک ہی ہستی تھی، آدم علیہ السلام کی، اللہ نے اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا، اور دونوں کو صحیح طریقے سے ملایا، اور پھر ایسی برکت دی کہ ساری دنیا انسانی آبادی سے بھر گئی اور بقول علامہ اقبال کہ۔

ترا خرابہ فرشتے نہ کر سکے آباد

اس کو بنی آدمؑ نے آباد کیا اور یہ نتیجہ تھا اس فکری، اخلاقی، قانونی تعلق کا جو دونوں میں ہوا ''وخلق منھا زوجھا، وبث منھما رجالاً کثیرا، و نساءً'' کہ وہ دونوں جب اللہ کے حکم سے ملے اور انہوں نے ازدواجی تعلق قائم کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے نتیجہ میں لاتعداد مرد اور عورتیں پیدا کر کے، دنیا کو آباد کیا، فرمایا'' واتقو اللہ الذی تساء لون بہ ولارحام '' ڈرو اور لحاظ کرو اپنے پروردگار کا کہ جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو، تم نے کیسا نازک سوال کیا تھا، ایک شریف خاندان سے اس کی بیٹی مانگی تھی، اس کے لئے کوئی جواز اور گنجائش نہیں تھی،، کوئی جرأت نہیں تھی لیکن اللہ کے نام کو بیچ میں لائے کہ آپ بھی مسلمان ہیں ہمیں جوڑے کی ضرورت ہے، ہمارے بیٹے کو ایک رفیق حیات کی ضرورت ہے، تم نے اس رب العزت کے نام پر اس موقع پر زبان سے یہ لفظ نکالا اور فائدہ اٹھایا (کہ آپ بھی مسلمان ہیں، ہم بھی مسلمان ہیں) لیکن شادی کے بعد پھر اس نام کو نہ بھول جانا کہ کام نکال لیا، کام چل گیا بس اب کیا ہے، اذانوں میں جب یہ نام لیا جائے تو نماز کو جاؤ اور جب کسی کام پر آمادہ کیا جائے کہ یہ اللہ کا حکم ہے تو اس پر تم سر جھکاؤ اور جب شریعت کا کوئی مسئلہ آجائے تو اس کو مان لو

چاہے جتنا ہی نقصان ہو جب کہا جائے یہ زندگی کی ضرورت اور فرائض ہیں ان کو بھی شرعی طریقے پر ادا کیا جائے، جو رسم ورواج داخل ہو گئے ہیں ان کی کوئی اہمیت نہیں، بس ''آمنا وصدقنا'' ہم نے مانا اور تسلیم کیا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (نساء لون به و لا ر حام)، اس اللہ کے نام کو فراموش مت کرنا، اگر اللہ کے حوالے سے قرآن کریم کے حوالہ سے کوئی بات کی جائے تو پرواہ نہ کرو کہ کام نکال لیا، اپنا مطلب نکال لیا، اسی لئے فرمایا: اور رشتوں کا بھی خیال کرنا، نئے رشتہ سے دوسرے رشتہ بے کار نہیں ہو جاتے، ماں، ماں رہے گی، بہنیں، بہنیں رہیں گی، بھائی، بھائی رہیں گے اور اسی طریقے سے جو گھر کے افراد ہیں، ان کے جو حقوق ہیں وہ ان پر باقی رہیں گے۔

ان الله كان عليكم رقيباً، اگر تم کہو کہ اس کو کون دیکھتا ہے، سب الگ ہو جائیں گے اس کے بعد ہم جو چاہیں گے کریں گے، نہیں اللہ تمہارے اوپر نگراں ہے، یہ نہیں کہ بس یہ نکاح کے گواہ ہیں جن کے گواہ بننے سے نکاح ہوا بلکہ فرشتے بھی گواہ ہیں، اللہ گواہ ہے جو عالم الغیب والشہادۃ ہے وہ فرماتا ہے ہم یہ دیکھیں گے کہ تم نے ایسا کیوں کیا تم نے اپنا کام کرلیا اس کے بعد شریعت سے کوئی مطلب نہیں، تم ہمارا نام لے کر ایک شریف باعزت خاتون کو اپنے گھر لے آئے تو اس سلسلے میں ہمارا حکم یہ ہے کہ ''یا ایھا الذین آمنوا اتقو الله حق تقاته'' (اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے جیسا چاہئے اس سے ڈرنا) نکاح کے موقع پر سہرے پڑھے جاتے ہیں مبارکباد دی جاتی ہے لیکن خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر آنے والی گھڑی کو بھلاتا نہیں ہے وہ نہیں چاہتا ہے کہ اس کو بھلا جائے نکاح مبارک ہو یہ تقریب مبارک ہو اور گھر کی آبادی مبارک ہو، لیکن یہ نہ بھولو یاد رکھو کہ جب تم دنیا سے جاؤ گے تو جیسے تم آج نکاح کا اقرار کرتے ہو کہ تم نے مانا اور قبول کیا، ایسے ہی جب دنیا سے جاؤ تم کہو کہ ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، شریعت پر ایمان رکھتے ہیں یہاں کے قبول کرنے سے محدود اور مخصوص قسم کی آزادی حاصل ہوگی زندگی کا نیا مزہ آئے گا لیکن اس کا کلمہ پڑھنے سے ہمیں جنت ملے گی۔

اسی لئے کہا گیا ''اتقو الله'' اے ایمان والو اللہ سے ڈرو'' سچی پکی بات زبان سے نکالو سوچ کر کہو اور کہہ کر سوچو، سمجھ کر کہو اور کہہ کر سمجھو، ہم نے اقرار کیا ہم نے ایجاب قبول کیا پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوشیار کرتے ہیں خبردار کر دیتے ہیں تیار کر دیتے ہیں کہ بات سمجھ کر کہو

جب کہا جائے کہ یہ مہر تم کو منظور ہے قبول ہے اس کے فرائض شرعی تقاضے ہیں اخلاقی تقاضے ہیں، قانونی تقاضے ہیں ان کو پورا کرو۔

اللہ تمہارا معاملہ درست فرمادے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف کردے گا، عام طور پر نکاح کی تقریب کو ایک رسمی، فکری اور معاشرتی تقریب سمجھا جاتا ہے حالانکہ یہ عبادت ہے اس کے بعد جو زندگی گزرے گی وہ عبادت میں گزرے گی، اور جیسا کہ اس زمانے کے شاہ محمد یعقوب صاحب فرماتے تھے کہ آدمی جب تک نماز پڑھتا ہے تب تک ثواب ملتا ہے اسلام پھیرا تو ثواب ختم ہوگیا۔ لیکن نکاح کرنیکے بعد سے آخروقت تک ثواب ملتا رہے گا۔ کما کر لائے گا، کھلائے گا، اس نیت سے ثواب ملے گا، محبت کے ساتھ بولے گا، ساتھ رہے گا، اس کو ثواب برابر رہے گا فرمایا: ''ومن يطع الله ورسوله فقد فاز فوزاً عظيماً'' جواللہ کے حکم کی اطاعت کرے گا وہ پورے طور پر کامیاب ہوا۔

وقت کا تقاضا کیا ہے......؟

ایک بے موقع اور ناوقت مہم

میرے دوستوں اور بھائیوں! راقم سطور فضل الٰہی سے ایک ایسے خاندان سے تعلق رکھتا ہے جو صدیوں سے توحید کے عقیدۂ خاص، کامل اتباع سنت اور ائمہ سلف سے پوری عقیدت ان کے اعتراف واحترام کا صدیوں سے خوگر چلا آرہا ہے اور کتاب وسنت پر عمل کو اصل دین سمجھتا ہے اس کے زمانہ شعور میں بعض ایسے علماء اور افراد خاندان بھی رہے ہیں جو براہ راست حدیث پر عمل کرتے تھے اور ان کو خاندان میں اعتراض اور طعن وتشنیع کا ہدف نہیں بنایا جاتا تھا۔ بلکہ ان کے علم وصلاح کی وجہ سے ان کا پورا احترام کیا جاتا تھا، خود راقم کے عربی زبان وادب کے باکمال ومتجر عرب استاد (جن کی نظیر تحقیق واتقان اور حسن تعلیم میں خود ممالک عربیہ میں ملنی مشکل تھی) استقلالاً عامل بالحدیث تھے، پھر اس کے بعد راقم کو معاصر اہل حدیث علماء وشیوخ سے احترام وعقیدت کا تعلق بھی رہا اس نے ان کی کتابوں اور شروح وحدیث سے ایام تدریس حدیث میں فائدہ اٹھایا، اور خاص طور پر محدث جلیل علامہ عبدالرحمٰن مبارک پوری صاحب[1] ''تحفۃ الاحوذی'' شرح ''سنن ترمذی'' کے علم وتحقیق کا معترف ہے اور اس نے زمانہ تدریس حدیث میں ان کا فاضلانہ شرح سے فائدہ اٹھایا اور اس کو ان سے حدیث کی سند کے حصول کا شرف بھی حاصل ہے۔

لیکن ادھر کچھ دنوں سے (خاص طور پر ہندوستان میں) مذاہب اربعہ (جن میں اپنی اکثریت اور اشاعت کی وجہ سے مذہب حنفی ہی خاص طور پر نشانہ ہے) اور تقلید ائمہ کے خلاف ایک طاقتور اور عمومی مہم جاری ہے جو ان مذاہب اور اور تقلید ائمہ کو بدعت اور تعلیمات اسلام کے خلاف بتاتی ہے۔ یہ مہم کچھ عرصہ سے اتنی تیز ہوگئی ہے کہ گویا وہ ایک بڑی ''ضلالت'' اور ''بدعت'' کے خلاف محاذ آرائی ہے۔ اور اس وقت وہ دین صحیح کی طرف دعوت کے مرادف ہے۔

---

(۱) ان سے مراد شیخ خلیل بن محمد بن حسین الانصاری الیمانی اور علامہ تقی الدین الہلالی المراکشی ہیں۔

چند دنوں سے مصنف کے پاس ہندوستان کے مختلف اطراف ونواح سے خطوط آئے کہ یہ مہم بہت تیز ہوگئی ہے اور اس سے خود مسلمانوں میں (جو دینی اور تہذیبی بنیاد پر سازشوں، حملوں اور کردار کشی کا نشانہ بنے ہوئے ہیں) ایک انتشار خانہ جنگ کی سی نوبت آرہی ہے۔

جنوبی ہند، گجرات اور کئی ریاستوں اضلاع اور قصبوں سے ایسے خطوط آئے ہیں، فاضل گرامی مولانا مفتی سید عبدالرحیم لاج پوری نے بھی اس کی طرف توجہ دلائی، خود تقلید ائمہ اور مذاہب اربعہ کے جواز وصحت پر انہوں نے اردو میں ایک مفصل کتاب لکھی ہے، جس کا ایک عالم نے عربی میں ترجمہ کروایا اور راقم سے اس پر مقدمہ لکھوایا۔ ان شکایتی واحتجاجی خطوط کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔

راقم نے مناسب سمجھا کہ وہ اس مہم کے خلاف کوئی مخالفانہ ومقابلہ مہم شروع کرنے کے بجائے (جس سے مسلمانوں میں مزید انتشار پیدا ہونے کا خوف ہے) حضرات علمائے حدیث کو ایک داعیانہ، مخلصانہ اور برادرانہ خط لکھے جس میں ان کو اس ''**جهاد فی غیر جهاد ونفال فی غیر عدو**'' سے اجتناب کرنے کی دعوت اور مخلصانہ مشورے دے اور وقت کی نزاکت اور معنوی نسل کشی کی جو مہم اس وقت ملک میں چل رہی ہے اس سے آگاہ کرے، اور یہ مشورہ دے کہ یہ وقت توجہ اور توانائی حقیقی دشمن اور سنگین خطرہ کا مقابلہ کرنے کا ہے[1] اس لئے اس نے (احتیاطاً) عربی میں ہے ایک مراسلہ ترتیب دیا۔[2] اور دس ممتاز ونامور سلفی علماء کی خدمت کے لئے بھیجا۔

اس مراسلہ کے جواب میں سعودی عرب کے سب سے نامور عالم ودینی شخصیت علامہ شیخ عبدالعزیز بن باز صدر ادارۃ البحوث العلمیۃ والافتاء وسیکریٹری ہیئۃ کبار العلماء کا گرامی نامہ آیا

---

(۱) خود رابطہ عالمی اسلامی مکہ مکرمہ نے اپنی مجلس ''المجمع العلمی الاسلامی'' کے ایک اجلاس میں جو ۲۴ صفر ۱۴۰۸ھ بمطابق (۱۷ اکتوبر ۱۹۸۷ء) میں منعقد ہوئی تھی اس مسئلہ اور ضرورت پر روشنی ڈالی اور بالاتفاق یہ طے کیا کہ معتبر اور معمول بہ مذاہب فقہی اور تقلید ائمہ اربعہ کے خلاف مہم چلا کر عالم اسلام میں انتشار پیدا نہ کیا جائے (ملاحظہ ہو القرار التاسع بشان موضوع الخلاف افقهی بين المذاهب او التعصب المذهبی من بعض اتباعها)

(۲) اس کو عربی میں اس لئے پیش کیا گیا کہ وہ مکتوب الیہم علماء ہی کے دائرہ میں محدود ہے اور اس سے کوئی سیاسی یا جماعتی فائدہ نہ اٹھایا جائے۔

جس میں انہوں نے لکھا کہ میں آپ کی اطلاع کے لئے لکھتا ہوں کہ البحوث العلمیۃ والافتاء کی مستقل کمیٹی کی طرف سے ۷ اشوال ۱۴۰۴ھ میں اور مجمع الفقہی رابطہ عالم اسلامی کی جانب سے ۲۴ صفر ۱۴۰۸ھ میں یہ فتاویٰ صادر ہوا کہ ائمہ مذاہب اربعہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل (رحمہم اللہ) فضلائے اہل علم متعبین رسول اور احکام شرعیہ میں اجتہاد و استنباط کے اہل ہیں ان کا مقلد کافر نہیں اسلئے کہ اگر انسان احکام شرعیہ کے براہ راست معرفت نہیں رکھتا اور وہ مذاہب اربعہ میں سے کسی کا پیرو ہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ (۱)

پھر اس مراسہ میں ائمہ اربعہ کی واضح الفاظ میں تعریف واعتراف کیا گیا اور ان کی خدمات ومناقب بیان کئے گئے۔

اس کے علاوہ اور بھی مؤقر ذمہ داروں او رمرکزوں کی طرف سے اس ضمن میں جوابات ہیں (۲)

یہاں اس پورے مکتوب کا (جو عربی میں لکھا گیا تھا) ترجمہ پیش کیا جارہا ہے وہ شاید اب بھی چشم کشا اور کم سے کم غور طلب بن جائے (۳)

یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ ہر دور میں انسان نے غلطی، لغزش اور گمراہی و کج روی سے بچنے کیلئے ایسے اصحاب اختصاص اور ماہرین فن سے رجوع کرنا ضروری سمجھا ہے جو اپنے فن اور موضوع میں خصوصی مہارت اور اس میں تفوق وامتیاز مجتہدانہ صلاحیتوں کے حامل ہوں علوم فنون و بحث و تحقیق کی قدیم جدید تاریخ اس طرح کی بکثرت مثالوں سے بھری ہوئی ہے۔

اس سے بھی یہ زیادہ روشن، تابناک اور بدیہی حقیقت یہ ہے کہ دین پر عمل کرنے، نت نئے پیش آنے والے مسائل کے بارے میں شریعت کے احکام معلوم کرنے کیلئے ایسے اصحاب اختصاص اور ماہرین فن سے رجوع کیا جائے جو اپنے فن میں نہ صرف کامل دست گاہ رکھتے ہوں بلکہ ان کی تحقیقات معلومات گہری کے ساتھ گیرائی اور وسعت تبحر علمی بھی ہو اس کے ساتو وہ لوگوں کو دینی مسائل واحکام بتانے میں اجر وثواب کے حریص اور ایمان واحتساب کے روح

(۱) اس مراسلہ پر علامہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز اور متعدد علماء و مفتیوں کے دستخط ہیں۔

(۲) یہ جوابات اور مراسلات مصنف کتاب کے پاس محفوظ ہیں۔

(۳) اس عربی مکتوب کا ترجمہ عزیز گرامی مولوی نذیر الحفیظ ندوی زہری استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء، کے قلم سے ہے۔

سے سرشار ہوں۔ دیانت کے ساتھ ساتھ اپنے فرائض اور علمی امانت کو دوسرے تک پہنچانے میں انہیں اللہ تعالیٰ کے یہاں جواب دہی کا غیر معمولی شعور اور حساب کتاب کا خوف ہو، اسی بناء پر اسلامی تاریخ کے اولین دور خلفائے راشدین، صحابہ کرام، اور تابعین عظام کے عہد میں فقہی احکام و مسائل معلوم کرنے کیلئے ایسے حضرات سے رجوع کرنا عام بات تھی جو علم دینیہ میں رسوخ و تبحر رکھتے تھے۔ اس کے ساتھ انفرادی و اجتماعی مسائل و مشکلات کے حل کرنے کیلئے شریف کے حکام اور قرآن و سنت کے مطابق مسلمانوں کی رہنمائی کو وہ حضرات باعث اجر و ثواب اور تقریب الٰہی کا ذریعہ تصور کرتے اور اس امانت کی ادائیگی کو اپنے اوپر ایسی زمہ داری سمجھتے تھے جس کے بارے میں قیامت کے دن وہ جواب دہ ہوں گے۔

اسلامی تاریخ کے اولین دور میں کسی خاص اور متعین فقہی متکب فکر یا کسی مخصوص مسلک پر عمل پیرا افراد سے علمی فقہی معاملات میں رجوع کرنا ضروری نہیں تھا۔ اور نہ اس کا التزام اور کوئی پابندی تھی۔ بلکہ سائل کسی شخص سے بھی دینی وفقہی احکام و مسائل معلوم کر لیتا تھا۔ اس لئے کہ اس دور میں یہی خصوصیت تھی پھر ایمان احتساب کی روح عام طور پر موجود تھی اور صحیح بات معلوم کرنے اور حق تک رسائی کا جذبہ اس عہد کے تمام لوگوں میں پایا جاتا تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ علمی ماحول عام تھا اور ہر جگہ بحث و تحقیق کے حلقے قائم تھے۔

پھر وہ دور آیا جب حالات کے تقاضوں کی رعایت اور محبت و وقت بچانے کی خاطر حق وصواب کی جستجو تلاش کرنے کیلئے اور تلاش کے لئے لوگ ایسے فقہی مکتب فکر کی طرف رجوع کرنے لگے جو اس کی بہتر نمائندگی وترجمانی کرے اور جس کے علم و تحقیق و امانت و دیانت اور تقویٰ پر اعتماد و اعتبار کیا جا سکے۔ چنانچہ کسی خاص فقہی مکتب فکر کی طرف رجوع کرنا ایک عام اور قابل تقلید طریقہ بن گیا۔ جو پسندیدہ بھی تھا اور سہل الحصول بھی اس علمی رجوع میں نہ تو کوئی برائی تھی اور نہ رجوع کرنے والے کو شرک و بدعت کا مرتکب اور اجماع امت کا مخالف قرار دیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پورے عالم اسلام میں چار فقہی مکاتب فکر میں سے کسی ایک طرف رجوع کرنا عام بات ہوگئی۔ اس رجوع نے نہ تو لوگوں کے اندر غلط ردعمل پیدا کیا اور نہ اس طرز عمل کو کسی بدعت یا گمراہی کا نام دیا گیا اس لئے کہ اصحاب اختصاص سے شرعی معاملات میں رجوع اور ان کے بتائے ہوئے احکام پر عملدرآمد کی بنیادی شرط یہ تھی کہ وہ مسائل و تحقیقات

کتاب وسنت کے مطابق ہوں، کہ یہی دونوں سرچشمہ ہدایت ہیں[۱]۔

دینی وشرعی احکام معلوم کرنے کیلئے کسی خاص فقہی ومکتب فکر کی طرف رجوع اوراس کے ائمہ مجتہدین کے اجتہاد اور فقہی بصیرت پر اعتماد واعتبار کرنے کی (جو کتاب وسنت سے مسائل کا استنباط کرتے اور انہیں دونوں سرچشموں سے کسب فیض کرتے ہیں) ضرورت تو اس دور میں او ربھی بڑھ گئی کہ یہ زمانہ خاص طور فکری انارکی، ذہنی انتشار، مادی کشش، فتنوں اور جدید چیلنجوں کا ہے ہر قسم کے اخلاقی قیود و بند سے گلوخلاصی و آزادی حاصل کرنے نفس کی خواہشات وترغیبات اور معاشرہ زمانہ کے ساتھ دینے کا دور ہے اس کا پورا مشاہدہ ان ملکوں میں اور معاشروں میں ہور ہا ہے جہاں شرعی حدود وقیود اور دینی واخلاقی قدروں سے بے قید آزادی کی زندگی پائی جاتی ہے۔

رنج وافسوس کی بات یہ ہے کہ ایسے نازک اور پرخطر چیلنجوں اور آزمائشوں کے دور میں برصغیر ہندوستان جیسے ملک میں ائمہ اربعہ کے فقہی مکاتب فکر کے خلاف زبردست یورش کا آغاز کردیا گیا ہے۔ اس میں خاص طور پر احناف کو نشانہ بنایا جارہا ہے جن کی اس ملک میں اکثریت ہے اس طرح کی یورش کا نہ تو یہ وقت ہے اور نہ ہندوستان اس کی مناسب جگہ ہے اس طرح کی سرگرمیوں سے بجز اختلافات میں اضافہ اور ذہنی انتشار کے کچھ حاصل نہیں جبکہ ہندوستانی مسلمانوں کو اس وقت شدید ضرورت اتحاد واتفاق کی ہے۔ اس لئے کہ انہیں بت پرستانہ اور مشرکانہ اور لادینی طاقتوں اور مغرب کی ملحدانہ تہذیب وثقافت کے چیلنج کا سامنا ہے۔

احناف کے خلاف جدوجہد اور جہد شروع کرنے کے بجائے اس کی شدید ضرورت ہے کہ مشرکانہ عقائد واعمال کے خلاف پوری توجہ اور پوری طاقت لگادی جائے کہ ہم ہندوستانی مسلمان جس ماحول میں رہتے ہیں وہ مرکز اسلام سے دور ہونے کی بناء پر شرک وبت پرست کا قدیم زمانہ سے مرکز رہا ہے، اس ملک کی زبان وثقافت بھی اسلامی زبان وثقافت سے قطعی مختلف ہے۔ ہندوستانی مسلمان اپنے غیر مسلم پڑوسیوں کے مشرکانہ عقائد واعمال، بدعات و خرافات جاہلی رسم ورواج اور شادی وغمی اور پرسنل لاء میں ان سے متاثر ہیں۔ اس بات کی شدید

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی کتاب عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید"

ضرورت ہے کہ نئی نسل کی دینی تعلیم وتربیت پر ساری توجہ اور توانائی صرف کردی جائے۔ کہ مسلمانوں کے اس ملک میں بقاء وتحفظ کا سارا انحصار اس بات پر ہے کہ وہ کس حد تک اپنے عقائد، تہذیب، ثقافت، دینی غیرت وحمیت اور اسلامی تشخص وامتیاز کو باقی رکھ سکتے ہیں، یہ روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ ملک میں تہذیبی وثقافتی ارتداد کے اثر وقرائن ظاہر ہو چکے ہیں (ہم دینی ارتداد کا لفظ استعمال کرنے سے گریز کررہے ہیں کہ یہ لفظ دل ودماغ اور سماعت پر گراں ہے اس کے اندر بڑی شناخت ہے)

اس ملک کیلئے سب سے زیادہ بہتر منہج اور اصول حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا ہے جس کے آثار وتابندہ نقوش ابھی بھی باقی ہیں ان کے باکمال فرزندوں نے جن میں سے ہر ایک نابغۂ روزگار اور مجتہدانہ فقہی علمی بصیرت کا حامل تھا۔ ان کا مشن جاری رکھا۔ پھر اس علمی خانوادہ کے تربیت یافتہ اور خوشہ چین شاگرد رشید امام المسلمین سید احمد بن عرفان شہیدؒ (ش ۱۲۴۶ھ) جیسے داعی ومجاہد ہیں۔ جن کے دست مبارک پر ہر قسم کے شرک وبدعات وخرافات اور جاہلی عادات واطوار سے توبہ وبیعت کرنے والوں کی تعداد تیس لاکھ ہے۔ اس توبہ وبیعت کے بعد ان لوگوں کے اندر ہر قسم کے شرک وبدعت اور جاہلانہ رسوم ورواج سے سخت نفرت پیدا کی وکراہیت پیدا ہوگئی۔ اس کے ساتھ دینی غیرت وحمیت میں بھی نمایاں اور ممتاز تھے جن غیر مسلموں نے سید صاحب کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا ان کی تعداد چالیس ہزار (۴۰۰۰۰) سے کچھ زیادہ ہی بتائی جاتی ہے۔ یہی حال ان کے جانشین اور قوت بازو، مجاہد کبیر مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید (ش ۱۲۴۶ھ) صاحب ''تقویتہ الایمان'' کا تھا جن کی کتاب توحید خالص کے بیان اور شرک وبدعات کی تردید میں سب سے زایدہ طاقتور اور مؤثر کتاب شمار کی جاتی ہے اور جسے پڑھ کر ایک بڑے سعودی عالم نے کہا کہ یہ کتاب توحید ہی ''منجمیق'' ہے[1]۔

(۱) وہ مشین ہے جو پتھر پھینکتی ہے اور سنگسار کرتی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خرابی کی جڑ برائی اور پاپ کی خواہش ہے

۹ رجنوری ۱۹۵۴ء کو گنگا ہرشاد میموریل ہال لکھنؤ میں ایک مخلوط اجتماع میں جس میں شہر کے سر برآوردہ حضرات اور غیر مسلم تعلیم یافتہ اصحاب کی خاص تعداد شریک تھی یہ تقریر کی گئی۔

تاریخ کا مطالعہ:

دوستو اور بھائیو! آپ میں اکثر لوگوں نے تاریخ کا مطالعہ کیا ہوگا، انسان آج نئے نہیں ہیں، وہ ہزاروں سال سے آباد ہیں، ان کی سینکڑوں برس کی تاریخ محفوظ ہے، اس تاریخ کی سطح پانی کی سطح کی طرح برابر نہیں، اس میں سخت نشیب و فراز ہے، اس میں آدمی، کہیں اونچا نظر آتا ہے، کہیں نیچا، کبھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ انسان کی تاریخ نہیں، خونخواروں اور درندوں کی تاریخ ہے، سب کی تاریخ ہے، مگر انسان کی تاریخ نہیں، اس کے مطالعہ سے انسانوں کا سر جھک جاتا ہے کہ ہم میں ایسے افراد بھی گزرے ہیں، یہ فیصلہ تو آنے والی نسلیں کریں گی کہ ہم اور آپ کیسے آدمی تھے، لیکن یہ اندازہ ہم کر سکتے ہیں کہ انسانوں کا پچھلا ریکارڈ کیسا ہے؟ اس میں بعض ایسے دور نظر آتے ہیں کہ اگر بس چلے تو تاریخ سے ہم ان اوراق کو نکال دیں، ایسا ریکارڈ ہے کہ ہم بچوں کے ہاتھوں میں دینے کو تیار نہیں، مجھے اس کی کہانی سنانی نہیں، لیکن مجھے ایک حقیقت کی طرف متوجہ کرنا ہے کہ تاریخ میں جو ایسے ناگوار دور گزرے ہیں اس میں خرابی کی جڑ کیا ہے؟

جب تک سوسائٹی میں برائی کا رجحان اور بگاڑ کی صلاحیت نہ ہو کوئی اس کو بگاڑ نہیں سکتا:

حضرات! عام طور پر لوگ کسی خاص طبقہ یا چند افراد اور بعض اوقات تنہا کسی فرد کو پوری سوسائٹی کی خرابی کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان خراب عناصر نے یا اس بگڑے ہوئے فرد نے پوری زندگی کو غلط رخ پر ڈال دیا تھا، لیکن مجھے اس سے اتفاق نہیں، میں تاریخ کے مطالعہ کی بنیاد پر کہتا ہوں کہ ایک مچھلی تالاب کو گندہ کر سکتی ہے، لیکن ایک فرد سوسائٹی کو بگاڑ

نہیں سکتا، واقعہ یہ ہے کہ اچھی سوسائٹی میں برے آدمی کا گزر نہیں ہوسکتا، وہ گھٹ گھٹ کر مرجائے گا۔ جس طرح مچھلی کو پانی سے نکال دیا جاتا ہے تو وہ گھٹ کر مرجاتی ہے، اسی طرح جو سوسائٹی برائی کی ہمت افزائی نہیں کرتی وہ اسے خوش آمدید کرنے کے لئے تیار نہیں، اس میں برائی تڑپنے لگے گی، اس کا دم گھٹنے لگے گا اور وہ دم توڑ دے گی۔

ہر زمانے میں اچھے برے انسان ہوئے ہیں، لیکن سب برائیوں کا ان کو ذمہ دار ٹھہرانا اور تمام برائیوں کو ان کے سر تھوپ دینا ٹھیک نہیں، اگر کچھ برے لوگ حاوی ہو گئے تھے، تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ پوری زندگی کا ہینڈل ان کے ہاتھ میں تھا، وہ جس طرح چاہتے تھے، زندگی کو موڑ دیتے تھے، بلکہ بات یہ ہے کہ اس زمانہ میں سوسائٹی میں خود خرابی آ گئی تھی، اس زمانہ کا ضمیر گندہ ہو گیا تھا، اس میں برائیوں کا رجحان پیدا ہو گیا تھا، اس کے اندر اندھیر، ظلم اور خواہشات کو پورا کرنے کی زبردست خواہش پیدا ہوگئی تھی وہ خود غرض اور نفس پرست بن گیا تھا، جس دل کو گھن لگ جائے، جو من پاپی ہو جائے، آپ اسے جرائم سے کسی طرح روک نہیں سکتے، آپ اس کو بیڑیوں میں جکڑ کر کے بھی رکھیں گے تب بھی ان چیزوں سے محفوظ نہیں رکھ سکتے۔

خودغرض انسان:

ہر زمانہ میں کچھ ایسے افراد رہے ہیں جن کا عقیدہ تھا کہ بس ہم اور ہمارے اہل وعیال انسان ہیں اور سب ہمارے خادم ہیں، کچھ ایسے انسان بھی ہیں، جو کروڑوں انسانوں کو بستا دیکھتے ہیں، لیکن وہ خود اپنے ہی محدود حلقہ کو انسان سمجھتے ہیں، یہ لوگ بس یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا میں بس انہیں کے کنبہ کے دس گیارہ یا بیس پچیس انسان بستے ہیں، ایسے انسان ہمیشہ رہے ہیں جو اپنے اپنے مسائل اور متعلقین کو دیکھنے کے لئے خوردبین رکھتے ہیں، اور دوسروں کو دیکھنے کے لئے ان کی آنکھیں بھی بند ہوتی ہیں، بعض لوگ دو عینکیں رکھتے ہیں، ایک سے اپنے کو دیکھتے ہیں، دوسری سے تمام دنیا کو دیکھتے ہیں، انہیں نظر بھی نہیں آتا کہ انسان کہاں ہے؟ میرا اندازہ ہے کہ ان کے پاس وہ عینک ہے کہ اس کے ذریعہ ان کو اپنے بچے آسمان سے باتیں کرتے نظر آتے ہیں، ان کو اپنی رائی پربت اور دوسروں کا پہاڑ ذرہ نظر آتا ہے۔

اصلاح اور سدھار کی مختلف تجاویز اور تجربے:

دنیا کے مختلف انسانوں نے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق زندگی کے سدھار کے طریقے سوچے اور ان پر عمل کرنا شروع کردیا۔

کسی نے کہا کہ ساری خرابی کی جڑ یہ ہے کہ انسانوں کو پیٹ بھر کھانے کو نہیں ملتا، یہی زندگی کا سب سے بڑا روگ ہے، انہوں نے اسی مسئلہ کو اپنا مشن بنالیا، اس کے نتیجہ میں پاپ اور بڑھا، پہلے لوگ کمزور تھے، پاپ بھی اسی لحاظ سے کمزور تھا، انہوں نے جب خون کے انجکشن دیئے اور قوت حیات بڑھائی تو ان کے پاپ بھی طاقتور ہوگئے، دل بدلا نہیں۔ ضمیر بدلا، نیں۔ ذہن بدلا نہیں۔ طاقت بڑھ گئی، بے فکری پیدا ہوگئی، فرق اتنا ہوا کہ پہلے پھٹے کپڑوں میں پاپ ہوتے تھے، اب زرق برق لباسوں میں پاپ ہونے لگے، پہلے بے زور اور بے ہنر ہاتھوں سے گناہ ہوتے تھے، اب طاقتور اور ہنرمند ہاتھوں سے وہی سب گناہ ہونے لگے۔

کسی نے کہا تعلیم کا انتظام کیا جائے، جہالت، ناخواندگی ہی فساد کی جڑ ہے اور تمام خرابیوں کی اصل وجہ ہے۔ علم بڑھا، لوگوں نے معلومات حاصل کئے اور نئی نئی زبانیں سیکھیں، لیکن جن کا ضمیر فاسد اور ذہن ٹیڑھا تھا، اور دل کے اندر پاپ بسا ہوا تھا انہوں نے علم کو فساد اور تخریب کا ذریعہ بنالیا، کھلی بات ہے کہ اگر چور کو لوہاری کا فن آجائے تو وہ تجوری توڑنا سیکھے گا۔ اب اگر کسی میں خدا کا خوف اور انسانی ہمدردی کا رجحان نہیں ہے اور ظلم وستم اس کے خمیر میں پڑا ہوا ہے تو علم اس کے ہاتھ میں ظلم اور فتنہ وفساد کا آلہ دے گا اور اس کو گناہ اور چوری کے نئے نئے ڈھنگ سکھائے گا۔

بعض لوگوں نے تنظیم کو اصلاح کا ذریعہ سمجھا اور اپنی ساری توتیں لوگوں کی تنظیم پر صرف کیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بگڑے ہوئے افراد کا ایک بگڑا ہوا مجموعہ تیار ہوگیا، جو کام اب تک غیر منظّم طریقے پر ہوتے تھے، اب منظّم طریقہ پر ہونے لگے، اب سازش اور تنظیم کے ساتھ منظّم چوریاں ہونے لگیں، لوگوں نے اخلاق تربیت، دل اور ضمیر کی اصلاح کی طرف تو توجہ کی نہیں، جیسے برے بھلے لوگ تھے، ان کو منظّم کرنے ہی کو کام سمجھا، نتیجہ یہ ہوا کہ بداخلاقی کوئی طاقت حاصل ہوگئی، میں تو کہوں گا کہ ڈاکوؤں اور چوروں اور بداخلاقوں کی تنظیم نہ ہوتی تو اچھا تھا۔

کسی نے کہا کہ زبانوں کا اختلاف اور کثرت فتنہ وفساد کی جڑ ہے، زبان ایک اور مشترک

ہونی چاہئے، اسی میں ملک کی ترقی، قوم کی خوشحالی اور انسانیت کی خدمت ہے، لیکن اگر لوگ نہ بدلیں، خیالات نہ بدلیں، دلوں کی خواہشات اور اندر کے رجحانات نہ بدلیں، تو زبان کے بدل جانے یا بولی کے ایک ہو جانے سے کیا خاص فائدہ ہوگا۔ فرض کیجئے کہ اگر ساری دنیا کے چور اور جرائم پیشہ ایک بولی بولنے لگیں، اور ایک ہی زبان اختیار کرلیں تو اس سے دنیا کو کیا فائدہ ہوگا، اور اس سے چوری اور جرائم کا کیا سدباب ہوگا؟ میں تو سمجھتا ہوں کہ اس سے بجائے اس کے کہ چوری اور جرائم کم ہوں، زیادہ ہوں گے اور مجرم کی شناخت میں اور دقت ہوگی۔

کسی نے کہا کہ وقت کا سب سے بڑا کام اور انسانیت کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ کلچر ایک ہو جائے، مگر کیا آپ کو معلوم نہیں کہ یہاں تہذیبیں نہیں ٹکراتیں، ہوس ٹکراتی ہے "ہم چو ما دیگرے نیست" کا مہلک جذبہ ٹکراتا ہے، ہمارے بہت سے رہنما بے سوچے سمجھے کہنے لگے ہیں کہ اگر تمام دنیا کا کلچر ایک ہو جائے تو انسانیت کی ناؤ پار لگ جائے گی، اگر پورے ملک کا کلچر ایک ہو جائے تو اس ملک کے رہنے والے شیر و شکر ہو جائیں گے، لیکن دوستو! کلچر کا ایک ہونا مفید نہیں، دل کا ایک ہونا مفید ہے۔ کہنے والے نے غلط نہیں کہا کہ:

یک دلی از یک زبانی بہتر است

اگر لوگ ایک دل نہ ہوئے تو ایک زبان یا تہذیب ہونے سے کچھ فائدہ نہیں۔ جو لوگ پہلے سے ایک زبان ہیں اور جن کی تہذیب اور کلچر مشترک ہے، ان میں کونسی محبت اور اتحاد ہے۔ کیا وہ ایک دوسرے پر ظلم نہیں کرتے، کیا وہ ایک دوسرے کو دھوکا نہیں دیتے، کیا ان میں سے ایک دوسرے سے عاجز اور پریشان نہیں ہیں، کیا ایک کلچر، ایک زبان اور ایک تہذیب کے لوگ آپس میں نہیں لڑتے۔

بعضوں نے کہا کہ لباس ایک ہو، لیکن جب کسی زبردست کو گریبان پکڑنے کی عادت پڑ جائے، اور جیب کترنے کی لت لگ جائے تو کیا وہ لباس کا احترام کرے گا، کیا وہ محض اس وجہ سے اپنے ارادہ سے باز رہے گا کہ اسی کا جیسا لباس دوسرے کے جسم پر ہے، انسانیت کا احترام دل میں نہ ہو تو لباس کا احترام کیسے پیدا ہوگا؟ لباس کی قدر و قیمت تو انسان کی وجہ سے ہے۔

دل کی تبدیلی کے بغیر زندگی تبدیل نہیں ہوسکتی:

دوستو! انسانیت کے مسائل اور مشکلات کا حل نہ لباس کی یکسانی ہے، نہ زبان اور

تہذیب کا اشتراک، نہ ملک و وطن کی وحدت، نہ علم و دولت، نہ تہذیب و تنظیم، نہ وسائل و ذرائع کی کثرت، ان سب میں کوئی ایک بھی ایسی طاقت نہیں جو دنیا کو بدل دے جب تک دل کی دنیا نہیں بدلتی باہر کی دنیا نہیں بدل سکتی۔ پوری دنیا کی باگ ڈور دل کے ہاتھ ہے، زندگی کا سارا بگاڑ دل کے بگاڑ سے شروع ہوا ہے، لوگ کہتے ہیں مچھلی سر کی طرف سے سڑنا شروع ہوتی ہے، میں کہتا ہوں انسان دل کی طرف سے سڑتا ہے، یہاں سے بگاڑ شروع ہوتا ہے اور ساری زندگی میں پھیل جاتا ہے۔

پیغمبر انسانیت کا مزاج بدلتے ہیں:

پیغمبر یہیں سے اپنا کام شروع کرتے ہیں، وہ خوب سمجھتے ہیں کہ یہ سب دل کا قصور ہے، انسان کا دل بگڑ گیا ہے، اس کے اندر چوری، ظلم، دغابازی کا جذبہ اور ہوس پیدا ہوگئی ہے، اس کے اندر خواہش کا عفریت ہے، جو ہر وقت اس کو نچا رہا ہے اور وہ بچے کی طرح اس کے اشاروں پر حرکت کر رہا ہے، پیغمبر کہتے ہیں کہ ساری خرابیوں کی جڑ یہ ہے کہ انسان پاپی ہوگیا ہے، اس کے اندر برائی کا جذبہ اور اس کا زبردست میلان پیدا ہوگیا ہے، اس لئے سب سے ضروری اور مقدم کام یہ ہے کہ اس کے دل کی اصلاح کی جائے اور اس کے من کو مانجھا جائے۔

وہ لوگوں کو فاقہ کرتے دیکھتے ہیں، اس منظر سے ان کا دل جس قدر دکھتا ہے، دنیا میں کسی کا نہیں دکھتا، ان کو کھانا پینا دشوار ہو جاتا ہے، مگر وہ حقیقت پسند ہوتے ہیں، وہ یہ نہیں کرتے کہ اسی کو مسئلہ بنا کر اس کے پیچھے پڑ جائیں، اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ یہ خرابی کا نتیجہ ہے، خرابی کی جڑ نہیں، وہ جانتے ہیں کہ اگر لوگوں کے پیٹ بھرنے کا سامان کر دیا جائے اور زائد غلہ لے کر بھوکوں کو دے دیا جائے تو یہ ایک وقتی اور سطحی انتظام ہوگا، وہ ایسی فضا اور ایسے حالات پیدا کرتے ہیں کہ لوگوں سے دوسروں کی بھوک نہ دیکھی جا سکے اور خود اپنے گھر سے غلہ لا کر لوگوں کے پاس ڈال جائیں۔

اس کے برخلاف لوگ ایسے حالات پیدا کرتے جاتے ہیں کہ غلہ کھسکتا اور ایک جگہ جمع ہوتا چلا جائے، یاد رکھئے کہ اگر ذہنیت میں تبدیلی نہیں ہوئی اور غلہ کی تقسیم یا رسد کا انتظام کر دیا گیا تو اس کے بعد بھی لوگوں کو ایسا فن معلوم ہے کہ دوسروں کی جھولی کے دانے ان کی جھولی میں آ جائیں اور ہر دولت ہر طرف سے سمٹ کر ان کے قدموں سے لگ جائے۔ آپ نے شاید

الف لیلہ کا قصہ پڑھا ہو کہ سند باد جہازی اپنے سفر میں ایک مقام پر پہنچا، اس نے دیکھا کہ جہاز کا کپتان بہت فکر مند اور غمگین ہے، سند باد نے سبب پوچھا تو جہاز کے ناخدا نے بتایا کہ ہم غلطی سے ایک ایسے مقام پر آ گئے ہیں جہاں سے قریب مقناطیس کا ایک پہاڑ ہے، ابھی تھوڑی دیر میں ہمارا جہاز اس کے قریب پہنچ جائے گا، مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے، جب وہ پہاڑ کشش کرے گا تو جہاز کی سب کیلیں اور تختوں کے قبضے نکل کر پہاڑ سے جاملیں گے اور جہاز کا بند بند جدا ہو جائے گا، اس وقت ہمارا جہاز ڈوبنے سے نہ بچ سکے گا۔ چنانچہ ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ مقناطیس نے لوہے کو کھینچنا شروع کیا اور جہاز میں جتنا بھی لوہے کا سامان تھا سب کھنچ کھنچ کر پہاڑ پر پہنچ گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے جہاز غرق ہو گیا۔ خوش قسمت سند باد ایک بہتے ہوئے تختہ کے سہارے کسی جزیرے میں پہنچ گیا اور اس کی جان بچی۔

یہ قصہ غلط ہو یا صحیح اس سے مجھے کچھ سروکار نہیں، مگر مجھے آپ کو یہ سنانا تھا کہ ہماری سوسائٹی میں بھی مقناطیس صفت سرمایہ دار اور تاجر موجود ہیں، انہیں آپ بھی **(Magnate)** کہتے ہیں، وہ ایسی سازش کرتے ہیں کہ دولت سمٹ کر ان کی گھر آ جاتی ہے، وہ ایسا معاشی جال پھیلاتے ہیں کہ لوگ چار و ناچار سب کچھ ان کی جھولی میں ڈال دیتے ہیں، اور اپنے وسائل زندگی اور ضروریات ان کے سپرد کر کے پھر غربت اور فاقہ کشی کی زندگی گزارنے لگتے ہیں، پیغمبر قلب کی ماہیت بدل دیتے ہیں، وہ انسان کے اندر ایسی تبدیلی پیدا کرتے ہیں کہ وہ دوسرے انسان کی فاقہ کشی کو دیکھ نہ سکے، وہ اس کے اندر ایثار کی روح اور قربانی کا جذبہ اور سچی انسانی ہمدردی پیدا کرتے ہیں، اس کو دوسروں کی زندگی اپنی زندگی سے زیادہ عزیز ہو جاتی ہے، وہ اپنی جان کھو کر دوسروں کی زندگی بچانا چاہتا ہے، وہ اپنے بچوں کو بھوکا رکھ کر دوسروں کا پیٹ بھرنا چاہتا ہے، وہ خطروں میں اپنے کو ڈال کر دوسروں کو خطروں سے محفوظ کرنا چاہتا ہے۔

ایثار کے دو واقعے:

آپ میرے ان لفظوں پر تعجب نہ کریں، یہ سب تاریخ کے واقعات ہیں، ہماری آپ کی اسی دنیا میں ایسا ہو چکا ہے، تاریخ میں ایسے واقعات گزرے ہیں جو ان فرضی قصوں اور افسانوں سے کہیں زیادہ حیرت انگیز اور تعجب خیز ہیں، جو آج فلموں میں اور اسکرین پر دکھلائے جاتے

ہیں۔

محمد رسول اللہ ﷺ کی دنیا میں آمد کے کچھ عرصہ بعد کا قصہ ہے کہ ایک مسلمان اپنے ایک زخمی بھائی کی تلاش میں پانی لے کر نکلا کہ شاید پانی کی ضرورت ہو تو میں ان کی خدمت کروں، زخمیوں میں ان کو اپنے بھائی نظر آ گئے جو زخموں سے نڈھال اور پیاس سے بے قرار تھے۔ انہوں نے پیالہ بھر کر پیش کیا تو زخمی نے ایک دوسرے زخمی کی طرف اشارہ کیا کہ پہلے ان کو پلاؤ، اگر واقعہ یہیں ختم ہو جاتا تب بھی انسانیت کی بلندی کے لئے کافی تھا اور تاریخ کا ایک یادگار واقعہ ہوتا، لیکن واقعہ یہیں ختم نہیں ہوتا، جب اس زخمی کے سامنے پیالہ پیش کیا گیا تو اس نے تیسرے زخمی کی طرف اشارہ کیا، اس طرح ہر زخمی اپنے پاس والے زخمی کی طرف اشارہ کرتا رہا۔ یہاں تک کہ پیالہ چکر کاٹ کر پہلے زخمی کی طرف پہنچا تو وہ دم توڑ چکا تھا، دوسرے کے پاس پہنچا تو وہ بھی رخصت ہو چکا تھا، اسی طرح سے یکے بعد دیگرے یہ سب زخمی دنیا سے چلے گئے لیکن تاریخ پر اپنا ایک نقش چھوڑ گئے۔ آج جب کہ بھائی بھائی کا پیٹ کاٹ رہا ہے، اور ایک انسان دوسرے انسان کے منہ سے روٹی کا ٹکڑا چھین رہا ہے، یہ واقعہ روشنی کا مینار ہے۔

ایک دفعہ محمد رسول اللہ ﷺ کے کچھ مہمان آئے۔ آپ ﷺ کے یہاں کچھ کھانے کو نہیں تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ان کو کون اپنے گھر لے جائے گا۔ ایک صحابی حضرت ابوطلحہؓ انصاری نے اپنے کو پیش کیا اور مہمانوں کو لے گئے۔ گھر میں کھانا کم تھا، گھر میں یہ مشورہ ہوا کہ بچوں کو سلا دیا جائے گا اور کھانا مہمانوں کے سامنے رکھ کر چراغ بجھا دیا جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مہمانوں نے شکم سیر ہو کر کھایا اور ابوطلحہ بھوکے اٹھ گئے۔ مہمانوں کو اندھیرے میں پتہ چلنے نہیں پایا کہ ان کا میزبان کھانے میں شریک نہیں ہے اور وہ خالی ہاتھ منہ تک لے جاتے رہے ہیں۔

انسانیت کا درخت اندر سے سرسبز ہوگا:

پس پیغمبر انسان کے اندر تبدیلی پیدا کرتے ہیں، وہ نظام بدلنے کی اتنی کوشش نہیں کرتے، جتنا مزاج بدلنے کی کوشش کرتے ہیں، نظام ہمیشہ مزاج کا تابع رہا ہے، اگر دل نہیں بدلتا، مزاج نہیں بدلتا تو کچھ نہیں بدلتا۔ لوگ کہتے ہیں کہ دنیا خراب ہے، زمانہ خراب ہے، میں کہتا ہوں کہ یہ کچھ نہیں بلکہ انسان خراب ہے۔ کیا زمین کی حالت میں فرق پڑ گیا، کیا ہوا کا اثر بدل گیا، کیا سورج نے گرمی اور روشنی دینی چھوڑ دی، کیا آسمان کی حالت تبدیل ہوگئی، کس کی

فطرت میں فرق پڑا؟ زمین اسی طرح سونا اگ رہی ہے، اس کے سینہ سے اسی طرح اناج کا ذخیرہ ابل رہا ہے، پھلوں کے ڈھیر نکل رہے ہیں، لیکن تقسیم کرنے والے پاپی ہوگئے، یہ ظالم جب اپنی ضروریات کی فہرست بناتے ہیں تو اخبارات کے صفحات اس کے لئے تنگ اور دفتر کے دفتر ان کے لئے کم، اور جب دوسروں کی ضروریات پر سوچتے ہیں تو ساری علم معیشت کی قابلیت کا کمال اس کے مختصر کرنے میں صرف کردیتے ہیں۔ جب تک یہ رجحان نہیں بدلتا، انسانیت کراہتی رہے گی، پیغمبر دلوں میں انجکشن لگاتے ہیں، لوگ باہر کی ٹپ ٹاپ کرتے ہیں اور اسی پر سارا زور صرف کرتے ہیں، پیغمبر اندر کے گھن کی فکر کرتے ہیں، آج ساری دنیا میں یہی ہورہا ہے، انسانیت کا درخت اندر سے خشک ہوتا چلا جارہا ہے، کیڑا اس کے گودے کو کھائے چلا جارہا ہے، لیکن زمانہ کے بقراط اوپر سے پانی چھڑکوا رہے ہیں۔ درخت کے اندر سر سبزی اور اس کے نشوونما کی جو قوت تھی، وہ ختم ہوچلی ہے، لیکن پتیوں کو سرسبز کرنے کو ہوائیں پہنچائی جارہی ہیں۔ پانی چھڑکا جارہا ہے کہ خشک پتے ہرے ہوں، پیغمبروں نے انسان کو انسان بنانے کی کوشش کی، انہوں نے اسے ایمانی انجکشن دیا اور کہا کہ اے بھولے ہوئے انسان اپنے پیدا کرنے والے کو پہچان اور سوتے جاگتے، چلتے پھرتے اسے نگران مان **"لاتاخذہ سنة و لا نوم"** اس پر اونگھ کا غلبہ ہوتا ہے، نہ اسے نیند آتی ہے۔

انسانیت کے صحیح نمائندے:

بس جب تک انسان کے قلب وجگر سے محبت کا چشمہ نہ ابلے، جب تک دل کے اندر ایثار کا جذبہ نہ پیدا ہو، انسانیت کی اصلاح ناممکن ہے، بس وہ ایسی انسانی تربیت کرتے ہیں کہ اس میں بھائی کے لئے ایثار اور تکلیف اٹھانے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، وہ محض قانون سے دنیا کا علاج نہیں کرتے بلکہ وہ انسان کے اندر حقیقی انسانیت، انسانیت کا جوہر پیدا کرتے ہیں، وہ ایسی قوم پیدا کرتے ہیں جو صحیح انسانیت کا مظاہرہ کرکے یہ ثابت کردیتی ہے کہ ہم معدہ، پیٹ اور سر کے غلام نہیں، وہ زبان حال سے اعلان کرتی ہے کہ وہ شکم پرست، شوق پرست، دولت پرست، بادشاہ پرست، یا اہل وعیال پرست نہیں، جب تک ایسی قوم سامنے نہیں آتی، انسانیت کی اصلاح نہیں ہوسکتی۔

اگر کسی ملک میں ایسی قوم پیدا ہوتی ہے کہ سب کو نفع پہنچائے اور خود کو بھول جائے تو وہ

انسانیت کو سدھار سکتی ہے، تاریخ شاہد ہے کہ بڑے بڑے انسانیت کے خیر خواہ گزرے ہیں، لیکن کسی نہ کسی اسٹیج پر آپ یہ بتائیں گے کہ انہوں نے بالآخر اپنا انتظام کرلیا، ایسے بے شمار قوم کے سیوک گزرے ہیں، جنہوں نے قومی سدھار کا کام بڑی مشکلات میں شروع کیا، جیلیں کاٹیں، لیکن بالآخر جیل سے نکل کر حکومت کی کرسیوں پر جا بیٹھے، ان کا یہ حق تھا انہیں مبارک ہو۔

پیغمبروں کی زندگی:

لیکن اللہ کے پیغمبر دنیا سے بے داغ چلے گئے، انہوں نے دنیا کے آرام کی خاطر اپنا عیش تج دیا، انہوں نے سو فیصدی دوسروں کے فائدے میں بے آرام زندگی گزاری اور ایک فیصدی بھی اپنا فائدہ نہیں اٹھایا، اور ان کے صحابی اور ساتھی جہاں سے گزرے دنیا کو نہال کردیا، وہ دنیا آج تک ان کے لگائے ہوئے باغ کا پھل کھارہی ہے، جسے انہوں نے اپنے خون سے سینچا تھا، جو دوسروں کے گھر میں چراغاں کر گئے، لیکن ان کے گھر میں دنیا سے جاتے وقت اندھیرا تھا، محمد رسول اللہ ﷺ کی عطا کی ہوئی روشنی جھونپڑوں اور شاہی محلوں میں یکساں جگمگائی، لیکن جاتے ہوئے ان کے گھر کا چراغ مانگے ہوئے تیل سے جل رہا تھا، حالانکہ مدینہ کے سینکڑوں گھروں میں ان ہی کا جلایا ہوا چراغ جل رہا تھا۔ آپ فرماتے تھے **"نحن معشر الانبیاء لانرث ولا نورث ما ترکنا صدقة"** (ہم پیغمبر نہ کسی کے وارث ہوتے ہیں، نہ ہمارا کوئی وارث ہوتا ہے، ہم جو کچھ چھوڑیں وہ سب غریبوں کا حق ہے) اس سے بڑھ کر آپ کا ارشاد تھا کہ جو کوئی مرگیا اور وہ کچھ ترکہ چھوڑ کر گیا، وہ اس کے ورثاء کو مبارک ہو۔ ہم اس سے ایک پیسہ نہیں لیں گے، لیکن اگر کوئی قرض چھوڑ کر گیا ہے تو وہ میرے ذمہ ہے، اسے میں ادا کروں گا، کیا دنیا کے کسی بادشاہ یا قائد نے یہ نمونہ چھوڑا ہے، آپ کی زندگی انسانیت کا شاہکار ہے، آپ دنیا کے سامنے ایسا نمونہ پیش کر گئے جس میں سوائے ایثار و محبت اور دوسروں کے غم میں گھلنے کے کہیں اپنا رتی برابر فائدہ نظر نہیں آتا۔ آپ عرب کے واحد بادشاہ تھے، دلوں پر ان کی بادشاہی تھی، لیکن دنیا سے دامن بچائے ہوئے بے منت چلے گئے، آپ ہی نہیں بلکہ جو جتنا آپ سے قریب تھا، اتنا ہی وہ خطرے سے قریب اور فائدے سے دور تھا، اپنے گھر والیوں سے علی الاعلان کہہ دیا کہ اگر دنیا کی بہار اور عیش چاہتی تو ہم تم کو کچھ دے دلا کر اچھی طرح سے تمہارے

گھروں کو رخصت کردیں گے، تم وہاں واپس جاؤ اور راحت وآرام کی زندگی گزارو اور ہم سے فارغ خطی لے لو، ہمارے ساتھ رہنا ہے تو درد، دکھ، تنگی ترشی برداشت کرنا ہے، یہی اس گھر کا تحفہ ہے، اور اسی پر اللہ کے یہاں سے انعام ملے گا۔

دوستو! ہم چاہتے ہیں کہ پھر یہی زندگی عام ہو، انسانیت کی بے لوث خدمت اور بے غرض محبت کا رواج ہو، پھر دوسروں کے نفع کے لئے اپنے نقصان کو ترجیح دی جائے، پھر ایسی قوم پیدا ہو جو خطرے کے موقع پر پیش پیش اور نفع کے موقع پر دور دور نظر آئے۔

خواہشات کی تسکین سکون کا راستہ نہیں:

آج دنیا کی ساری ریاستیں وحکومتیں اس محور پر گھوم رہی ہیں کہ قوموں اور طبقوں کو ہر طرح سے مطمئن کیا جائے اور خواہشات کی تسکین کی جائے لیکن دانایانِ فرنگ! یہ اصلاح وتسکین کا راستہ نہیں، یہاں ایک فرد کی خواہشات بھی پوری ہونا مشکل ہے، خواہشات کا یہ حال ہے کہ وہ لامتناہی ہیں، اور دنیا کا یہ حال ہے کہ وہ محدود اور مختصر اور کروڑوں انسانوں میں مشترک ہے، واقعات کی دنیا میں آکر دیکھئے تو اس دنیا میں درحقیقت ایک آدمی کی منہ مانگی خواہشات کو بھی پورا کرنے کی گنجائش نہیں، یہاں کسی بوالہوس کی ہوس پوری نہیں ہوسکتی، یہاں نفس کی تسکین کا خواہشات مند پکار پکار کر کہہ رہا ہے:

دریائے معاصی تنک آبی سے ہوا خشک
میرا سر دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا

آج دنیا کے بڑے بڑے رہنما کہہ رہے ہیں کہ انسانی خواہشات سب جائز اور فطری ہیں، سب کو پورا ہونا چاہئے اور اسی پر ساری دنیا میں عمل ہو رہا ہے۔

دوستو! یہی بنیادی غلطی ہے، خواہشات کی تسکین اور تکمیل سے انسانیت کی تشفی نہیں ہوسکتی، خواہشات کی تسکین سے خواہشات میں کمی اور قلب میں سکون پیدا نہیں ہوگا، یہ تو سمندر کا کھاری پانی ہے، جس قدر اس سے پیاس بجھایئے گا، پیاس بھڑکے گی، آج ساری دنیا میں حکومتیں، ادارے اور تہذیبیں اسی فلسفہ کے مطابق کام کر رہی ہیں کہ انسانوں کو صحیح غلط خواہشات کی تسکین کا سامان کیا جائے، قومیں، طبقے، جمہور اور افراد جو کچھ مانگیں ان کو دیا جائے، اس سے سکون پیدا ہوگا، امن قائم ہوگا لیکن نتیجہ بالکل الٹا ہے، آج ہر طرف آگ لگی ہوئی ہے، دل کی لگی

کسی سے بجھتی نہیں، خواہشات کا الاؤ جل رہا ہے، اور اس میں ہر قوم ایندھن ڈالتی جارہی ہے، اور اس کو ہوا دے رہی ہے، آج اس کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے ہیں، اور قوموں اور ملکوں کی طرف لپک رہے ہیں، آج وقودها الناس والحجارة (اس کے ایندھن آدمی او پتھر ہیں) کا منظر نظر آرہا ہے، لوگ اس آگ کی شکایت کرتے ہیں، مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ آگ کس نے جلائی، یہ الاؤ کس نے روشن کیا، اس پر تیل کس نے چھڑکا، اس میں ایندھن کون ڈال رہا ہے، خواہشات کی تکمیل اور تسکین کے راستہ کا یہی انجام اور منزل ہے۔

لطیفہ یہ ہے کہ یہی لوگ جو قوم کی ہر خواہش اور ہر فرمائش کو پورا کرنا ضروری سمجھتے ہیں اور اس کے لئے تفریح وتسکین کا سامان بہم پہنچانا ضروری جانتے ہیں، اپنی اولاد کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کرتے، اس کی بہت سی غلط اور مضر خواہشات کی روک تھام کرتے ہیں، بچہ اگر آگ سے کھیلنا چاہے تو نہیں کھیلنے دیتے۔ لیکن وہ ان قوموں کی ہر خواہش اور فرمائش کو پورا کرنے کے لئے تیار ہیں، جو وہ کریں، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو اپنی رعایا سے اپنی اولاد کی طرح ہمدردی نہیں، یہی لوگ جو قوموں پر حکومت کرتے ہیں، ان کو خوش رکھنے کے لئے اور ان کے افراد سے رائے حاصل کرنے کے لئے ہر غلط اور صحیح خواہش کی تکمیل ضروری سمجھتے ہیں، آج کسی ملک میں کوئی ایسی جماعت نہیں، اور کسی شخص میں یہ اخلاقی جرأت نہیں کہ وہ تفریحات اور تعیّشات پر تنقید کرے، لہو ولعب کے بڑھتے ہوئے ذوق، تماش بینی، موسیقی، رقاصی اور مصوری کے حد سے بڑھے ہوئے شوق اور انہماک پر اعتراض کرے، آج کوئی ایسی حکومت نہیں جو ان چیزوں پر ضروری پابندیاں عائد کردے اور قوم اور اہل ملک کی ناراضگی مول لے۔

اللہ کے پیغمبر خواہشات میں اعتدال پیدا کرتے ہیں اور صحیح ذہنیت اور صلاحیت عطا کرتے ہیں:

اللہ کے پیغمبروں کا راستہ اس سے بالکل مختلف ہے، انہوں نے جائز اور ناجائز خواہشات کی تکمیل اور تسکین کے بجائے خواہشات کو لگام دی۔ انہوں نے خواہشات کے رخ کو موڑا اور صرف جائز خواہشات کو اس کا مستحق سمجھا کہ ان کی تکمیل کی جائے۔ انہوں نے زندہ اور بیدار ضمیر پیدا کیا، اس سے زندگی میں اعتدال اور دلوں میں سکون پیدا ہوا، تمہاری درس گاہوں،

تمہاری تجربہ گاہوں، تمہاری سائنس نے دنیا کو بہت کچھ دیا، انہوں نے حیرت انگیز ایجادوں کو جنم دیا، لیکن انسانون کو پاک ضمیر نہیں دیا، تمہارے ان اداروں نے انسان کے ہاتھ کھول دیئے، بچوں کو ہتھیار تو دیئے لیکن ان کی تربیت نہیں کی، آج وہ نادان بچے شوخیاں کررہے ہیں، اور آزادانہ ان ہتھیاروں کا استعمال کررہے ہیں لیکن:

اے باد صبا ایں ہمہ آردہ تست

اللہ کے پیغمبروں نے خواہشات پر پہرے بٹھائے، خواہشات میں توازن اور اعتدال پیدا کیا، نفسانی خواہشات کے بجائے اللہ کو راضی کرنے کی زبردست خواہش پیدا کی، انسانی ہمدردی اور غمگساری کا جذبہ پیدا کیا، انہوں نے چیزیں ایجاد کر کے نہیں دیں، مگر انہوں نے وہ ذہنیت پیدا کی جس سے خدا کی بنائی ہوئی اور انسان کی تیار کی ہوئی چیزوں کے استعمال کرنے کی صلاحیت پیدا ہو، انہوں نے ضمیر بخشا، یقین بخشا، آج دنیا کے پاس سب کچھ ہے، یقین نہیں ہے، آج دنیا کے کارخانے سب کچھ پیدا کرسکتے ہیں لیکن یقین پیغمبروں کے کارخانہ سے ملتا ہے، آج دنیا خدا سے ڈرنے والوں سے خالی ہے، یقین سے خالی ہے، انسانیت کی بے لوث خدمت کون کرے، خدا کا خوف اور اس کی رضا کا یقین، اس کے کنبے کی بے لوث خدمت کا جذبہ دیتا ہے، انسانیت کے ایسے خادم ہر نعرہ سے دور، حکومت کے لالچ سے الگ، سیاسی چالوں اور سیاسی جوڑتوڑ سے بیزار، بے لوث خدمت کرتے ہیں، آج ایسے ہی خدمت گاروں کی ضرورت ہے، جن کے پاس کچھ نہ ہو، پھر بھی کچھ لینا نہ چاہیں، بلکہ دینا ہی چاہیں۔

ہمارا پیغام اور ہماری صدا:

ہم لوگوں میں اس جذبہ کو پیدا کرنا چاہتے ہیں اور ان میں ان حقیقتوں کی پیاس پیدا کرنا چاہتے ہیں، زندگی محض کھانے پینے کا نام نہیں، انسان کی زندگی محض مادی یا حیوانی زندگی کا نام نہیں، ہم ایک نیا ذوق لے کر آئے ہیں، آج کی مادی دنیا میں یہ بات نئی ہے، دراصل یہ بات نئی نہیں، دنیا کے سب پیغمبر جو ہر قوم میں آئے ہیں، یہی پیغام لائے اور سب سے زیادہ طاقت اور وضاحت کے ساتھ محمد رسول اللہ ﷺ نے آخری طور پر یہ بات کہی، یہ حقیقت چوراہوں پر کہنے کے لائق ہے، لوگ پیٹ کے گرد چکر لگا رہے ہیں، اصل زندگی دم توڑ رہی ہے، انسانیت کی پونجی لٹ رہی ہے، ہم ایک صدا لگانے آئے ہیں، حق کی صدا، دنیا اس صدا سے نامانوس

ہے، مگر ہم دنیا سے مایوس نہیں، انسانوں کے پاس اب بھی ضمیر ہے، یہ ضمیر مردہ نہیں ہوا، اس پر گرد وغبار آ گیا ہے، اگر وہ گرد وغبار جھاڑ دیا جائے اور اس کو آلودگی سے صاف کر دیا جائے تو اب بھی اس کی گنجائش ہے کہ وہ حق کو قبول کر لے اور اس میں ایمانی شعور پیدا ہو۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن کا مطالبہ
مکمل اطاعت وسپردگی

نحمده ونصلی علیٰ رسوله الکریم. اما بعد فاعوذ بالله من الشیطان الرجیم بسم الله الرحمن الرحیم . یآیها الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافة، ولا تتبعوا خطوات الشیطن انه لکم عدو مبین فان زللتم من بعد ما جائتکم البینٰت فاعلموا ان الله عزیز حکیم

میرے بھائیو، اور دوستو! میں نے آپ کے سامنے قرآن کی ایک آیت پڑھی ہے، اس کا ترجمہ ہے۔ ''اے ایمان والو! داخل ہو جاؤ سلم (صلح) میں پورے کے پورے اور شیطان کے نقشہائے قدم کی پیروی نہ کرو، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اگر تم سے لغزش ہوئی، صاف صاف باتیں آ جانے کے بعد، تو یاد رکھو کہ خدائے تعالیٰ غالب اور حکیم ہے۔''

حضرات! یہ آیت بڑی چونکا دینے والی ہے، اللہ سے جنگ کا کیا مطلب ہے کیا اس کا کوئی امکان ہے، کیا اس کا کوئی تصور کر سکتا ہے، بھلا بندہ اللہ سے جنگ کر سکتا ہے؟ لیکن قرآن میں لفظ یہی استعمال کیا گیا ہے، جس سے ہمارے کان کھڑے ہو جانے چاہئیں بلکہ جسم لرز جانے چاہئیں کہ اللہ تعالیٰ جو مالک الملک، خالق کائنات، قادر مطلق اور محسن و منعم ہے وہ اپنے بندوں سے کہے کہ اے ایمان والو! صلح میں داخل ہو جاؤ پورے کے پورے، ہم سے جنگ، محاذ آرائی اور مقابلہ کی کوئی گنجائش نہیں ہونی چاہئے۔

بظاہر ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ ''فی السلم'' کے بجائے ''فی الاسلام'' کہا جاتا۔ یعنی اسلام میں داخل ہو جاؤ، مگر نہیں، یہاں سلم میں داخل ہونے کو کہا گیا یعنی خدا کے ساتھ تمہارا معاملہ، فرمانبردارانہ، مصالحانہ، مطیعانہ اور مکمل ہونا چاہئے، عقائد میں بھی، فرائض و عبادات میں بھی، طرز معاشرت اور طریقہ زندگی میں بھی تمہیں اللہ کی تعلیمات اور سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ کے لائے ہوئے اور بتائے ہوئے احکام کا پابند ہونا چاہئے اور تعلقات میں بھی

اس کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ اللہ کے دشمن سے وفاداری اور اطاعت وفرمانبرداری کا تعلق نہ ہو، ''اسلام'' کا لفظ ''سلم'' ہی سے نکلا ہے، عربی زبان ولغت کے لحاظ سے ''اسلام'' کے معنی ہیں اپنے کو حوالہ کردیا، سلنڈر کردیا، اپنی ہر چیز سے دستبردار ہوگیا، اپنی ملکیت سے، خواہش، مصالح و مفادات سے، فوائد وضرر میں فرق کے لحاظ، اور احساس سے دستبردار ہوگیا، اپنے کو خدا کے احکام کے قدموں میں ڈال دیا اور اپنے کو بالکل سپرد کردیا اور سلم کے معنی صلح کے ہیں، قرآن میں دوسری جگہ آیا ہے ''وان جنحوا للسلم فاجنح لها'' (اگر یہ لوگ صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی صلح کی طرف مائل ہوجائیے) ''**اسالم من سالم واحارب من حارب**'' مصالحانہ رویہ اختیار کرتا ہوں، اس کے لئے جو مجھ سے مصالحانہ رویہ اپنائے اور مقابلانہ ومحاربانہ رویہ اختیار کرتا ہوں اس کے لئے جو جنگ کرے، اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے دیگر مقامات پر اپنے لئے ایسے پرجلال اور باعظمت الفاظ استعمال کئے ہیں جو لرزا دینے والے اور تھرا دینے والے ہیں، مثلاً سود کے بارے میں آیا ''یآیها الذین آمنوا اتقوا لله وذروا مابقی من الربوٰ ان کنتم مؤمنین فان لم تفعلوا فأذنوا بحرب من الله ورسوله'' اگر تم نے سود نہیں چھوڑا تو تیار ہوجاؤ اللہ تعالیٰ سے لڑنے کے لئے، جنگ کرنے کے لئے، اور اسی طرح حدیث قدسی میں آیا ہے ''من اذیٰ لی ولیا فقد ذنته بالحرب'' (میرے کسی دوست اور مقبول بندے کو جو ستائے گا ایذا پہنچائے گا تو میں نے اس کے لئے اعلان جنگ کردیا۔)

تو بظاہر دور اور بہت دور کی بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ کونسا شامت زدہ اور بدنصیب ہوگا جو خدا سے جنگ کی ٹھانے گا جو خدا سے برسر مقابلہ ہوگا لیکن انسانوں کی نفسیات، انسانوں کی زندگی کے تجربات، اللہ ورسول کی تعلیمات کے مقابلہ میں طرز عمل اور ان کے کردار کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا ہوسکتا ہے، اس کا امکان ہے کہ ایک آدمی اسلام کا دعویٰ بھی کرے، اللہ کے بندہ ہونے کا دعویٰ اور اعتراف کرے اور پھر بعض چیزوں میں اللہ سے (معاذ اللہ، سو بار معاذ اللہ) برسر جنگ ہو۔ یعنی کچھ مانے اور کچھ نہ مانے...... اللہ کے یہاں رز روشن اور تحفظ کے ساتھ اور اپنی مرضی کو دخل دیتے ہوئے کوئی بندگی کا تعلق قائم کرے کہ اچھا صاحب، ہم عقائد کو تو مانتے ہیں، بے شک توحید برحق، معاد اور آخرت کا عقیدہ برحق، حساب وکتاب برحق لیکن معاشرہ میں، تہذیب میں، اپنی گھریلو زندگی میں، اپنے عزیزوں کے ساتھ تعلقات

میں، لین دین میں، کاروبار میں، تجارتی معاملات میں ہم آزاد ہیں..... تو اللہ تعالیٰ اس کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ یہ آیت اسی لئے نازل ہوئی ہی، اور یہ آیت گویا تازیانہ عبرت ہے، ایک بہت بڑے خطرے کا اعلان ہے کہ خدا فرماتا ہے، اے وہ لوگو جن کو ایمان لانے کا دعویٰ ہے "ادخلوا فی السلم کافۃ" اللہ کے ساتھ پورے طور پر صلح میں داخل ہو جاؤ، یہاں یہ نہیں چلے گا کہ اتنا ہم مانتے ہیں اتنا نہیں مانتے ہیں "میٹھا میٹھا تو ہپ، کڑوا کڑوا تھو" یہ نہیں، آپ یہی دیکھ لیجئے کہ مسجد میں داخل ہوتا ہے آدمی، تو اپنے پورے جسم کے ساتھ داخل ہو جاتا ہے، کوئی کہنے لگے کہ صاحب! ہم تو پورے جسم کے ساتھ نہیں آئے، پاؤں رکھتے ہیں مسجد میں اور بدن رکھتے ہیں باہر، ہم اپنا سر جھکا دیتے ہیں مگر ہمارا بقیہ جسم باہر رہے گا، یا کوئی نماز کے بارے میں کہے کہ قیام تو سر آنکھوں پر، سو بار قیام کرا لیجئے لیکن جھکنا مشکل ہے رکوع اور سجود سے ہمیں معاف رکھئے اس میں ہمیں انسانیت کی توہین معلوم ہوتی ہے، ہمیں اپنی شکست کا احساس ہوتا ہے، ہمیں اپنی خودی سے دستبردار ہونا پڑتا ہے، تو دوستو! ایسی عبادت نماز کہلانے کی مستحق نہیں، بلکہ یہ کفر کا ایک کلمہ اور کفر کا ایک رویہ ہوگا۔

آپ مجھے معاف کریں، معلوم نہیں آپ کیا توقع رکھتے ہوں گے کہ میں آپ کو خوشخبریاں دوں، بزرگوں کے واقعات سناؤں اور ایسی چیزیں سناؤں کہ آپ یہاں سے اور زیادہ مطمئن ہو کر جائیں، ہم مسلمانوں کی کمزوری ہے کہ ہم اطمینان چاہتے ہیں، اپنی زندگی کی تصدیق چاہتے ہیں کہ ہماری زندگی پر کوئی مہر تصدیق ثبت کر دے کہ ہم اس مقدس سرزمین پر ہیں، ہم سے زیادہ کون خوش قسمت ہوگا، ہم یہ سننا چاہتے ہیں کہ مبارک ہو آپ کو، اللہ تعالیٰ آپ کو یہاں ہمیشہ رہنا نصیب فرمائے، آپ بڑے خوش نصیب ہیں، لاکھوں اولیاء اللہ اس کی تمنا کرتے تھے کہ اللہ ہمیں ارض مقدس تک پہنچائے، ایک اپنے زمانے کے امام الاولیاء، مجاہد اعظم اور مجدد وقت، جس کے ہاتھ پر ۴۰ ہزار لوگ مسلمان ہوئے اور جس کے ہاتھ پر براہ راست بیعت وتوبہ کرنے والوں کی تعداد تیس لاکھ سے کم نہیں اور بالواسطہ سلسلہ بیعت میں داخل ہونے والوں کی تعداد تو کروڑوں بیان کی جاتی ہے، اس زمانے کے بڑے مبصر، بڑے مصنف اور صاحب نظر نے لکھا ہے کہ دوسرے ملکوں میں بھی ایسا صاحب تاثیر سنا نہیں گیا، وہ شخص جس کی وجہ سے ہزاروں کو ولایت ملی ہو تو تعجب نہیں، ان کا حال یہ تھا کہ جب وہ آرہے

تھے حج کے لئے پہلی بار (اس زمانے میں حج کرنا بڑا مشکل تھا، بادبانی جہاز ہوتے تھے) تو ایک جگہ پر کسی نے کہا کہ وہ رہا جزیرۃ العرب! وہ کھجور کا درخت نظر آ رہا ہے! (خدا جانے وہ جزیرۃ العرب کا کونسا حصہ تھا اور جس کی وجہ سے جزیرۃ العرب محبوب و مکرم ہے اس جگہ سے وہ کتنا دور تھا؟) تو وہ تاب نہ لا سکے، وضو سے تھے، سجدے میں گر گئے۔ دو رکعت نماز پڑھی اور فرمایا، اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مرنے سے پہلے ہمیں وہ سرزمین دکھا دی...... اسی طرح بہت سے عابدین و زاہدین یہ تمنا لے کر دنیا سے رخصت ہو گئے کہ ہمیں اس جگہ پہنچنا نصیب ہو کہ ہم اپنی پلکوں سے وہ زمین جھاڑیں گے، اپنے آنسوؤں سے وہ خاک دھوئیں گے...... تو آپ کہیں گے کہ ہم اس سرزمین میں ہیں، اس لئے ہمیں خوشخبری سنائیے، ہمیں مبارکباد دیجئے اور دعائیں دیجئے کہ ہم یہاں رہیں، پھر کیا بات ہے، یہ بے وقت کی شہنائی کیسی؟ ایسی سخت آیت ہمارے سامنے پڑھی گئی جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اے ایمان والو! ہمارا معاملہ کسی دنیاوی حاکم و بادشاہ کا نہیں کہ تھوڑا دے دیا، تھوڑا سا ٹیکس ادا کر دیا، اس کی تھوڑی سی بادشاہت مان لی، اس کی بڑائی تسلیم کر لی تو خوش! اور آپ کے سب گناہ معاف، ہماری ذات تو غنی ہے، ہم قوی ہیں، ہم عزیز ہیں، ہم غالب ہیں، ہم اس دنیا کے پیدا کرنے والے ہیں، ہم قسمتوں کے مالک ہیں، ہم تقدیر کے بنانے، بگاڑنے والے ہیں، ہم بیماری اور صحت دینے والے ہیں "قل اللھم مالک الملک تؤتی الملک من تشآء وتنزع الملک ممن تشآء" اے اللہ، اے سلطنتوں کے مالک، تیرے اختیار میں ہے تو جس کو چاہے سلطنت سے نوازے، اور جس سے چاہے آن کی آن میں پلک جھپکانے میں سلطنت چھین لے۔ اور تاریخ بتاتی ہے کہ ہزاروں برس کی شہنشاہیاں جن کا ڈنکا بج رہا تھا دنیا میں، جن کا طوطی بول رہا تھا، جن کے والیان سلطنت کی ایک نگاہ پڑ جانا سمجھا جاتا تھا کہ گویا "ھما" اس کے سر پر بیٹھ گئی، اور وہ جس کے سر پر سے ہو کر اڑ گئی اس کی تقدیر بدل جاتی تھی، مٹی پر ہاتھ رکھ دیں تو سونا ہو جائے، پلک جھپکاتے میں اللہ نے ان کی سلطنتوں کا آفتاب غروب کر دیا اور ایسا غروب کیا کہ اس کے بعد کبھی طلوع نہیں ہوا۔ رومۃ الکبریٰ کی تاریخ بتاتی ہے گبن کی کتاب "زوال وسقوط روما" آپ پڑھ لیجئے کہ وہ کیا سلطنت تھی، کیا شہنشاہیت تھی، کس طرح اس کو زوال ہوا، ساسانی سلطنت کی تاریخ پڑھئے کہ کیسا اس کا ڈنکا بجتا تھا، درفش کاویانی اور اس کی آتش مقدس، ہندوستان کی سرحدوں تک اس کی

سلطنت پہنچی ہوئی تھی، اس کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے "**فجعلناهم احاديث ومزقناهم كل ممزق**" ہم نے اس کو افسانہ پارینہ بنادیا اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے...... وہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ صرف اتنا کافی نہیں کہ آپ نماز پڑھ لیجئے، آپ ایک سجدہ کرلیجئے، ایک مرتبہ اللہ کا نام لے لیجئے اور اب آپ سے کچھ نہیں پوچھا جائے گا نہیں ہماری غلامی میں پورے طور پر داخل ہونا پڑے گا، رزرویشن یہاں نہیں ہے، یہ نہیں کہ "اتنا ہمارا، اتنا آپ کا" یہاں تو سب ہمارا، تمہاری دولت ہماری، تمہاری عزت ہماری، تمہاری صحت ہماری، تمہارا بدن ہمارا، تمہارا سر ہمارا، تمہارا دین وایمان ہمارا، تمہاری وفاداریاں ہماری، گویا ساری کی ساری ہمارا حق ہیں، کسی کا حق نہیں ہے، ہم جس کی اجازت دے دیں اتنی تم کسی کی اطاعت کرو ورنہ اصل اطاعت ہماری ہے۔

یہ بڑی چونکا دینے والی آیت ہے جو ہم نے آپ کے سامنے پڑھی، معلوم نہیں پھر کبھی ملنا ہو کہ نہ ہو، اللہ تعالیٰ عین وقت پر یا کچھ پہلے جو ذہن میں ڈالتا ہے وہی میں کچھ کہہ سکتا ہوں، یہ آیت میرے ذہن میں آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "**يآيها الذين آمنوا ادخلوا في السلم كآفة**" داخل ہو صلح میں پورے کے پورے "**كافة**" کا تعلق دونوں سے ہے، یعنی سارے احکام کو مانو اور تم سب مانو۔ ایک نے مانا، دوسرے نے نہیں اور ایک کو مانا دوسرے کو نہ مانا، ایسا نہیں ہوسکتا، بلکہ یہ سب ہمارا ہے، ہمیں دے دو، سب ہمارے حوالہ کردو، عقائد وہ ہوں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے بتائے ہیں، اس میں ذرہ برابر فرق نہ ہو، کائنات میں کسی اور کا حکم چلے ایسا نہیں "**الا له الخلق والامر**" یاد رکھو! اس کا کام ہے پیدا کرنا اور اسی کا کام ہے حکم دینا وہی پیدا کرتا ہے، وہی صحت دیتا ہے، وہی رزق دیتا ہے، وہی طاقت دیتا ہے، وہی دولت دیتا ہے، وہی عزت دیتا ہے، وہی بیمار کرتا ہے، وہی شفا دیتا ہے، وہی اولاد کا دینے والا ہے، وہی قسمت کا بنانے بگاڑنے والا ہے، اللہ کے متعلق یہ عقیدہ پورا کا پورا ہو کہ اس کی سلطنت میں، اس کے اختیارات میں کوئی بڑی سے بڑی ہستی بھی شریک نہیں ہے، نہ انبیاء شریک ہیں، نہ اولیاء اللہ۔ تعالیٰ کو سمجھو کہ وہ قادر مطلق ہے، اس کے یہاں کسی کی سفارش نہیں چلتی، اسی طرح اللہ کے رسول کو مطاع مطلق مانو، قرآن مجید میں ہے کہ جو لوگ اللہ کے رسول کی کچھ بات مانتے ہیں، کچھ نہیں مانتے وہ رسول کے مطیع نہیں ہیں۔ "**وما كان لمؤمن ولا مؤمنة اذا**

قضی اللہ ورسولہ امراً ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم" کہ کسی مسلمان کو یہ اجازت نہیں کہ جب اللہ اور اس کے رسول کا کوئی حکم شرعی معلوم ہو جائے تو اس کو کوئی اختیار باقی رہ جائے اور یہ کہے کہ ہمیں ذرا سوچنے اور غور کرنے کا موقع دیجئے، فوراً ہم جواب نہیں دے سکتے کہ ہم ضرور مانیں گے، نہیں، جب معلوم ہو جائے کہ یہ اللہ کے رسول کا منشاء اور فرمان ناطق ہے، یہ ان کا قول ہے، صحیح طریقہ سے ہم تک پہنچا ہے تو انسان کا اختیار اور آزادی ختم، اب تو وہی کرنا ہوگا جو اللہ کے رسول ﷺ کہتے ہیں۔

آپ مجھے معاف کریں، میں تو ایک اڑتی چڑیا ہوں، آیا اور اس شجرۂ طور پر بیٹھ گیا اور اڑ گیا، کل ہی یہاں سے خدا کو منظور ہوا تو اڑ جاؤں گا، آپ مجھے یہ نہ سمجھئے کہ میں جاسوسی کرتا ہوں، یا میں یہاں آکر عیب ڈھونڈتا ہوں، میں یہاں کے مسلمانوں کے حالات سے واقف ہوں اور زندگی کا جو دھارا بہہ رہا ہے میں اس سے کچھ دور نہیں ہوں، اس لئے میں دیکھتا ہوں کہ عقائد درست ہیں، نمازوں کی پابندی ہے، فرائض کی پابندی ہے، لیکن معاشرہ بالکل بگڑا ہوا ہے، گھر کی زندگی بالکل اسلام سے بدلی ہوئی ہے، وہاں تعیشات کی باتیں ہیں، وہاں اسراف ہے، حقوق کی پامالی ہے، وہاں بے محل خرچ کرنا ہے، اس میں تفریحات کا سامان ہے، وہاں ویڈیو ہے جو دن رات کا مشغلہ ہے، مسجد میں مسلمان، وہاں کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن دوستو! مسلمان صرف مسجد میں نہیں ہوتا، مسلمان تو روئے زمین کے کسی چپے پر ہو، بر و بحر میں ہو اور اگر کبھی خدا چاند پر پہنچا دے (اور اس نے پہنچایا ہے، انسانوں کو اپنے دیئے ہوئے علم و طاقت کے ذریعہ) وہاں بھی وہ عبد ہے، خدا کا بندہ ہے، یہاں تک کہ تمام علماء امت کا اتفاق ہے اس پر کہ تکلیف ساقط نہیں ہوتی، پیغمبروں سے بھی تکلیف ساقط نہیں ہوئی اور تکلیف کا مطلب کیا ہے شرعی پابندیاں اور قرآن کی آیت "واعبد ربک حتیٰ یاتیک الیقین" کی تفسیر تمام مفسرین نے یہی لکھی ہے کہ اپنے رب کی بندگی کرتے رہو، جب تک کہ وفات کا وقت نہ آجائے، چنانچہ حضور ﷺ وفات کے وقت تک نمازوں کی ویسی ہی پابندی کرتے رہے، پوچھتے رہے کہ کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی، کہا گیا نہیں یا رسول اللہ ﷺ! آپ کا انتظار ہے۔ فرمایا پانی لاؤ، غسل فرمایا، مگر چلنے کی طاقت نہیں تھی، دو دو مرتبہ، تین تین مرتبہ آپ ﷺ نے غسل فرمایا، تیاری کی، نہیں ہو سکا تو فرمایا "مروا ابابکر فلیصل بالناس" ابوبکر سے کہو کہ نماز

پڑھائیں، پھر آپ ﷺ نے بھی نماز پڑھی، اس وقت آپ کا مسواک کرنا ثابت، آپ کا وصیت کرنا ثابت، آپ کا امت کو ہدایت دینا ثابت، یہاں تک کہ **"اللھم الرفیق الاعلیٰ اللھم الرفیق الاعلیٰ"** کہتے ہوئے دنیا سے تشریف لے گئے۔

اور آج ہم مسلمانوں کی حالت یہ ہے کہ اگر عقائد درست ہیں تو عبادات میں خلل ہے اور اگر عقائد وعبادات دونوں درست ہیں تو اخلاق ومعاملات میں بڑی بڑی خندقیں ہیں، یعنی رخنے نہیں، واشگاف نہیں، خندقیں ہیں، کھائیاں ہیں، پوری پوری خلیج...... میں نے شارقہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ آپ لوگ جتنا خلیج سے واقف ہیں شاید دنیا کے کم لوگ واقف ہوں گے، آپ خلیج کے رہنے والے ہیں، مگر آپ ایک ہی خلیج کو جانتے ہیں اور یہ وہ خلیج ہے جو جزیرۃ العرب کو ایران سے الگ کرتی ہے، بیچ میں پانی ہے، میں آپ کو اس سے بھیانک خلیج کی خبر دیتا ہوں وہ خلیج جو اسلام اور مسلمان کے درمیان پڑ ہوئی ہے، اسلام اور مسلمانوں کے درمیان کئی کئی خلیجیں ہیں، عقائد اور عبادات میں خلیج، کتنے لوگ ہیں جو مسلمان ہیں، کلمہ پڑھتے ہیں، لیکن نماز سے ان کو کوئی غرض نہیں اور بہت سے ہیں جن کے عقائد وعبادات دونوں درست ہیں، لیکن اخلاق ومعاملات کو وہ فہرست سے بالکل خارج سمجھتے ہیں۔

جھوٹ بولتے ہیں، بے ایمانی کرتے ہیں، ناپ تول میں کمی کرتے ہیں، ملاوٹ کرتے ہیں، جھوٹی قسمیں کھا کر اپنی تجارت کو چمکاتے ہیں، کسی کے حق کو ہضم کر لیتے ہیں، مگر ان کو کوئی باک نہیں ہوتا کیونکہ وہ ان سب باتوں کو دین سے خارج سمجھتے ہیں اور کتنے لوگ ہیں جو اپنے ماں باپ کے حق کو، گھر والوں کے حق کو پامال کررہے ہیں، پڑوسیوں سے ان کو کوئی مطلب نہیں، کتنے ہیں جن کی زبان میں نہ سچائی نہ راستی وصداقت ہے نہ حلاوت وشیرینی ہے۔

ان کے آس پاس کے لوگ شاکی ہیں، اور شاکی نہیں تو کم از کم شکر گزار نہیں ہیں، پھر اس کے بعد کتنے ہیں جن کے نزدیک تعلقات میں، سیاسیات میں، خدا کے دوست اور دشمن میں، کوئی فرق نہیں ہے، ان کے نزدیک صالح اور فاسد میں کوئی فرق نہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ صرف فرماتا ہے "ولا ترکنوآ الی الذین ظلموا فتمسکم النار" یہاں "رکون" کا لفظ آیا ہے، اس کا ساتھ دینا اور حمایت کرنا تو دور کی بات ہے، ان کی طرف تمہارا جھکاؤ اور میلان بھی نہ ہو جنہوں نے ظلم کا شیوہ اختیار کررکھا ہے، جنہوں نے حد سے تجاوز کیا ہے، جن کے اندر بے

اعتدالی پائی جاتی ہے، جن کے اندر حقوق کی پامالی پائی جاتی ہے، جن کے دلوں میں خدا کا خوف نہیں ہے جو دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں، جو دولت کے پرستار ہیں، جو اقتدار کے پرستا ہیں، جو اپنی بات چلانا جانتے ہیں، یہ سب باتیں ''ظلموا'' کے تحت آ جاتی ہیں، یہ آیت ہم میں سے بہت سے مسلمانوں کے لئے شاید نئی ہوگی کہ اچھا یہ بات بھی ہے، بہت سخت لفظ ہے ''لاترکنوا'' یہ نہیں کہا گیا کہ ان کے ہاتھ پر بیعت نہ کرو، یہ نہیں کہا کہ ان کے غلام نہ بن جاؤ، بلکہ ادنیٰ جھکاؤ بھی نہیں ہونا چاہئے، ان کی طرف جنھوں نے ظلم کو اپنا شیوہ بنا رکھا ہے۔

کتنے مسلمان ہیں جو اس کو دین کا کوئی شعبہ سمجھتے ہیں، وہ تو کہتے ہیں کہ صاحب! یہ باتیں تو زندگی کی ہیں، یہ باتیں تو دین سے باہر ہیں، آپ دین کی باتیں کیجئے، آپ یہ بتائیے کہ فلاں چیز پڑھنے میں کتنا ثواب ہے، فلاں وظیفہ میں کتنا ثواب ہے، ذکر و تسبیح کا کوئی طریقہ بتائیے، کوئی نفل نماز بتائیں، باقی باتوں میں ہم بالکل آزاد ہیں، جو ہماری سمجھ میں آئے گا وہ ہم کریں گے، اس میں اس سے بحث نہیں کہ اس کا ساتھ دینے سے دین کا نقصان ہوگا یا دین کا فائدہ ہوگا، اس کا ساتھ دینے سے دین میں سہولت پیدا ہوگی یا دشواری پیدا ہوگی، ان ساری چیزوں کو ہم نے دین کے دائرے سے الگ سمجھ رکھا ہے، میرے بھائیو! ہم تمام چیزوں میں خدا کے بندے ہیں، ہمیں احکام اسلام پر چلنا چاہئے اور اسی کے ساتھ ساتھ ہمیں دیگر مسلمانوں کی بھی فکر رکھنی چاہئے، اسلام کے غلبہ کے لئے ہم دعا کریں، فکر کریں، کوشش کریں، یہ نہیں کہ ہم تو بڑے عابد و زاہد، اپنی ذات سے ہم بڑے دیندار، شریعت کے پابند، لیکن اسلام کس طرف جا رہا ہے، مسلمان کس طرف جا رہا ہے، اس وقت اسلام پر کیا گزر رہی ہے، اور کیا مسائل مسلمانوں کو درپیش ہیں، کن کن ملکوں میں اسلام پر ادبار آیا ہوا ہے، کن کن ملکوں میں اسلام آزمائش کے دور سے گزر رہا ہے، اس سے ہمیں کوئی بحث نہیں، حالانکہ ''**من لم یھتم بامر المسلمین فلیس منھم**'' جن کو مسلمانوں کے معاملات کی فکر نہ ہو، وہ مسلمان نہیں اور ''**مثل المسلمین فی توادھم وتراحمھم تعاطفھم کمثل الجسد الواحد اذا اشتکی منہ عضو تداعی لہ سائر الجسد بالسھر والحمی**'' سارے مسلمان جسد واحد کی طرح ہیں، اگر کسی عضو کو تکلیف ہو تو سارے جسم پر بخار چڑھ آئے، سارے جسم کو اس کی تکلیف محسوس ہو۔

یہاں اللہ کا فضل ہے، رزق میں فراخی ہے، اللہ مبارک کرے ہمیں بالکل اس پر رشک نہیں۔

لیکن آپ کو اپنے ملک کی بھی فکر کرنی چاہئے، اپنے ملک کے اداروں کی بھی فکر کرنی چاہئے، ملت اسلامیہ جس کے لئے تڑپ رہی ہے اس کی بھی آپ کو فکر کرنی چاہئے، خواجہ معین الدین چشتیؒ نے جس ملک کی فضا کو گرم کیا اس کراہ کی گرمی آج بھی محسوس کی جاسکتی ہے، اس برصغیر میں، اس ہندوستان و پاکستان میں، جس کے آپ فرزند ہیں، اس میں آج بھی اگر اللہ کا کوئی بندہ جائے، جس کو خدا نے فہم وادراک عطا فرمایا ہو، وہ محسوس کرے گا کہ خواجہ معین الدین چشتیؒ، خواجہ بختیار کاکیؒ، خواجہ باقی باللہ اور داعیان اسلام جن کی آہوں کی گرمی اب بھی اس کی فضا میں ہے، اور زمین میں دیکھا جائے تو ان کی آنکھوں سے نکلی ہوئی تری زمین کے اوپر نہیں تو زمین کے اندر نظر آئے گی، ان کی وجہ سے اسلام کا درخت آج بھی موجود ہے، اگرچہ اس کے سامنے نئے نئے مرحلے پیش آرہے ہیں، لیکن اللہ کا شکر ہے کہ اب بھی وہ درخت باقی ہے، اس سرزمین کی بھی آپ کو فکر ہونی چاہئے کہ آئندہ نسل وہاں کے مسلمانوں کی اسلام پر قائم رہے گی یا نہیں؟ آپ نے اگر اپنی اولاد کے لئے کوئی منصوبہ بنا رکھا ہے، آپ نے ان کے لئے کوئی فضا سازگار کر رکھی ہے، مبارک، ہم اس میں کچھ نہیں بولتے، کوئی دخل نہیں دیتے، مگر آپ جہاں سے آئے ہیں جہاں آپ کے اعزہ ہیں، جہاں آپ کے خاندان کے افراد ہیں...... جہاں آپ کی پیدائش ہوئی ہے، اس سرزمین کو بھی نہیں بھولنا چاہئے...... میں کسی مدرسہ کے چندہ کے لئے نہیں آیا، کوئی خدا کا بندہ کچھ کہے گا بھی تو میں اس وقت بالکل توجہ نہیں کروں گا...... خدا کا شکر ہے، اللہ رازق حقیقی ہے، جو آپ کو رزق پہنچاتا ہے یہاں، وہی وہاں بھی رزق پہنچاتا ہے، اور وہ اس پر قادر ہے کہ آپ سے زیادہ رزق دے، اور اس نے یہ کر کے دکھایا اور سو بار کر کے دکھایا ہے، تو میں اس لئے نہیں کہہ رہا ہوں کہ آپ کو کسی ادارے یا کسی تنظیم کی طرف متوجہ کروں، لیکن آپ کو وہاں کی ملت اسلامی کی، ہم وطنوں کی، آئندہ نسلوں کے ایمان کی فکر ہونی چاہئے کہ وہاں کیا کیا خطرے پیدا ہو رہے ہیں، کس کس طرح ان کا ایمان خطرے میں پڑ رہا ہے، وہاں کیا کیا پروگرام چل رہے ہیں؟ رامائن کا سیریل کئی مہینہ تک چلتا رہا، خود عینی مشاہدہ کرنے والوں نے مجھ سے پٹنہ میں بتاتے ہوئے کہا کہ ہم نے دیکھا کہ رحل پر قرآن

شریف رکھے ہوئے ہیں، ان میں کچھ کھلے ہوئے ہیں کچھ بند ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ ابھی لڑکے پڑھ رہے تھے، ارے بھئی لڑکے کہاں گئے؟ آج جمعہ تو نہیں، آج تو اتوار کا دن ہے، آخر لڑکے ہیں کہاں؟ تو کسی نے کہا کہ رامائن دیکھنے گئے ہیں، یہ اس بہار کے شہر پٹنہ کا واقعہ ہے، جس نے ملا محب اللہ بہاری جیسا راس العلماء، استاذ العلماء اور امام العلماء پیدا کیا، اور کتنے اولیاء اللہ پیدا کئے۔

تو آپ کو تھوڑی بہت اپنے ملک کی فکر ہونی چاہئے اور وہ فکر، میں معاشی و مالی فکر نہیں کہتا، آپ کو ذہنی فکر ہونی چاہئے، آپ کے دل میں درد ہونا چاہئے کہ آئندہ نسل اسلام پر قائم رہے گی یا نہیں، جس سرزمین نے ایسے ایسے مجدد پیدا کئے جن کا فیض ہندوستان ہی نہیں ہندوستان کے باہر تک پہنچا، میں تاریخ کے حوالے سے کہہ سکتا ہوں کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا فیض ترکی تک پہنچا، آج بھی ترکی میں ان کے سلسلے کے لوگ موجود ہیں، مولانا خالد رومیؒ دہلی کا سفر کر کے گئے۔ انہوں نے اپنا واقعہ لکھا ہے کہ مکہ میں ہندوستان سے آئے ہوئے قافلہ سے میں نے حضرت شاہ غلام علی صاحبؒ کا حال پوچھا، دہلی کے لوگ تھے، انہوں نے لاعلمی ظاہر کی۔ مجھے تو تعجب ہوا کہ اتنا بڑا شیخ وقت، مربی روحانی، اس سے یہ لوگ ناواقف ہیں، اس کے بعد وہ سفر کر کے دہلی آئے، اور پھر حضرت شاہ غلام علی صاحب کی مدح میں انہوں نے عربی و فارسی میں قصیدے کہے، مولانا رومی علامہ شامی کے استاد تھے، اس لئے ان کا نام سن کر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ محدث دہلوی جو اس زمانے کے مسند الہند، استاذ العلماء اور امام وقت تھے، ان سے ملنے گئے تو حضرت شاہ ابوسعید صاحب (جو شاہ دہلوی کے شاگرد تھے) نے کہا کہ ہمارے شہر کے سب سے بڑے عالم آپ سے ملنے آئے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ ان سے ہمارا سلام کہنا، میں جس مقصد سے آیا ہوں اس کو پہلے حاصل کرلوں، تزکیہ نفس میرا ہو جائے تو میں خود ہی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوں گا...... خیر...... اس کے بعد جب تکمیل روحانی کرا کر وہ واپس گئے ہیں اپنے ملک کی طرف، تو حالت یہ ہوئی کہ عراق میں مور وملخ کی طرح اور شمع پر پروانوں کی طرح سینکڑوں کی تعداد میں علماء وعوام گرے کہ ہمیں اللہ کا نام سکھائیے۔ ہمیں نماز پڑھنا بتائیے، ہمارے اندر روحانیت پیدا ہو اور احسان کی کیفیت پیدا ہو تو مولانا رومیؒ جو ترکی و شام کے سب سے بڑے عالم تھے وہ نماز پڑھنا سیکھنے کے لئے دہلی گئے، یہ وہ ملک ہے، اس

ملک کو فراموش نہیں کرنا چاہئے۔

تو میرے بھائیو! ایک تو یہ کہ دین کے کامل ہونے کا پہلو آپ اپنے ذہن میں رکھیں، اس میں عقائد بھی ہیں، ایک ایسا عقیدہ جو شرط ہے اسلام کے لئے اس سے انحراف ارتداد کے مترادف ہے، عبادات و فرائض کی پابندی کیجئے ایسا نہ ہو کہ آپ یہاں رہیں، اس کے باوجود نماز کی پابندی نہ ہو، اس سے بڑھ کر بدنصیبی کیا ہوسکتی ہے، پھر اس کے ساتھ آپ کی تہذیب و معاشرت بھی اسلامی ہو، یہ نہیں کہ آپ رہیں سرزمین مقدس میں اور آپ کے گھروں میں ہر وقت ٹی وی چل رہا ہو، نمازوں کے اوقات میں لڑکے وہ دیکھ رہے ہوں۔ **ومن الناس من يشترى لهو الحديث ليضل عن سبيل الله** (اور لوگوں میں بعض ایسے ہیں جو بے ہودہ حکایتیں خریدتے ہیں تاکہ لوگوں کو بے سمجھے خدا کے راستہ سے گمراہ کریں)۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے صرف نام لینا رہ گیا ویڈیو اور ٹی وی کا، قرآن تو عربی زبان میں ہے، اس میں انگریزی کیسے آتا؟ عقل کی بات نہیں تھی، لیکن قرآن کا اعجاز معلوم ہوتا ہے کہ آج سے چودہ سو برس پہلے جو کتاب نکلی، اگر میں مسجد میں بیٹھ کر کہوں کہ اس میں ٹی وی اور ویڈیو کا ذکر ہے تو میں غلط نہیں کہوں گا، اس لئے کہ قرآن میں کہا گیا "من يشترى لهو الحديث" جو لوگ عربی کی بلاغت سے واقف ہیں، اور اس کی زبان کا صحیح ذوق رکھتے ہیں، اہل زبان کی طرح، اور محض اللہ کا شکر و انعام ہے کہ ہمیں اسی حجاز و یمن کا فیض پہنچا ہے کہ ہم اس قابل ہوئے، ہمارے استاد عرب تھے، ہم نے ساری عربی عربوں سے پڑھی۔ الحمد للہ! تو ہم "لھوالحدیث" کا لطف لے رہے ہیں۔ ہمارا عربی کا ذوق "لھوالحدیث" کے دائرے کی وسعت کو دیکھ رہا ہے، میں اس لفظ کا ترجمہ نہیں کرسکتا، حالانکہ لکھنؤ کا رہنے والا ہوں، میں اقرار کرتا ہوں کہ میں "لھوالحدیث" کے ترجمہ کا حق ادا نہیں کرسکتا...... اس کے معنی ہیں باتوں کا کھیل، اب بتائیے...... ریڈیو اور ویڈیو وغیرہ میں کیا ہے؟ اگر یہ ہوتا کہ بہت سے لوگ ہیں جو کھیل کو پسند کرتے ہیں، کھیل خریدتے ہیں تو اس میں ویڈیو اور ٹی وی نہ آتا...... مگر باتوں کا کھیل کہا گیا ہے، یہ وہ ہے جو میں دعوی سے کہہ سکتا ہوں کہ قرن اول، قرن ثانی، قرن ثالث، قرن رابع اور پانچویں، چھٹی، ساتویں، آٹھویں، یہاں تک کہ میں کہوں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا ذہن بھی یہاں تک نہیں گیا ہوگا (یعنی ویڈیو اور ٹی وی کی طرف) یہ قرآن کا معجزہ ہے۔

حدیث کا لہو، باتوں کا کھیل اور وہ کیا ہے، یہ ویڈیو کا پروگرام، ٹی وی کی بولتی تصویریں، یہ ویڈیو، یہ ریکارڈ جو سنے جاتے ہیں، سب ''لہوالحدیث'' ہیں۔ آج سے چودہ سو برس پہلے جب یہ سب چیزیں ایجاد ہونا تو درکنار، کسی نے خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا، اس وقت کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا تھا، اس وقت اللہ کی کتاب نے کہہ دیا، بہت سے لوگ ہیں جو ''لھوالحدیث'' خریدتے ہیں۔

میرے عزیزو! آپ کو کم از کم اپنے گھروں کی حفاظت کرنی چاہئے، اور یہ سمجھنا چاہئے کہ عقائد میں بھی ہم کو پورا مسلمان ہونا چاہئے، عبادات میں بھی پورا مسلمان ہونا چاہئے، اور یہاں نہ ہوئے تو ہم کہاں ہوں گے۔ اس کے بعد میں یہاں تک کہتا ہوں (مجھے معاف کریں آپ حضرات) آپ جب چھٹیوں میں یا کسی زمانے میں ہندوستان اپنے وطن جائیں تو غیر مسلم پہچان جائیں کہ بھائی معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ ہندوستان میں نہیں، اس سے کسی بہتر فضا میں رہ کر آئے ہیں، ان کی صورت سے معلوم ہوتا ہے کہ نور ٹپک رہا ہے، ان کی باتوں سے شہد ٹپک رہا ہے، ان کی نگاہوں سے حرمت اور احترام ٹپک رہا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ یہ عرب سے آئے ہیں، یہ ہونا چاہئے، نہ یہ کہ دور سے دیکھ کر آدمی کہے کہ ان کے پاس بڑا قیمتی بریف کیس ہے، لگتا ہے کہ عرب سے آئے ہیں اور پیچھے پڑ جائیں لوگ کہ کہیں سے اڑا لینا چاہئے، اس میں ہزاروں، لاکھوں روپے کی رقم ہوگی، آپ بریف کیس اور لباس سے نہ پہچانے جائیں، بلکہ آپ پہچانے جائیں اپنی صورت سے، سجدہ کے نشانوں سے، چہرہ کی نورانیت سے، الفاظ کی حلاوت سے، خیر خواہی سے، سنجیدگی و متانت سے، چہرہ کی نورانیت سے، الفاظ کی حلاوت سے، خیر خواہی سے، سنجیدگی و متانت سے اور تہذیب سے، آپ سے آپ کے گھر والے متاثر ہوں، آپ جتنے دن رہیں گے اپنے گھروں میں (خدا مبارک کرے) ان دنوں میں ان گھروں کی فضا بدل جائے، قرآن کی تلاوت نہیں ہوتی تھی تو ہونے لگی، وہاں اگر بہت سی سنتیں متروک تھیں تو شروع ہو جائیں۔ وہ لوگ آپ سے شرمائیں، اور کہیں کہ بھائی! جدہ کے لوگ آئے ہیں، مکہ کے لوگ آئے ہیں، مدینہ کے لوگ آئے ہیں، دیکھو، ریڈیو نہیں بجنا چاہئے، ٹی وی یہاں نہیں ہونا چاہئے چہ جائیکہ لوگ کہیں (ارے بھائی! مکہ مدینہ کے لوگ آئے ہیں، وہاں بہت ہوتی ہے، ان کو دکھاؤ، ان کے زمانہ میں تو اور ہونا چاہئے) یہ بڑی بے حرمتی ہے اس جگہ

کی، آپ کی وجہ سے وہ چیزیں بند ہو جانی چاہئیں، آپ کے جانے سے ان لوگوں کو شرم آنی چاہئے کہ اب موقع نہیں رہا۔

آپ جب جائیں تو جس طرح روشنی تاریکی کو چیرتی ہے اور چیرتی ہوئی چلی جاتی ہے، آپ کی صورتیں وہاں کے بحر ظلمات میں روشنی کا کام دیں، آپ کی زندگیوں میں یہیں انقلاب آنا چاہئے، وہاں جانے سے پہلے آپ کے اندر تبدیلیاں آنی چاہئیں۔

آپ جانتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے بعد فتح مکہ اور حجۃ الوداع کے درمیان تین چار برس کے عرصہ میں جتنی کثرت سے لوگ مسلمان ہوئے، امام زہریؒ جو سید التابعین ہیں ان کا قول ہے کہ مکہ معظمہ کے تیرہ برس کے قیام میں اور مدینہ طیبہ کے دس برس کے مبارک قیام میں اتنی کثرت سے لوگ مسلمان نہ ہوئے۔ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کی وجہ سے راستہ کھل گیا اور بے تکلف قریش آنے لگے مکہ معظمہ اپنے عزیزوں کے یہاں، اب ان کی جتنی راتیں گزرتیں ان کو دیکھ کر مکہ والے حیران تھے اور کہتے کہ ان کا تو عالم ہی دوسرا ہے، یہاں راتوں کو لوگ اٹھتے ہیں، یہاں تو بچے بھی اٹھتے ہیں، ان کے یہاں تو جھوٹ بولنا کیا، کوئی لغوبات نہیں جانتا، ہر وقت اللہ رسول کی باتیں ہوتی ہیں، یہاں تو اتنا ایثار ہے کہ مہمان کے لئے تھپکا کر بچوں کو بھوکا سلا دیتے ہیں، بس وہ مسلمان ہونا شروع ہوئے، کیونکہ انہوں نے اسلام کا نقشہ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

حضرات! آپ لوگوں کے ذریعہ بھی آپ کے ملکوں میں اسلام پھیلنا چاہئے، یہاں سے آپ اگر مراسلہ اور رابطہ قائم کریں تو یہی اثر دیں، خود جائیں تو پورے طور پر اثر ڈالیں ان لوگوں پر کہ آپ اس جگہ سے آئے ہیں، اپنے ساتھ برکتوں کا خزانہ لے کر آئے ہیں۔

اب میں اس سے زیادہ طول دینا نہیں چاہتا۔ آپ اس آیت کو اپنے دل پر نقش کر لیں

"یایها الذین اٰمنوا ادخلو فی السلم کافة"

اے ایمان والو! خدا کے ساتھ صلح کرنے میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش ہائے قدم کی پیروی نہ کرو، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے، دیکھئے یہاں نقش قدم (واحد) استعمال نہیں کیا گیا۔ خطوات الشیطان جمع کا صیغہ لایا گیا، معلوم ہوا کہ اس کے بہت سے نقش قدم ہیں، اس میں وسعت آ گئی، خواہ اعتقادی چیزیں ہوں، خواہ عملی چیزیں ہوں، خواہ اخلاقی چیزیں

ہوں، خواہ تہذیبی چیزیں ہوں، خواہ سیاسی چیزیں ہوں، سب اس میں شامل ہیں اور اس بات کا آپ خیال رکھیں کہ آج اگر ہمارے مسلم معاشرے میں یہ باتیں ہوتیں تو یہ خرابیاں پیش نہ آتیں جو بہت سی جگہ پیش آرہی ہیں کہ کوئی فرق نہیں ہے صالح اور غیر صالح میں، دیندار اور بے دین میں، شریعت پر چلنے والے اور نہ چلنے والے میں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا کرے، یہاں کا رہنا قبول فرمائے، اس کی برکتوں سے مالا مال کرے، اور آپ کی برکتوں سے فیض پہنچے آپ کے ملکوں میں، جہاں سے آپ آئے ہیں، جن کا حق آپ پر قائم ہے اور قائم رہے گا، چاہے آپ یہیں کے ہو جائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کل مسلمان اور مکمل اسلام

یہ تقریر دارالعلوم ندوۃ العلماء میں مسلم پرسنل لا بورڈ کی تجویز پر "اصلاح معاشرہ" کانفرنس منعقدہ ۳۰، ۳۱ جولائی ۱۹۹۴ء کو ایک نمائندہ اور منتخب مجمع کے سامنے کی گئی تھی جس میں پورے ہندوستان سے دو ہزار مندوبین نے شرکت کی تھی۔ مندوبین کی یہ تعداد علماء، آئمہ مساجد، مدارس کے ذمہ دار مختلف جماعتوں کے سربراہ و وکلاء اور ماہرین قانون پر مشتمل تھی

الحمد لله رب العالمين، والصلوٰة والسلام على سيد المرسلين وخاتم النبيين محمد رسول الله صلى الله عليه وآله واصحابه اجمعين ومن تبعهم باحسان ودعا بدعوتهم الىٰ يوم الدين اما بعد! يآيها الذين آمنوا ادخلوا فى السلم كافة ولا تتبعوا خطوات الشيطان انه لكم عدو مبين. افحكم الجاهلية يبغون ومن احسن من الله حكماً لقوم يوقنون

ترجمہ: اے ایمان والو! اسلام میں سارے کے سارے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو، کیونکہ وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔

تو کیا پھر جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہو، حالانکہ جو لوگ یقین رکھنے والے ہیں ان کے یہاں اللہ سے بہتر اور کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں۔

حضرات! میں نے آپ کے سامنے قرآن شریف کی دو آیتیں پڑھی ہیں، بہت سے تعلیم یافتہ حضرات کو اور خاص طور سے جو قرآن مجید سے تعلق رکھتے ہیں، وہ شاید سوچتے ہوں کہ ان آیتوں کا انتخاب کیوں کیا گیا، اور اس مقصد سے اس کا کیا تعلق ہے؟ لیکن یہ دو آیتیں زندگی کے لئے بلکہ پوری کائنات کے لئے اور زندگی کی اپنی تمام وسعتوں کے ساتھ اور خاص طور سے امت اسلامیہ کے لئے یہ دو آیتیں مستقل ایک درسگاہ ہیں اور مستقل ایک دعوت فکر ہیں۔

حضرات! سارا مسئلہ اسلام اور جاہلیت کے فرق کا ہے، اب میں معذرت کے ساتھ یہ عرض کرتا ہوں کہ ہمارے بہت سے پڑھے لکھے بھائی بھی ''اسلام'' و ''جاہلیت'' کے فرق کو بھول چکے ہیں، چونکہ جاہلیت ان کے نزدیک ختم ہو چکی ہے، زیادہ تر ''جاہلیت عربیہ'' ان کے ذہن میں ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ جاہلیت اور اسلام کی کوئی کشمکش اب نہیں ہے اور اسلام و جاہلیت کے فرق کو سوچنا اور اس کا جائزہ لینا گویا ایک طرح سے تضیع اوقات ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس وقت ملت میں جو بھی کمزوریاں اور خرابیاں ہیں وہ سب اس فرق کو فراموش کردینے کا نتیجہ ہے جو اسلام اور جاہلیت کے درمیان ہے، پہلی جو آیت پڑھی وہ سورۂ بقرہ کی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **یآیھا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافة ولا تتبعوا خطوات الشیطان انه لکم عدو مبین** ''اے ایمان والو! اسلام میں سارے کے سارے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو، کیونکہ وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔''

اے ایمان والو! تم ''سلم'' میں داخل ہو جاؤ اور ''سلم'' کا ترجمہ میں نے مستند اور معتبر تراجم میں دیکھا ہے، حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ، مولانا عبدالماجد صاحب دریابادیؒ، مولوی فتح محمد صاحب جالندھریؒ تک، سب میں ''سلم'' کا ترجمہ اسلام سے کیا گیا ہے، شاہ صاحبؒ کے ترجمہ میں ''مسلمانی'' سے کیا گیا ہے، یعنی اے ایمان والو! مسلمانی اور اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ ''**ولا تتبعوا خطوات الشیطان**'' اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ پہلے اسلام کو سمجھنے کی ضرورت ہے، میں معذرت کے ساتھ یہ بات عرض کروں گا، بہت سے حضرات کے ذہنوں میں جنہوں نے تقابلی مطالعہ نہیں کیا ہے اور مذاہب کی تاریخ پر ان کی نظر نہیں ہے، ان کے ذہن میں شاید یہ بات مستحضر اور تازہ نہیں ہوگی کہ اسلام وہ واحد مذہب ہے دنیا کا، جو ایک اصول و عقیدہ اور مسلک زندگی کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، ورنہ جتنے مذاہب ہیں وہ سب (مذاہب کے بانی نہیں کہتا اور نہ کوئی مذہب کا بانی ہوتا ہے) مذاہب کے داعیان اول کے نام پر یا ملکوں کے نام پر یا طبقوں اور نسلوں کے نام پر وہ مذاہب ہیں۔ مثال کے طور (مجھے معاف کیا جائے) یہودی مذہب ہے، اس کی نسبت یہود کی طرف ہے جو خاندان نبوت کے ایک فرد تھے، عیسائی، اس کی نسبت حضرت عیسیٰ کی طرف ہے،

پھر مجوسی، وہ پارسی کہلاتے ہیں، فارس (ایران) ایک ملک ہے، کوئی عقیدہ یا کوئی طرز زندگی یا دعوت الٰہی نہیں ہے، ہندویت، ہند ایک ملک ہے اور اس کی طرف منسوب ہے، برہمنیت، الگ طبقہ اور ایک خاص نسل کی طرف منسوب ہے، بدھ مت، گوتم بدھ کی نام سے موسوم و مشہور ہے، ایسے ہی جیسی مذہب۔

واحد مذہب جو ایک مسلک زندگی، عقیدہ اور نبوت کی طرف منسوب ہے، وحی الٰہی اور اللہ کی براہ راست رہنمائی اور اس کے دیئے ہوئے احکام اور شریعت کی طرف منسوب ہے، وہ اسلام ہے، تو اسلام کا پورا دار و مدار عقیدہ پر ہے، شریعت پر ہے، اور وہ بالکل ایک امتیازی شان رکھتا ہے۔

اب اس کے بعد سوچنے کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "یآیھا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافة" اے ایمان والو! اسلام اور مسلمانی میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔

اس میں یہ بات لحاظ کرنے کی ہے کہ اس میں بتایا گیا ہے کہ سو فیصدی اسلام میں داخل ہو جانا چاہئے، مسلمان بھی سو فیصدی ہوں، اور اسلام میں بھی سو فیصدی ہو۔ نہ مسلمانوں میں کوئی تحفظ یا ریزرویشن ہے، نہ اسلام میں کوئی تحفظ، استثناء یا ریزرویشن ہے، یہ ایک نکتہ ہے، جس کو آپ ساتھ لے کر جائیں، اور اس کی اشاعت کریں، خدا کا مطالبہ اور قرآن مجید کی صریح آیت ہے، کہ سو فیصدی مسلمانوں کو سو فیصدی اسلام میں داخل ہونا چاہئے اور مذاہب کی طرح نہیں کہ عقائد لے لئے اور سب کچھ چھوڑ دیا، یا عبادات لے لئے اور اس کی زندگی کے قانون اور زندگی کے طرز حیات اور طرز معاشرت سے اور باہمی حقوق اور فرائض سے اور شرعی قانون پر چلنے سے تعلق نہیں ہے، ہر مذہب نے ایک ایک حصہ لے لیا ہے، کسی نے دو لیا ہے، کسی نے تین، یہاں مطالبہ یہ کیا جا رہا ہے کہ سو فیصدی مسلمانوں کو سو فیصدی اسلام میں داخل ہو جانا چاہئے، مسلمانوں میں تحفظ اور ریزرویشن نہیں ہے کہ مسلمان پچاس فیصدی کے پابند ہیں اور قائل ہیں، اور عامل ہیں اور پچاس فیصدی سے مستثنیٰ ہیں، یا پچھتر فیصدی رکھ لیجئے، یہاں تو مطالبہ ہے کہ سو فیصدی اسلام ہونا چاہئے۔ ایک فیصدی بھی خارج نہیں ہونا چاہئے۔ کسی قسم کا خصوصی معاملہ نہیں کیا گیا ہے، ہم کو ملت اور اپنا جائزہ لینے کا ایک رہنما اصول دیا گیا ہے، بلکہ

پیمائش کا آلہ دیا گیا ہے، پہلا مطالبہ اللہ کا یہ ہے اور قرآن مجید کا صریح حکم یہ ہے کہ سو فیصدی مسلمانوں کو سو فیصدی اسلام میں داخل ہونا چاہئے نہ تو یہ کہ پڑھا لکھا طبقہ مستثنیٰ ہے، شریف النسب اور عالی نسب لوگ مستثنیٰ ہیں، یہاں تک کہ حاکم مستثنیٰ ہیں، کسی بڑے سے بڑے حاکم (جو تصور اسلام میں حاکم یا خلیفہ کا ہے) کسی بڑے سے بڑے شہنشاہ وقت، کسی بڑے سے بڑے سربراہ مملکت اور کسی بڑے سے بڑے قانون ساز، کسی بڑے سے بڑے فاتح اعظم، کسی کے لئے بھی کوئی استثناء نہیں ہے کہ اس کو نماز پڑھنے کی فرصت نہیں، اس کو نماز سے مستثنیٰ کیا جائے، فلاں کو حج سے مستثنیٰ کیا جائے، کسی کو ہرگز یہ اجازت نہیں کہ جس پر حج فرض ہے اور وہ اس کی استطاعت رکھتا ہے وہ حج چھوڑے۔

اسی طریقہ سے "عائلی قانون" کہ سب مسلمان اس کے پابند ہیں، ترکہ اور میراث کے قانون کے سب مسلمان پابند ہیں، یہ بات چونکا دینے والی ہے، ایک تازیانہ ہے ہمارے لئے اس وقت ساری چیزیں اس کے ماتحت آجاتی ہیں، ہمارا یہ اصلاح معاشرہ کا اجلاس، اس کی تقریریں اور اس کی وضاحتیں، اس کے مشورے سارے کے سارے اس کے اندر آجاتے ہیں کہ "یآیھا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کآفۃ" اے ایمان والو! اسلام مسلمانی میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سو فیصدی مسلمان اور سو فیصدی اسلام ہونا چاہئے، اگر آپ آزادانہ مطالعہ کریں، منصفانہ مطالعہ کریں، اور تقابلی مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ آج مسلمانوں میں اس طرح کی تقسیم پائی جاتی ہے کہ اس دین کے قبول کرنے والوں میں بھی استثناء اور تحفظ ہے، ریزرویشن ہے اور رعایتیں ہیں اور اس دین میں بھی تقسیم ہے، اس طبقہ کے لئے دین کا فلاں حصہ مناسب ہے، اس طبقہ کے لئے مناسب نہیں، اس پر وہ عمل نہیں کرسکتا، تنہا یہ بات کافی ہے، اس آیت کی رو سے اس کی گنجائش ہی نہیں کہ عقائد ہم لیں گے اور عبادات چھوڑیں گے، عقائد اور عبادات بھی لیں گے، لیکن معاملات چھوڑیں گے، معاملات بھی لیں گے، لیکن عائلی قانون کو چھوڑیں گے، اس میں کسی چیز کی اجازت نہیں، اگر آپ اس نکتہ کو سمجھ جائیں اور اس کو اپنے ساتھ لے کر جائیں تو یہ عمر بھر کے لئے کافی ہے، مسلمانوں کو حکم ہے کہ وہ سو فیصدی اسلام میں داخل ہوں، اب آپ اپنا محاسبہ کرلیجئے اور کرتے رہئے کہ کیا آپ نے سو فیصدی اسلام کو قبول کیا اور سو فیصدی آپ اسلام پر عمل کر رہے ہیں؟

کیا آپ کی معاشرت بھی اسلام کے مطابق ہے، آپ کا معاشرتی نظام، آپ کے رواجات، آپ کی رسوم اور آپ کا جو معاشرتی، اجتماعی، خانگی نظام ہے، خانگی روایات ہیں، تاریخ ہے، اور آپ کے خاندانوں میں جو رسمیں اور معمولات رائج ہیں، آپ صرف ان کا خیال رکھیں کہ آپ اس معیار پر اترتے ہیں، اور آپ اس کو پورا کرتے ہیں؟ آپ اس کے بعد احکام شریعت کو نظر انداز کر دیں گے؟ جو معیاری و مثالی مسلمان تھے اور جو قیامت تک نمونہ رہیں گے، وہ ان احکام اور ہدایات کو کس طرح پورا کرتے تھے، ان تقریبات اور زندگی کے ان مواقع سے کس طرح سے گذرتے تھے؟

میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ صحابہ کرامؓ کی جماعت کوئی خالص روحانی جماعت نہیں تھی، یہ بات نہیں تھی کہ ان کو صرف عقیدہ کی ضرورت تھی، آپ ان کا مطالعہ کریں، سیرت اور احادیث کی کتابوں میں مساجد کا حال پڑھیں، ان کی نمازوں کا حال پڑھیں، ان کی تہجد گذاری اور شب بیداری کو تو دیکھیں، لیکن ان کی تقریبات کو نہ دیکھیں، یہ بھی اس روح کے خلاف ہوگا جو روح ہمیں اس آیت سے ملتی ہے کہ "ادخلوا فی السلم کآفة" دین کو ہمیں پورے طور پر اپنے اندر جذب کرنا چاہئے اور اپنے کو دین کے تابع بنانا چاہئے، ہمیں رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ، حیات مبارکہ اور صحابہ کرامؓ کے حالات اور سیرت کا مطالعہ بھی اسی وسیع نظر سے کرنا چاہئے۔

عرصہ سے یہ غلطی ہو رہی ہے، پورے عالم اسلام میں اور خاص طور پر ہمارے ملک میں کہ ہم صحابہ کرامؓ، اولیاء کرامؒ، علماء ربانیینؒ اور مصلحین و مجددین سب کے حالات میں صرف اس حصہ کو پڑھتے ہیں، جس کا تعلق عقیدہ سے ہے، عبادات سے ہے، ہم ان کے شادی بیاہ کی تقریبات کا مطالعہ نہیں کرتے کہ کس طرح انہوں نے انجام دیں، ہم ان کی عائلی زندگی کا، خانگی زندگی کا مطالعہ نہیں کرتے کہ وہ گھر میں کیسے رہتے تھے، اسی طرح نکاح و طلاق کے جو مسئلے ان کو یا ان کی اولاد کو پیش آتے تھے، وہ ان کو کس طرح حل کرتے تھے، جس طرح ان مسلمانوں کے بارے میں ایک تحفظ اور ریزرویشن ہے، ویسے ہی تاریخ کے بارے میں ابھی الگ ریزرویشن ہے کہ ہم کتاب کے صرف ان ابواب کو کھولتے ہیں جن کا تعلق عبادات سے ہے، ذکر و افکار سے ہے، یاد الٰہی سے ہے، ان کے روحانی اثرات سے ہے، ان کی تبلیغ اور

انفرادی کارناموں سے ہے، ہم یہ نہیں دیکھتے کہ ان کی شادیاں کیسے ہوتی تھیں ان کا ترکہ کیسے تقسیم ہوتا تھا، جب طلاق کی ضرورت ہوتی تو وہ کس طرح طلاق دیتے تھے؟

میں ایک واقعہ صحابہ کرامؓ کے صدہا واقعات میں سے بیان کرتا ہوں، وہ واقعہ آنکھ کھول دینے والا، اور ایک طرح سے چونکا دینے والا ہے، بلکہ ایک طرح سے وہ ایک ذہنی زلزلہ پیدا کرتا ہے، آپ خیال فرمائیے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ مہاجر ہیں، اور اتنا ہی نہیں بلکہ عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ ایک مرتبہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں، آپ ﷺ فرماتے ہیں، عبدالرحمٰن خیریت تو ہے، آج تمہارے کپڑوں پر خوشبو نظر آ رہی ہے؟ فرمایا ہاں اللہ کے رسول ﷺ، میں نے شادی کرلی ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے (میں حدیث کے ایک طالب علم کی حیثیت سے، اور جو مستند علماء بیٹھے ہوئے ہیں، ان کی تصدیق بالکل کافی ہے) یہ عرض کررہا ہوں، پہلے آپ اپنے ذہن کو متوجہ اور بیدار کیجئے، یہ ایک ہلا دینے والا واقعہ ہے، ایک زلزلہ لے آنے والا واقعہ ہے کہ اللہ کے رسول، خاتم النبیین، سید المرسلین، شفیع المذنبین، رحمۃ اللعالمین مدینہ طیبہ کے اندر موجود ہیں، اور میں آپ کو اپنے ذاتی تجربہ کی بناء پر بتاتا ہوں، سیاحتوں کی بناء پر کہ جب کوئی برادری کہیں ترک وطن کرتی ہے تو عام طور پر ایک جگہ رہنا پسند کرتی ہے، مثلاً ہندوستان کے میمن اور خوجے جو بمبئی میں تجارت کرتے تھے، ان کو آپ تلاش کریں تو وہ سب آپ کو کراچی میں ملیں گے، اگر آپ ان کو تلاش کرنا چاہیں تو کراچی میں تلاش کرلیجئے، پڑھے لکھے لوگ، ادیب وشاعر اگر ملیں گے تو لاہور، اسلام آباد راولپنڈی میں ملیں گے، جو علمی مرکز ہیں، تو اس میں شہر نہیں بلکہ محلّہ کی تخصیص کرکے کہتا ہوں کہ یہ مہاجرین جو مکہ معظّمہ سے آئے تھے، وہ مدینہ طیبہ کے خاص حصہ اور علاقے بلکہ ایک جوار میں سکونت پذیر ہوئے ہوں گے، کچھ روایات ہوتی ہیں، کچھ عادتیں ہوتی ہیں، مستورات کا ملنا جلنا ہوتا ہے، اور کچھ پچھلے واقعات ہوتے ہیں، یہ سب چیزیں مشترک ہوتی ہیں، اس کے لئے ضرورت ہوتی ہے کہ قریب ہی رہیں، تو یہ بھی یقینی بات ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ رسول اللہ ﷺ سے مکانی فاصلہ کے لحاظ سے زیادہ دور نہیں رہے ہوں گے، لیکن حیرت کی بات ہے، جس پر آدمی محوِ حیرت ہوجائے، اور اس پر ایک سکتہ طاری ہوجائے کہ مدینہ طیبہ میں عبدالرحمٰن بن عوفؓ جیسا مہاجر اور جلیل القدر صحابی نکاح کرتا ہے اور اللہ کے رسول موجود ہیں،

کم فاصلہ پر اور آپ ﷺ کو زحمت دینے کی ضرورت نہیں سمجھا۔ کچھ نہیں تو برکت ہی کے لئے۔ آج حال یہ ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ بھائی برکت کے لئے آ جائیے۔ آپ کا قدم پہنچ جائے، یہ مولویوں سے کہا جاتا ہے اور نیک دیندار لوگوں سے کہا جاتا ہے۔ آخر عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو یہ خیال کیوں نہیں ہوا کہ میں نکاح کر رہا ہوں اور اللہ کے رسول ﷺ یہاں اتنے قریب موجود ہیں اور آپ ﷺ کو زحمت نہ دوں، اس سے بڑھ کر ناشکری کیا ہو سکتی ہے، ناقدری کیا ہو سکتی ہے، بے ادبی کیا ہو سکتی ہے؟ لیکن یہ واقعہ ان کی نظر میں ایسا تھا کہ ان کو ایک لفظ بھی معذرت کا کہنے کی ضرورت پیش نہیں آئی اور انہوں نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی کہ کہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ معاف فرمائیے، مجھے بالکل خیال نہیں رہا، یا فلاں بات مانع ہوئی، اور اسی طرح حیرت کی بات یہ ہے کہ حضور ﷺ نے بھی ایک لفظ شکایت کا نہیں فرمایا۔ حدیث کا دفتر موجود ہے، ہندوستان کے عظیم کتب خانوں میں یہاں کا کتب خانہ بھی ہے، میں دعوت دیتا ہوں کہ وہ بتائے کہ حضور ﷺ نے شکایت کی ہو کہ عبدالرحمٰن تم ہمیں بھول گئے، بات کیا تھی، عبدالرحمٰن کا تفقہ اور ان کی فراست تھی، ان کی ذکاوت تھی، اور ان کی حقیقت شناسی تھی کہ انہوں نے سوچا کہ جتنی دیر میں حضور ﷺ کو تکلیف دوں گا، معلوم نہیں کتنے لوگ آئیں اور اسلام قبول کریں، اور سب سے بڑی دولت جو نجات کا باعث ہے وہ اس کو حاصل کریں، ہم اس کے بجائے کہ آپ کو زحمت دیں آپ کو تکلیف دیں، اور وہ لوگ چلے جائیں کہ ہم پھر کبھی آئیں گے تو اس سے بہتر یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنے مقام عالی پر تشریف رکھیں اور لوگ آئیں، ہدایت پائیں، کلمہ پڑھیں، آپ ﷺ کے دست مبارک پر اسلام لائیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر قرآن مجید کے نزول کی کوئی ڈائری، روزنامچہ ہوتا، وہ روزنامچہ اس طرح تو ہے کہ یہ سورہ کہاں نازل ہوئی، کتنا پہلے نازل ہوا اور کتنا بعد میں، اگر ایسا ہوتا کہ (وقت شماری کے ساتھ، آیت شماری کے ساتھ) فلاں وقت یہ آیت نازل ہوئی اور فلاں وقت یہ آیت نازل ہوئی، کوئی اگر روزنامچہ لکھنے والا ہوتا تو یقین دلاتا ہوں کہ جتنی دیر حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے نکاح کی مجلس میں شرکت میں گذرتی، اس میں اتنی آیتیں نازل ہوئیں۔

تو ایک بات یہ ہے کہ اس آیت کو اپنے ساتھ لے کر جائیے، دماغ پر نقش کر کے لے

جائے کہ مطالبہ صرف اتنا نہیں ہے کہ اسلام قبول کرو اور اسلام میں داخل ہو جاؤ، بلکہ مطالبہ یہ ہے کہ اسلام میں سو فیصدی داخل ہو، تم بھی سو فیصدی ہو اور اسلام بھی سو فیصدی ہو، نہ اس میں ریز رویشن اور آج کیا ہے جو لوگ اسلام کی دولت سے مشرف ہیں، انہوں نے بھی تقسیم کر رکھی ہے کہ دین کا وہ شعبہ لیں گے، اور دین کا وہ شعبہ چھوڑیں گے، اس کے وہ مکلّف نہیں، وہ ان کی طاقت سے باہر ہے۔

''اصلاح معاشرہ'' کی دعوت کا ایک اجمالی پیغام اور زندگی کا ایک رہنما اصول (جو زندگی کے تمام سرد و گرم اور نشیب و فراز، اور مختلف النوع مرحلوں پر حاوی ہے) وہ یہ ہے "یآایھا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کآفة" اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، اسلام میں داخل ہو جاؤ، مسلمانی میں شامل ہو جاؤ ''کافة'' کا تعلق دونوں سے ہے، داخل ہونے والوں سے بھی ہے اور جس دائرہ میں داخل ہو رہے ہیں، اس سے بھی ہے، وہ بھی کافة یہ بھی کافة۔ اس طرح نہیں کہ مسجد جائیں اور ایک قدم مسجد کے اندر رکھا، بس ہم مسجد میں داخل ہو گئے، یا دونوں قدم اندر رکھ دے اور اندر نہ جائے، یا اندر تو جائے لیکن نماز نہ پڑھے، یہ نہیں "ادخلوا فی السلم کافة'' پورے کے پورے داخل ہو جاؤ، اور عامل بن جاؤ۔ ''داخل'' بھی بنو اور ''عامل'' بھی بنو۔

اس کے بعد دوسری آیت میں نے آپ کے سامنے پڑھی ہے، سورۂ مائدہ کی آیت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "افحکم الجاهلية يبغون ومن احسن من الله حكماً لقوم يوقنون'' کیا وہ جاہلیت کا حکم چاہتے ہیں، میں حکم کے متعلق عرض کردوں، عربی زبان سے ایک خصوصی تعلق رکھنے والے انسان کی حیثیت سے اور عربی ذخیرہ کی چھان بین کرنے والے طالب علم کی حیثیت سے بھی ''حکم'' کا لفظ قرآن مجید میں بڑا وسیع اور بلیغ ہے، حکم کے معنی صرف قانونی فیصلہ کے نہیں، ''ترجیح'' و''اختیار'' کے بھی ہیں۔ کسی چیز کو ترجیح دینا اور کسی چیز کو اختیار کرنا، یہ بھی حکم میں شامل ہے۔ حکم کا لفظ ان سب معانی پر حاوی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا جاہلیت کے فیصلہ کو، کیا جاہلیت کے انتخاب کو، کیا جاہلیت کے رجحان کو، کیا جاہلیت کے اصول کو ترجیح دیتے ہیں؟ وہ چاہتے ہیں ''ومن احسن من الله حكماً لقوم يوقنون'' اللہ تعالیٰ سے بہتر حکم دینے والا ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہیں کون ہے؟

دوسری بات یہ ہے کہ جاہلیت کے معنی بھی اب بہت فراموش ہو گئے ہیں، بہت گہرا

مطالعہ کرنے والوں اور جن کو سیرت نبوی ﷺ پر اللہ تعالیٰ کچھ لکھنے اور تالیف کرنے کی سعادت عطا فرماتا ہے، وہ اس سے بحث کرتے ہیں، اور اس کا حق ابھی بہت کم ادا ہوا ہے، جاہلیت کے دور کی وسعت کو بہت کم لیا گیا ہے، میں کہتا ہوں ایک سیرت نگار کی حیثیت سے، اور ایک ایسے خوش قسمت انسان کی حیثیت سے جس کو اللہ نے سیرت کے موضوع پر لکھنے کی توفیق دی کہ جاہلیت کے مفہوم سے بھی ہمارا ذہن بہت آشنا ہو گیا ہے، جاہلیت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ صرف جاہلیت عربیہ مراد ہے، اور جاہلیت عربیہ سے مراد ہے بت پرستی کا دور، دختر کشی کا دور، شراب نوشی کا دور اور رہزنی کا دور، ان کے سامنے صرف یہ آتا ہے، لیکن معاشرت، طرز معیشت، طرز زندگی، فیصلے کرنے کے معیار و اصول، اور رغبات اور نفرتیں، یہ چیزیں جاہلیت کے تصور کے ساتھ ذہن میں نہیں آتیں، حالانکہ جاہلیت ان سب پر مشتمل ہے، اگر جاہلیت کا ترجمہ اردو میں کیا جائے تو اس کا جو ترجمہ حاوی ہے، اور ان سب چیزوں کو اپنے ضمن میں لے لیتا ہے، وہ یہ ہے کہ اس سے مراد وہ دور ہے جو نبوت کی روشنی اور ہدایت سے محروم رہا ہے، قوم کا وہ دور جو نبوت کی روشنی اور ہدایت سے محروم رہا ہے، چاہے وہ یورپ ہو یا ساسانی مملکت ہو، چاہے وہ ہندوستان ہو، چاہے وہ عرب ہو، میں اس کا ایک دوسرا ترجمہ کرتا ہوں "من مانی زندگی" جاہلیت کیا ہے؟ من مانی زندگی گذارنا، یہ روح ہے جاہلیت کی، جاہلیت کی اسپرٹ ہے، جو چیز اسلام کی مخالف اور متوازی ہے اور آسمان سے اللہ کے نازل کئے ہوئے ادیان سے، اور صحف سماوی سے، اور تعلیمات ربانی سے بے نیاز ہے، وہ یہ ہے کہ نبوت اور ہدایت آسمانی کی روشنی سے جو دور محروم ہو وہ جاہلیت ہے، اور اس میں پھر کیا ہوتا ہے، زندگی کیسے گذاری جاتی ہے، من مانی زندگی، یعنی جو دل میں آئے، جو ہماری سوسائٹی، ہمارا ماحول چاہتا ہے، اور جو معیار اس وقت مقرر ہو چکے ہیں اور "حیثیت عرفی" کے اظہار کے جو اصول مقرر ہو گئے ہیں، ہم تو اس پر چلیں گے، یہ ہے من مانی زندگی، اور اس کو قرآن اور حدیث کی اصطلاح میں "جاہلیت" کہا گیا ہے، دیکھئے اگر آپ احادیث کا جائزہ لیں تو آپ کو کئی جگہ ایسا معلوم ہوگا کہ حضور ﷺ نے ایسی چیز پر بھی جس کا تعلق عقیدہ سے نہیں تھا، جاہلیت کا اطلاق فرمایا، ایک صحابی ہیں (جن کا نام نہیں لوں گا) ان کا معاملہ اپنے ملازم کے ساتھ کوئی مساویہ نہیں تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: انک امرؤ فیک جاهلية تم ایک ایسے آدمی ہو، تمہارے اندر جاہلیت کی بو ہے، اب عقائد تلاش

کرنے کی ضرورت نہیں۔ خادم کے ساتھ ایسا معاملہ رکھنا کہ یہ مالک ہے اور وہ مملوک ہے، اس کو جاہلیت کہا، اور پھر اس سے بڑھ کر "من تعزیٰ علیکم بعزاء الجاهلية" جو تمہارے سامنے جاہلیت کی دعوت دے، عصبیت جاہلیت کی طرف بلائے، اور جاہلیت کا نعرہ لگائے، اس کے ساتھ سخت کلامی کرو، میں اس کو علماء کے لئے چھوڑ دیتا ہوں، اس کا پورا ترجمہ نہیں کروں گا، سخت سے سخت بات اس کے سامنے کہو "ولا تکنوا" کنایہ واشارہ سے بھی کام نہ لو، اس کو جاہلیت کیوں کہا؟ اس کا تعلق تو عقیدہ سے نہیں، اس کا تعلق تو عقیدۂ توحید سے نہیں، ایمان بالآخرۃ سے نہیں، ایمان بالرسول سے نہیں، تو معلوم ہوا کہ اسلام صرف اسی کا مطالبہ نہیں کرتا، اسلام صرف اسی کا نام نہیں ہے کہ عقائد صحیح ہوں، مجھے معاف کیا جائے میں بغیر کسی تنقیص کے کہتا ہوں، اسلام صرف اس کا نام نہیں ہے کہ صرف عقائد صحیح ہوں اور نمازوں کی پابندی اور عبادات اور اس کے علاوہ جو چیزیں عقائد اساسیہ میں آجاتی ہیں، وہ اس کے دائرہ میں ہیں، لیکن ہم شادی کرنے میں آزاد ہیں، ہم پردہ کرنے نہ کرنے میں آزاد ہیں، ہم مقدمات عدالتوں میں لے جانے میں آزاد ہیں، ہم اپنے مال کی تقسیم میں آزاد ہیں، ہم ان سب چیزوں میں آزاد ہیں، اس لئے ہم سے ان سب چیزوں میں کوئی کچھ نہ پوچھے، اور ہمیں نہ ٹوکے، یہ دین کے دائرہ میں نہیں آتا، یہاں کا اصل پیغام جس کے لئے آپ کو زحمت دی گئی ہے، یہ ہے کہ آپ دین کا صحیح مفہوم سمجھ لیں، ایک ہے "اسلام"، ایک ہے "جاہلیت"۔ اب آپ یہ دیکھئے کہ جو زندگی گذر رہی ہے مسلمانوں کی وہ اسلام کے مطابق ہے؟ سو فیصدی اسلام کلی اتباع چاہتا ہے، جو آیت میں کہا گیا ہے "ادخلوا فی السلم کافۃ" پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ، اس لئے اس کی ہرگز گنجائش نہیں کہ مسلمان دین کے بہت سے احکام کے پابند رہیں اور ان کا احترام واہتمام کرتے رہیں، مگر زندگی کے شعبوں اور رواجوں میں آزاد ہیں، مجھے معاف کیا جائے تحقیر مقصود نہیں، وضاحت مقصود ہے۔

صاحب، شادی بیاہ میں بھی دین کا نام لینا، اور اس میں بھی سنت وشریعت کا حوالہ دینا، اس کا بھی احتساب کرنا کہ یہ شادی اتنے دھوم دھام سے کیوں ہوئی؟ صاحب! اللہ نے دولت دی تھی اور ہمارے کنبہ کا، ہمارے خاندان کا اور ہم جہاں رہتے ہیں، وہاں یہی دستور تھا، لیکن یہ ضروری ہے کہ آپ کا عائلی قانون بھی وہی ہو جو قرآن مجید نے دیا ہے، اور شریعت نے اس کی

تشریح کی ہے، اور علمائے اسلام اور فقہائے کرام نے (اللہ ان کو بہتر جزائے خیر عطا فرمائے) انہوں نے اس کے لئے اپنی راتوں کی نیندیں قربان کی ہیں، اور اپنی صحت کو خطرہ میں ڈالا ہے اور ملت اسلامیہ کو مستغنی کر دیا ہے۔

میرے بزرگو! دوستو اور عزیزو! یہ آیتیں ہیں، آپ ان کو اپنے ذہن میں لے کر جائیے، ایک تو مطالبہ ہے کہ اسلام میں داخل ہو کلی طور پر تم بھی کلی طور پر اور تمہارا اسلام بھی کلی طور پر، یہ نہیں کہ عقائد سر آنکھوں پر، اللہ بچائے ذرہ برابر انحراف نہیں ہوگا، عبادت میں ذرہ برابر بھی ہم سے تسائل نہ ہوگا، لیکن صاحب یہ کہ شادی کس طرح ہو، اور نکاح وطلاق کے مسائل ہیں، اور تقسیم میراث کے مسائل ہیں، اور پھر بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو خاندان میں پیش آتی ہیں، اس میں آپ کو آزاد چھوڑ دیجئے، بالکل اس کی مہلت نہیں ''یآ یھا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ ولا تتبعو خطوات الشیطان'' اور خطوات الشیطان میں بڑی بلاغت ہے، کہ اگر تم نے یہ نہیں کیا تو پھر اتباع خطوات الشیطان ہوگا، یہاں پر اس لئے اس کا بھی ذکر کیا، اللہ صرف فرما دیتا ''ادخلوا فی السلم کآفۃ'' لیکن اس کا جو متوازی ہے وہ ''ولا تتبعوا خطوات الشیطان'' ہے۔ آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ ''خطوات الشیطان'' ہے، یہ گھروں کو لٹا دینا، یہ جائیدادوں کو قرق کر دینا، یہ سودی قرض لینا، اور اس خوشی میں راتوں کو جاگنا، صحت کو خراب کر لینا، یہ سب اس لئے ہے کہ نام ہو جائے اور شان ہو کہ فلاں صاحب کے یہاں بارات آئی تھی، اس میں دوسو موٹریں تھیں اور اتنی بڑی بارات تھی اور اس سب کو فائیو اسٹار ہوٹل میں ٹھہرایا گیا۔ میرے نام دعوت نامے آتے ہیں، اس میں لکھا ہوتا ہے کہ آپ فائیو اسٹار ہوٹل میں ٹھہریں گے، یہ ساری چیزیں ''عرف'' میں داخل ہوگئی ہیں جو عربی کا بہت بلیغ لفظ ہے، جس کا ترجمہ ہے رسم ورواج اور اصول زندگی۔

ہمارے بمبئی کے ایک دوست نے ذکر کیا کہ ایک مجلس میں کھجور، چھوہارے تقسیم کرنے کے بجائے جو مسنون ہے، نوٹ تقسیم کئے گئے۔ سوسو روپے، پچاس پچاس روپے، دس دس روپے کا نوٹ۔ کتنے ہزار روپے صرف اس نکاح میں صرف ہوگئے، کہاں سے اس کی اجازت ملی ہے۔

حضرات! ہمارا مقام ومنصب تو یہ تھا کہ ہمارے ہندوستان میں اتنے دن سے رہنے سے ہندوستان کی قدیم قوم جو تھی اس کے اندر ایک ہلچل پیدا ہو جاتی، غور وفکر کرنے کی زبردست

تحریک پیدا ہوتی اور وہ اپنے پورے معاشرہ کا جائزہ لیتی اور پھر وہ ان خصوصیات وفوائد کو جو مسلمانوں کے ان چیزوں سے بچنے سے حاصل ہوتی ہیں، دیکھ کر خود وہ ان رسوم کو چھوڑتے، معلوم ہوتا کہ مسلمانوں کے اس ملک میں آنے سے ایک معاشرتی انقلاب آ گیا، تہذیبی انقلاب ہوگیا، مگر افسوس ہے کہ بجائے اس کے ہم ان کو دیتے، ہم نے ان سے لیا، ایک ایک چیز کی تاریخ بتائی جاسکتی ہے۔ اگر معاشرہ کی تاریخ پر کوئی کتاب لکھی گئی ہوتی تو آپ کو اس سے پتہ چل جاتا کہ فلاں رسم فلاں طبقہ سے لی گئی ہے اور فلاں رسم فلاں زمانے سے رائج ہوئی ہے، سب کی تاریخ مل جاتی، آغاز کی تاریخ مل جاتی۔

ہماری اس کانفرنس کی (مجھے معاف کیا جائے) یہ ایک امانت ہے یا عطیہ ہے، اور اس کا ایک نشان اور شعار ہے، جس کو آپ لے کر جائیں۔ یہ دو آیتیں ہیں، "یآیھا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کآفة ولا تتبعوا خطوات الشیطان" جو لوگ عربی کا ذوق رکھتے ہیں، وہ محسوس کریں گے کہ ان الفاظ میں بھی کتنا زور اور بلاغت ہے، یہ کھلا اعجاز قرآنی ہے، اگر یہ کہا جائے کہ جلال الٰہی بھی شامل ہے، میں عربی کے طالب علم کی حیثیت سے کہتا ہوں کہ بالکل الفاظ بتا رہے ہیں کہ اس کا دوسرا مفہوم یہ ہے، اگر ایسا نہ کروگے تو اللہ کے غضب سے ڈرو، اور اللہ کی طرف سے بے برکتی پر ڈرو اور برے نتائج سے ڈرو۔ "یآیھا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کآفة ولا تتبعوا خطوات الشیطان انه لکم عدو مبین" اس سے اور صاف بات کیا کہی جاسکتی ہے۔

اور دوسری طرف فرمایا: "افحکم الجاھلیة یبغون" کیا جاہلیت کے رسم ورواج کو چاہتے ہیں، کیا جاہلیت کے ترجیح وانتخاب کو چاہتے ہیں، جاہلیت کے فیصلہ کو چاہتے ہیں، میں نے عرض کیا کہ حکم کے معنی صرف فیصلہ کے نہیں، بلکہ ترجیح واختیار کے بھی آتے ہیں، یعنی آدمی کسی چیز کو اختیار کرتا ہے جو قوت محرمہ ہوتی ہے، جو اس کی دلیل ہوتی ہے، وہ بھی اس کے اندر شامل ہوتی ہے، کیا جاہلیت کا فیصلہ قبول کریں گے، جاہلیت نے جس چیز کو ترجیح دی ہے، اختیار کیا ہے، اس کو اختیار کریں گے، اس پر چلیں گے، یہ جائز نہیں۔

اب آپ حضرات یہاں سے عزم لے کر جائیں، یہ ارادہ کر کے جائیں کہ ہمارے گھر میں یہ ہرگز نہیں ہو سکے گا، آپ اپنے دل میں قسم کھالیں کہ اب خلاف شریعت رسوم یہاں گھر

میں، ہمارے یہاں، ہمارے خاندان میں ادانہیں کی جائیں گی، یہ ظلم نہیں ہوگا کہ جہیز کا زبردست مطالبہ کیا جائے، خدا کی پناہ، خدا کی ذات حلیم ہے، ورنہ میں سچ کہتا ہوں کہ ایک بیاہی ہوئی لڑکی کو جوابھی بیاہ کرآئی ہے، ارمانوں کے ساتھ آئی ہےاور بڑی امیدوں کے ساتھ اس کورخصت کیا گیا ہے، اعزاز کے ساتھ اس کا استقبال کیا گیا ہے، صرف اس جرم میں کہ وہ دس ہزار روپے نہیں لائی ہے، اس کو مارڈالا جاتا ہے، میں نے اخبار میں پڑھا، دہلی میں ایک دلہن آئی اوراس کے گھر والوں سے دس ہزار روپے کا مطالبہ کیا گیا تھا، وہ نہیں لائی، اس کوجلا دیا گیااوراس کا خاتمہ کردیا گیا۔ اگراس پرزلزلہ آجائے، اللہ محفوظ رکھےاوران الفاظ کو نہ پکڑے، اس پرزلزلہ آجائے، اس پربجلی گرے، اس پرکوئی دوسری قوم آکر حملہ کرے کوئی تعجب کی بات نہیں، اللہ کواپنی مخلوق عزیز ہے، اورایسی عزیز ہے "انه بکم رؤف رحیم" وہ تمہارے ساتھ رؤف بھی ہےاوررحیم بھی ہے، پھراس کی پالی ہوئی، پھرمرضوں سے بچائی ہوئی اور بڑے نازو نعم کے ساتھ رکھی ہوئی ایک جان آپ کے یہاں آتی ہے، اور بڑے ارمانوں کے ساتھ آتی ہے، اورآپ مانگ کرلاتے ہیں، خوشامد کرکے لاتے ہیں دس ہزار کی وجہ سے، لعنت ہوایسے دس ہزار روپے پر، جس کی وجہ سے کسی انسان کی جان جائے، ڈرنا چاہئے اللہ کے غضب سے، ایک جان اللہ کوتمہارے کروڑوں روپےاورتمہاری سلطنتوں سے زیادہ عزیز ہےآدم علیہ السلام کو کس پیارومحبت کے ساتھ پیدا کیا گیا، ان کا فرشتوں سے سجدہ کرایا گیا، اس آدم کی اولاد کے ساتھ آپ کا یہ معاملہ ہے۔

یہی میں فرقہ وارانہ فسادات کے بارے میں کہتا ہوں، کسی کمہار کے یہاں جاکرتم ایک گھڑا توڑکردیکھو، وہ تمہاراسرتوڑدے گااوراللہ کی مخلوق اتنی بھی قیمت نہیں رکھتی کہ تم انسانوں کے سرتوڑو، انسانوں کی جان نکالو، ایک نہیں، پچاسوں، سینکڑوں، ہزاروں۔ یہ وہ چیزیں ہیں جو ہماری مسرتوں کی تقریبات میں داخل ہوگئی ہیں اوروہ چیزیں غضب الٰہی کو بلانے والی ہیں، تو پھرکیسےان مسرتوں کی تقریب میں برکت ہو، کیسے اللہ کی نصرت ان کے ساتھ شامل ہو، اورپھر نسل میں بھی وہ دین منتقل ہواوروہ خصوصیات منتقل ہوں۔

بس حضرات! اگرمیں نے حدود سے تجاویز کیا اورمیری زبان سے سخت لفظ نکلے تومیں اللہ سے معافی مانگتا ہوں اورتوبہ کرتا ہوں اورآپ سے بھی معافی چاہتا ہوں، مگرکوئی وقت ایسا

ہوتا ہے اور اس کی مثالیں ہمیں رحمۃ اللعالمین کی سیرت سے بھی ملی ہیں کہ کسی وقت ایسے سخت لفظ بھی بول دیئے جاتے ہیں "(من تعزى عليكم بعزاء الجاهلية)" اس کے معنی اگر آپ کسی عالم سے پوچھیں تو رونگٹے کھڑے ہو جائیں جو تمہارے سامنے جاہلیت (خلاف اسلام) کا نعرہ لگائے اس کے کسی فعل یا رواج کی تحسین کرے تو تم سخت لفظ استعمال کرو اور ذرا بھی رعایت، اشارہ اور کنایہ سے کام نہ لو، کون کہہ رہا ہے، وہ رحمۃ اللعالمین فرما رہے ہیں، اور جو سراپا رافت و رحمت ہیں، وہ یہ کہہ رہے ہیں، مثال نہیں مل سکتی، اس سے آپ اندازہ کیجئے کہ جاہلیت کو، جاہلی زندگی کو، جاہلیت کے معیاروں کو، جاہلی دعوتوں کو کس نظر سے خدا نے بھی دیکھا ہے، اور اس کے رسول نے بھی دیکھا ہے، وہ چیزیں اپنے گھروں میں آئیں، ہمارے معاشرت کے جز بن جائیں، ہمارے واجبات و فرائض میں داخل ہو جائیں، جہیز اتنا لاؤ، شادی دھوم دھام سے ہوگی، نہیں مسجد میں جائیے اور کسی عالم سے نکاح پڑھوا لیجئے، ہم نے تو نکاح دیکھے ہیں، عصر کی نماز ہوئی، کہہ دیا گیا کہ ایک نکاح ہوگا۔ قریب ترین عزیزوں میں سے سب کو نہیں معلوم اور وہیں کے ایک عالم کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے خطبہ مسنونہ پڑھا، ایجاب وقبول کرایا اور چلے گئے، یہاں سے آپ عہد و ارادہ عزم کر کے جائیں کہ اپنے گھر میں یہ نہ ہونے دیں گے، اور حتی الامکان آپ ان تقریبات میں باعث رونق اور باعث فخر نہیں بنیں گے، یہاں تو یہ ہوتا ہے، شرعی مجبوری کی بات الگ ہے، لیکن آپ ان عزیزوں اور خاندان والوں کو محسوس کرائیے، محلّہ والوں کو آپ محسوس کرائیے کہ یہ خلاف شریعت ہے، یہ خلاف شریعت بھی ہے اور خلاف عقل بھی ہے اور خلاف مصلحت بھی ہے، یہاں سے ارادہ کر کے جائیں۔

ائمہ مساجد جو یہاں تشریف رکھتے ہیں یا معلمین اور علمائے کرام، مدرسین، ان سے کہوں گا کہ یہاں سے جانے کے بعد مسجدوں میں تقریریں کریں، اور اس پر وعظ کہیں اور دوسرے جو جلسے ہوتے ہیں، ان میں بھی وعظ کہیں، اور پورے ہندوستان میں اصلاح معاشرہ اور اصلاح رسوم کی تحریک چلائیں۔ اللہ مدد فرمائے گا۔ برکت دے گا اور آپ کو دین کے ایک اہم شعبہ کی تبلیغ اور اس کے احیاء کا جو اجر عظیم ہو گا وہ آپ کو عطا فرمائے گا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

عالم اسلام کا عبوری دور

یہ تقریر اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان کی طرف سے مقرر کے اعزاز میں ۱۸ جولائی ۱۹۷۸ء کو اسلام آباد ہوٹل ہال میں دیئے گئے استقبالیہ میں کی گئی۔ صدارت سپریم کورٹ آف پاکستان کے چیف جسٹس جناب انوار الحق نے کی۔ جلسہ میں سپریم کورٹ کے جج صاحبان، وفاقی وزراء، اسلامی نظریاتی کونسل کے ارکان، علماء اور جدید تعلیم یافتہ حلقہ کی نمائندہ شخصیتیں موجود تھیں۔

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم. اما بعد

صدر محترم، حاضرین گرامی قدر! میرے لئے بڑے شکر و مسرت کا مقام ہے کہ جن حضرات کی خدمت میں مجھے فرداً فرداً جانا چاہئے تھا اور مجھے ان سے اپنا درد دل یا اپنے مطالعہ اور فکر کا نتیجہ علیحدہ علیحدہ پیش کرنا چاہئے تھا وہ یہاں خود تشریف لائے ہیں، اور مجھے ایک ایسا موقع ملا ہے کہ میں ان سب حضرات کی خدمت میں عرض کر سکتا ہوں، یہ بڑے خوشی کا موقع بھی ہے اور بڑی ذمہ داری کا بھی، میں یہ فیصلہ نہیں کر پا رہا ہوں کہ مجھے اس پر زیادہ خوش ہونا چاہئے یا ذمہ داری کے احساس سے مجھے متفکر اور گراں بار ہونا چاہئے؟ بہر حال یہ دو ملے جلے احساسات ہیں اور میں نے بے تکلف آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے۔

یک لحظہ غافل گشتم وصد سالہ راہم دور شد:

حضرات! ہم اس وقت عالم اسلام میں بڑے نازک مرحلے سے گزر رہے ہیں، یہ ایک عبوری مرحلہ ہے اور عبوری مرحلہ ہمیشہ بڑا نازک اور دشوار ہوتا ہے۔ اسلامی ملکوں کی قیادتیں اور اسلامی ملکوں کے دل و دماغ کوئی لمحہ ضائع کر دیں یا کسی انفرادی اور وقتی مسئلہ میں الجھ کر رہ جائیں تو زندگی کا رواں دواں قافلہ رعایت نہیں کرے گا۔ زمانہ کا سیلاب صرف سیلاب سے تھمتا ہے، وہ کسی کشتی کے ڈوبنے کی پرواہ نہیں کرتا۔ حالی نے کہا تھا اور میرا خیال ہے کہ انھوں

نے اپنے محدود ماحول میں اور محدود تخیل میں کہا ہوگا:

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام
کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے

سرزمین اندلس کا ایک عزیز پیام:

ابھی جسٹس افضل چیمہ صاحب نے اسپین یعنی اندلس مرحوم کا ذکر کرکے داغ کہن تازہ کردیئے اور میرے دل کو خاص طور پر تڑپا دیا کہ میں خوش قسمتی کہوں یا بدقسمتی کہ اس سرزمین رنگ وبو سے گزرا ہوں، اور اس کی تاریخ بھی پڑھی ہے۔ آپ یقین مانئے میں ممالک اسلامیہ میں سے شاید ایک ہی دو ایسے ملکوں کے دیکھنے سے جو شاہراہ عام سے مٹے ہوئے ہیں اس وقت تک محروم رہا ہوں ورنہ بیشتر اسلامی ممالک سے گزرا ہوں۔

لیکن میں جب اندلس گیا تو معلوم ہو رہا تھا کہ فضائیں مجھ سے لپٹ رہی ہیں اور یہاں کی روحیں مجھ سے معانقہ کررہی ہیں، زمین کا ذرہ ذرہ کچھ پیغام رکھتا ہے اور مجھ سے کہنا چاہتا ہے، میں یہ سمجھا کہ وہ اسلامی ممالک کے مستقبل کے متعلق مجھے آگاہ کرنا چاہتا ہے، اندلس کا ذرہ ذرہ مجھ سے کہہ رہا تھا کہ دیکھو! عالم اسلام کا کوئی دوسرا ملک اس المیہ سے دوچار نہ ہونے پائے۔ یہ بات تمہارے ذمہ امانت ہیں، یہ اس سرزمین کے ہر ذرہ کا پیغام ہے، جہاں تک پہنچا سکو کہ اب اسلام کی تاریخ میں اور مسلمانوں کے صبر وتحمل میں اس کی بالکل گنجائش نہیں کہ کوئی دوسرا ملک اسپین بنے۔ میں یہ الفاظ زبان سے ادا کرتے ہوئے بھی تکلیف محسوس کرتا ہوں۔ لیکن یہ ایک پیام ہے، میرا فرض ہے کہ میں اس کو ہر ملک میں دہراؤں۔

عالم اسلام ایک عبوری دور سے گزر رہا ہے:

عالم اسلام اس وقت ایک عبوری مرحلہ سے گزر رہا ہے، پورا ڈھانچہ توڑا جارہا ہے اور ایک نیا ڈھانچہ بنایا جارہا ہے۔ یہ وقت ہوتا ہے جب قوموں کی قسمتیں بدل جاتی ہیں اور ایک نیا سلسلہ شروع ہوتا ہے، نئی تقدیریں لکھی جاتی ہیں، اس وقت پورا عالم اسلام ایک عبوری دور سے گزر رہا ہے، یہ دور جہاں ایمان وعقیدہ کی طاقت چاہتا ہے وہاں بڑے عمیق مطالعہ کا بھی طالب ہے، بڑی سنجیدگی اور فکر کی گہرائی کا بھی طالب ہے اور ایثار وقربانی کا بھی طالب ہے، یہ

مرحلہ بغیر ان عناصر کے طے نہیں ہوتا اور نہ کبھی اس سے پہلے طے ہوا ہے اور نہ اس وقت طے ہوسکتا ہے، یہ جس طرح ہمارے عقیدہ کا امتحان ہے، اسی طرح ہماری ذہانت کا بھی امتحان ہے، اس لئے کہ ایک معاشرے کا نیا ڈھانچہ بنانا، اس کو اسلام کی تعلیم کے مطابق کرنا، ان عناصر کو خارج کرنا جو اس کے منافی ہیں اور ایک نیا تمدن تشکیل میں لانا ہے۔ کل میں نے عرض کیا تھا کہ اس وقت اسلام ایک عقیدہ کی حیثیت سے موجود ہے، لیکن اس کو اس کے تمدن سے محروم کردیا گیا ہے اور یہ مغرب کی بہت بڑی سازش ہے کہ اس نے جب یہ دیکھا کہ مسلمانوں کو عقیدہ سے ہٹانا مشکل ہے اور ان کے احساسات اس کے بارے میں بہت تیز ہیں، اس کو اس کے بہت تلخ تجربے ہوئے ہیں۔ جنگ صلیبی سے لے کر اسپین کی نسل کشی اور مسلمانوں کے کلی اخراج سے لے کر اس وقت تک تو اس نے اپنے ان تجربوں سے فائدہ اٹھایا اور اس نے یہ حکمت عملی طے کی کہ مسلمانوں کو ان کے عقیدہ سے ہٹانے کے بجائے ان کے تمدن اور ان کے نظام معاشرت سے علیحدہ اور محروم اور اس پر آمادہ کردینا چاہئے کہ وہ دوسرا تمدن اختیار کرلیں اور اس میں سمجھتا ہوں یورپ بڑی حد تک کامیاب ہوگیا ہے۔ خدا کے فضل سے اسلامی عقائد کے بارے میں کوئی تحریف واقع نہیں ہوئی ہے جیسا کہ عیسائیت میں واقع ہوئی ہے۔ عیسائیت جس طرح حضرت مسیح کو دی ہوئی پٹری سے ہٹ کر سینٹ پال کی پٹری پر پڑ گئی ہے اور وہ برابر اس پر چل رہی ہے، مسیحیت صراط مستقیم سے ہٹ کر تثلیث، ابنیت مسیح کے عقیدے اور رومی تمدن کی پٹری پر پڑ گئی اور پھر اس پر برابر چلتی رہی، پھر ایسے واقعات پیش آئے کہ وہ رفتار سی تیز تر ہوتی چلی گئی، کاش کہ یہی ہوتا کہ اس کا مشرق کے سست کار اور ایک سوتے ہوئے قافلہ سے واسطہ پڑا ہوتا۔ لیکن وہ مغرب تھا اور مغرب میں وہ طاقتیں ابل رہی تھیں، ترقی کے جذبات موجزن تھے، زندگی کا گرم خون رگوں میں دوڑ رہا تھا اور ساری دنیا میں وہ خون جاری اور ساری ہونا چاہتا تھا، جہاں اور چیزوں کی رفتار تیز سے تیز تر ہوئی وہاں اس انحراف وضلالت کی رفتار بھی تیز ہوگئی، اس لئے کہ جن قوموں کے ساتھ اس کی قسمت وابستہ تھی یا جو قومیں اس کے حامل تھیں وہ سست رفتاری پر قانع نہیں تھیں، ان کو یورپ کے خاص حالات کی بناء پر تنازع للبقاء کے اصول پر عمل کرنا تھا اور زندگی کے سخت مقابلہ میں ان کو اپنی صلاحیتوں کا اظہار کرنا تھا۔ اس لئے ہر چیز کی رفتار تیز ہوگئی۔ عیسائیت کے صراط مستقیم سے انحراف کی رفتار بھی تیز ہوتی چلی گئی۔

ایسی کوئی تحریک یا انحراف الحمدللہ عالم اسلام میں پیش نہیں آیا اور قرآن مجید کی زبان میں: انا نحن نزلنا الذکر وانالہ لحافظون کے عقائد اور اصول دین کی حد تک ایسا انحراف پیش آ بھی نہیں سکتا، خدا نے اس دین کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے، لیکن جہاں تک تمدن اور زندگی کا تعلق ہے، ظاہر ہے کہ کوئی عقیدہ، کوئی تعلیم یا اس کی حامل کوئی خلا بھی نہیں رہ سکتی، اس کو ایک ماحول چاہئے اس کو آزادی چاہئے، اس کو وسائل چاہئیں، اپنے معاشرہ کی تشکیل کی آسانی چاہئے، عقائد میں انحراف اور تبدیلی نہیں ہوئی لیکن عقائد کے نتیجے میں جو اخلاق اور جو زندگی کا طرز عمل متعین ہوتا ہے، اس طرز عمل کو عملی طور پر ظاہر ہونے کے لئے ایک آزاد ماحول چاہئے، ایک معاشرہ چاہئے اور ایک ایسا خطہ چاہئے جہاں وہ آزادی کے ساتھ سانس لے سکے اور اپنے اصول پر عمل کر سکے تو اس بارے میں یورپ کو کامیابی حاصل ہوئی کہ اس نے اسلام کو

(۱) اس استقبالیہ میں جو مقرر کے اعزاز میں اسلام آباد ہوٹل کی طرف سے دیا گیا۔

مسلمانوں کو اصل اسلامی تمدن سے دور کر دیا اور اپنا تمدن ان پر مسلط کر دیا، یا ان کو ان کے لئے دلفریب بنا دیا۔

اسلام کو اقتدار کی ضرورت ہے:

اگر چہ میرا تعلق فطری طور پر خاندانی طور پر اور عملی طور پر اس مکتب فکر اور اس گروہ سے ہے جو خاک کی آغوش میں تسبیح و مناجات پر وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل کو ہمیشہ ترجیح دیتا ہے، میری مراد سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اولوالعزم، عالی ہمت رفقاء سے ہے جنہوں نے احیائے خلافت اسلامیہ کی کوشش کی اور ان پچھلی صدیوں میں پورے عالم اسلام میں کسی ایسی جامع، مکمل، بلند نظر، بلند ہمت جماعت کا سراغ نہیں لگتا جیسا کہ حضرت سید صاحب کی جماعت تھی، میرا تعلق اس جماعت سے ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اسلام کو اقتدار کی ضرورت ہے، مسلمانوں کو حریت کی فضاء کی ضرورت ہے اور خدا کا یہ فرمان جس طرح نزول کے وقت صحیح تھا، آج بھی صحیح ہے اور قیامت تک صحیح ہوگا۔

الذین ان مکنّٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واتوالزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر (الحج)

یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں دسترس دیں تو نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں اور

نیک کام کرنے کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں۔

آپ خیال کیجئے کہ معروف و منکر کے لئے قرآن مجید میں اور حدیث میں امر و نہی کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ استدعا و درخواست کے الفاظ استعمال نہیں کئے گئے ہیں۔ عربی زبان ایسی تنگ دامن نہیں ہے کہ اس کے اندر صرف امر و نہی کے الفاظ ہوں اور دوسرے الفاظ نہ ہوں، جن میں تواضع ہے، خوشامد ہے، جن میں استدعا ہے، جن میں مطالبہ ہے، بلکہ اس کے لئے جہاں کہیں بھی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں وہ امر اور نہی کے ہیں۔ تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر كنتم خير أمة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر اور امر و نہی طاقت چاہتے ہیں۔ امر و نہی وہ مقام چاہتے ہیں جہاں سے ہم اعتماد کے ساتھ اور جرأت کے ساتھ یہ کہہ سکیں کہ یہ صحیح ہے اور یہ غلط ہے۔ امر میں اور نہی میں ایک استعلاء ہے۔ امر و نہی درخواست کے معنی میں نہیں، امر و نہی حکم دینا اور روکنا، اس کے لئے آدمی کے اندر قوت چاہئے۔ ایسا مقام اور ایسی بلندی چاہئے، ایسا اعتماد چاہئے اور اس کی ایسی وقعت ہو دلوں میں کہ وہ امر کر سکے اور نہی کر سکے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کو قوت کی ضرورت ہے، اسلام کو اقتدار کی ضرورت ہے کہ ہمیشہ وہ یہی نہ کہے کہ ''اگر ایسا کر لیا جاتا تو اچھا تھا۔'' ہماری درخواست ہے اور ہم آپ کو ترغیب دیتے ہیں ''ہم تبلیغ کرتے ہیں۔'' اپنی جگہ پر یہ سلسلہ جاری رہے گا لیکن قرآن جو معیار و میزان ہے اس میں الفاظ امر و نہی کے ہیں۔ جن میں مسلمانوں کو وہ طاقت حاصل کرنی چاہئے کہ جس مقام پر فائز ہو کر وہ حکم دے سکیں اور روک سکیں، اس لئے کہ فطرت انسانی تعریف تو کر دیتی ہے اور وہ خوش بھی ہو جاتی ہے، لیکن انسانی نسل کی پوری اصلاح، مکمل اصلاح کے بغیر نہیں ہو سکتی جس کے نتیجے میں اقاموا الصلوٰة واٰتوا الزکوٰة اور امروا بالمعروف اور نهوا عن المنكر کے الفاظ آئے ہیں۔

سارا انحصار شاخ پر ہے:

اگرچہ میرا اس فکر و تحریک سے تعلق ہے لیکن میں آپ سے یہ عرض کرتا ہوں کہ جس شاخ پر نشیمن ہم کو بنانا ہے، اس شاخ کی فکر کی ضرورت ہے۔ ہمارا سارا انحصار اس شاخ پر ہے۔ شاخ اگر قائم ہے، ہری بھری ہے، استوار و پائیدار ہے تو اس کے بعد یہ مسئلہ آتا ہے کہ نشیمن کیسا ہو؟ نشیمن بلبل کا ہو یا زاغ و زغن کا؟ لیکن پہلے تو یہ دیکھنا چاہئے کہ شاخ ہے بھی یا نہیں۔ اگر شاخ

نہیں ہے تو پھر کوئی سوال نہیں اٹھتا کہ نشیمن کیسا ہو؟

وہ شاخ جس پر نشیمن ہو گا وہ شاخ ہے معاشرہ، وہ شاخ ہے کسی ملک کی عام زندگی، شہر میں چلنے والے، بازار مین خرید وفروخت کرنے والے، کارخانوں میں کام کرنے والے اور مدرسوں میں، دانشگاہوں میں پڑھنے اور پڑھانے والے انسان، یہ عام انسان جن سے زندگی عبارت ہے، جن سے شہروں کی رونق ہے، یہ اصل آبادی ہے۔ یہ کیا ہے، اس کی پسندیدگی اور ناپسندیدگی کے پیمانے کیا ہیں، اس کے احساسات کیا ہیں؟ اس میں نشیمن کو اٹھانے، نشیمن کو برداشت کرنے کی کتنی صلاحیت ہے۔ آپ نشیمن زمین پر، عافیت کی جگہ پر بہتر سے بہتر بنائیں، لیکن کسی شاخ پر اس کو آپ قائم کرنا چاہتے ہیں، وہ شاخ اگر اس کا بوجھ نہیں اٹھا سکتی اور زبان قال سے نہیں لیکن زبان حال سے اس کی پتی پتی، اس کا ایک ایک ریشہ یہ اعلان کرتا ہے کہ ہم اس کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے اور ہم کو نشیمن نہیں چاہئے، تو یہ ساری محنت بیکار جائے گی۔ مسئلہ یہ ہے کہ شاخ بھی نشیمن چاہتی ہے یا نہیں؟ پھر نشیمن کا بوجھ شاخ برداشت کر سکتی ہے یا نہیں۔ سارا انحصار اس پر ہے کہ ہمارا معاشرہ کیسا ہے؟ ہمارا معاشرہ اعتقادی طور پر اور اخلاقی طور پر کیسا ہے؟ زندگی کی بنیادی چیزیں، اولین اصول، انسانیت کی ابتدائی شرائط کو پورا کر رہا ہے یا نہیں؟

معاشرہ ایسا ہے کہ گناہ کی رغبت، نفس پرستی، ابوالہوسی اس کا مزاج بن گیا ہے، جس طرح کہ مچھلی اگر پانی سے نکال کر خشکی میں ڈال دی جائے تو اس کا دم گھٹنے لگتا ہے، یہ معاشرہ ایسا ہے کہ اگر اس میں صلاح کی دعوت دی جائے، اگر خدا کے خوف کی دعوت دی جائے، یا اچھے اخلاق کی دعوت دی جائے، فسق وفجور سے بچنے کی دعوت دی جائے تو اس معاشرہ کا دم گھٹنے لگتا ہے، جیسے مچھلی کا دم گھٹنے لگتا ہے، میں قرآن مجید کی اس آیت پر غور کرتا ہوں تو اس کے اعجاز و صداقت کے سامنے انگشت بدنداں رہ جاتا ہوں، ایک فاسد مسخ شدہ معاشرے نے کس خوبی سے اپنے احساسات اور اپنے مضمرات کی ترجمانی کی ہے۔

اخرجوا آل لوطٍ من قريتكم انهم اناس يتطهرون

یعنی معاشرہ چیخ اٹھا، اس معاشرہ نے پکار کر کہا اور بغیر کسی پردہ اور شرم وحجاب کے کہا کہ ان پاکبازوں کی گزر ہم لوگوں کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔ **اخرجوا آل لوطٍ من قريتكم انهم اناس يتطهرون**۔ ہم تو نجاست میں گلے گلے ڈوبے ہوئے ہیں۔ ہم وہ مچھلی ہیں جو نجاست

میں زندہ رہ سکتی ہے، یہ جو ایک رو آئی ہے طہارت کی یہ ہمیں برداشت نہیں، ہم اس کے ساتھ زندہ نہیں رہ سکتے، ہم رہیں گے یا یہ، اگر آپ کو رہنا ہے تو ہم چلے جائیں گے یہ بستی چھوڑ کر۔

جس معاشرہ کی یہ کیفیت ہو جائے گی اس معاشرہ کی صورتحال کو دراصل زندگی کو نظر انداز کر کے کاغذ کے صفحات یا کسی گوشہ میں بیٹھ کر کوئی نقشہ، کوئی نظام بنایا جائے گا تو وہ نظام کامیاب نہیں ہو سکتا، اس لئے یہ نشیمن بہرحال اس پر قائم ہوگا۔ آپ کو اگر اس نشیمن کو قائم کرنا ہے تو اس کی فکر کیجئے کہ وہ شاخ کس حالت میں ہے۔ اگر اس شاخ پر تیشہ چلانے والے سینکڑوں ہیں اور نشیمن بنانے والا ایک ہے اور میں مانتا ہوں کہ وہ اعلیٰ درجہ کی صلاحیت اور پورے وسائل رکھتا ہے، لیکن جہاں ہزار آدمی تیشہ چلا رہے ہوں تو وہ ایک آدمی جو نشیمن بنا رہا ہے یا کوئی تعمیری کام کرنا چاہتا ہے، وہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ کوئی عمارت اس طرح کھڑی نہیں ہو سکتی کہ اس پر مسلسل تیشے چل رہے ہوں اور کچھ لوگ اس کو بنا بھی رہے ہوں۔ وہ عمارت کبھی بن کر تیار نہیں ہو سکتی۔

معاشرہ زمین ہے:

معاشرہ زمین ہے، اگر یہ زمین درست ہے، اپنی جگہ پر قائم ہے، قرآن کے الفاظ میں کثیباً مھیلاً ریت کا ٹیلہ نہیں ہے جو ہر وقت کھسکتا رہتا ہے، جب ہوا آتی ہے تو اس کے ذرات کو اڑا کر لے جاتی ہے، اس کا کسی وقت بھی اطمینان نہیں کہ کل جب آندھی کا طوفان آئے گا تو یہ ٹیلہ یہیں پر ملے گا۔ اگر ہماری سوسائٹی ''ریگ رواں'' کی طرح ہے، جب کوئی چالاک آدمی اس سوسائٹی میں پیدا ہو جائے تو پوری سوسائٹی کو اپنا مسحور بنا سکتا ہے، اس کے دل کی دھڑکنوں کے ساتھ یہ سوسائٹی مل جاتی ہے، اگر سوسائٹی میں اتنی بھی مقادمت، خطرہ کے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے، اگر اس میں تنکے کی طرح بہتے ہوئے پانی میں بہہ جانے کی صلاحیت ہے اور وہ ہر وقت اس کے لئے تیار رہتی ہے کہ کوئی مفسد طاقت یا دعوت، یا نظام یا فلسفہ آجائے تو اس کی ہمنوائی کرنے لگے اور اس کی ساری محنتوں پر پانی پھیر دے، جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ اس معاشرہ کا، اس سوسائٹی کا خدا ہی حافظ ہے اور اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

واقعہ یہ ہے کہ کہیں کا بھی اسلامی معاشرہ ایسا نہیں ہے کہ آپ اس پر پورے طور پر اعتبار کر سکیں، ابھی کل کی بات ہے، مجھے معاف کیا جائے، ممکن ہے بعض لوگ میرے ان خیالات

سے متفق نہ ہوں کہ جمال عبدالناصر کا زمانہ تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مصر میں ایک شخص، ایک متنفس بھی ایسا نہیں ہے جس کو جمال عبدالناصر سے اختلاف ہے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کی آواز پر تالی بجانے، اس کے پیچھے چلنے اور اس کی کار کے پیچھے نعرے لگانے کے لئے پورا مصر مست ہے، اس کو تقدس وعصمت اور محبوبیت ومقبولیت کا اعلیٰ مقام عطا کیا گیا اور بالکل پیغمبروں کی طرح صف میں بٹھا دیا گیا۔ اس کے بعد یہ طلسم ٹوٹا تو معلوم ہوا کہ کچھ بھی نہیں۔ آج کوئی سیدھے منہ سے اس کا نام لینے کے لئے تیار نہیں۔ اس کے بعد اور بھی بہت سے معاشرے ہیں جن میں اگر کوئی شخص جو ذرا بھی اثر ڈال سکتا ہو، عوام پر یا خواص پر، اگر وہ کھڑا ہو جائے تو پورا کا پورا معاشرہ اس کے قدموں میں پڑ جاتا ہے کہ چاہے وہ اس کو پامال کرے، چاہے زندہ کرے:

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی لقائے تو

یہ بڑی خطرناک صورت حال ہے۔

اسلامی شریعت کے نفاذ میں ایک لمحہ کی بھی تاخیر نہ ہو:

اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ اسلامی قانون سازی کی جو بات کی جارہی ہے، اسلامی شریعت کے نفاذ کے جو ارادے ہیں، ان میں سستی پیدا کی جائے۔ میں ہرگز اس غلط فہمی کی اجازت نہیں دوں گا۔ ایک لمحہ کے لئے بھی اس کوشش کو روکنے کے حق میں نہیں۔ یہاں اس حقیقت کو سامنے رکھنا چاہتا ہوں کہ کامیابی کا انحصار اسی معاشرہ پر ہے، اگر معاشرہ اس کا استقبال کرتا ہے اور ہم نے، ہمارے دین کے داعیوں نے، مصنفین نے، صحافت نے، ہمارے ٹیلی ویژن نے، ریڈیو نے، میں یہاں تک عرض کرتا ہوں کہ ابلاغ کے جتنے ذرائع ہیں اگر ان سب نے یہ کوشش کی، یہ مہم چلائی کہ پسندیدگی اور ناپسندیدگی کے پیمانے بدلیں، اندر کے احساسات بدلیں اور نیکی، خدا ترسی، سنجیدگی، متانت، صبر وتحمل، نفس کی ترغیبات، مالی ترغیبات، یا اخلاقی امتحانات کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے تو پھر اس معاشرہ پر بڑے سے بڑا بوجھ ڈالا جا سکتا ہے اور وہ خلافت اسلامی کا بھی بوجھ برداشت کر سکتا ہے اور مجھے اس میں بالکل شبہ نہیں کہ اگر معاشرہ کی اصلاح ہو جائے اور یہ ساری طاقتیں جو اثر انداز ہوتی ہیں اس میں آپس میں تعاون ہو اور یہ سب اشتراک عمل کے ساتھ معاشرے کی اصلاح میں

کچھ عرصہ لگ جائے تو خلافت اسلامیہ کا خواب بھی حقیقت بن سکتا ہے، اس وقت صورت یہ ہے کہ اس گروہ کا جادو چل رہا ہے اور اس کے ہاتھ میں ابلاغ کے ذرائع ہیں، جن کی تعریف قرآن نے ان الفاظ میں کی ہے:

ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشة فی الذین امنوا لھم عذاب الیم فی الدنیا والاخرة واللہ یعلم وانتم لاتعلمون .

جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ مومنوں میں بے حیائی پھیلے، ان کو دنیا اور آخرت میں دکھ دینے والا عذاب ہوگا اور خدا جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

یہ آیت ایک معجزہ ہے، جس وقت یہ آیت **ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشة فی الذین امنوا** نازل ہوئی تھی، مدینہ طیبہ کے محدود معاشرے میں ایک خاص واقعہ پیش آیا تھا۔ اس وقعہ کا لوگ اپنی مجلسوں میں چرچا کرنے لگے۔ مجلسیں کتنی بڑی تھیں، وہ واقعہ کتنا بڑا تھا، کن افراد سے اس کا تعلق تھا، یہ ساری چیزیں ایسی تھیں کہ قرآن مجید کی اس آیت کی وسعت اس سے زیادہ تھی۔ وہ قرنوں سے بڑھ کر اور تاریخی اور جغرافیائی فاصلوں سے آگے بڑھ کر کچھ اور چاہتی تھی۔ آج ہم اس آیت کی تفسیر دیکھ رہے ہیں۔ **ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشة فی الذین امنوا** ۔ جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اہل ایمان میں فواحش اور منکرات کی محبت کا رواج ہو، اس کا تصور آج صحافت، ٹیلی ویژن، ریڈیو کے اس دور میں، ناولوں کے اس دور میں، پکچر اور فلم کی ترقی کے اس دور میں، لٹریچر اور فلسفوں کے اس دور میں اس کی جیسی تفسیر، تفسیر نہیں بلکہ تصویر دیکھی جا سکتی ہے، کسی اور زمانہ میں مشکل ہے۔ مدینہ کے اس ماحول میں لوگوں نے ایمان بالغیب سے کام لیا ہوگا اور انہوں نے اس کا انطباق کیا ہوگا۔ کسی مخصوص واقعہ پر، لیکن آج دنیا کی ساری طاقتیں جس طرح **ان تشیع الفاحشه** پر لگی ہوئی ہیں اس کا اس سے پہلے کیا اندازہ ہو سکتا تھا۔

کچھوا سست رفتاری کے باوجود سو رہا ہے اور خرگوش تیزی کے ساتھ مصروف عمل ہے:

ہم نے اور آپ نے بچپن میں یہ کہانی سنی تھی کہ خرگوش اور کچھوے میں مقابلہ ہوا۔ خرگوش بہت تیز رفتار، کچھوا بہت سست رفتار، لیکن کچھ محنتی تھا، وہ مسلسل چلتا رہا اور خرگوش سو گیا،

نتیجہ یہ ہوا کہ روایتی کچھوا اس روایتی خرگوش سے آگے بڑھ گیا، آج معاملہ اس کے برعکس ہے، آج مقابلہ کچھوے اور خرگوش کا ہے، لیکن معاملہ یہ ہے کہ کچھوا اپنی سست رفتاری کے ساتھ بھی سو رہا ہے اور خرگوش اپنی معروف تیز رفتاری کے ساتھ سرگرم عمل ہے۔ آج ہماری اور تخریبی طاقتوں کی مثال یہی ہے۔ عالم اسلام کی تعمیری کوششیں اس کچھوے کی طرح ہیں جو سست رفتار بھی ہے اور جاگ بھی رہا ہے، آپ تخریبی اور تعمیری طاقتوں کا مقابلہ کر کے دیکھیں، ہر جگہ یہ کچھوے اور خرگوش کی کہانی آپ کو بالکل واقعہ نظر آئے گی۔

ہمارے معاشرے میں تخریبی طاقتیں جس طرح اخلاقی انارکی اور بغاوت پھیلا رہی ہیں ، ان کے پاس وہ وسائل ہیں جو رات کو دن اور دن کو رات ثابت کر سکتے ہیں، نور کو ظلمت اور ظلمت کو نور بنا سکتے ہیں۔ ادھر ان تعمیری کوششوں کا، ان تعمیری اداروں کا حال یہ ہے کہ وہ وسائل سے بھی محروم ہیں، ان کے پاس قوت تنفیذ بھی نہیں اور کشش اور لبھانے والی طاقتیں بھی نہیں ہیں۔

اس وقت اسلامی معاشرہ کا مسئلہ بہت اہم ہو گیا ہے اور یہ خام خیالی جو لوگوں کے ذہنوں میں بیٹھ گئی ہے کہ افراد کا معاملہ اتنا اہم نہیں ، اصل معاملہ مجموعہ کا اور اجتماعیت کا، یہ دور ہے اجتماعیت کی تقدیس کا، اجتماعیت کا اتنا پروپیگنڈا کیا گیا ہے، فلسفہ سیاست، اجتماعیات او رعمرانیات کے ذریعہ جو ایک مستقل فن بن گیا ہے، افراد کی اہمیت نگاہوں سے بالکل اوجھل ہوگئی ہے، بلکہ ان کی نفی ہونے لگی ہے، لوگوں کے ذہن میں یہ بات ہے کہ افراد اپنی جگہ پر کیسے ہی ناقص اور فاسد ہوں، لیکن جب افراد ایک دوسرے سے مل جائیں گے، ان کے ملنے سے، ان کے اجتماع سے جو مجموعہ وجود میں آئے گا، وہ صالح ہوگا، یعنی تختے چاہے کتنے ہی خراب ہوں، گھن کھائے ہوئے ہوں، کرم خوردہ ہوں، لیکن جب کشتی بنائی جائے گی، جہاز بنایا جائے گا تو وہ جہاز اچانک ایک بڑے بیڑے میں تبدیل ہو جائے گا، اور ان تختوں کی علیحدہ علیحدہ جو خرابی ہے، وہ اس میں گم ہو جائے گی، اس کی ایک مثال یہ دی جاسکتی ہے کہ رہزن جب تک علیحدہ علیحدہ ہو وہ رہزن ہیں، لیکن اگر رہزن یونین بنالیں تو وہ پاسبان بن جاتے ہیں، چور اگر اپنا کوئی اتحاد قائم کرلیں ، وفاق قائم کرلیں تو وہ چوکیدار کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں لیکن اگر الگ الگ ہیں تو چور ہیں، رہزن ہیں، یہ منطق میری سمجھ میں نہیں آئی کہ ایک رہزن ، رہزن

ہے، دو رہزن، رہزن ہیں، لیکن سو رہزن آپس میں مل کر پاسبان کیسے بن جاتے ہیں۔ یہی رہزنی جب ایک فردِ واحد میں ہے تو مضر ہے، لیکن ترقی کر کے سو درجے تک پہنچے تو اب کیسے مضر نہیں رہے گی، اگر وہ ایک نمبر کی مضر تھی تو اب سو نمبر کی مضر ہونی چاہئے۔ دنیا کی سیاسی، اقتصادی، اجتماعی تنظیمات سب کا حال یہی ہے۔ یورپ، امریکہ اور روس کی حکومتوں کو دیکھئے، اسی کے ساتھ مشرقی حکومتوں کو بھی دیکھئے کہ وہ فاسق الخیال، فاسد المقصد، جن کے مقاصد تخریبی، جن کی زندگی فاسد، جن کے اخلاق خراب، جن کے افکار و خیالات فاسد، ان سبھوں نے ایک اجتماعی نظام بنالیا ہے اور وہ اجتماعی نظام قوموں کی قسمتوں کا فیصلہ کر رہا ہے۔

اسلام کے ترکش کا قیمتی تیر:

یہاں پر اس وقت خدا نے ایک موقع میسر فرمایا ہے اور یہاں لوگوں کے ذہن میں خدا کی طرف سے یہ بات آئی ہے کہ اس ملک میں معاشرہ کی ایک نئی تشکیل ہونی چاہئے اور اس ملک میں شریعت کا نفاذ ہونا چاہئے اور بالاتری اور اقتدار اعلیٰ شریعت اسلامی کے ہاتھ میں ہونا چاہئے۔ یہ بہت مبارک بات ہے، محض اللہ کا فضل ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ محض اتفاق واقعہ نہیں ہے، میں اتفاق کی منطق کا قائل نہیں، جو کچھ ہوتا ہے تقدیرِ الٰہی اور قضا و قدر کے فیصلہ پر ہوتا ہے، یہ ملک جس بلند مقام اور بلند نسبت پر قائم ہوا تھا اللہ تعالیٰ نے اسی نسبت کا لحاظ فرمایا اور اس کی عنایت و رحمت کی نظر ہوئی، اس لئے میں اس موقع کو غنیمت بلکہ نعمت سمجھتا ہوں اور اس سے فائدہ اٹھانے کی تلقین کرتا ہوں۔ میں آپ حضرات کو یہ بھی آگاہی دینا چاہتا ہوں کہ جب تک ترکش کا کوئی تیر آزمایا نہ جائے اس تیر کے متعلق اس قسم کا حسن ظن قائم کیا جا سکتا ہے، اس سے ڈرایا بھی جا سکتا ہے اور اس سے امید بھی قائم کی جا سکتی ہے، لیکن جب کوئی ترکش سے باہر آجائے، وہ استعمال ہو جائے، پھر اس کے بعد صرف حقیقت رہ جاتی ہے، تجربہ رہ جاتا ہے اور کچھ نہیں رہ جاتا۔ اسلام کے ترکش کا یہ تیر بڑا قیمتی ہے، میں شریعت کا نفاذ اسے نہیں سمجھتا کہ چند حدود جاری ہو جائیں، شریعت کا نفاذ بہت وسیع لفظ ہے اور اس کا بڑا وسیع مفہوم ہے، اس لئے میں کسی ملک کے متعلق شہادت دینے کے لئے تیار نہیں ہوں جبکہ اس کے پورے حالات مقاصد کا اور نیتوں کا علم نہ ہو جائے، لیکن بہر حال دنیا میں ایک چیز ایسی تھی جس کے متعلق کہا جا سکتا تھا کہ اگر وہ تیر ترکش سے نکلا تو پھر دنیا میں خیر و برکت کا دروازہ کھل جائے گا، جب تک

وہ تیر ترکش سے باہر نہیں آیا تھا، اس کے آنے کی امیدیں پیدا نہیں ہوئی تھیں، اس وقت تک دنیا کی زبانیں خاموش، قلم بھی خاموش، ہمارے لئے عذر کے موقع بھی بہت تھے کہ کیا کیا جائے، شریعت کا نفاذ ہی پوری طرح نہیں ہو رہا ہے، اسلامی معاشرہ ہی درست نہیں ہو رہا ہے، اس سے کیسے اچھی امید کی جاسکتی ہے؟ لیکن جب وہ تیر باہر آجائے، پھر اس کے بعد کیا عذر ہوسکتا ہے، یہ تیر ایک ہی بار استعمال ہوتا ہے۔ یہ میں آپ سے عرض کردوں کہ تاریخ کے تجربہ، تاریخ کے مطالعہ کی روشنی میں کہ یہ تیر بار بار استعمال نہیں ہوا کرتا، یہ ایسا تیر نہیں جو بار بار آزمایا جائے، پھر جا کر اٹھالائیں، پھر ترکش میں رکھ لیں کہ ہم بوقت ضرورت استعمال کرتے رہیں گے، یہ تیر ایک مرتبہ کمان سے نکلا پھر واپس نہیں آیا، یہ بہت ہی نازک وقت ہے، میں ایک ایسے منتخب مجمع کے سامنے جس میں ایک ملک کے چیف جسٹس موجود ہیں اور متعدد مرکزی وزراء موجود ہیں، علماء کرام بھی موجود ہیں، میں آپ سے پوری معذرت کے ساتھ یہ عرض کر رہا ہوں کہ صرف پاکستان کی تاریخ میں نہیں بلکہ تاریخ اسلامی میں ایک نازک مرحلہ آگیا ہے، ایسے مواقع پر آدمی اپنی سانس روک لیتا ہے۔

تجربے کامیاب بھی ہوتے ہیں، ناکام بھی ہوتے ہیں۔ ہماری انسانی زندگی ساری کامیاب اور ناکام تجربوں کا مجموعہ ہے، انسان ٹھوکر کھاتا ہے، پھر سنبھلتا ہے، گرتا ہے، پھر اٹھتا ہے۔ قوموں کی کشتیاں بھی ڈوبیں اور نکلیں اور یہ خدا کا قانون ہے۔ **یولج اللیل فی النھار ویولج النھار فی اللیل ویخرج الحی من المیت ویخرج المیت من الحی** اور **قل اللھم مالک الملک** میں جو حقیقت بیان کی گئی ہے **یقلّب اللہ اللیل والنھار** یہ الٹ پھیر ہوتے رہتے ہیں، کسی تجربہ کا ناکام ہونا اتنا مضر نہیں ہے جتنا آئندہ تجربوں کے دروازوں کا بند ہونا مضر ہے۔

میں آپ سے کہتا ہوں جو مبارک کام آپ کرنے جا رہے ہیں، اس ملک و معاشرہ کے اندر اتنی صلاحیت ہونی چاہئے کہ وہ اس کو قبول کرے، استقبال کرے اور پھر اس کو برداشت کر سکے، ہضم کر سکے، اگر آپ کسی کمزور معدہ میں کوئی لطیف ترین غذا بھی ڈال دیں اور وہ معدہ اس کو واپس کردے، اس کو قبول نہ کرے تو اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا، اصلاح معاشرہ کا کام بڑے وسیع پیمانے پر شروع ہونا چاہئے، مسجدوں کے منبروں سے، درسگاہوں سے، اخبار کے کالموں

سے، ٹیلیویژن اور ریڈیو سے اور سیاسی مقررین کی تقریروں میں بھی ان کو نظر انداز نہیں ہونا چاہئے۔ قدم قدم پر اگر رشوت ہے، قدم قدم پر مالی ترغیبات ہیں، قدم قدم پر سنگدلی ہے اور اپنے ساتھیوں اور ایک محلّہ کے رہنے والوں، شہر کے بسنے والوں سے اگر بے حسی ہے، ان کی مدد کرنے کا کوئی جذبہ نہیں ہے، ہمارے کارکنوں میں، دفتر کے کارکنوں میں اور ہمارے مختلف عہدوں اور محاذوں پر کام کرنے والوں میں تو پھر بہت بڑا خطرہ ہے۔

اسپین سے مسلمانوں کے اخراج کے اسباب:

اسپین سے مسلمانوں کے اخراج کا سب سے بڑا سبب معلوم ہوا کہ جہاں ان سے اور بہت سی غلطیاں ہوئیں وہیں ان میں اشاعت اسلامی کی کوشش نہ کرنا بھی شامل ہے۔ وہ شمال کی طرف نہیں بڑھے بلکہ جنوب کی طرف ہٹتے چلے گئے۔ انہوں نے وہاں کی عیسائی آبادی کو اپنے سے مانوس نہیں کیا، اسلام کا پیغام نہیں پہنچایا۔ وہ قلب یورپ میں نہیں گھسے اور اپنے ماحول کو درست نہیں کیا، وہ فن تعمیر اور اپنے تہذیبی اثاثہ کو وسیع کرنے میں مشغول ہو گئے۔ فنون لطیفہ اور شاعری اور موسیقی کی طرف ان کی بہت زیادہ توجہ منعطف ہو گئی، لیکن سب سے بڑی بدقسمتی کی بات ان کا داخلی انتشار تھا، وہ ربیعہ و مضر اور یمانی و حجازی قبائل کا اختلاف تھا۔

لسانی عصبیت، صوبائی عصبیت، نسلی عصبیت اور تہذیبی عصبیت سخت خطرناک بیماریاں ہیں۔ قرآن مجید میں ہمیں یہ ہدایت کی گئی:

لایسخر قوم من قوم عسی ان یکونوا خیرا منھم ولا نسآء من نسآء عسیٰ ان یکون خیرا منھن، ولا تلمزوآ انفسکم ولا تنابزوا بالالقاب .

کوئی قوم کسی قوم سے تمسخر نہ کرے، ممکن ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں عورتوں سے، ممکن ہے کہ وہ ان سے اچھی ہوں اور اپنے کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کا برا نام رکھو۔

یہ مشورہ افراد ہی کے لئے نہیں ہے، یہ ملتوں کے لئے بھی مشورہ ہے، یہ وہ چیزیں ہیں جنھوں نے قوموں اور ملکوں کے چراغ گل کر دیئے ہیں۔ میں نے اپنے دوستوں سے جو ہندوستان سے پاکستان آنے والے تھے یہی کہا کہ آپ جا رہے ہیں تو اپنے اپنے دلوں سے یہ احساس برتری نکال دیجئے کہ آپ اہل زبان ہیں، آپ کی اپنی تہذیب ہے، اگر آپ

خلاف تہذیب کام کریں تو وہ بھی دوسروں کی تہذیب سے بڑھ کر تہذیب ہوگی، ان سب چیزوں کو ذہن سے نکال دیجئے، آپ وہاں جاکر پرانے رہنے والوں کے ساتھ شیر وشکر ہوجائیے۔

پاکستان اس وقت دنیا کے نقشہ پر اثر انداز ہوسکتا ہے اور اس وقت کوئی اہم کردار ادا کرسکتا ہے جب ایسا صحیح الترکیب معجون ہوان عناصر کا جو باہر سے آئے ہیں یا یہاں کے رہنے والے ہیں، ان کو کوئی کسی سے امتیاز نہ کرے۔ یہ سب وہ خطرات ہیں جو اسپین میں تھے، وہاں قبائلی عصبیت نے گل کھلائے اور اپنا اثر دکھایا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائیت وہ جو خطرہ تلوار کی طرح ان کے سر پر لٹک رہا تھا وہ اس کو بھول گئے، وہ آپس میں ایک دوسرے کا تفوق ظاہر کرنے یا زیادہ سے زیادہ حکومت سے لینے یا اپنے قبیلے کے مفاد کی حفاظت میں لگ گئے، آج پاکستان میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اس سے زیادہ موزوں مجمع اس سے زیادہ موقر مجلس کوئی نہیں ہوسکتی جس میں اپنے اس اندیشے کا اظہار کردوں کہ آپ کی اصلاح کی مہم ان عصبیتوں کو ختم کردے اور ان عصبیتوں کو ختم کرنے کی صورت یہ نہیں ہے کہ ان عصبیتوں کی تردید کی جائے۔ ہم اپنے طرز عمل سے اور اسلامی اتحاد اور عدل ومساوات سے جس کا ذکر کیا ہے چیمہ صاحب نے، اس کے قانون ومساوات پر عمل کرکے ہم ان عصبیتوں کو بالکل فنا کردیں، کم سے کم پاکستان کی حد تک ہمارے سامنے صرف اسلام کا مسئلہ رہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت دنیا میں دو ہی محاذ ہیں، ایک محاذ ہے الحاد وکفر کا اور ایک محاذ ہے اسلام کا، اور اس میں ذرا سی بھی چوک ہوئی تو میں قرآن مجید کے وہی الفاظ دہراؤں جو مدینہ میں قائم ہونے والے چھوٹے سے اسلامی معاشرے کو مخاطب کرکے کہے گئے تھے، مدینہ طیبہ میں جو معاشرہ بن رہا ہے وہ نہ صرف یہ کہ مہاجرین وانصار سے مرکب تھا بلکہ خود انصار کے دو قبیلے اوس وخزرج سے مرکب تھا اور مہاجرین اور انصار کے درمیان اتنی شکر رنجیاں اور اتنی تلخیاں، انتقامی جذبات، اتنی رنگین تاریخ، خون آلود تاریخ نہیں ہوگی جتنی اوس وخزرج کے درمیان، اوس خزرج تقریباً چالیس برس لڑ چکے تھے اور اب بھی ان کی آنکھوں میں خون بھرا ہوا تھا اور ذرا سے ایک شعر پڑھ دینے میں ان کے جذبات مشتعل ہوجاتے تھے۔ ایسا ہوا ہے کہ اوس وخزرج بیٹھے ہوئے ہیں اور کسی شاطر یہودی نے کسی کو بھیجا اور کہا کہ فلاں قصیدہ پڑھو

اور اس نے پڑھنا شروع کیا اور قریب تھا کہ تلواریں نیام سے نکل آئیں اور آنکھوں سے معلوم ہوتا تھا کہ خون ٹپکنے لگا کہ اچانک رسول اللہ ﷺ پہنچ گئے اور آپ نے ان کو اسلامی وحدت اور اسلامی اخوت کی طرف متوجہ فرمایا اور وہ آگ ٹھنڈی ہوئی۔ وہ معاشرہ جو اتنا چھوٹا سا تھا، ساری دنیا ایک طرف، ساری طاقتیں ایک طرف، بازنطینی اور ساسانی سلطنتیں ایک طرف تھیں، اس کے بعد کی سلطنتیں ہندوستان وغیرہ کو چھوڑ دیئے اور ان کے مقابلہ میں چند ہزار آدمیوں کا ایک مجموعہ، ایک یونٹ، ایک وحدت تیار ہو رہی تھی، یہ وحدت بڑی طاقتوں کا کیا مقابلہ کر سکے گی، لیکن اس کو بھی آگاہی دی گئی کہ اگر تم نے اپنی وحدت کو مستحکم نہ کیا، اپنی اخوت کو مستحکم نہ کیا، **الا تفعلوہ تکن فتنة فی الارض وفساد کبیر**...... اگر تم نے اس میں کوتاہی کی تو اس کوتاہی کی سزا دنیا میں یہ ملے گی کہ زمین میں فتنہ عظیم وفساد کبیر برپا ہوگا۔ اب آپ خیال کیجئے کیا یہ لوگ ایسے تھے کہ جو انسانی قسمت پر ایسے اثر انداز ہو سکیں؟ لیکن انسانیت کی آس ان ہی لوگوں سے قائم تھی، انسانیت کا جوہر، انسانیت کی اصلاح کا جو بھی سرمایہ تھا صرف یہی لوگ تھے، اسی لئے کہا گیا تم اگر ذرا سی غلطی کرو گے اور تمہاری وحدت واخوت میں ذرا بھی رخنہ پڑا تو صرف یہی نہیں کہ تم فنا ہو جاؤ گے بلکہ **تکن فتنة فی الارض و فساد کبیر** دنیا میں فتنہ عظیم اور فساد کبیر برپا ہوگا۔ آپ سے کہتا ہوں کہ پاکستان میں اگر خدانخواستہ ان عصبیتوں نے سر اٹھایا جن کا ہر وقت خطرہ رہتا ہے، جن کو Exploit کیا جاتا ہے، جن سے ہر وقت لوگ کام لیتے ہیں تو پھر کوئی طاقت پاکستان کو بچا نہیں سکتی۔ نفاذ شریعت کا تجربہ اگر خدانخواستہ ناکام ہوا تو پھر دنیا کے کسی گوشے میں کوئی خدا کا بندہ اس کا نام نہیں لے سکتا کہ شریعت کا نفاذ کیا جائے۔

میں پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ مغرب اور پوری غیر اسلامی دنیا اس وقت ان ملکوں کی طرف دیکھ رہی ہے جہاں شریعت کے نفاذ کی آواز بلند ہو رہی ہے، یہ تجربہ اگر ناکام ہوتا ہے تو پھر میدان صاف ہے، اس لئے میں صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ بڑا نازک مرحلہ ہے اور اس مرحلہ پر آپ کو پوری توانائیاں، پوری ذہنی صلاحیتیں، اپنی قوت ارادی، ایثار و قربانی کا جذبہ، تعاون واشتراک عمل، اختلاف کو پس پشت ڈال دینے کی ہمت اس پر مرکوز کر دینی ہے۔ آپ کو جماعتوں سے بالاتر ہو کر بلند تر ہو کر پاکستان کے مفاد اور اس سے بھی بالاتر ہو کر اسلام کے مفاد کو دیکھنا ہے، اگر آپ نے یہ شرائط پوری کر دیں تو تاریخ کا ایک نیا صفحہ

پلٹے گا اور ایک نئے دور کا آغاز ہوگا، جب ایک ایسا معاشرہ قائم ہو جائے گا تو آپ دیکھیں گے کہ دنیا بھر کے سیاح ہی نہیں بلکہ دنیا بھر کے شاہد اور مبصر آپ کے ملک میں آئیں گے تا کہ اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور ساری دنیا میں بیان کرسکیں اور بتائیں کہ ہم نے ایک ایسا معاشرہ دیکھا ہے جہاں گناہ ناپید ہے، جہاں ہر فرد ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کرتا ہے جو ایک معیاری اور مثالی معاشرہ ہے، جہاں قلب کو سکون حاصل ہوتا ہے اور روح کو اطمینان نصیب ہوتا ہے اور جہاں پہنچ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں آ گئے ہیں، اس لئے میں صرف اس طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ یہ ہتھیلی پر سرسوں جمانے کا کام نہیں ہے کہ ایک رات میں سب کچھ ہو جائے۔ کاش ایسا ہو جاتا، آپ اس کے لئے وہ سب تیار کریں اور وہ سب قربانیاں دیں جو ایک ایسی نعمت کے لئے دینا چاہئے جس پر انحصار ہے اسلام کی آئندہ ترقی کا اور آپ کے ملک کی قسمت کا۔

میں ان الفاظ کے ساتھ شکر گزار ہوں ان حضرات کا جنہوں نے مجھے ایسا زرین مواقع فراہم فرمایا اور آپ کا کہ آپ نے یہاں تشریف لا کر میری عزت بڑھائی۔

ملت کے تشخص کو بچایئے

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وخاتم النبیین محمد وآلہ وصحبہ اجمعین اما بعد!

حضرات! ہندوستان میں ملت کے تشخص (IDENTITY) کو بچانے کی ذمہ داری آپ کی ہے، جیسے فرد کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اس مٹ جانے والے مٹی کے جسم کو بچائے، بالکل اسی طرح اس پیغام کو جو انسانیت کے لئے روح کا درجہ رکھتا ہے، بچانے کی ذمہ داری ملت کی ہے، ملت کو ملت کہلانے کے استحقاق کو بچانے اور امت کو اللہ تعالیٰ کی نصرت کا حقدار بنانے کی ذمہ داری آپ کی ہے، آپ اس ملک میں مسلمانوں کے تشخص کو بچانے اور اس کی آئندہ نسل کو مسلمان رکھنے کی ذمہ داری قبول کریں، اور اس کے لئے وہ قربانیاں دیں جو مطلوب ہیں، فرد ایک ہے اور ایک فرد کی حیثیت سے قربانی دینا ہے، لیکن ملت کی تعداد ہندوستان میں کم سے کم دس کروڑ بتائی جاتی ہے، تو اس کی قربانیوں، کوششوں جانفشانیوں، اس کے قوت مقابلہ اور اس کے انتظامات کی مقدار بھی اسی سطح کی ہونی چاہئے۔

ملی تشخص کی حفاظت آئینی طریقہ پر کریں:

اس کے ساتھ یہ بھی آپ نظر انداز نہ کیجئے کہ آپ ایسے ملک میں ہیں، جس میں اکثریت غیر مسلموں کی ہے، وہ جمہوری ملک ہے، اور وہاں قانون ساز مجلسیں قانون بناتی ہیں، جب یہ ملک جمہوری ہے تو پارلیمنٹ ہی قانون بنائے گی، اور جمہوریت کا یہ قاعدہ ہے کہ اکثریت کی رائے اور تائید سے قانون بنتا ہے، اس لئے ہر وقت اس کا خطرہ ہے کہ ایسے قوانین بنیں جو ہمارے بنیادی عقائد، مسلمات، ہمارے جذبات اور ہماری ضرورتوں کے خلاف (بد نیتی سے کم اور ناواقفیت سے زیادہ) بنیں، یہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ مذہبی، تہذیبی اور لسانی بنیادوں پر جارحانہ احیائیت (AGGRESSIVE REVIVALISM) اور کلیت پسندی۔ (TOTALITARIANISM) کی تحریکیں بھی زور شور سے چل رہی ہیں، اب آپ کا

کام یہ ہے کہ ایسے سیکولر اور جمہوری ملک میں اپنے ملی تشخص کی حفاظت آئینی طریقہ پر کریں، آپ ہندوستان کے وفادار، مفید، کارآمد اور اس کے ضروری جزء ہونے کی حیثیت سے اپنی افادیت واہمیت ثابت کریں، اور مطالبہ کریں کہ کوئی قانون ہماری شریعت، آسمانی کتاب اور ہمارے عقائد کے خلاف نہیں بننا چاہئے۔ آپ اسی کے ساتھ یہ بھی ثابت کریں کہ خلاف شریعت قانون بننے سے آپ کو اس سے زیادہ اذیت ہوتی ہے، اور آپ کا ملی وجود اس سے زیادہ خطرہ میں پڑ جاتا ہے جتنا کھانا روکنے سے۔ کوئی جمہوری حکومت کسی اقلیت اور کسی فرقہ کی غذائی ضرورتوں کو نہیں روک سکتی، اور کوئی حکومت چاہے کتنی ہی طاقتور ہو، یہ قانون نہیں بنا سکتی کہ فلاں فرقہ کو غلہ کی فراہمی روک دی جائے، یا بازار میں اس کو دکان کھولنے کی اجازت نہ دی جائے یا اس کے بچوں پر تعلیم اور تعلیم گاہوں کے دروازے بند کر دیئے جائیں، ایسا اگر ہونے لگے تو آپ قیامت برپا کر سکتے ہیں، آپ ثابت کر دیں کہ اس قانون اور اس نئے نظام تعلیم سے آپ کو گھٹن ہو رہی ہے، جیسے مچھلی کو پانی سے نکال کر باہر رکھنے سے اس کا دم گھٹتا ہے، آپ کے چہروں کے اتار چڑھاؤ، حرکات وسکنات سے معلوم ہو جائے کہ آپ کی صحت اور توانائی اور کارکردگی پر اثر پڑا ہے، اور یہ محسوس کر لیا جائے کہ یہ ایک مغموم قوم کے افراد ہیں، اس نئے قانون سے ان کا دم گھٹ رہا ہے اور یہ ان کی آئندہ نسل کے قتل کے مترادف ہے، یہ کام آپ کو خلوص کے ساتھ عملی طور پر ایسی کیفیات کے ساتھ کرنا ہوگا کہ ہر شخص اسٹیشنوں، پارکوں اور بسوں میں آپ کی بے چینی کو محسوس کرے، اگر آدھا نہیں تو کم از کم اس کا چوتھائی حصہ ثابت کرنا ہوگا، میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ایک ہفتہ بھی ایسا قانون نہیں چل سکتا، میں نے دنیا کے آئینوں اور دستور حکومت کا مطالعہ کیا ہے، اور جمہوریتوں کی تاریخ پڑھی ہے، اس لئے میں یہ بات کہہ رہا ہوں۔

تشدد سے اجتناب:

لیکن یہ سب کام مرصع اور سیاسی الفاظ کے ساتھ نہیں ہوگا۔ اس کے لئے جذباتی، حسی، اور جسمانی طور پر اپنے کرب کا اظہار کرنا پڑے گا۔ آپ کو بتانا ہوگا کہ ہم اس ملک میں ہیں اور ایسا نظام تعلیم رائج کیا جائے جس سے مسلمان بچے مسلمان نہ رہنے پائیں، اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ آپ نے ہم کو زندگی کی حقیقی لذت وعزت سے محروم کر دیا ہے۔

آپ کو ایک طرف آئینی طور پر کوشش کرنی ہوگی اور اس کے لئے جلسے، جلوس، تنظیمیں، انجمنیں، احتجاج اور وہ سب کچھ کرنا ہوگا جو دستوری وآئینی طریقہ پر کسی جمہوری ملک میں کسی چیز کو منوانے کے لئے کیا جاتا ہے، میں توڑ پھوڑ اور تشدد کو نہیں کہتا اور نہ میں اس کا قائل ہوں، میں تو برادران وطن کو ''تشدد'' سے روکنا چاہتا ہوں۔ پھر میں آپ کو اس کا مشورہ کیسے دوں گا، لیکن دستوری حدود میں رہتے ہوئے ایک جمہوری ملک میں جس طرح اپنی بے چینی کا اظہار کیا جاسکتا ہے، وہ کرنا چاہئے۔

اعتقادی ارتداد کا خطرہ:

دوسری طرف آپ کو ہر وقت چوکنا رہنا ہوگا، آپ کو اخبارات پڑھنے ہوں گے، اور وہ کتابیں پڑھنی ہوں گی جو دینی تعلیم کونسل نے اس موضوع پر تیار کردی ہیں، اور جن سے کوئی چیز ڈھکی چھپی نہیں رہی، ان سے آپ کو معلوم ہوگا کہ اس وقت کونسا قانون بن رہا ہے، جس سے آپ کی آئندہ نسل خطرات میں گھر گئی ہے؟ اگر حالات کا یہی رخ رہا اور یہی لیل ونہار رہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ذہنی وتہذیبی ہی نہیں، اعتقادی ارتداد کا خطرہ ہے، اور آپ کو معلوم ہے کہ اسلام کی لغت میں کوئی لفظ اتنا رونگٹے کھڑے کرنے والا اور وحشت ناک نہیں جتنا کہ ''ارتداد'' کا لفظ ہے، حد یہ ہے کہ کفر بھی مسلمان کے اندر اتنی کپکپی نہیں پیدا کرتا جتنا کہ ارتداد کا لفظ، حدیث میں آتا ہے کہ تین باتیں وہ ہیں کہ اگر آدمی ان کو جمع کرے تو اس نے ایمان کی صفات کو جمع کرلیا ان میں سے ایک یہ ہے کہ:

من یکرہ ان یعود الی الکفر کمایکرہ ان یقذف فی النار

(اس تصور سے کہ میں کفر کی طرف لوٹ جاؤں گا اسے ایسی وحشت ہو جیسے اس کو آگ میں ڈالے جانے پر وحشت ہوتی ہے)۔

اگر اس طرح حالات باقی رہے، جارحانہ احیاء پرستی اسی طرح بڑھتی اور ترقی کرتی رہی تو اس ملک میں ''ارتداد'' کا خطرہ ہے، یہ آسانی سے کہنے والی بات نہیں تھی، لیکن دل پر پتھر رکھ کر میں نے کہہ دی۔

وسیع پیمانے پر مکاتب قائم کریں:

دوسرا راستہ یہ ہے کہ مکاتب کا جال بچھا دیا جائے، ہر مکتب خود کفیل ہو، باہر کے چندوں پر بالکل نظر نہ ہو، یہ کام ملت کے لحاظ سے آپ پر فرض ہے، تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جن ملتوں نے اپنا فریضہ ادا نہیں کیا وہ صفحۂ ہستی سے مٹ گئیں، ترجمان حقیقت اقبال نے صحیح کہا ہے:

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

ہمیں یقین ہے کہ یہ ملک اسپین نہیں بنے گا، جو اس کا خواب دیکھ رہا ہے وہ ہوش میں آئے، لیکن ہمیں اور آپ کو یہ محسوس کرنا چاہئے کہ اسپین سے کم درجہ کے ممالک چین، روس اور بلغاریہ ہیں، جہاں کروڑوں کی تعداد میں مسلمان آباد ہیں، ان کی مسجدیں ہیں، وہاں انہیں نماز پڑھنے کی اجازت ہے، لیکن...... دینی تعلیم دینے اور مذہب اسلامی تہذیب پر آزادی کے ساتھ عمل کرنے کی اجازت نہیں، اور نہ اسلامی دعوت کی اجازت ہے۔ اسپین تو آخری درجہ ہے۔ اقبال کے بقول صدیوں سے اس کی فضا بے اذان اور اس کی زمین بے سجود ہے، آپ کو یہ کوشش کرنی ہے کہ یہ ملک بھی روس اور چین اور بلغاریہ کی طرح نہ بن جائے، میرا یقین ہے کہ اگر آپ اپنے اندروں کرب و بے چینی کا اظہار کریں گے تو دوسرے بھی متاثر ہوں گے اور ہزاروں کی تعداد میں آپ کو ایسے ہم نوا اور ہمدرد مل جائیں گے، جو آپ کو اس احتجاج میں حق بجانب قرار دیں گے اور اس کو بھی جمہوریت اور آزادی کا تقاضہ سمجھیں گے، اس کے ساتھ آپ کا فرض ہوگا کہ وسیع پیمانہ پر مکاتب قائم کریں، میں قرآن وحدیث کے ایک طالب علم کی حیثیت سے یہ کہتا ہوں کہ کسی ضلع کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہاں دنیا کے سارے کام ہوتے ہوں، شادیاں دھوم دھام سے ہوتی ہوں، باراتیں نکلتی ہوں، اور لاکھوں کے جہیز دیئے جاتے ہوں، رسمیں ہوتی ہوں، حکام کی خوشامدیں ہوتی ہوں اور انتخاب میں حصہ لیا جاتا ہو اور وہ ضلع تین آرگنائزر نہیں رکھ سکتا، اگر آپ سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ یہ سوال کرے تو آپ کے پاس کیا جواب ہوگا آپ اس کا کوئی جواب نہیں دے سکتے کہ لاکھوں کی آمدنی والے شہروں میں مسلمان دینی تعلیم کے لئے کوئی انتظام محض پیسہ کی بناء پر نہیں کر سکے، آج آپ اس جلسہ سے

فیصلہ کر کے جائیں کہ اس کام میں کوتاہی نہ ہونے دیں گے، اگر آپ نے یہ فیصلہ کرلیا کہ اپنی اخراجات میں سے دینی مکاتب کے لئے بھی حصہ رکھیں گے، تو یہ ایک تاریخ ساز فیصلہ ہوگا، آپ یہ طے کرلیں گے کہ ہر جگہ مکاتب کا جال بچھا دیا جائے گا، دفاتر قائم کئے جائیں گے، تعلیمی معائنہ کا سلسلہ ٹوٹنے نہیں پائے گا، آپ امکانی حد تک اس مقصد کے لئے تمام مادی وسائل اختیار کریں گے، تو پھر اللہ تعالیٰ کی مدد ہوگی اور یزدکم قوۃالیٰ قوتکم (تمہاری قوت میں اللہ تعالیٰ قوت کا اضافہ فرمادے گا) ظہور ہوگا، لیکن شرط یہ ہے کہ پہلے آپ اپنی سی کوشش کر گذریں۔

ملت کا فرض اور اسلامی نظام حیات:

امت کے تشخص کی حفاظت کی ذمہ داریخود ملت کا فرض ہے۔ قرآن مجید نے صرف فرد کو مخاطب کر کے نہیں فرمایا۔ ہر ''فرد'' اور ہر ''ملت'' کے لئے قانون خداوندی یہی ہے:

وان لیس للانسان الا ماسعیٰ O وان سعیه سوف یریٰ O ثم یجزاہ الجزآء الاوفیٰ O

انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے، اور یہ کہ اس کی کوشش دیکھی جائے گی۔ پھر اس کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی سی کوشش کرنے اور امکانی سعی کو کام میں لانے والے کو بشارت بھی دی ہے کہ نہ صرف اس کی سعی کا نتیجہ نکلے گا بلکہ اس کی سعی مقبول ہوگی، اور اللہ تعالیٰ اس میں اپنی طرف سے برکت اور اضافہ فرمائے گا۔ ثم یجزاہ الجزاء الاونیٰ

حضرات! بحیثیت اس مذہب کے متبع اور داعی کے ہم پر اور ہر مسلمان پر یہ فرض ہے کہ ملک کی تعلیمی تبدیلیوں کا بغور جائزہ لیتے رہیں، اور ہر وقت ان پر نظر رکھیں اور یہ دیکھتے رہیں کہ ان کا اثر ہمارے مذہب، ہماری نسلوں کے دل و دماغ اور ان کے دینی واخلاقی مستقبل پر کیا پڑے گا، میں یہ صاف کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ہمارا مذہب بہت سے دوسرے مذاہب کے برخلاف بہت جلد متاثر ہوتا ہے اور بہت زیادہ متاثر کرتا ہے، اور اس کا نتیجہ ہے کہ وہ ایک زندہ اور ذی شعور مذہب ہے، زندہ ہستی متاثر بھی ہوتی ہے اور موثر بھی جو وجود زندگی کھو چکا ہوتا ہے، یا زندگی کے میدان سے کنارہ کش ہو جاتا ہے، وہ نہ متاثر ہوتا ہے اور نہ موثر، ہم اپنے مذہب

کے لئے یہ پوزیشن قبول کرنے کے لئے تیارنہیں کہ دنیا چاہے جتنی ہی بدل جائے، زندگی کے چاہے جتنے ہی نقشے بنیں، نئی نسلوں کو ڈھالنے کے لئے کیسے ہی سانچے تیار ہوں، ہمارے مذہب پر کوئی اثرنہیں پڑتا، ہم بدستور مذہبی فرائض ادا کرتے رہیں گےاورانسان اورخدا کا رشتہ اسی طرح قائم رہے گا، ہمارا مذہب ایک پورا نظام حیات ہے، وہ زندگی کے ہر شعبہ کے لئے متعین ہدایات اوراحکام دیتا ہے،اس لئے ہمیں ہر ملک اور ہر دور میں چوکنا رہنا چاہئے اور یہ دیکھتے رہنا چاہئے کہ کیا ہمیں اپنے ذہنی، اخلاقی اور روحانی نشوونما کے لئے مناسب فضا اور سازگار ماحول میسر ہے، یانہیں اور ہماری آئندہ نسلیں صحیح معنوں میں مسلمان رہ سکیں گی یا نہیں؟

اسلام مکمل دین اور مستقل تہذیب ہے:

پھر یہ بھی یاد رکھئے کہ اسلام صرف چند رسوم اورتقریبات کا نام نہیں، چند عبادات تک بھی مخصوص نہیں بلکہ یہ مکمل زندگی گزارنے کا طریقہ اور کامل دین ہے، ایک مختصر جملہ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ مستقل تہذیب ہے، بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کا کوئی مخصوص طرز زندگی اور اس کی کوئی مستقل تہذیب نہیں، لہذا دوسری قومیں اور دوسرے ممالک کے لوگ اسلام قبول کریں تو اسلامی عقائد کو لے لینا ہی کافی ہے، تہذیبی اقدار کو لینے اور اختیار کرنے کی ضرورت نہیں۔

میں بڑی صراحت کے ساتھ یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ غیر اسلامی طرز فکر ہے، اسلام کو اصرار ہے کہ عقائد واعمال کے ساتھ اس کا مخصوص طرز زندگی بھی اپنایا جائے، قرآن و سنت سے منصوص طریقے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ایک خاص طرح کی زندگی اور خاص طرح کی وراثت تک متعین۔ ضوابط واحکام ہیں، اور اسلام کا مطالبہ ہے کہ انہیں کے مطابق زندگی گذاری جائے، اس کی خلاف ورزی نہ ہو، نبی کریم ﷺ نے بڑی باتوں سے لے کر انتہائی معمولی اور چھوٹی چھوٹی باتوں تک کی تعلیم دی اور صحابہ کرامؓ نے انہیں سیکھا اور برتا۔

حضرات! اس غلط و ناقص نصاب تعلیم کی اصلاح کا مطالبہ اور اس کے لئے ہر طرح کی جدوجہد ہمارا آئینی حق اور وطنی وقومی فرض ہے، اگر ہم اس کو جرأت اور استقامت کے ساتھ انجام دیں گے تو ہم اس ملک کے ساتھ حقیقی وفاداری اور صحیح حب الوطنی کا ثبوت بھی دیں گے،

اس نصاب اور اس کے غلط اندیش وکوتاہ نظر مرتبین نے ہندوستان کی سب سے بڑی اقلیت کو جو صلاحیتوں سے معمور ہے، ایک ذہنی انتشار واضطراب میں مبتلا کر دیا ہے، جو اس ملک کی قومی یک جہتی اور جذباتی ہم آہنگی کے لئے سخت مضر اور ہندوستان کی مجموعی ترقی وخوشحالی میں حارج ہے۔ اس لئے اس کی اصلاح اور نقص کا ازالہ وہ سب سے بڑی خدمت ہے، جو کوئی ہندوستانی انجام دے سکتا ہے، البتہ مذہبی طور پر یہ آپ کا فریضہ ہے اور اس میں کوتاہی یا اس سے روگردانی، مذہبی گناہ اور اسلام سے دشمنی ہے۔

لیکن اس کام کو جاری رکھتے ہوئے آپ کو وہ کام بھی کرنا ہے جس میں کسی حکومت کے کسی اقدام یا کارروائی کے انتظار کی ضرورت نہیں، آپ کو اپنی نسل کے دینی تحفظ اور اسلام سے اس کے ربط وتعلق کا انتظام کرنا ہے، اور یہ ذمہ داری، غذا، لباس، دوا علاج، تعلیم اور معاش سے بدرجہا زیادہ ضروری ہے، آپ کو ہر حال میں اپنے بچوں کی اس ضروری دینی تعلیم وتربیت کا انتظام کرنا ہے، جس کے بغیر وہ مسلمان نہیں رہ سکتے، یہی آیت قرآنی:

یاایها الذین امنوا قوا انفسکم واهلیکم ناراً O

مومنو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آتش (جہنم) سے بچاؤ۔

کا مفہوم اور تفسیر، اور یہی حدیث کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیته (تم میں سے ہر ایک صاحب اختیار ہے، اور اس سے ان کے ماتحتوں اور یہ حلقہ اثر کے بارے میں سوال ہوگا۔) کے حکم کی تعمیل ہے، اس کے لئے آزاد مکاتب، صباحی وشبینہ مدارس، دینی مجالس، گھر کی تلقین ونگرانی، ماحول کی اصلاح، صحیح اور مفید کتابوں کی اشاعت اور ایسے بہت سے ذرائع ہو سکتے ہیں، خصوصاً مدارس ومکاتب کا قیام اس وقت اتنا ضروری ہو گیا ہے کہ میں نہیں سمجھتا کہ اس وقت نئی نسل کی اسلامیت کے بقاء وتحفظ کے لئے کوئی اور تدابیر اتنی موثر ہو سکتی ہے، اس سب کے لئے آپ کے قومی فیصلہ اور اجتماعی عزم کی ضرورت ہے۔

انسانیت کی تقدیر میں تغیر وتبدل:

اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طاقت کے بعد (جو اصل طاقت ہے) دنیاوی لحاظ سے سب سے بڑی طاقت جو زندگی کے پہیئے کو رواں دواں رکھے ہوئے ہے، جو مختلف وقتوں میں دنیا میں تبدیلیاں لاتی رہتی ہے، پہاڑوں کو اپنی جگہ سے کھسکا دیتی ہے، دریاؤں کے رخ موڑ دیتی

ہے، سلطنتوں کے چراغ گل کر دیتی ہے، ایسے اوقات کو جن کا تصور بھی مشکل ہوتا ہے، وجود میں لے آتی ہے، وہ انسانی فیصلہ ہے، اس فیصلہ نے بار ہا افراد کی، اور خاندانوں کی نہیں، قوموں کی اور انسانیت کی تقدیر بدل دی ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کا موقع دیا ہے کہ وہ اپنی صلاحیت کا اظہار اور زندگی کا استحقاق ثابت کر کے با آبرو زندگی کے گذارنے کی مہلت لے لے، اور اس کے برعکس اپنی نااہلی، کفران نعمت اور ظلم وفساد کا مظاہرہ کر کے زندگی کے حق اور اللہ کی نعمتوں سے محرومی کا فیصلہ کرائے، اسی کا نام ہے تقدیر کا بدل جانا۔

ان اللہ لایغیر مابقوم حتیٰ یغیروا ما بانفسھم۔

اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت میں تغیر نہیں کرتا جب تک وہ لوگ خود اپنی حالت کو نہیں بدل دیتے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ کسی قوم کو دی ہوئی نعمت اس وقت تک نہیں چھینتا، اور اس کی تقدیر نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنے حالات میں تبدیلی پیدا کر کے اور ناشکری کر کے نعمت خداوندی سے محرومی اور عزت کے بعد ذلت کا فیصلہ نہ کرائے۔

وہ شاہِ کلید جس سے ہر قفل کھل سکتا ہے:

حضرات! مسائل ومشکلات کی نہ تعداد مقرر ہے، نہ اقسام معین ہیں...... لیکن ایک ''شاہ کلید'' ہوتی ہے، جو سارے قفلوں کو کھول سکتی ہے، اور ساری رکاوٹوں کو دور کر سکتی ہے، اس کے لئے زمان ومکان کی بھی قید نہیں، اور اسباب ووسائل کی بھی شرط نہیں، وہ شاہ کلید جس سے ہر قفل کھل سکتا ہے، وہ ہے ملی عزیمت، اور اجتماعی فیصلہ، اگر اس ملک کے مسلمان یہ فیصلہ کر لیں کہ ان کو اپنی آئندہ نسلوں کے مستقبل کا تحفظ اور ان کی تعلیم کے مسئلہ کا حل ہر مسئلہ، ہر مفاد، ہر سہولت، ہر عزت، ہر خوش حالی اور ہر کامیابی سے زیادہ عزیز ہے، تو یہ مسئلہ ایک دن میں حل ہو سکتا ہے، اس کے لئے ان کو ہر وہ قربانی دینی ہوگی جس کی اس جمہوری ملک کے اندر اور دستور کے ماتحت گنجائش ہے، اور جو اس ملک کے حقیقت پسندوں پر، اور دنیا کے دوسرے ممالک پر ثابت کر دے کہ مسلمان کو اپنا دین وایمان، اور اپنی اولاد کا اسلام پر قائم رہنا ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے، یہ کام بغیر کسی تخریب، کسی جارحانہ اقدام، کسی معاندانہ ذہنیت، کسی حریفانہ کشمکش، کسی شرپسندی اور انتشار کے بغیر ہو سکتا لیکن اس کے لئے ذاتی مفادات، ذاتی جذبات اور ذاتی

وابستگیوں کی قربانی کی ضرورت ہوگی، اس قربانی کے بغیر کسی چھوٹی سی چھوٹی قوم کا کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ شعار، اس کی کوئی چھوٹی سی چھوٹی نشانی اور حقیر سے حقیر مفاد بھی محفوظ نہیں رہتا۔

(ایک ملت کا مستقبل اور اس کی شہ رگ، اس کی ورید حیات کیسے محفوظ رہ سکتی ہے، اس کا صرف ایک ہی حل ہے، اور وہ ہے ملی عزیمت اور احتجاجی فیصلہ اور میں اسی کو درد کی آخری دوا سمجھتا ہوں) اور اقبال کے لفظ میں اپنی گذارش کو ختم کرتا ہوں۔

خودی سے مرد خود آگاہ کا جمال و جلال
کہ یہ کتاب ہے باقی تمام تفسیریں
حکیم میری نواؤں کا راز کیا جانے
ورائے عقل ہیں اہل جنوں کی تدبیریں

صحیح اسلامی اقتدار کی ذمہ داری اور اس کے برکات

یہ تقریر ۲۷ مئی ۱۹۸۴ء کو اس عظیم جلسہ میں کی گئی جس کا انتظام فاران کلب کی جانب سے کراچی کے مشہور میٹروپول ہوٹل میں کیا گیا تھا اور جس میں اعلیٰ عہدیدار، شہر کے معززین اور اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات کثیر تعداد میں موجود تھے

نحمده ونصلی علیٰ رسوله الکریم اما بعد فاعوذبالله من الشیطان الرجیم. بسم الله الرحمن الرحیم. الذین ان مکنهم فی الارض اقاموا الصلوٰة واتوالزکوٰة وامروا بالمعروف ونهوا عن المنکر ولله عاقبة الامور O

یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں دسترس دیں تو نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور نیک کام کرنے کا حکم دیں اور سب کاموں کا انجام خدا ہی کے اختیار میں ہے۔

حضرات میں اپنے معزز داعیوں اور اس سوسائٹی کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے ایک ایسے منتخب مجمع سے خطاب کرنے کا موقع دیا اور عزت افزائی کی۔

حضرات! چھٹی ساتویں صدی مسیح کی تاریخ آپ کے سامنے ہے۔ جس میں ظہور اسلام اور بعثت محمدی کا تاریخ ساز، عہد آفریں، انقلاب انگیز، زلزلہ خیز واقعہ پیش آیا اور میں سمجھتا ہوں کہ کسی زبان میں اس کی عظمت کی گہرائی و گیرائی ادا کرنے کے لئے الفاظ نہیں ہیں۔ آپ میں سے جو لوگ اس وقت کی تاریخ سے کچھ بھی واقفیت رکھتے ہیں اور جنہوں نے بعثت کی معاصر دنیا اور اس کے قبل کے عہد (جس کو جاہلیت کے بلیغ و عمیق لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے) کی تاریخ پڑھی ہے وہ جانتے ہیں کہ غالباً کوئی ملک بھی ایسا نہیں تھا جہاں خدا شناس، خدا ترس، انسانیت دوست اور ایک حد تک پاکباز انسان نہ پائے جاتے ہوں، لیکن ان کا حیات انسانی اور ذہن انسانی پر کوئی اثر نہیں پڑ رہا تھا، اس لئے کہ افراد کا اثر زیادہ تر افراد پر پڑتا ہے، تمدنوں اور مختلف طبقات انسانی پر یہ افراد اثر انداز نہیں ہو سکتے، اگر اس زمانہ کی مفصل روداد (ریکارڈ) ہمارے سامنے ہوتی تو ہمیں معلوم ہوتا کہ جن صالحین، جن دانشوروں یا جن فلاسفہ و معلمین اخلاق کے حالات ہم تاریخ میں

پڑھتے ہیں، بعض اوقات ان کے خاندان پر بھی ان کا اثر نہیں ہوتا۔ ان کے خاندان والے قریبی رشتہ دار بھی تاویل کرلیا کرتے تھے کہ اگر یہ نیک نہ بنیں گے تو کیا بنیں گے؟ ان کے وسائل قلیل، ان کی خواہشات محدود، ان کی عمر ایک خاص مرحلہ پر پہنچ چکی ہے، دنیا اس سے بے نیاز ہے۔ وہ ان سے پوچھ کر نہیں چلتی، اس لئے یہ اپنے گوشہ عافیت میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اپنے خیالات میں مگن ہیں۔ انسانی ذہن میں غور کرنے اور تہہ تک پہنچنے کی اللہ نے جو فطری صلاحیت رکھی ہے وہ اس وقت تک بیدار نہیں ہوتی جب تک کہ اس کے سامنے کوئی حقیقت بڑی وسیع، عمیق اور طاقتور شکل میں نہ آئے اور اس کو سوچنے پر مجبور نہ کردے۔ یہ نوع انسانی کی بدقسمتی ہے کہ افراد کا دائرہ اثر سمٹتے سمٹتے اس صفحہ حیات پر ایک نقطہ بن کر رہ گیا تھا۔ ایک چھوٹا سا نقطہ جو بعض اوقات خوردبین کے بغیر نہیں دیکھا جاسکتا تھا۔ زندگی کا چکر جس طرح چل رہا تھا، چلتا رہا، زندگی کا پہیہ جس طرح گھوم رہا تھا، گھومتا رہا۔ جو لوگ حاوی تھے ان کا اقتدار اسی طرح قائم تھا۔ کوئی چیز ایسی نہیں تھی جو ان کو جھنجھوڑ کر رکھ دے اور اندر سے ان کے ضمیر کو پکڑ لے اور ہلائے اور کہے کہ اس کا جواب دینا ہوگا۔ اس کی توجیہ کرنی ہوگی کہ یہ کیا ہوا، یہ کیا ہو رہا ہے؟ یہ بات جب ہوتی ہے جب کسی امت کی سطح پر، کسی عالمگیر دعوت کی سطح پر، اور ایک ایسے ماحول کی سطح پر جس میں طبقات انسانی کی پوری نمائندگی ہو، اس میں ہر طبقہ کے لوگ ہوں، ہر پیشہ کے لوگ ہوں، ہر سطح کے لوگ ہوں، ایک نیا معاشرہ وجود میں آتا ہے اور وہ ایک نئی زندگی کا تجربہ پیش کرتا ہے، تب دنیا غور کرنے پر مجبور ہوتی ہے کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ اس مقصد کے لئے ایک امت سامنے لائی گئی۔ قرآن کے لفظ بتاتے ہیں کہ اس امت کی حیثیت کسی دعوت کے آہستگی سے قابو کرلینے اور اس پر بیٹھ کر عمل کرلینے والوں کی نہیں تھی۔ یہ امت اللہ کے فیصلہ کے مطابق دنیا کے منظر عام (عالمی اسٹیج) پر لائی گئی جو معاذ اللہ ایکٹر کی (اداکار و ممثل) کی حیثیت سے نہیں، فیکٹر یعنی ایک طاقتور تاریخی عامل کی حیثیت سے کام کرنے والی تھی۔

یہ وہ واقعہ تھا جس نے دنیا کی تاریخ نہیں دنیا کی تقدیر بدل دی، ایک نئی امت مبعوث کی گئی، جس نے ساری دنیا کو متوجہ کیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ ایک کے متعلق تاویل کی جاسکتی ہے، دو کے متعلق، چار کے متعلق، پچاس کے متعلق، یہ لاکھوں انسان چند اصولوں اور چند عقائد کے قائل ہوئے تو اپنی سابقہ زندگی کو بالکل بھول کر اور اس کو ترک کر کے انہوں نے زندگی کا ایک

نمونہ جس سے دنیا ناآشنا ہو چکی تھی دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اب حکمرانی اللہ کی ہے، اب حکمرانی شریعت اسلامی، شریعت محمدی کی ہے۔ اب حکمرانی انسانیت کی خیر خواہی کی ہے اب حکمرانی آخرت کے یقین کی ہے، اب حکمرانی ایثار و قربانی کی ہے، اب حکمرانی زہد و اخلاص کی ہے۔ اب حکمرانی خواہشات کی نہیں ہے، اب حکمرانی ایک بالاتر طاقت کی غلامی کی (اساس پر قائم) ہے۔ وہ ''تکبیر مسلسل'' جو وسعت افلاک میں گونجی تھی، اب دکانوں میں بھی اس کا نغمہ سنا جانے لگا اور مکانوں میں بھی۔ وہ عبادت گاہوں تک محدود نہیں ہے۔ بازاروں کی مشغول کر دینے والی فضاؤں بلکہ میدان جنگ تک کے رستخیز میں بھی سنی جاتی ہے۔ وہاں بھی یہ امت جو نماز کی پابند ہے، صلوٰۃ الخوف پڑھتی ہے۔ وہاں بھی اپنے اللہ کو نہیں بھولتی۔ ان کے خلفاء و حکمراں وہ ہیں کہ روم و ایران کے صدیوں سے جمع ہونے والے خزانے ان کے قدموں کے نیچے ہیں، لیکن کیا مجال جو اپنی ذات پر کچھ خرچ کر لیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ان کی اہلیہ محترمہ کہتی ہیں کہ بچوں کا بہت دنوں سے منہ میٹھا نہیں ہوا۔ منہ کا مزا خراب ہے۔ آپ جب خلیفہ نہیں تھے اور آزاد پیشہ (تجارت) کرتے تھے تو ہم مختلف قسم کی چیزیں پکاتے اور کھاتے تھے۔ اور جب سے آپ نے خلافت کی ذمہ داری سنبھالی ہے اور روزینہ مقرر کر دیا ہے ہمارا پورا گھر تنوع اور مختلف مزوں سے محروم ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''مسلمانوں کا بیت المال اس لئے نہیں کہ ابوبکر کے گھرانے کا منہ میٹھا کرے۔'' اہلیہ صاحبہ نے کہا کہ ''اچھا اگر خود ہم اپنی خوش انتظامی اور کفایت شعاری سے اس روزینہ میں سے کچھ بچا کر آپ کو دے دیں تو آپ اس سے وہ سامان لا سکتے ہیں جس سے میٹھا تیار ہو سکے؟'' انہوں کہا۔ ''اس میں کیا حرج ہے؟ یہ تو تمہاری سلیقہ مندی کی بات ہے۔'' زوجہ محترمہ نے ایک ایک دو دو درہم جمع کرنے شروع کیے۔ اس سے کم میں انہوں نے گھر کا انتظام کر لیا، اس کے بعد انہوں نے کہا۔ ''لیجئے یہ آپ کے بیت المال سے نہیں آیا ہے، جو کچھ ہم کو ملتا ہے اسی سے ہم نے بچایا ہے۔'' انہوں نے ان کی تعریف کی اور پیسے لے لئے اور بیت المال کے ذمہ دار کو بلایا اور کہا کہ ''تجربہ نے ثابت کر دیا کہ ابوبکر کے گھرانے کا گزارا اس سے کم پیسے میں بھی ہو سکتا ہے۔ اس لئے یہ تو بیت المال میں جمع کر لو اور آئندہ اتنا کم کر کے بھیجا کرو۔''

حضرت عمر بن عبدالعزیز ایک رات سرکاری کام کر رہے تھے۔ شمع جل رہی تھی اور وہ

کاغذات کھولے ہوئے اپنے کام میں منہمک تھے کہ ایک دم سے ان کے دوست آ گئے۔ السلام علیکم، وعلیکم السلام۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان سے اس ملک کا حال پوچھا، جہاں سے وہ آئے تھے۔ یہ بھی خلافت کا کام تھا اور خلیفہ کا فرض ہے کہ وہ تمام ممالک محروسہ کے حالات سے واقف ہو۔ شمع جلتی رہے۔ اتنے میں انہوں نے کہا کہ ''کہئے بچے خیریت سے ہیں؟ گھر میں سب آرام ہے؟ کوئی بیمار تو نہیں؟'' حضرت عمر بن عبدالعزیؒ نے فوراً شمع بجھادی۔ دوست نے کہا۔ ''یہ کیا کیا؟'' عمر بن عبدالعزیزؒ نے جواب دیا کہ ''مسلمانوں کے بیت المال کی شمع اس لئے نہیں ہے کہ عمرؓ کے گھر کے لوگوں کی خیریت پوچھی جائے۔ ایک ایک آدمی کا نام لے کر اس کا حال پوچھا جائے۔ اس کے لئے بیت المال کا تیل نہیں ہے، اب جب میں سرکاری کام کروں گا جب جلاؤں گا، اگر میرے گھر کی باتیں آپ کو کرنی ہیں تو میں گھر کی شمع منگواتا ہوں۔'' یہ دو مثالیں آپ کے سامنے دی ہیں ورنہ خلافت راشدہ اور عہد اول کی تاریخ میں درجنوں مثالیں ہیں۔

یہ چیز دنیا کے بادشاہوں کو بھی معلوم تھی، قیصر و کسریٰ کو بھی معلوم تھی، قیصر نے اپنی فوج کے کمانڈر سے پوچھا کہ ''میں فوج پر فوج بھیجتا ہوں، کمک پر کمک بھیجتا ہوں، آزمودہ کار جنرل جنھوں نے کل ایران کو شکست دی تھی اور اس کے قلب تک پہنچ گئے تھے، ان کو بھی مامور کرتا ہوں، لیکن ہر فوج شکست کھا کر آتی ہے۔ مجھے بتاؤ کہ یہ آدمی ہیں یا جن؟ یہ کون لوگ ہیں؟'' کمانڈر نے کہا کہ ''سرکار! اگر آپ ناراض نہ ہوں تو میں صاف صاف بتاؤں؟'' قیصر نے کہا ''ضرور بے تکلف کہو!'' اس نے کہا کہ ''ان کی حالت یہ ہے کہ رات وہ راہب معلوم ہوتے ہیں (اس لئے کہ ان کے یہاں اصطلاح یہی تھی) رات کو تو وہ عبادت گزار نظر آتے ہیں اور دن کو شہسوار۔ رات کو دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ میدان جنگ سے ان کو کوئی واسطہ نہیں ہے۔ یہ بھی نہیں جانتے کہ تلوار کس طرح پکڑی جاتی ہے۔ دن میں ان کو گھوڑوں کی پیٹھ پر دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کا نام بھی لینے کی ان کو فرصت نہ ہوگی۔ آپ رات کو مسجد چلے جائیں، ان کے قرآن پڑھنے کی دھن میں آپ کان پڑی آواز نہیں سن سکتے، ان کا حال یہ ہے کہ یہ اپنے مفتوحہ علاقہ کی کسی معمولی سے معمولی چیز کو بھی بغیر دام دیئے نہیں لے سکتے۔ اگر ان کے امیر کا لڑکا بھی چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹے بغیر نہیں چھوڑتے۔'' قیصر نے کہا۔ ''اگر تم نے ان کا حال صحیح صحیح بیان

کیا ہے تو میں جہاں بیٹھا ہوں یہاں تک ایک دن ان کی حکومت پہنچ کر رہے گی۔"

حضرات! میں نے جو آیت شروع میں پڑھی تھی اس میں یہی بتایا گیا ہے کہ **الذین ان مکناھم فی الارض** یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین میں قابو دیں گے، ان کے قدم کہیں جمائیں گے، تو یہ نہیں ہوگا کہ یہ عیش وعشرت کریں گے، یہ تعمیرات میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کریں گے۔ یہ بڑے سے بڑے سرمائے جمع کریں گے، ان کا تمدن ایک حسین گلدستہ بن جائے گا، ان کے شہروں میں ہُن برستا نظر آئے گا، ہر شخص کے سر پر ہما کا پرندہ بیٹھا نظر آئے گا، یہ اعلیٰ سے اعلیٰ سواریوں پر بیٹھے نظر آئیں گے، ان کے دسترخوانوں پر انواع نعمت چنے ہوئے ہوں گے، نہیں بلکہ فتوحات کی تاریخ، کشور کشائی کی تاریخ، جنگ آزمائی کی تاریخ اور انسانی حوصلہ اور عزم کے اظہار کی تاریخ کے تجربوں کے برخلاف ان کا حال یہ ہوگا کہ:

الذین ان مکنّٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واتوالزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور O

یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں دسترس دیں تو نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور نیک کام کرنے کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام خدا ہی کے اختیار میں ہے۔

اگر ہم ان کو زمین میں تمکین واقتدار عطا کریں گے تو نماز کو برپا کریں گے۔ میں اس کا ترجمہ یہ نہیں کرتا کہ نماز پڑھیں گے۔ لفظ "صلوٰ" نہیں ہے بلکہ "اقاموالصلاۃ" ہے۔ یعنی نماز کو زندگی کا جزء اور اس کا لازمہ بنادیں گے، اس کا انتظام واہتمام کریں گے۔ اس کے لئے جس فضاء کے تیار کرنے کی ضرورت ہے، جتنے علم کی ضرورت ہے، جن جگہوں کی ضرورت ہے (جن کو مساجد کہتے ہیں) ان سب کا اہتمام کریں گے "اقاموالصلاۃ" "اقامو" کے لفظ میں یہ سب چیزیں آجاتی ہیں۔ واتوالزکوٰۃ "زکوٰۃ کا فریضہ ادا کریں گے، زکوٰۃ کو عام کریں گے۔" وامروابالمعروف وانھی عن المنکر اور نیکی کا حکم کریں گے اور برائی سے روکیں گے۔

یہاں یہ بھی خیال رہے کہ اس آیت میں بعض دوسری آیتوں کی طرح "امروا" اور "نہوا" کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جو نصیحت ودعوت، ترغیب وفہمائش کے الفاظ سے مختلف ہیں۔ امر ونہی (حکم وممانعت) کا منصوبہ ادا کرنے والے کے لئے اس کی کسی قدر طاقت وبالاتری

حاصل ہو اور وہ عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہو اور اس کی بات نہ ماننے کی صورت میں عقوبت ونقصان کا خوف ہو، اس لئے بھی ایسی جماعت یا امت کو جو اس فرض کو انجام دینے کے لئے پیدا کی گئی ہے، سیاسی اقتدار اور قوت کی ضرورت ہے۔ یہ تھا راز اس واقعہ کی جہانگیر اس واقعہ کی اعجاز نمائی اور اس واقعہ کی بوالعجبی کا جو بعثت نبوی اور امت عربیہ مسلمہ کے ظہور کی شکل میں چھٹی صدی میں پیش آیا۔ یہ وہ چیز تھی جس نے ساری دنیا کو غور کرنے پر مجبور کر دیا اور دنیا کی نگاہیں اسلام کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آج بھی دنیا کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ ایک نمونہ حیات دنیا کے سامنے ہو، ''حیاۃ'' جس کا نام ہے اس کے اندر اضطراب ہے، اس کے اندر اہتزاز ہے، ارتعاش ہے، اس کے اندر جوش بھی ہے، جذبات بھی ہیں۔ اس میں تجارت بھی ہے، زراعت بھی، حاکم ومحکوم کی تقسیم بھی ہے، عالم وجاہل کا فرق بھی ہے، اس کے اندر بوڑھے بھی ہوتے ہیں، جوان بھی، بچے بھی، زندگی اپنی تمام بوقلمونیوں کے ساتھ، تمام تنوعات کے ساتھ ہوتی ہے۔ ایسا ملک جو اس زندگی کا نمونہ ہو اقوام وملل کی صف میں باعزت مقام حاصل کر سکتا ہے۔ اگر دنیا کی مدد کرنے کی ضرورت ہو، ذہنی طور پر، اخلاقی طور پر تو وہ اس کی بھی صلاحیت رکھتا ہو، وہ ایک آزادانہ، باعزت اور باوقار، طاقتور ملک ہو، ایک وسیع زندگی جس میں وہ سب کچھ ہو جو زندگی کے لوازم ہیں، لیکن وہ ایک صالح باضمیر معاشرہ ایک ایسا ماحول رکھتا ہو جس میں دولت ہی سب کچھ نہیں، اصل چیز اللہ کی رضا، آخرت کا نفع، اللہ اور اس کے رسول کے احکام پر عمل ہے۔ اس معاشرہ پر تمدن سوار نہ ہو، بلکہ اس معاشرہ نے تمدن کو اپنے زنو کے نیچے رکھا ہو، تمدن اس کا مرکب ہو، اس کا راکب نہ ہو، اس معاشرہ نے زندگی کی آسائشوں کے سامنے سپر نہ ڈالی ہو۔ اس نے زندگی کی آسائشوں کو اپنا تابع بنا رکھا ہوا، وہ کسی حد شرعی سے کسی وقت تجاوز نہ کر سکتا ہو۔ اس کے یہاں کوئی کسی پر ظلم نہیں کر سکتا۔ اس کے یہاں رشوت کا وجود ہی نہیں ہے۔ اس کے کسی جج کو کسی طاقت سے غلط فیصلہ پر آمادہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے دفاتر میں کام کرنے والے کام چور نہیں ہیں، وہ دیر سے آنے والے نہیں ہیں، وہ ناحق اپنی تنخواہیں وصول کرنے والے نہیں ہیں، وہ اگر کسی کمزور سے کمزور پر ظلم ہو تو وہ طاقتور سے طاقتور آدمی بن جاتا ہے، اگر کوئی بڑے سے بڑا طاقتور ظلم کرے تو وہ کمزور سے کمزور انسان سمجھا جاتا ہے۔ جیسے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا کہ ''تم میں سے بڑے سے بڑا قوی میرے نزدیک کمزور ہے۔ اگر

وہ ظلم کرے گا اور تم میں سے سب سے زیادہ کمزور طاقتور ہے اگر اس پر ظلم ہو۔''

یہ وہ آئیڈیل سوسائٹی اور ایسا صالح معاشرہ ہے جس کے لئے دنیا ترس رہی ہے، تڑپ رہی ہے۔ اس وقت اگر کوئی خدمت انسانیت کی ہو سکتی ہے تو یہی ہے کہ ایک آزاد طاقتور ملک کی سطح پر آپ اسلامی زندگی کا مظاہرہ کریں۔ یہ وہ چیز ہے جس کے اندر ہزاروں نہیں لاکھوں مقناطیسوں کی کشش ہے۔ جس کے اندر وہ دلربائی، وہ جاذبیت ہے جو امریکہ اور روس کو بھی سوچنے پر مجبور کر دے گی۔ ہماری آپ کی سب کی جگہ پیچھے کی صفوں میں ہے اور ہم سو چیزوں میں ان کے محتاج ہیں، لیکن اگر ہم ایسی زندگی کا نمونہ پیش کریں تو ان کی گردنیں احترام سے ہمارے سامنے جھک جائیں گی۔ وہ اپنے یہاں جرائم کا استیصال نہیں کر سکے، وہ شراب نہیں چھڑا سکے، وہ جوا نہیں چھڑا سکے، وہ ظلم کرنا نہیں بند کر سکے اور آپ کے یہاں یہ سب چیزیں ناپید ہیں۔ یہ وہ خدمت ہے جو پاکستان انجام دے سکتا ہے۔

حضرات! مجھے ایک آزاد با اقتدار ملک میں جو کچھ خطرہ محسوس ہوتا ہے وہ نفسانیت سے ہے، جاہ طلبی سے ہے، حکومت اور حصول اقتدار کی اس چاٹ سے ہے جو قوموں کو چاٹ چکی ہے اور ان کو کھوکھلا بنا کر رکھ چکی ہے۔ مجھے جو کچھ خطرہ ہے وہ شخصی مفادات سے ہے۔ آپ جانتے ہیں اور اسلام کی تاریخ بتاتی ہے کہ ہر زمانہ میں اسلامی مملکت کو جو کچھ نقصان پہنچا وہ مفاد پرستوں سے پہنچا۔ آپ عباسی عہد کی تاریخ پڑھیں ابن العلقمی اور خواجہ نصیر الدین طوسی کا نام آپ کے سامنے آئے گا، جنہوں نے ہلاکو خان کو بغداد پر حملہ کی دعوت دی۔ آپ ہندوستان کی تاریخ پڑھیں گے تو جعفر و صادق کے نام سامنے آئیں گے، جن کے متعلق اقبال نے کہا ہے:

جعفر از بنگال و صادق از دکن
ننگ آدم، ننگ دین، ننگ وطن

مذہبی اختلافات کو ہوا دے کر، گروہی پروپیگنڈہ کر کے ملک میں اعتقادی یا سیاسی انتشار پیدا کر کے اور اپنا گرویدہ بنا کر جعفر و صادق اس زمانے میں بھی سامنے آ سکتے ہیں، اور جو کچھ اندیشہ ہے ان ہی جعفران بے ضمیر اور صادقان تدبیر سے ہے۔ دوسرا خطرہ وہ سیاسی انتشار ہے۔ جو ملک کے وسیع تر مفادات کو بھول جاتا ہے اور اپنی پارٹی کے مفادات کو سامنے رکھتا ہے۔ اسی طرح اگر اندیشہ ہے تو صوبائی تعصب اور لسانی تعصب سے ہے کہ زبان کا بھوک کسی صوبے پر سوار ہو جائے اور کسی صوبے کا بت بن جائے اور اس کے سامنے پوری قوم کو سجدہ ریز کرنے اور

پوری قوم کو اس کی قربان گاہ پر قربان کردینے کا جذبہ پیدا ہوجائے۔ یہ حقیقی خطرات ہیں جو آپ کے ملک کو درپیش ہیں، آپ دنیا کو دکھائیے کہ افراد ہی نہیں، وہ لوگ ہی نہیں جو متروک الدنیا ہیں بلکہ وہ لوگ بھی جن کے پاس طاقت ہے، جن کے پاس وسائل ہیں، جن کے پاس اتنا بڑا وسیع ملک اور مملکت ہے وہ اسلام کی تعلیمات پر عمل کرتے ہیں اور اسلام کی تعلیمات پر اس بدلے ہوئے دور میں، اس عہد انقلاب میں بھی عمل ہوسکتا ہے۔ اسلامی قانون نافذ ہوسکتا ہے اور مملکت کے تمام شہری اس کو دل و جان سے قبول کرسکتے ہیں۔ اس کو کامیاب ثابت کرسکتے ہیں۔ (اسی طرح) علمی بحثیں مدرسوں میں ہونی چاہئیں، تصنیفات میں ہونی چاہئیں، ان کی بنیاد پر ملک کو انتشار اور خانہ جنگی میں مبتلا نہیں کرنا چاہئے۔ آپ اپنی توانائی ضائع نہ کریں۔ میں علماء سے کہوں گا کہ آپ کو یورپ و امریکہ دعوت اسلام کے لئے جانا چاہئے۔

تو ہما کا ہے شکار ابھی ابتداء ہے تیری
نہیں مصلحت سے خالی یہ جہان مرغ و ماہی

یہ نہ دیکھئے کہ سہرا کس جماعت کے سر بندھتا ہے اور کس جماعت کو کریڈٹ ملتا ہے۔ اس کی فکر کیجئے کہ سر سلامت رہے، اس پر عزت کا تاج کسی ہاتھ سے رکھا جائے، مفاد عامہ کو نظر انداز کرکے جماعتی سطح پر کام نہ کیجئے۔ رضائے الٰہی، حکمت دینی، وقت کے تقاضے اور دنیا کے ماحول کے پیش نظر خطرات کو سامنے رکھ کر اخلاص و ایثار سے کام کیجئے اور صرف اللہ تعالیٰ سے اجر کے طالب اور امیدوار، اور قوامين لله شهداء بالقسط (اللہ کے لئے کھڑے ہونے والے اور حق و انصاف کی گواہی دینے والے) بنئے، پھر دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ کن انعامات سے سرفراز فرماتا ہے۔

وقل اعملوا فسيرى الله عملكم ورسوله والمؤمنون وستردون الى عالم الغيب والشهادة فينبئكم بما كنتم تعملون O

اور ان سے کہہ دو کہ عمل کئے جاؤ، اللہ اور اس کا رسول اور سب مومن تمہارے عملوں کو دیکھ لیں گے اور تم غائب و حاضر کے جاننے والے (الٰہ واحد) کی طرف لوٹ جاؤ گے، پھر جو کچھ تم کرتے رہے ہو (سب) تم کو بتا دے گا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ملک وقوم کی سطح پر اسلامی معاشرہ کی ضرورت

یہ تقریر خطبہ جمعہ سے پہلے ۲۵ مئی ۱۹۸۴ء کو احاطۂ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کی جامع مسجد میں علماء، طلباء اور حاضرین جمعہ کے سامنے کی گئی تھی

نحمده ونصلی علیٰ رسوله الکریم ۔ اما بعد فاعوذ بالله من الشیطان الرجیم. وکذٰلک جعلناکم امة وسطا لتکونوا شهداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شهیدا ۔

اور اسی طرح ہم نے تم کو امت معتدل بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو۔

میرے بھائیو اور دوستو! آپ کو معلوم ہے کہ جب چھٹی صدی مسیحی میں آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوئی۔ اس وقت دنیا سے ایمان وعقیدہ، اعمال حسنہ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت یکسر وکلیۃً مفقود نہیں ہوئی تھی، کہیں کہیں اس کے آثار پائے جاتے تھے، ایسے افراد موجود تھے جو اپنی جگہ پر صحیح عقیدہ بھی رکھتے تھے اور عمل بھی کرتے تھے، خود اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں یہودیوں کے متعلق فرماتا ہے:

لیسوا سواء من اهل الکتاب امة قائمة یتلون ایات الله اناء اللیل وهم یسجدون O یؤمنون بالله والیوم الآخر ویأمرون بالمعروف وینهون عن المنکر ویسارعون فی الخیرات واولئک من الصالحین O (۲)

یہ سبھی ایک جیسے نہیں ہیں ان اہل کتاب میں کچھ لوگ (اللہ کے حکم) قائم بھی ہیں جو رات کے وقت اللہ کی آیتیں پڑھتے ہیں اور (اس کے آگے) سجدے کرتے ہیں اور اللہ پر او رروز آخرت پر ایمان رکھتے اور اچھے کام کرنے کو کہتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے اور نیکیوں پر لپکتے ہیں اور یہی لوگ نیکوکار ہیں۔

دنیا ایمان وعقیدہ، عمل صالح اور اللہ کی معرفت سے (ان کمزوریوں کے ساتھ جو امتداد زمانہ اور عہد نبوت سے بعد فاصلہ سے ان میں پیدا ہوگئی تھیں، بالکل خالی نہیں ہوگئی تھی۔

خواہشات نفس اور ماحول کے فساد سے جو خرابیاں پیدا ہوگئی تھیں، وہ پورے معاشرہ کی پوری زندگی پر حاوی ہوگئی تھیں اور جو فاسد وظالم نظام و ماحول قائم ہوگیا تھا اس کا اثر ضرور پڑا تھا، مگر اچھے لوگ موجود تھے، ان افراد کی مثال ایسی تھی جیسے برسات کی اندھیری رات میں جگنو چمکتا ہے، یہاں سے اڑ کر ادھر چلا گیا، ادھر سے اڑ کر ادھر آ گیا نہ مسافر کو اس سے راستہ مل سکتا ہے اور نہ کوئی اس کی روشنی میں اپنا کام کرسکتا ہے کہ کچھ سی پرو لے یا حشرات الارض کو پہچان لے۔ راستہ کے نشیب وفراز دیکھ لے اور ٹھوکر نہ کھائے۔ وہ روشنی ایسی نہیں ہوتی۔ جاہلیت کی شب ظلمت میں ان افراد کے نور ایمان کے جوان کے قلب کے اندر تھا، حقیقت اس سے زیادہ نہیں تھی جتنی برسات کی اندھیری رات میں کہیں کہیں جگنو کی چمک نظر آتی ہے، اس جگنو کی روشنی سے کوئی اپنا دیا جلا نہیں سکتا۔ اس وقت ان افراد کی حالت ایسی ہی تھی۔ وہ افراد کہیں کم تھے کہیں زیادہ تھے۔ نسل انسانی کی بدقسمتی یہ تھی کہ اچھے افراد نہیں تھے، افراد تھے، لیکن افراد اس صورتحال میں کوئی بڑی تبدیلی نہیں پیدا کر سکتے تھے، وہ افراد منتشر تھے، کمزور تھے، ان افراد کے اندر دعوت کا جذبہ نہیں تھا، حالات سے جو بے چینی ہونی چاہئے کہ آدمی کی روح سلگتی رہے، اور اس کا دل جلتا رہے، اس کی آنکھیں اشکبار رہیں اور اس کو کسی کل چین نہ آئے، ان افراد کی حالت یہ بھی نہیں تھی، وہ افراد یا تو اصلاح سے مایوس ہوگئے تھے اور اپنی خیر مناتے تھے کہ ہمارا ہی ایمان محفوظ رہ جائے، جیسا کہ حضرت سلمان فارسیؓ نے اپنی طلب ہدایت کی سرگزشت میں بیان کیا ہے، کہیں کسی کلیسا میں بیٹھا ہوا کوئی آدمی ملتا، کہیں کسی خانقاہ میں پناہ گزین کوئی اللہ کا نام لینے والا ملتا، لیکن دنیا جس روش پر جارہی تھی، اس روش کی تیزی کو کم کرنے کے لئے بھی (رخ تبدیل کرنا تو بہت بڑی چیز ہے یہ تو الوالعزم پیغمبروں ہی کا کام ہے) یہ افراد کچھ موثر ومفید نہیں تھے، جس رفتار کے ساتھ دنیا ہلاکت کے خندق کی طرف جارہی تھی اس میں تھوڑا سا سکون پیدا کرنے اور بریک لگانے کی طاقت بھی کسی میں نہیں تھی۔

اس دنیا کی بدقسمتی یہ نہیں تھی کہ سرے سے کہیں اللہ کا نام لینے والا کوئی نہیں تھا، اللہ کے سامنے سر جھکانے والا کوئی نہیں تھا۔ ایسا نہیں تھا، دنیا کی بدقسمتی اور عالم انسانی کا سب سے بڑا یہ خلا تھا کہ صحیح اعتقاد اور اس اعتقاد کے مطابق عمل کرنے کا عزم و جذبہ، انسانی سیرت واخلاق کی بلندی اور عملی نمونہ قوموں کی سطح پر، ملکوں کی سطح پر اور عالمگیر دعوت کی سطح پر نہیں تھا، افراد تھے

مگر معاشرہ نہیں تھا، شہروں میں ایک وہ گھر محفوظ تھے مگر پاکیزہ ماحول اور سوسائٹی نہیں تھی۔ اس وقت دنیا کی سب سے بڑی ضرورت یہ تھی کہ ایک پورا معاشرہ ایک مکمل اور وسیع ماحول قائم ہو۔ ایک صاحب اقتدار موثر قوم صحیح عقیدہ، صحیح عمل، صحیح اخلاق اور صحیح طرز زندگی کی داعی اور اس کا نمونہ بن کر دنیا کے سامنے آئے۔ اس دنیا کی یہی بدقسمتی تھی جس کی وجہ سے ہدایت کا کام چل نہیں رہا تھا، انسانیت معطل اور مفلوج ہوکر رہ گئی تھی، اس پر فالج کا ایسا حملہ ہوا تھا کہ جو لوگ غلط کو غلط سمجھتے تھے اور صحیح کو صحیح سمجھتے تھے وہ انسانیت کے مستقبل سے بالکل مایوس ہو گئے تھے اور کسی پہاڑ کی چوٹی پر یا کسی غار کی گہرائی میں اپنا ایمان اپنے سینے سے لگائے ہوئے اور اس چراغ ہدایت کو دامن کے نیچے لئے ہوئے کہ ہوا کا کوئی تیز جھونکا اس شمع کو بجھا نہ دے، جیسے اس نے قوموں کے چراغ بجھا دیئے ملکوں کے چراغ گل کردیئے (وہ ڈرتے تھے کہ) ہمارے چراغ ہدایت کو بھی ہوا کا کوئی جھونکا گل نہ کردے۔ فرشتوں کو تخلیق آدم پر بڑا اعتراض تھا، وہ کہتے تھے "اتجعل فیھا من یفسد فیھا ویسفک الدماء" (کیا تو زمین میں ایسے کو رکھنے والا ہے جو اس میں فساد برپا کرے گا اور خون بہائے گا) اس اعتراض کا جواب دینے اور انسان کی ضرورت اور افادیت ثابت کرنے کے لئے دنیا میں کوئی کوشش نہیں ہو رہی تھی۔

اس وقت اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی بعثت فرمائی اور آپ کی بعثت کے ساتھ ایک اور بعثت فرمائی۔ بہت سے لوگوں کے لئے یہ تعبیر بھی شاید نئی ہو اور شاید کچھ الجھن پیدا کرنے والی ہو کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت "بعثت مقرونہ" تھی جیسا کہ حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ نے "حجۃ اللہ البالغۃ" میں لکھا ہے کہ بعثت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اکہری بعثت (بعثت واحدۃ) نبی کی بعثت، دوسری "بعثت مقرونہ" یعنی نبی کی بعثت کے ساتھ ایک امت کی بعثت، تو آپ کی بعثت کے ساتھ ایک پوری امت مبعوث کی گئی، اس لئے کہ دنیا کی گمراہی، دنیا کی خودکشی کرنے کا جذبہ اور اس کا عزم وفیصلہ اس حد تک پہنچ گیا تھا اور دنیا کا مستقبل خطرہ سے اتنا دوچار تھا کہ افراد کی سعی اس صورت حال میں کوئی تبدیلی نہیں پیدا کرسکتی تھی، اس کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک طرف تو محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا، دوسری طرف ایک پوری امت کو مبعوث فرمایا، اس کے لئے قرآن مجید میں جو الفاظ آئے ہیں ان کی بعثت ہی سے تعبیر کی جاسکتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و کذلک جعلنا کم امة وسطا لتکونوا شھداء علی الناس

اور اسی طرح ہم نے تم کو امت معتدل بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ بنو۔

کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتؤمنون باللہO

مومنو! جتنی امتیں یعنی قومیں لوگوں میں پیدا ہوئیں تم ان سب سے بہتر ہو کہ نیک کام کرنے کو کہتے ہیں اور برے کاموں سے منع کرتے ہیں اور اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔

''اخرجت للناس'' کا لفظ بتاتا ہے کہ یہ امت کوئی سبزہ خودرو نہیں تھی جیسے جنگل کی گھاس ہوتی ہے، یا جنگلی درخت ہوتے ہیں کہ اگ آئے، لیکن بلکہ ''اخرجت للناس'' مجہول کا صیغہ استعمال کیا گیا اور اس کی نسبت اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف ہے۔ خروج اور اخراج میں فرق ہے۔ خروج اپنا ذاتی فعل ہے۔ انفرادی فعل ہے اخراج کسی دوسری طاقت بالا اور ہستی کا فعل ہے۔

چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو نبوت ورسالت کو رسول اللہ ﷺ پر ختم کرنا تھا اور قیامت تک کے لئے آپ کے دین کو قائم رکھنا تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی گاڑی کو چلانے کے لئے اور اس کے چلتے رہنے کے لئے یہ انتظام کیا۔ آپ ﷺ کے ساتھ ایک پوری امت کی بعثت فرمائی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اس حقیقت کو جانتے تھے اور اپنے لئے اسی قسم کے الفاظ استعمال کرتے تھے۔ چنانچہ جب رستم نے حضرت ربعی ابن عامر سے پوچھا کہ ''ماالذی جاء بکم؟'' (تمہیں کونسی چیز یہاں لائی؟) تم اپنے صحراء سے نکل کر یہاں کیوں آئے، اس کا محرک کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا ''اللہ ابتعثنا'' اللہ نے ہم کو بھیجا ہے، تا کہ ہم لوگوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی غلامی اور اللہ کی بندگی میں داخل کریں اور دنیا کی تنگی سے ان کو نکال کر کونین کی بے کراں وسعتوں سے آشنا کریں اور مذاہب کی ناانصافی سے نکال کر اسلام کے انصاف کے مزہ سے آشنا کرائیں۔ اسی لئے انہوں نے اس موقع پر بعثنا کا لفظ استعمال کیا۔

میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہر دور میں دنیا کے لئے ضرورت رہی ہے کہ ایک مکمل معاشرہ، ایک ملت اور ایک عالمگیر دعوت کی سطح پر اسلامی زندگی پائی جائے۔ یہ کہنا کافی اور مفید نہیں کہ صاحب کتابوں کے اندر پورا اسلام موجود ہے، دیکھ لیجئے، پڑھ لیجئے، یا آپ کہیں کہ آپ کو معلوم کرنا ہو کہ اللہ شناسی کیا ہوتی ہے، اللہ کا خوف کیسا ہوتا ہے، اچھے اخلاق کیا ہوتے

ہیں، تو ہم آپ کو فلاں بزرگ سے ملادیں گے۔ اس سے دنیا ہدایت نہیں پاتی اور دنیا میں کوئی انقلاب رونما نہیں ہوتا۔ دنیا اس وقت توجہ اور غور کرنے پر مجبور ہوتی ہے، جب پورے معاشرہ کی سطح پر، پورے تمدن کی سطح پر عالمگیر اسٹیج پر (جس پر تمام دنیا کی نگاہیں پڑتی ہیں) صحیح اور مکمل اسلامی زندگی کا نمونہ پیش کیا جائے اور قوموں اور ملکوں کی نگاہیں یہ اندازہ لگا سکیں کہ اسلام کا عقیدہ انسان کی زندگی میں یہ تبدیلی پیدا کرسکتا ہے، اللہ کے یہاں سے آئی ہوئی روشنی اور ہدایت کا نور اس کی زندگی کو اس طرح چمکاتا اور سنوارتا ہے، شریعت کی تعلیمات کس طرح کا معاشرہ پیدا کرتی ہیں، کس طرح کے اخلاق پیدا کرتی ہیں، جب تک یہ نہ ہو اس وقت تک انسانیت کیا انسانیت کا کوئی چھوٹا سا کنبہ اور عالم انسانی کا ایک چھوٹا سا گوشہ بھی توجہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔

- آج بھی دنیا کی ضرورت یہ ہے کہ کسی ملک کا پورا معاشرہ اسلامی زندگی کی نمائندگی کررہا ہو۔ اسلامی اخلاق کیسے ہوتے ہیں، مسلمان کس طرح اس پر یقین رکھتا ہے کہ "**الصدق ینجی، والکذب یهلک**" (۱) اس کے دل کی گہرائی میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ صحیح کردار نجات دیتا ہے، کامیاب کرتا ہے اور غلط بیانی اور غلط طرز کی زندگی انسان کو ہلاک کرتی ہے، اس کو یقین ہو کہ "**العاقبة للمتقین**" انجام متقین ہی کا ہوتا ہے۔ اس کو یقین ہو کہ "**قد افلح من زکاها وقد خاب من دساها**" (کامیاب ہوا جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور ناکام ہوا جس نے اس کو خاک میں ملادیا) اس کو یقین ہو "**وان الدار الاخرة لهی الحیوان**" (آخرت کی زندگی ہی حیات اصلی ہے) اس کو یقین ہو کہ نصرت اللہ کی طرف سے آتی ہے، اچھے اعمال میں تاثیر ہے، غلط اعمال کرنے سے ناکامی ہوتی ہے اور صحیح زندگی اختیار کرنے سے کامیابی ہوتی ہے۔ یہ حکومتوں کی سطح پر، ملکوں کی سطح پر، معاشروں کی سطح پر، سوسائٹی کی سطح پر ہو، اور منظر عام پر یہ حقیقت جلوہ گر ہو۔ آج ہم کسی ایک ملک کا نام نہیں لے سکتے کہ تم آنکھ بند کرکے اس میں چلے جاؤ۔ دیکھ لو کہ اسلام کیا ہوتا ہے، اسلامی اخلاق کیا ہوتے ہیں، مسلمان جھوٹ نہیں بولتا، مسلمان ناپ تول میں کمی نہیں کرتا، مسلمان دھوکہ نہیں دیتا، مسلمان زر کا پرستار نہیں ہے، مسلمان عاجل اور وقتی منافع کے لئے اجل اور دائمی منافع کو قربان نہیں کرتا۔ مسلمان

---

(۱) سچ نجات دلاتا ہے اور جھوٹ ہلاک کردیتا ہے۔

اللہ کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتا، مسلمان ظلم کرنا نہیں جانتا، مسلمان نے دھوکہ دینے کا سبق نہیں پڑھا، مسلمان کو بڑی سے بڑی سیم وزر کی تھیلی اور بڑی سے بڑی پیشکش خرید نہیں سکتی، مسلمان اپنے ضمیر کا سودا نہیں کرتا، مسلمان جس بات کو حق سمجھتا ہے اس پر اپنا گھر لٹا سکتا ہے، سر کٹا سکتا ہے۔ اس پر اپنے خاندان کو خطرہ میں ڈال سکتا ہے، اپنے پیٹ پر پتھر باندھ سکتا ہے، فاقہ کر کے مر سکتا ہے، لیکن کفر وضلالت اور ظلم وستم کا راستہ نہیں اختیار کر سکتا۔ آج پوری دنیائے اسلام کی سب سے بڑی احتیاج، اس کا سب سے بڑا فاقہ، اس کا سب سے بڑا فقر، اس کی سب سے بڑی طلب، اس کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ کوئی ایسا معاشرہ تیار ہو جائے، جس کی طرف انگلی اٹھا کر ہم پورے اعتماد کے ساتھ کہہ سکیں کہ اسلام کو دیکھنا ہو تو اس معاشرہ کو دیکھ لو۔

میرے پاکستانی دوستو اور بھائیو! آپ کا ملک اس امید پر بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اس دعویٰ پر اور اس دلیل پر قائم ہوا تھا کہ آپ دنیا کو اسلامی معاشرہ قائم کر کے دکھائیں گے۔ ملک کا حجم کچھ سہی اس کا رقبہ کچھ سہی، وزن اصل چیز ہے معاشرے تو لے جاتے ہیں، معاشرے ناپے نہیں جاتے، افراد تو لے جاتے ہیں، افراد گنے نہیں جاتے، اصل چیز حقیقت ہے، کرادر ہے، سیرت ہے، امتیاز ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "**یاایھا الذین امنوا ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقانا**" "اے ایمان والو! اگر تم تقویٰ اختیار کرو گے، صحیح اسلام پر عمل کرو گے، احتیاط اور لحاظ تمہارا مزاج بن جائے گا، تو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے ایک روشنی پیدا کر دے گا۔ "**نورھم یسعی بین ایدیھم وبایمانھم**" (ان کی روشنی ان کے آگے آگے اور ان کے دائیں چلتی ہے) آخرت میں مومنین کی جو حالت ہوگی، اس دنیا کی امتوں میں ایک امت کی، ملتوں میں ایک ملت کی، معاشروں میں ایک معاشرہ کی، ملکوں میں ایک ملک کی یہی حیثیت ہوگی۔ "**یجعل لکم فرقانا**" جہاں مسلمان جائے گا، اس ملک کا جہاں نام آئے گا، احترام سے گردنیں جھک جائیں گی، اس کی فوجی طاقت پر کوئی جرح کرے، اس کی مالی طاقت پر، اس کی ترقی کے امکانات پر خواہ کوئی شبہ کرے، لیکن جب اس کا نام لیا جائے گا تو بڑے سے بڑے جباروں کی گردنیں احترام سے جھک جائیں گی۔

آج ہمارا سر شرم سے جھک جاتا ہے ہماری نگاہیں نیچی ہو جاتی ہیں، ہماری قوت گویائی جواب دے جاتی ہے، جب ہم سے کوئی پوچھتا ہے کہ سب صحیح، اسلام کی تعلیمات برحق، اور

اس نے زمانہ ماضی میں جو انقلاب برپا کیا اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اگر مستند تاریخ نہ ہوتی تو وہ باتیں یقین کرنے والی نہیں ہیں، جو ہم سیر نبوی ﷺ میں اور صحابہ کرامؓ کے حالات میں پڑھتے ہیں، مگر تم اللہ کے لئے کسی محدود سے محدود خطہ کو معین کر کے بتادو کہ وہاں معیاری اسلامی زندگی پائی جاتی ہے، وہاں چوری نہیں ہوتی، وہاں دھوکہ دہی نہیں ہوتی، وہاں فسق وفجور نہیں ہوتا، وہاں دولت ہی کو اور دنیاوی کامیابی ہی کو اصل کامیابی نہیں سمجھتے، یہاں آ کر ہمارا سر جھک جاتا ہے، ہمارا منہ بند ہو جاتا ہے۔

حضرات! سیرت کا ایک معمہ ہے، ایک بڑا علمی وتاریخی سوال ہے کہ صلح حدیبیہ سے لے کر فتح مکہ تک (جو مشکل سے دو سال ہیں) جس تعداد میں لوگ مسلمان ہوئے اور عرب قبائل نے جس تعداد میں اسلام قبول کیا کہ "یدخلون فی دین اللہ افواجا" کا منظر سامنے آ گیا، وہ مکہ معظمہ کی پوری تیرہ سالہ زندگی میں اور مدینہ طیبہ کی آٹھ برس کی زندگی میں (صلح کے دو برس مستثنیٰ کر رہا ہوں) دیکھنے میں نہیں آیا، سیرت کا غور سے مطالعہ کرنے والے پوچھتے ہیں کہ دو برس کے اندر جزیرۃ العرب میں جس تیزی کے ساتھ اسلام پھیلا ہے اور جس کثرت سے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے ہیں پورے اکیس برس میں نہیں ہوئے۔ اس کا کیا جواب ہے؟ امام زہریؒ جو ایک جلیل القدر تابعی ہیں اور راویت حدیث کے ایک بڑے ستون ہیں، اور جن سے سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں روایات کتب صحاح وسنن میں مروی ہیں، انہوں نے یہ بات کہی ہے کہ اس دو برس کے اندر جتنے لوگ مسلمان ہوئے وہ اکیس برس کے اندر نہیں ہوئے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد کفار عرب کو اور خاص طور سے کفار مکہ کو مدینہ طیبہ کے مسلمانوں سے، اپنے مہاجر بھائیوں سے ملنے کے آزادانہ مواقع میسر آئے اس لئے کہ معاہدہ ہو گیا تھا کہ کوئی کسی پر حملہ نہیں کر سکتا، کوئی جنگی کارروائی نہیں ہو سکتی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عزیز اپنے عزیزوں سے ملنے آئے، بھائی بھائیوں سے ملنے آئے اور قریشی ان قریشیوں سے ملنے آئے جو یہاں ہجرت کر کے آ گئے تھے۔ مکہ سے شام اور شام سے مکہ آتے جاتے لوگ اپنے مہاجر بھائیوں سے ملتے تھے اور ان کے گھر مہمان ہوتے تھے، ان کو ان کی زندگی کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملتا تھا، جس کے نتیجے میں ایمان ان کے دل میں اتر جاتا تھا، وہ سمجھتے تھے کہ

اسلام نے کتنا بڑا انقلاب ان کی زندگی میں برپا کر دیا۔ ہمارے ان کے نسب میں کوئی فرق نہیں، ہماری ان کی زبان میں کوئی فرق نہیں، ہماری ان کی نسل میں کوئی فرق نہیں، یہ بھی اسی خاک سے پیدا ہوئے، ہم بھی اسی خاک سے پیدا ہوئے، ہم بھی عدنانی اور قحطانی ہیں اور ہم بھی قریشی، ہاشمی اور اموی ہیں مخزومی اور تیمی ہیں، ہماری زبان بھی ایک ہے، قرآن مجید جس زبان میں نازل ہوا ہے اس کو ہم ان کے برابر سمجھتے ہیں، پھر کیا بات ہے کہ ہم جانوروں کی زندگی گزار رہے ہیں، یہ فرشتوں کی زندگی گزار رہے ہیں، یہ اپنے مہمانوں کو کھلانے کے لئے اپنے بچوں کو بھوکا رکھتے ہیں۔ یہ مہمانوں کو اطمینان دلانے کے لئے پھونک مار کر چراغ بجھا دیتے ہیں۔(۱) یہ اپنے بچوں کے سامنے کی روٹی اٹھا کر اپنے ان بھائیوں ان پردیسی مسافروں کے سامنے رکھ دیتے ہیں، جن سے ان کا دین کا اختلاف ہے، عقیدہ کا اختلاف ہے اور جو ابھی تک ان کے مخالف اور برسر جنگ رہے۔ کیا بات ہے؟ یہ انقلاب ان میں کہاں سے آیا؟ ہمارے اور ان کے درمیان یہ زمین اور آسمان کا فرق کیسے پیدا ہو گیا؟

انسان انسان ہے، سوچنا اس کی فطرت ہے، اندر سے جو سوال ابھرتے ہیں ان کے جواب دینا اس کی فطرت ہے، انسان کا ضمیر کتنا ہی سو جائے، لیکن وہ مرتا نہیں ہے، وہ جاگ اٹھتا ہے۔ ان کے دل نے ان سے سوال کیا اور جب دل سوال کرے تو اس کا ٹالنا آسان نہیں ہوتا۔ ہم آپ سوال کریں، راستہ چلتا کوئی سوال کرے، تو اس کو دس بہانوں سے خاموش کیا جا سکتا ہے، لیکن جب دل پوچھنے لگے، جب دیکھنے والی آنکھیں پوچھنے لگیں، جب سننے والے کان پوچھنے لگیں، جب جسم کا ریشہ ریشہ سوال کرنے لگے کہ اے اللہ کے بندو! اللہ کے لئے بتاؤ کہ یہ کل مکہ سے آئے تھے، ابھی تھوڑے دن ہوئے اور تمہارے ہی بھائی بند ہیں، یہ جھوٹ نہیں بولتے، یہ دھوکہ نہیں دیتے، دوسروں کو کھلائے بغیر ان کے حلق سے نوالہ نہیں اترتا، یہ مہمانوں کا خیال اپنے بچوں سے زیادہ کرتے ہیں، ان کو دنیا کی کوئی طاقت خرید نہیں سکتی، یہ صرف ایک اللہ سے ڈرنے والے ہیں، تو ان کے دل میں ایک کھٹک پیدا ہوئی، جس نے مکہ تک ان کا ساتھ نہیں چھوڑا، وہ مکہ میں اپنے گھروں تک پہنچ گئے، آرام سے لیٹ گئے، لیکن و چبھن تھی کہ ہو رہی تھی کہ آخر کیا بات ہے، یہ انقلاب عظیم کہاں سے برپا ہوا؟

(۱) دیکھئے حضرت ابوطلحہ انصاری کا قصہ اور آیت ﴿ویؤثرون﴾ اور ایات تفسیر۔ ﴿ویؤثرون علیٰ أنفسهم ولو کان بهم خصاصة﴾

پھر انہوں نے خود جواب دیا کہ کوئی چیز تلاش کرنے سے بھی نہیں معلوم ہوتی، ایک ہی غذا ہم کھاتے تھے، ایک ہی طرح کا کپڑا ہم سب پہنتے تھے، آپ کو معلوم ہے کہ عرب کا لباس ایک تھا، یہ پاکستان کے سے دس اور ہندوستان کے سے پچاس لباس نہیں تھے، سارا عرب ایک طرح کا لباس پہنتا تھا، شکلیں بھی ان سب کی ایک تھیں۔ عرب من حیث القوم داڑھی رکھتے تھے، عربوں کے نام بھی عام طور پر ایسے ہوتے تھے کہ آج بھی اگر کوئی دیکھ لے تو مسلمان ہو جائے گا، وہ چیزیں جو اسلام نے حرام کی ہیں پہلے سے ان کی فطرت سلیم ان سے اباء کرتی تھی، وہ خنزیر نہیں کھاتے تھے وہ غیر مذبوح چیزیں بھی نہیں کھاتے تھے، یہ ساری چیزیں ہمارے اور انکے درمیان مشترک ہیں، پہناوا ایک، کی غذا ایک، زبان ایک، لہجہ ایک، آب وہوا ایک، وطن ایک، قوم ایک، پھر کیا بات ہے کہ یہ فرشتے ہیں اور ہم جانور، وہاں ان کو جواب ملتا تھا کہ یہ اسلام کا کرشمہ ہے، اس سے وہ مسلمان ہوتے چلے جا رہے تھے اور یہ حالت ہوگئی تھی کہ جیسے تسبیح ٹوٹ جائے تو دانے ایک کے اوپر ایک گرنا شروع ہوتے ہیں، دانوں کی بارش ہو جاتی ہے، اسی طرح اسلام لانے والوں کی بارش ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے وحی کے الفاظ میں اس کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے۔ "یدخلون فی دین اللہ افواجا" (اسلام میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں)۔

میرے بھائیو اور بزرگو! آج کرنے کا کام یہ ہے کہ آپ پاکستان میں ایک اسلامی معاشرہ قائم کریں، جس کے دیکھنے کے بعد سیاح یا نو وارد کہے کہ ہم نے ایسا اچھا، ایسا پاکیزہ معاشرہ نہیں دیکھا۔ لیکن اگر یہ نہیں ہے، اگر آپ کے اندر بھی دولت کی لائی ہوئی ساری خرابیاں موجود ہیں، آپ کے اندر بھی حق کے خلاف کہنے اور چلنے کی صلاحیت موجود ہے، آپ بھی عقیدہ پر پیسے کو ترجیح دیتے ہیں؟ آپ پیسے کو صداقت پر ترجیح دیتے ہیں؟ آپ پیسے کو انصاف پر ترجیح دیتے ہیں؟ آپ کے اندر بھی وہی نسلی تعصب، خاندانی تعصب، صوبائی تعصب اور لسانی تعصب ہے جو دوسرے ملکوں کی مختلف قوموں، نسلوں اور مختلف زبانیں بولنے والوں میں پایا جاتا ہے تو دنیا کی کوئی قوم اور کوئی ملک بھی آپ کو خرید سکتا ہے اور آپ کو اپنے اغراض کے لئے آلہ کار بنا سکتا ہے، پاکستان کو تباہ کرنے کے لئے بھی اس کو یہاں لوگ مل جائیں گے، تو آپ یقین مانئے کہ ہم اسلام کی صداقت دنیا پر ثابت نہیں کر سکتے اور ہم اسلام کی نمائندگی کرنے کے اہل نہیں ہیں۔ ہم دنیا کو مایوس کریں گے، ان سیاحوں، مورخوں اور مبصروں کو مایوس کریں گے جو پاکستان آئیں گے، وہ دیکھیں گے کہ یہاں وہ سب کچھ ہو رہا ہے جو کسی غیر اسلامی ملک میں ہوتا ہے، بلکہ بعض ترقی یافتہ اور آزاد ملکوں کا سیاسی شعور اور شہری احساس

ذمہ داری بہت سی پستیوں، بہت سی بدعنوانیوں سے ان کو روکتا ہے۔ یہاں وہ بھی نہیں ہے، یہ معیاری زندگی اور آئیڈیل معاشرہ جب تک آپ دنیا کے سامنے پیش نہ کریں گے، آپ ان قربانیوں کی قیمت ادا نہیں کرسکیں گے جو اس ملک کے قیام کے سلسلہ میں دی گئی ہیں اور وہ قربانیاں نہ صرف آپ نے دی ہیں بلکہ انہوں نے بھی دی ہیں جنہوں نے ان قربانیوں سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا، جن کے حصہ میں صرف قربانیاں آئیں۔ آپ کے حصہ میں قربانیاں بھی آئیں، قربانیوں کے انعامات بھی آئے۔

اس وقت اسلام کی سب سے بڑی خدمت اور دنیا کی سب سے بڑی ضرورت اسلامی معاشرہ ہے اور ایک پورے ملک کی سطح پر نہیں، گھروں کی سطح پر نہیں، مساجد کی سطح پر نہیں بلکہ بازاروں کی سطح پر اور بین الاقوامی مجموعوں کی سطح پر، ایک خطہ ارضی تو کم سے کم ایسا ہو جہاں پر اسلام کی صحیح زندگی آنکھوں سے دیکھی جاسکے۔ اس کو چھوا جاسکے، مس کیا جاسکے، تخیل سے نہیں، ذکاوت سے نہیں، خیال آرائی سے نہیں، ہاتھوں سے مس کیا جاسکے، میں کپڑے کو چھوتا ہوں، مجھے اس کی نرمی محسوس ہوتی ہے، میں جسم کو چھوتا ہوں مجھے اس کی گرمی محسوس ہوتی ہے، اسی طرح اسلامی زندگی مس کی جاسکے، ان کی نرمی اور گرمی، اس کا گداز، اس کا سوز وساز محسوس کیا جاسکے، قلب اس کی شہادت دے، دماغ اس کی شہادت دے، آنکھ اور کان اس کی شہادت دیں۔ وہ شہادت جو کوئی جھٹلا نہ سکے۔

یہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **"وکذلک جعلناکم امۃ وسطاً لتکونوا شہداء علی الناس"** اور اسی طرح سے اللہ نے تم کو پیدا کیا ہے۔ ایک متوازن اور معتدل امت تاکہ تم دنیا کے انسانوں پر گواہ بنو۔ آپ **"شہداء علی الارض"** بنا کر بھیجے گئے ہیں، آپ اپنے گھر تعمیر کرنے کے لئے، اپنی دکانیں، اپنی تجارتیں کامیاب کرنے کے لئے، اپنی نسل آگے بڑھانے کے لئے نہیں پیدا کئے گئے۔ آپ شہداء علی الناس ہیں **ویکون الرسول علیکم شہیداً** اور اس کا معیار اور اس کی جانچ کیا ہے؟ حیات طیبہ مبارکہ، رسول اللہ ﷺ نے آپ کے اوپر شہادت کا جو فرض انجام دیا اور وہ جس درجہ کے آپ پر شاہد تھے اس کے شایان شان آپ امتوں کے سامنے شہادت دیں۔

وما علینا الا البلاغ المبین

ملی وحدت اور اس کے تقاضے

یہ تقریر ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن کے صدر حکیم محمد سعید صاحب کی دعوت پر ''شام ہمدرد'' کے جلسہ منعقدہ ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل کراچی میں ۱۳ جولائی ۱۹۷۸ء کو کی گئی۔ ابتداء میں حکیم محمد سعید صاحب نے خیر مقدمی اور تعارفی تقریر کی، آخر میں کلمات تشکر مولانا جمال میاں صاحب فرنگی محلی (رکن رابطہ عالم اسلامی) نے ادا فرمائے۔ اس شستہ اور شائستہ جلسہ میں ہر شعبہ زندگی سے متعلق اصحاب اور نمائندہ شخصیتیں تھیں، سامعین میں معتدبہ تعداد ان اصحاب ذوق کی بھی تھی جو اس تقریر کو سننے کے لئے دور دراز کا سفر کر کے آئے تھے۔

الحمد لله نحمده ونستعينه ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادی له ونشهد ان لا اله الا الله وحدہٗ لا شریک له ونشهد ان محمداً عبده ورسوله صلى الله تعالیٰ علیه وعلی آله واصحابه وسلم تسلیما کثیراً کثیرا

لفظ وحدت میں ایک قسم کی مقناطیسیت ہے:

حاضرین کرام! میں حکیم محمد سعید صاحب کا بہت ممنون ہوں کہ انہوں نے مجھے ایک ایسے چیدہ اور برگزیدہ مجمع سے خطاب کرنے اور اپنے خیالات پیش کرنے کا ایسا شستہ اور شائستہ موقع مہیا کیا، ایک نووارد پر (جس کے قیام کے دن گنے چنے ہیں اور جو شہر کے اعیان اور معززین اور اہل فکر کے نام و مقام سے پورے طور پر آشنا نہیں ہے) یہ ایک طرح کا احسان ہے کہ اس کے لئے ایک منتخب جگہ پر ایسے ممتاز حضرات جمع کر دیئے جائیں، جن میں سے اکثر سے تنہا ملنا اور ان کے لئے سفر کرنا بھی حق بجانب تھا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس سے مقرر یا مہمان کی ذمہ داری میں بڑا اضافہ ہوتا ہے کہ وہ اس نعمت سے کہاں تک فائدہ اٹھا سکے گا اور اس وقت کو کہاں تک کام میں لا سکے گا، اور افکار و خیالات کا ہجوم، جذبات کی فراوانی اور تشکر و امتنان اور احساس ذمہ داری کی یہ ملی جلی کیفیت اس کو اپنے دل کی بات مناسب اور موزوں طریقہ پر کہنے کا موقع دے گی یا نہیں؟

اس موضوع کے انتخاب پر بھی حکیم محمد سعید صاحب کو داد دیتا ہوں کہ انہوں نے ایسے دور میں جو بہت سی کشمکشوں، غلط فہمیوں، بدگمانیوں اور مختلف و متضاد محرکات کا دور ہے۔ ایک ایسے معاشرے میں، ایک ایسے ملک میں جو اس خارزار سے گزر چکا ہے، اور پھر یہ خارزار اس کے سامنے ہے، اس موضوع کا انتخاب کیا۔

حضرات! دنیا میں جو لفظ اور جو مفہوم بہت محبوب و مقبول ہیں اور جن کے لفظ وصورت میں ایک کشش اور مقناطیسیت ہے ان میں ایک لفظ ''وحدت'' بھی ہے۔ انسان کو فطرتاً وحدت سے محبت ہے، اس لئے کہ یہ اس کے دل کا تقاضا، اس کے دل کی آواز اور خدا کی مرضی ہے۔ انسان کو انسانوں کی اس دنیا میں رہنا ہے، اس کو زندگی سے لطف اٹھانا ہے، اس باغ عالم کو سنوارنا ہے اور اپنی صلاحیتوں کا اظہار کرنا ہے۔ خدا کی طرف سے جو جو ہر اس کو عطا ہوئے ہیں، اس کا اظہار کرنا ہے، اس لئے اس کو ایک دوسرے کے ساتھ مل کر رہنے کی ضرورت ہے۔

وحدتیں وحدتوں سے ٹکراتی ہیں:

لیکن دنیا کی تاریخ بتاتی ہے کہ ان وحدتوں نے اب تک زیادہ تر تعمیر کے بجائے تخریب کا کام کیا ہے، یعنی بالکل اپنے مزاج، اپنی فطرت، اپنے دعویٰ اور معانی کے خلاف کردار ادا کیا ہے، وحدت اس لئے تھی کہ لوگوں میں محبت واتحاد پیدا کرے، خیر سگالی کا جذبہ پیدا کرے، باہمی اعتماد کی فضا پیدا کرے لیکن وحدتیں وحدتوں سے ٹکرائیں، جس طرح وحشتیں وحشتوں سے ٹکرائی ہیں، طاقتیں طاقتوں سے ٹکرائی ہیں، اسی طرح وحدتیں وحدتوں سے ٹکرائیں، حالانکہ کوئی چیز بھی ایک دوسرے سے ٹکرائے، لیکن وحدت کو وحدت سے نہیں ٹکرانا چاہئے، اس سے بڑھ کر اپنی فطرت سے انحراف اور بغاوت نہیں ہوسکتی کہ وحدت وحدت سے ٹکرائے۔ تخریب تخریب سے ٹکراسکتی ہے، انتشار انتشار سے ٹکراسکتا ہے، لیکن جمعیت جمعیت سے ٹکرائے، وحدت وحدت سے ٹکرائے یہ ایک انوکھا تجربہ ہے جس سے ہماری انسانی تاریخ داغدار بلکہ شرمسار ہے، یہ ایک دل خراش اور طویل داستان ہے۔

وجہ یہ ہے کہ اس کا تعلق وحدتوں کی بنیاد سے ہے۔ وحدت کس بنیاد پر ہے؟ اگر وحدت کسی منفی بنیاد پر ہے، اگر وحدت کسی جارحانہ جذبہ پر ہے، اگر وحدت احساس برتری پر ہے، اگر وحدت تحقیر انسانی پر ہے، اگر وحدت ہوس ملک گیری، برتری اور سروری حاصل کرنے کے لئے

ہے تو ایسی وحدت کو کسی اور وحدت کو گوارا نہیں کرنا چاہئے، کہ ایک نیام میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں، اس لئے جب آپ انسان کی تاریخ پڑھیں گے، کسی قوم و مذہب کی تاریخ پڑھیں گے تو آپ کو یہ پوری تاریخ ایک رزمیہ جنگ کی ایک مربوط داستان نظر آئے گی، جس میں خون کی ندیاں بہہ رہی ہیں، انسانوں کے سروں کے مینار بنائے جا رہے ہیں، ملکوں کے چراغ گل کئے جا رہے ہیں۔ کھیتیاں جلائی اور پامال کی جا رہی ہیں، بلکہ تہذیبیں پامال کی جا رہی ہیں۔ اور جب ان کے وجوہ اسباب کا (فلسفۂ تاریخ کی مدد سے) آپ سراغ لگائیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ایک ایسی وحدت نے نشو ونما پایا تھا جو دوسری وحدت کو فنا کرنے میں اپنی زندگی کا راز سمجھتی تھی۔

محض وحدت کوئی معنویت نہیں رکھتی:

وحدت کا خالی لفظ بالکل کافی نہیں۔ اب قوموں کے تجربے نے نوع انسانی کے مسلسل اور طویل تجربے نے بتا دیا کہ محض وحدت کوئی معنویت نہیں رکھتی اور کسی بات کی ضمانت نہیں ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ وحدت کس بنیاد پر ہے؟ اس وحدت کی اساس کیا ہے؟ وحدت کے مقاصد کیا ہیں؟

نوع انسانی کی تاریخ میں سب سے پہلی جو وحدت نظر آتی ہے وہ گھرانوں کی وحدت ہے، قبیلہ کی وحدت ہے، قوم ونسل کی وحدت ہے، نام ونسب کی وحدت ہے، پھر اس کے بعد آگے بڑھ کر دنیا نے جب ذرا اور ترقی کی تو زبان کے اشتراک کی وحدت ہے جسے ہم لسانی وحدت کہتے ہیں، پھر تہذیبی وثقافتی وحدت ہے، ان وحدتوں میں سب سے زیادہ جس وحدت سے امید ہونی چاہئے تھی وہ تہذیبی وثقافتی وحدت ہے کہ تہذیب وثقافت کو مردم آزاری اور آدم بیزاری سے کیا تعلق؟ تہذیب وثقافت کے معنی یہ ہیں کہ غلط فہمیاں رفع ہوں، آدمی، آدمی کو سمجھے، اس کے ساتھ انصاف کرے، اس کی مجبوریاں معلوم کرے، اس کی کمزوریاں معلوم کرے، اس کے لئے اپنے دل میں ہمدردی کا جذبہ پیدا ہو، اس کے ادب وشاعری سے واقفیت کا ذوق پیدا ہو، تہذیب وثقافت کی وحدت کے اندر جارحیت کا پہلو اور اس کے اندر انسانوں کو ذلیل کرنے یا انسانی تہذیب کے خلاف حملہ آور ہونے کا پہلو تو ہونا ہی نہیں چاہئے تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ انسانوں کی زندگی مختلف قسم کے تناقضات (CONTRADICTIONS) کا

مجموعہ ہے، اس کو سمجھنا بڑا مشکل ہے، ہمارا موجودہ علم نفسیات بھی اس کے لئے کافی نہیں ہے۔ انسان کے اندر ایک دوسرا انسان پیدا ہو جاتا ہے، انسان کے کچھ ایسے مقاصد بن جاتے ہیں جو دوسرے انسانوں کے لئے مہلک ہوتے ہیں۔ ان مقاصد کی تعمیر بعض اوقات دوسرے انسانوں کے مقاصد کے ملبہ پر ہی ہو سکتی ہے، اس کے کھنڈروں پر ہی یہ عمارت تعمیر ہو سکتی ہے۔ کوئی فلسفہ زندگی ایسا ہو جو انسان کی تباہی اور انسان کے مفتوح ہونے اور شکست کھانے ہی سے بنتا، ابھرتا، پھلتا اور پھولتا ہو تو اس کا کوئی علاج نہیں۔

وحدت کا اسلامی تصور:

اسلام نے ان مصنوعی وحدتوں کے معاملے میں دو حقیقی وحدتوں کو تسلیم کیا اور ان کی دعوت دی ہے۔ یہ دنیا کی معصوم ترین، غیر مضر ترین، مثبت اور تعمیری وحدتیں ہیں، ایک وحدت انسانی اور ایک وحدت ایمانی وحدت انسانی تو یہ کہ پوری نسل انسانی ایک آدم کی اولاد ہے، اور حضور اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں ایسے معجزانہ الفاظ میں اس پر مہر لگا دی کہ اس سے زیادہ انسانی مساوات کا کوئی منشور یا چارٹر نہیں ہو سکتا، آپ نے فرمایا کہ " ان ربکم واحد وان اباکم واحد" اے انسانو! تمہارا رب بھی ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے، وحدت اب اور وحدت رب دو وحدتیں ہیں جو ہر انسان کو ملی ہیں۔ اس کے جسمانی وجود کا آغاز ایک انسانی وجود سے ہوتا ہے، بڑا ہو، چھوٹا ہو، کسی زبان کو بولنے والا ہو، کسی سطح کا انسان ہو، سب کا سلسلہ نسب ایک انسان پر ختم ہوتا ہے اور وہ نسل انسانی کے باوا آدم ہیں اور ان ربکم واحد تمہارا پیدا کرنے والا اور پرورش کرنے والا بھی ایک ہے۔ ان دو مختصر لفظوں میں وحدت انسانی کا وہ اعلان کیا گیا ہے جس سے زیادہ وسیع، عمیق اور جس سے زیادہ قابل فہم کوئی اعلان نہیں ہو سکتا یہ دونوں وحدتیں جو انسان کو ملی ہیں انسان کو ایک دوسرے سے منسلک اور وابستہ کئے ہوئے ہیں۔ نسل انسانی کا مورث ایک اور نسل انسانی کا خالق، مربی اور رازق ایک، اس لئے ہر شخص ایک دوسرے کا بھائی ہے اور دو رشتوں سے بھائی ہے۔ ایک باپ کے رشتہ سے اور ایک پیدا کرنے والے کے رشتہ سے، باپ کا ذکر پہلے اس لئے کیا کہ یہ حقیقت سب سے زیادہ عام فہم ہے اور اس کو سب مانتے ہیں، زبان نبوت نے اعلان کیا کہ نسل انسانی کا مورث اعلیٰ ایک ہے، اس کا پیدا کرنے والا اور اس کی پرورش کرنے والا بھی ایک ہے اور اس کی پرورش کا سلسلہ

جاری ہے۔ یہ وہ وحدت انسانی ہے جس کا اعلان حجۃ الوداع کے موقع پر کیا گیا۔ یہ ایک عالمگیر خطبہ تھا جس کی مخاطب پوری نوع انسانی تھی یہ ایک شہادت تھی جو ایک نبی دے رہا ہے اور ایک طرح کا اعلان تھا جو خاتم الانبیاء کر رہے تھے۔

ایک نئی وحدت:

چھٹی صدی مسیحی میں ایک نئی وحدت کی بنیاد ڈالی گئی، اس وحدت کی بنیاد اللہ کی وحدانیت کے عقیدہ، نوع انسانی کے ہمدردی کے جذبہ، عدل ومساوات کے اصول اور انسانوں کی خدمت کے عزم وارادہ پر تھی۔

اس جماعت کی جس وقت مدینہ طیبہ میں تشکیل ہو رہی تھی تو وہ مٹھی بھر جماعت تھی، مہاجرین جب مکہ معظمہ سے نکلے اور مدینہ پہنچے تو ان کو وہاں کے اصل باشندوں اوس اور خزرج سے ملایا گیا، اور ان دونوں کے درمیان مواخات (بھائی چارہ) کا رشتہ قائم کیا گیا۔ اس لئے کہ یہ غریب الدیار تھے یہ کہاں ٹھہرتے، ان کا گھر بار نہیں تھا۔ یہ ایک بالکل نیا رشتہ اور نئی برادری تھی جس کی بنیاد محض عقیدہ ومقصد پر تھی۔ آپ میں سے جو لوگ سیرت پر گہری نظر رکھتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ اس کی بنیاد تہذیب کی وحدت اور معاشرت کی وحدت پر بھی نہیں تھی، زبان کی وحدت تو تھی لیکن مکہ اور مدینہ کی زبان اور لہجوں میں اتنا اختلاف تھا جو ایک کو دوسرے سے دور رکھنے کے لئے کافی تھا۔ اور آپ کو معلوم ہے کہ تھوڑے فاصلہ پر زبان بدل جاتی ہے اور اس میں پھر وہ عصبیت پیدا ہو جاتی ہے جو مستقل دو زبانوں کے بولنے والوں کے درمیان ہوتی ہے، جس کا تجربہ، جیسا کہ پاکستان میں ہوا میں سمجھتا ہوں دنیا کے کم ملکوں میں ہوا ہوگا۔

مکہ اور مدینہ کے معاشرہ اور تمدن کو عام طور پر سیرت کا مطالعہ کرنے والوں نے جیسا متحد سمجھا ہے، صحیح نہیں ہے، سیرت کا نیا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ مکہ اور مدینہ کے معاشرے اور تہذیب و تمدن میں خاصا فرق تھا اور مکہ کے قبیلہ قریش میں اچھا خاصا احساس برتری (Superit Ority Complex) پایا جاتا تھا۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ جس وقت بدر میں تین قریشی سورما عتبہ، شیبہ اور ربیعہ آئے تو انہوں نے دعوت مبازرت دی کہ ہمارے مقابلہ میں کسی کو آنا چاہئے۔ تین انصاری نکل کر آئے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے کہا کہ تم شریف آدمی ہو لیکن ہمارے جوڑ کے...... جو لوگ ہیں ان کو بھیجو، اس سے ان کی قبائلی نخوت کا اندازہ ہوتا ہے

کہ وہ اپنے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے، پھر مدینہ طیبہ کے معاشرہ کے جو عناصر تھے، ان میں بہت اہم عنصر بلکہ جو Dominate کرتا تھا وہ یہودیوں کا عنصر تھا، یہودی اپنے ساتھ ایک تہذیب رکھتے تھے، زبان رکھتے تھے اور تنہا وہ جزیرۃ العرب میں ایک ایسی ترقی یافتہ قوم تھی جن کے اپنے مدارس تھے، جن کو "مدراس" کہا جاتا تھا۔ وہ ان سب لوگوں کو امی کہتے تھے جیسا کہ قرآن مجید میں ان کا قول خود آتا ہے **لیس علینا فی الا میین سبیل** (یعنی یہ ان پڑھ لوگ ہیں، ان کو نقصان پہچانے یا دھوکہ دینے سے کوئی گناہ نہیں ہوتا۔) اور یہ آج بھی یہودیوں کا قول ہے اور عقیدہ ہے اور اس کے لئے ان کے یہاں خاص لفظ ہے GOYIM جس کے معنی غیر مہذب اور اجنبی کے ہوتے ہیں۔

بہر حال اگر آپ تفصیل کے ساتھ سیرت کی کتابوں کا مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ مدینہ کا معاشرہ اور مکہ کا معاشرہ باوجود لسانی وحدت کے اور اوپر جا کر نسبی وحدت کے بھی ایک دوسرے سے کتنا مختلف ہو چکا تھا۔ الگ الگ ماحول میں ارتقاء کے منازل طے کرنے کی وجہ سے گویا وہ دو ملکوں کے معاشرے تھے، اس لئے جب وہ مکہ سے مدینہ ہجرت کر گئے تو اس کا بڑا اندیشہ تھا کہ یہ شیر وشکر نہیں ہوسکیں گے یعنی ایک مزاج پیدا نہ کر سکیں گے، جیسا کہ کسی معجون کے اجزاء باہم مل کر کے ایک مزاج پیدا کرتے ہیں (اور یہ طبی اصطلاح میں حکیم صاحب کی رعایت سے بول رہا ہوں) تو یہ اندیشہ تھا کہ یہ جو اسلامی معجون بن رہا ہے، اس کے یہ دو جز مہاجرین اور انصار ایک دوسرے میں اس طرح تحلیل ہوسکیں گے، اپنی شخصیت سے اس طرح دستبردار ہوسکیں گے کہ ایک مشترکہ مزاج پیدا کرلیں؟ دواجب مفید ہوتی ہے جب وہ ایک مشترک مزاج پیدا کرلے۔ اگر ہر ایک جز کا مزاج قائم رہے تو وہ مفید نہیں ہوسکتی۔

مسئلہ صرف مہاجرین اور انصار ہی کا نہ تھا، خود انصار کے دو بڑے قبیلے اوس اور خزرج بھی تھے جو مستقل دو قوموں اور حریفوں کی طرح ایک دوسرے کے مقابلہ میں صف آرا اور نبرد آزما رہ چکے تھے۔ بعاث کی جنگ (جو ہجرت کے پانچ سال پہلے پیش آئی تھی) ان خون آشام جنگوں کے سلسلہ کی آخری کڑی تھی جس میں ایک نے دوسرے کو قتل کیا تھا، ہر قبیلہ کے پاس اپنے فخریہ کارناموں کی ایک تاریخ اور مستقل منظوم شاہ نامے بنے ہوئے تھے۔ یہودی ان دونوں قبیلوں کے مسلمان ہوجانے کے بعد بھی مشترک مجلسوں میں ان واقعات کو یاد دلا کر اور

ان اشعار کو پڑھ کر ان کے مندمل زخموں کو ہرا اور ان کی جاہلی نخوت کو زندہ کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ سیرت کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک ایسے ہی موقع پر (یہودی سازش کے نتیجہ میں) قریب تھا کہ تلواریں نیام سے نکل آئیں اور یہ دونوں قبیلے ایک دوسرے سے گتھ جائیں کہ آنحضرت ﷺ عین موقع پر تشریف لے آئے اور آپ نے آگ کے شعلوں کو ایمان اور محبت اسلامی کے پانی سے سرد کر دیا اور فتنہ بھڑکنے نہیں پایا۔(۱)

بہر حال اس کا پورا امکان تھا کہ بجائے اس کے کہ ایک نئی طاقت ابھرے، ایک نیا انتشار نہ برپا ہو جائے، اور اس کے بہت سے اسباب تھے، جیسا کہ عرض کیا گیا، خود یہودیوں کا وجود سب سے بڑا عامل (FACTOR) تھا تخریب کا۔ تخریب کی ان کے اندر جتنی صلاحیت ہے، دنیا کی کم قوموں میں ہے، اور آج تک ان کا یہ جوہر باقی ہے، اس لئے اس کا بھی خطرہ تھا کہ وہ ایک دوسرے کے درمیان کوئی رقابت پیدا کر دیں گے، اور ایک کو دوسرے سے ٹکرا دیں گے۔

مکہ معظّمہ کی زندگی کا دارو مدار تجارت پر تھا اور مدینہ کی زندگی کا دارو مدار زراعت اور باغبانی پر تھا، یہ دونوں شہروں کی جغرافیائی خصوصیات کا نتیجہ تھا۔ گھر کی معاشرت میں بھی فرق تھا جس کی طرف حضرت عمرؓ نے بھی ایک مرتبہ اشارہ کیا تھا۔(۲)

عقیدہ اور مقصد کا اشتراک:

اس کے پہلے مجھے معلوم نہیں کہ ایسے منظّم اور واضح طریقہ پر دو متبائن عناصر کے درمیان کسی عقیدہ اور مقصد کے اشتراک پر ایک نئی برادری کی بنیاد ڈالی گئی ہو، یہ برادری تھی ان ایمان لانے والوں کی جو وحدت انسانی پر اور وحدت ربانی پر یقین رکھتے تھے، اور وحدت عقیدہ اور وحدت مقصد پر جمع ہوئے تھے، ایک نئی طاقت اس دنیا کو بچانے کے لئے پیدا کی جا رہی تھی۔

عددی لحاظ سے قلیل وحقیر، مقاصد کے لحاظ سے عظیم وجلیل:

یہ چھوٹی سی برادری جو وجود میں آ رہی تھی اس کی حقیقت کیا تھی؟ اس کے افراد کی تعداد کیا تھی؟ قرآن کریم نے اس کی تصویر خود کھینچی ہے۔

---

(۱) ملاحظہ ہو سیرت ابن ہشام حصہ اول ص ۵۵۵۔
(۲) کتب صحاح میں حدیث ایلاء۔

واذکروآ اذا انتم قلیل مستضعفون فی الارض تخافون ان یتخطفکم الناس۔

(وہ دن یاد کرو جب تم مٹھی بھر تھے، انگلیوں پر گنے جانے کے قابل تھے انتم قلیل مستضعفون فی الارض اور تمہیں کوئی خاطر میں نہیں لاتا تھا، تم کسی شمار وقطار میں نہیں تھے، تم ڈرتے تھے کہ جس طرح چیل جھپٹا مار کر گوشت کا ٹکڑا لے جاتی ہے اسی طرح تمہارے دشمن تم کواڑا کر نہ لے جائیں اور تم کچھ نہ کرسکو۔

حالت تو یہ تھی لیکن ان مسلمانوں کو پوزیشن کیا دی گئی؟ ان کو مقام کیا عطا کیا گیا؟ جب بھی میں اس آیت کو پڑھتا ہوں تو حیرت میں ڈوب جاتا ہوں، اس نئی وحدت کو کیا فرض انجام دینا تھا، اس کا کام کتنا مشکل، نازک اور عظیم تھا اور خدا کی نگاہ میں اس کی کیا وقعت تھی خدائے تعالیٰ فرماتا ہے الا تفعلوہ تکن فتنۃ فی الارض وفساد کبیر۔ اے مہاجرین وانصار اگر تم نے اس نئی وحدت کی بنیاد نہ ڈالی اور اس وحدت کو مستحکم نہ کیا تو تکن فتنۃفی الارض وفساد کبیر زمین میں فتنۂ عظیم اور فسادِ عظیم برپا ہوگا...... یہ الفاظ سنتا ہوں تو حیرت کرتا ہوں کہ اس جماعت کی حقیقت کیا تھی، بتیس دانتوں میں ایک زبان، اس سمندر میں اس قطرہ کی کیا حقیقت تھی، یہ مہاجرین وانصار اگر وحدت قائم کربھی لیتے تو اس فتنہ کبریٰ اور فسادِ عظیم کو روکنے کی وہ کیا صلاحیت رکھتے تھے؟ لیکن خدا کو اس وحدت سے جو کام لینا تھا اور یہ وحدت انسانی انسانی تہذیب اور اس دنیا کی بقا کے لئے جتنی ضروری تھی اس کی بنیاد پر اس کو یہ تمغہ یہ اعزاز عطا کیا گیا، سوائے ان لوگوں کے جو خدا کو قادر مطلق سمجھتے تھے اور یہ جانتے تھے کہ یہ برادری جو قائم ہورہی ہے اپنے اندر کیا جوہر رکھتی ہے۔ عددی حیثیت سے یہ کتنی قلیل اور حقیر لیکن اپنے (MERIT) جوہر وصلاحیت کے لحاظ سے کتنی قیمتی، باوزن اور مؤثر ہے، جو لوگ دیکھتے کہ اس کے اندر کیا جوش وجذبہ ہے، اس کے اندر انسانیت کے لئے کس قدر سوز وگداز بھرا ہوا ہے، اس کے افراد کی راتیں کس تپش میں، ان کے دن کس خلش میں گزرتے ہیں اور ان کو اپنی جان اور اپنی اولاد کس قدر بے حقیقت معلوم ہوتی ہے، نوع انسانی کو بچانے کے لئے دنیا میں ہدایت کو عام کرنے اور انسان کو انسان سے ٹکرانے سے بچانے کے لئے ان میں کتنی بے چینی و بے قراری ہے، وہی اس آیت کی حقیقت کو سمجھ سکتے تھے، ورنہ اس وقت کے سیاسی فتنے اور تہذیب وتمدن کے ماحول میں یہ بات سمجھ میں نہ آنے والی تھی کہ ایک ایسی چھوٹی جماعت کو یہ اعزاز دیا

جارہا ہے۔ **الا تفعلوہ تکن فتنة فی الارض وفساد کبیر** تم نے یہ برادری قائم نہ کی، اس وحدت کو مضبوط نہ کیا تو **تکن فتنة فی الارض وفساد کبیر** فتنہ وفساد کے شعلے دنیا میں اٹھیں گے اور پوری دنیا کو جلا کر خاکستر بنادیں گے۔ اس جلتی ہوئی آگ کو جس نے ساری دنیا کو اپنے لپیٹ میں لے لیا تھا، آپ ساتویں صدی مسیحی کے نقشے میں دیکھیں، جغرافیائی نہیں بلکہ ان کی باہمی آویزشوں اور ان کی جنگوں کے نقشہ میں ان کے احساس برتری کا اور ان کے نشہ قوت کا دنیا پر جو اثر پڑا تھا، اس کو اقبال نے اپنے خاص انداز میں اس طرح بیان کیا ہے۔

اسکندر وچنگیز کے ہاتھوں سے جہاں میں
سو بار ہوئی حضرت انسان کی قبا چاک
تاریخ امم کا یہ پیام ازلی ہے
صاحب نظراں! نشہ قوت ہے خطرناک
اس سیل سبک سیر وز میں گیر کے آگے
عقل و نظر وعلم وہنر ہیں خس و خاشاک

چھوٹی سی برادری پر سارے عالم کا بوجھ:

اس نشۂ قوت نے دنیا پر کیا اثر ڈالا تھا اس کے مقابلہ میں یہ ایک جو چھوٹا سا پودا تیار ہورہا تھا، مدینہ کی سرزمین میں چھوٹی سی برادری قائم ہورہی تھی۔ ایک نئی وحدت کی بنیاد پڑ رہی تھی، اس پر سارے عالم کا بوجھ ڈال دیا گیا۔ الاتفعلوہ اگر تم نے اس وحدت کے استحکام میں، وحدت کی جڑوں کو گہرا کرنے میں اور اس وحدت پر یقین کرنے میں، اس وحدت سے عشق و محبت کا تعلق رکھنے میں اور انسانیت کے درد کی آگ اپنے دلوں میں محسوس کرنے میں کمی کی، اگر تم نے اپنے مفاد کو دیکھا، اپنے جماعتی مفاد کو دیکھا، انفرادی مفاد کو دیکھا تو پھر دنیا میں فتنہ و فساد کا سیلاب رواں ہوگا اور پھر انسانیت کی قسمت میں سوائے تباہی وبربادی کے کچھ نہیں ہوگا۔ میں جب بھی ان الفاظ کو پڑھتا ہوں تو لرز جاتا ہوں کہ کتنی چھوٹی اور کمزور جماعت پر کتنا بوجھ ڈال دیا گیا، جو اپنی تعداد میں کمی اور اپنی بے حیثیتی میں اتنی چھوٹی تھی کہ شاید اس کو اگر خوردبین سے نہیں تو نگاہ دوربین سے دیکھنے کی ضرورت تھی۔ اسی جماعت کے متعلق کہا جارہا ہے الا تفعلوہ تکن فتنة فی الارض وفساد کبیر کہ دیکھو خبردار اگر تم نے اس نئی وحدت کے مستحکم کرنے میں

ذرا بھی کمزوری دکھائی تو پھر انسانیت کی قسمت میں سوائے شقاوت اور بدبختی کے کچھ لکھا نہیں، پھر تو یہ وحدتیں نسل انسانی کو کھا جائیں گی، یہ وحدتیں نہیں وحشتیں ہیں۔ نوع انسانی کی تفریق کی سازشیں ہیں، ان میں سے ایک کی حیات دوسرے کے لئے پیام موت بن گئی ہے، ایک مجموعہ انسانی کی حیات سینکڑوں مجموعہائے انسانی کے لئے موت کا پیغام ہے، اسی وحدت کا تسلسل اور نتیجہ ہم اور آپ ہیں۔ آج بھی دنیا میں وحدتوں کے نام سے وحشتیں کارفرما ہیں آج بھی وحدتوں کے نام سے تفرقے کارفرما ہیں، آپ جس سے پوچھیں گے وہ اس کی تعریف وحدت میں کرے گا، یہ ملک ہے، یہ فلاں یونٹ ہے، یہ فلسفہ، وہ فلسفہ، یہ ازم، وہ ازم لیکن کوئی وحدت کسی دوسرے وحدت کی روادار نہیں، ہر وحدت نے اپنی زندگی کو اس کے لئے شرط حیات قرار دیا ہے کہ اس کے علاوہ ساری وحدتیں ختم ہوں، اس لئے اگر کوئی وحدت دنیا کے لئے رحمت کا پیام رکھتی ہے تو وہ وحدت انسانی اور وحدت ربانی ہے۔

زبان کی وحدت کے تباہ کن نتائج:

یہ زبان جو بڑی معصوم چیز ہے جس سے پھول جھڑتے ہیں، یہ زبان جو دلوں کو ملانے کے لئے، دل کو خوش کرنے کے لئے، محبت کے گیت سنانے کے لئے، انسان کو قریب کرنے کے لئے اس کو آواز دینے کے لئے ہے، یہ زبان جو جذبات محبت کی ترجمانی کے لئے استعمال کی گئی، رازہائے فطرت کو عیاں کرنے کے لئے استعمال کی گئی، یہ زبان جس نے بارہا انسان کو مست کر دیا، بچھڑے ہوؤں کو ملا دیا، ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ دیا، جس نے محبت کے دریا بہائے، یہی زبان لاکھوں انسانوں کی بربادی کا باعث ہوئی ہے، یہ زبان وہ ہے جس کے نام پر زبان والے قتل کئے گئے، جو خود زبان رکھتے تھے، جن کے پاس ویسی ہی فطرت کی دی ہوئی زبان تھی جیسی ان قاتلوں کے پاس تھی، لیکن یہ زبان کی نام نہاد وحدت، زبان کا بڑھا ہوا عشق، زبان کی عصبیت نے ان انسانوں کو جن کی زبان سے محبت کے سوا، پیار کے سوا کوئی لفظ نہیں نکلا، جنہوں نے خدا کی یاد میں پوری پوری راتیں بسر کر دیں، خاک و خون میں تڑپایا ہے، یہی زبان جب ایک ایسی مصنوعی وحدت کی بنیاد بنتی ہے جس کی اللہ کی طرف سے کوئی سند نہیں ما انزل اللہ بہا من سلطان تو وہ پیغمبروں کی محنتوں پر پانی پھیر دینے والی اور تمام دنیا کے اصلاحی کاموں پر خط تنسیخ پھیر دینے والی تخریبی طاقت بن جاتی ہے۔ وہ تہذیب کے ذخیروں کو آن کی

آن میں برباد کر دیتی ہے۔اس زبان کی وحدت نے دنیا میں وہ وہ گل کھلائے کہ انسان بالکل تصویر حیرت بن گیا ہے۔آپ کو اس کا خوب تجربہ ہے اور یہ خطرہ اب بھی موجود ہے کہ کوئی چالاک انسان زبان کو بنیاد بنا کر اس ملک میں تفریق وانتشار اور ''حمیت جاہلیہ'' کا زہر پیدا کر دے اپنے سیاسی مقاصد کی تکمیل کے لئے اس کو کام میں لائے ، یہ زبان آج بھی وہ تخریبی کردار ادا کر سکتی ہے جو سیزر، قیصر اور چنگیز کی تلواروں نے انجام دیا۔

تہذیب کی وحدت کا انجام:

ایسی تہذیب، جس کا پیغام ہی یہی ہے کہ انسان مہذب ہو، انسان کے اندر اپنی کمزوریوں کا احساس ہو، دوسروں کے کمالات کا اعتراف ہو جو ہر جمال، ہر حسن پر فریفتہ ہو جو فن تعمیر کے ہر نمونہ پر تحسین اور آفرین کے پھول برسائے، جو اپنے شعر پر مست ہو جائے، جو ہر قوم کی ذہانت پر اور اس کی طباعی اور صناعی کے ہر نمونہ پر مسرور ہو، اس کو اپنی ملکیت سمجھے، تہذیب کا خاصہ تو یہ تھا کہ انسان کے ہر کارنامے کو اپنا سمجھا جائے، اس سے اپنے تعلق اور اپنی قدر کا اظہار کیا جائے ، جب تہذیب خدا کی رہنمائی اور پیغمبروں کی رہنمائی سے محروم ہو جاتی ہے تو وہ تہذیب تہذیب نہیں رہتی۔ وہ اپنے حق میں خواہ تہذیب ہو، دوسروں کے حق میں تعذیب بن جاتی ہے۔آپ نے دیکھا کہ تہذیبیں تہذیبوں سے کس طرح ٹکرائیں اور کلچر، کلچر سے ٹکرائے؟ اب یہ طلسم ٹوٹ چکا ہے کہ وحدت کافی ہے، اگر اس وحدت میں ان دو وحدتوں یعنی وحدت ایمانی اور وحدت انسانی میں سے کوئی وحدت نہ ہو تو یہ وحدتیں بجائے خود ایک معبود بن جائیں گی اور پھر بجائے اس کے کہ ان سے اپنے دل کے ارمان نکالے جائیں، اپنا شوق پورا کیا جائے، اور ان وحدتوں سے تفریح کا سامان مہیا کیا جائے ان سے اپنے جذبہ کی تسکین کی جائے، بجائے اس کے وہ ایک مذہب بن جاتی ہیں، ایک ایسا نظام جو دوسروں پر مسلط کیا جاتا ہے، یہ تہذیبیں انسانوں کی غارت گری کا سامان بنتی ہیں۔ یہ دنیا کا تجربہ ہے جو بارہا ہو چکا ہے۔

دو عظیم جنگوں کے اسباب:

آپ میں سے بہت سے ایسے حضرات ہوں گے جنھوں نے ۱۴ء اور ۳۹ء کی پہلی اور دوسری جنگ عظیم کو دیکھا ہوگا، بعض ایسے ہوں گے جنھوں نے صرف دوسری جنگ عظیم کو دیکھا

ہوگا۔ یہ جنگیں، یہ قتل و غارت گری کس بات کا نتیجہ تھی؟ کیا یہ صحیح مقاصد کا غلط مقاصد سے ٹکراؤ تھا؟ کیا اسی لئے کسی قوم، کسی ملک نے کوشش کی کہ دنیا کو صحیح راستہ پر لائے؟ جو جرائم ہو رہے ہیں، جو بے راہ روی ہے اس سب کی اصلاح سے ہمیں کوئی بحث نہیں، مقصد صرف یہ ہے کہ یہ سب ہماری نگرانی اور ہماری سر پرستی میں ہو، دنیا کا جو موجودہ نقشہ ہے، اس میں کوئی خرابی نہیں، لیکن اس پر جو اجارہ داری فلاں قوم کی قائم ہے، اس کی بجائے ہماری ہونی چاہئے۔ مثلاً پہلی جنگ عظیم کیا تھی؟ جرمنی کو یہ احساس پیدا ہوا کہ دنیا کی منڈیوں پر، تجارت گاہوں پر اور وسائل و ذخائر پر برطانیہ کا قبضہ ہے۔ اس پر بہت دنوں سے برطانیہ کا تسلط چلا آ رہا ہے، اب ہمارا قبضہ ہونا چاہئے۔ ہماری سیاسی پارٹیوں کا بھی یہی مزاج ہے۔ میں نے ہندوستان میں کھلے طریقوں پر ان جلسوں میں جن میں ہندو بھائی بھی شریک ہوتے تھے، بارہا کہا کہ آج کی سیاسی پارٹیوں کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ یہ خرابیاں دور ہوں، بلکہ صرف یہ ہے (چاہے زبان سے نہ کہیں) کہ یہ خرابیاں ہماری نگرانی میں ہونی چاہئیں اور اب تجربہ کر کے دیکھ لیجئے۔ آپ صرف اپنا اختیار ان کی طرف منتقل کر دیجئے، میں آپ سے کہتا ہوں ذرا بھی اس نقشہ میں تغیر و تبدل نہ ہوگا۔ اصولی اختلاف کوئی نہیں، اخلاقی بنیاد پر کوئی اختلاف نہیں۔ آپ اونچی سطح پر جائیں تو یورپ کی قومیں جو کئی بار ایک دوسرے سے برسر جنگ رہ چکی ہیں، ان کے نزدیک اصول و بے اصولی، مسیحیت اور غیر مسیحیت، ظلم و انصاف کا اختلاف یا انسانی زندگی کے نقشہ کی تشکیل کا مسئلہ نہیں، بلکہ صرف یہ کہ دنیا کو ہمارے جھنڈے کے نیچے آنا چاہئے اور معاف کیجئے گا۔ ہمارے مختلف مشرقی ملکوں کی سیاسی پارٹیوں کے سوچنے کا طریقہ بھی یہی ہے۔ اس سے کوئی خاص خلش نہیں، تکلیف نہیں کہ انسانی طاقتیں ضائع ہو رہی ہیں۔ نوجوانوں کے اخلاق خراب ہو رہے ہیں۔ نظام تعلیم غلط ہے، درست ہونا چاہئے بلکہ سب کی توانائیاں حصول اقتدار میں صرف ہو رہی ہیں۔

پاکستانی مسئلہ:

پاکستان کے مسلمانوں کا مسئلہ یہ نہیں ہے کہ آپ تنہا اس ملک میں وحدت کے علمبردار ہیں، بلکہ اس وقت دنیا کے سیاسی نقشے میں اس اسلامی وحدت کے دعویدار ہیں اور اس وحدت کو Demonstrate کرنے والے ہیں۔ اگر آپ اس وحدت سے دستبردار ہو جائیں گے یا

آپ کے ملک میں لسانی جھگڑے یا تہذیبی جھگڑے یا پرانی یا علاقائی تہذیبوں کے احیاء کا فتنہ سر اٹھائے گا۔ مثلاً یہ جذبہ پیدا ہو جائے کہ ہماری قدیم تہذیب مسلمانوں کی آمد سے پہلے کی تہذیب کو زندہ کیا جائے تو پھر اس ملک کا خدا ہی حافظ ہے۔ (اس معنی میں کہ اس ملک کی خیریت نہیں) اس لئے کہ اس ملک کے مختلف عناصر ترکیبی کو جو چیز مربوط کرتی ہے وہ وحدت ایمانی ہے، وحدت عقیدہ ہے، وحدت اسلامی ہے، اب اگر یہ نئی مصنوعی وحدتیں، یہ انسانوں کے تراشے ہوئے بت جس کو اقبالؒ کہتا ہے:

بتانِ رنگ و بو کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ ایرانی ہے باقی نہ تورانی نہ افغانی

یہ بتانِ رنگ و بو اپنا اثر رکھتے ہیں اور اپنے عمل میں آزاد ہیں تو اس ملک کے لئے خطرہ باقی ہے۔ ترکی میں وسط ایشیائی تہذیب کے احیاء کا جذبہ پیدا ہوا تھا جس کا داعی ''ضیاء گوکالب'' تھا اور اس کے سب سے بڑے ہیرو کمال اتاترک تھے۔ اسی طرح ایران میں بھی ماقبل اسلامی تہذیب کے احیاء کے کبھی کبھی باتیں ہوئی ہیں۔ آپ کے اس ملک میں کسی صوبہ میں قدیم تہذیب کے احیاء کا کوئی جذبہ پیدا ہو جائے اور تحریک چل جائے تو پھر پاکستان کے لئے بڑا خطرہ ہے۔ میں یہ عرض کروں گا کہ صرف وحدت ایمانی اور وحدت اسلامی ہی میں ہمارے لئے پناہ ہے۔ اس کے علاوہ اگر کوئی ''وحدت'' پیدا ہوئی تو اس ملت اور ملک کا شیرازہ منتشر کر دے گی۔ طاقتیں ایک دوسرے سے ٹکرائیں گی اور جاہلی عصبیتیں دوبارہ زندہ ہو جائیں گی۔ جس کو اسلام نے ختم کیا تھا:

اذجعل الذین کفروا فی قلوبھم الحمیة حمیة الجاھلیة

جب اہل کفر نے اپنے دلوں میں حمیت حمیت جاہلیہ کو جاگزیں کر لیا۔

آنحضرت ﷺ نے شاید کسی مسئلہ اور کسی موقع پر اتنی سخت زبان استعمال نہیں کی، مجھے آپ یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ زبان نبوت سے شاید پہلی مرتبہ ایسے سخت لفظ نکلے جو اس جاہلی عصبیت کے بارے میں آپ کی زبان سے نکلے تھے۔ اس لئے کہ آپ ﷺ کو اللہ نے جو بصیرت عطا فرمائی تھی اور وحی الٰہی کی علاوہ جو اللہ تعالیٰ نے آپ کا شرح صدر فرمایا تھا اور آپ پر حقائق منکشف کر دیئے تھے، اب قوموں اور ملتوں کی تاریخ آپ کے سامنے تھی، اس کی بناء پر

سب سے بڑا فتنہ آپ اس کو سمجھتے تھے۔ اسی عصبیت جاہلیہ کے احیاء کو آپ نے فرمایا:

من تغری علیکم بغراء الجاهلية فاعضوه بهن ابيه ولا تكنوا

اگر تمہارے سامنے کوئی جاہلی عصبیت کا نام لے یا کہے کہ فلاں قبیلہ، فلاں قوم کی دہائی ہے، فلاں کی زبان کی دہائی ہے یا کسی قوم کی توہین کرے، محض نسلی بنیاد پر یا قبائلی بنیاد پر یا ایسے کسی عصبیت پر تو آپ نے فرمایا کہ سخت سے سخت لفظ اس کے لئے بولو اور اشارے و کنائے سے بھی کام مت لو۔ یعنی جو سخت سے سخت لفظ تمہاری زبان میں ہے وہ لفظ تم اس کے لئے استعمال کرو، اس لئے کہ آپ نے دیکھا ہے کہ یہ وہ عصبیت ہے جو دم کے دم میں ہزاروں برس کے علمی و ادبی اور تہذیبی ذخیرے پر اور خدا کے مخلص اور بے لوث بندوں کی کوششوں پر اور ان کا خون نہ پسینہ ایک کردینے پر پانی پھیر دیتی ہے۔ یہ عصبیت ایسی اندھی ہے جس سے بڑھ کر کوئی اندھا وجود دنیا میں پیدا نہیں ہوا، یہ کسی کی رعایت کرنے کے لئے تیار نہیں۔

میں آپ کو آگاہی دیتا ہوں، اور اپنی بات پہچانا چاہتا ہوں کہ اس ملک کے لئے سب سے زیادہ خطرناک چیز یہ لسانی یا تہذیبی عصبیت یا قدیم تہذیب کے احیاء کی دعوت ہے۔ میں تنہا پاکستان کی بات نہیں کرتا اور بھی دوسرے ممالک میں مثلاً مصر میں یہ جذبہ پیدا ہو جائے کہ فرعونی تہذیب کو زندہ کیا جائے۔ جیسا کہ چند سال پہلے یہ فتنہ کھڑا ہوا تھا۔ یا ایران میں سائرس کی عظمت اور اس کو ایران کا ہیرو بنانے کا فتنہ پیدا ہو جائے تو وہاں اسلام کی چولیں ہل جائیں گی۔ اس لئے اس وحدت اسلامی کو مضبوط کرنے کی ضرورت ہے، یہی وحدت اسلامی ہے جو امن پسند اور تعمیری صلاحیت رکھنے والی ہے، وہ انسانوں کو جوڑتی ہے توڑتی ہے اور انسانوں کے لئے تعمیر کا باعث ہے۔ تخریب کا باعث نہیں۔ اللہ نے ہم کو آپ کو بہت پہلے یہ نعمت عطا کی تھی

واذکرو نعمة الله علیکم اذ کنتم اعدآءً فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمته اخوانًا

خدا کے اس احسان کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، اللہ نے تمہارے دل ملا دیئے، تم اس کے فضل سے، اس کے احسان سے بھائی بھائی ہو گئے اور ایسے بھائی ہوئے کہ انسان انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔ جب سیرت کے واقعات پڑھتا ہے کہ مصعب بن عمیرؓ کے بھائی ابوعزیز کی مشکیں باندھی جا رہی ہیں، مصعب

جب سامنے سے گزرتے ہیں تو کہتے ہیں ذرا اچھی طرح باندھنا موٹی اسامی ہے، اس کے فدیہ کی زیادہ رقم وصول ہوگی۔ وہ اپنے بھائی مصعب کی طرف دیکھتے اور کہتے ہیں کہ اے میرے بھائی تم سے تو امید یہ تھی کہ میری سفارش کرو گے اور تم الٹا اس شخص کو ہدایت دیتے ہو۔ تو انہوں نے کہا کہ تم میرے بھائی نہیں، میرا بھائی یہ ہے جو تم کو باندھ رہا ہے۔ اس عقیدت کی وحدت نے اور مقصد کی وحدت نے اس طرح دلوں کو ملا دیا تھا، اس کے مقابلہ میں زبان کی وحدت کا حال معلوم ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ ایک زبان بولنے والوں کو آپس کے تعلقات کا کیا حال ہے، کیا ان کی زبان نے ملانے کا کوئی کام کیا تھا، کیا اس نے ان کو نفسانیت اور اپنے ذاتی اغراض سے بالاتر کر دیا ہے اور کیا اس نے اصلاح انسانیت کا جذبہ پیدا کیا ہے، کیا وہ دوسری زبان والوں کے مقابلے میں صف آرا ہونے سے فرصت پاتے ہیں تو آپس میں شیر و شکر ہو جاتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کی عزت کو اس احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں جس سے اپنے مال کو، اپنی عزت و آبرو کو دیکھتے ہیں۔ اقبال نے کہا ہے:

یک دلی از یک زبانی بہترا است

ایک زبان ہونے سے کام نہیں چلتا۔ ایک دل ہونا چاہئے اور زبان ایک دل نہیں کرتی۔ صرف منفی رول ادا کرتی ہے، دوسروں کے مقابلہ میں زبان کی دہائی دے کر یا زبان کا حوالہ دے کر وہ ان طاقتوں کو مجتمع کرتی ہے جس سے ان کو مقابلہ کرنا ہے

آپ کو وحدت اسلامی کا منصب حاصل ہے:

اللہ نے اس وحدت اسلامی کی نعمت ہی آپ کو عطا نہیں کی ہے، آپ کو اس کی دعوت دینے کی ذمہ داری بھی تفویض کی ہے۔ آپ کا فرض ہے کہ دنیا کے سامنے نمونہ پیش کریں کہ وحدت اسلامی کے ثمرات و برکات کیا ہوتے ہیں۔ اگر کسی کو وحدت اسلامی کو دیکھنا ہو تو وہ پاکستان کو دیکھے، یہاں کسی ایسی وحدت کی اجازت اور اس کے لئے آپ کو کسی قسم کی کوئی چھوٹ نہیں دینی چاہئے جو آپ کو ایک دوسرے سے جدا کرے اور یہاں وہ مشکلات اور وہ مسائل پیدا کرے جن کا حل کسی بڑے سے بڑے سیاستدان اور کسی بڑے سے بڑے قائد کے پاس نہیں، یہ اللہ کی نعمت کی بڑی ناقدری ہوگی کہ جس بنیاد پر یہ ملک و معاشرہ قائم ہوا ہے، وہ بنیاد منہدم یا کمزور ہو جائے۔ یہاں مسلمان کس کشش پر آئے؟ کس نام پر آئے؟ کس شمع پر یہ

سب پروانے جمع ہوئے؟ کیا وہ زبان تھی؟ کیا وہ تہذیب تھی؟ کیا وہ معاشرت وتمدن تھے۔ یہاں کی آبادی کے مختلف حصوں میں معاشرہ وتمدن کا ایسا فرق بھی ہوسکتا ہے جو دو قوموں میں ہوتا ہے۔ صوبہ سرحد کے رہنے والے اور یوپی کے رہنے والے ایک مسلمان کے تمدن میں، لباس میں، وہ فرق ہوسکتا ہے جو دو ملکوں کے باشندوں میں ہوتا ہے۔ یہ فرق موجود ہے اور اگر آپ اس موقر مجلس پر نظر ڈالیں تو یہ فرق آپ کو نظر آجائے گا، لیکن ان سارے امتیازات پر، ان سارے تنوعات پر جو چیز حاوی ہے وہ کیا ہے؟ وہ یہ وحدت ایمانی ہے۔ یہی وحدت ایمانی آپ کو مربوط بھی رکھے گی، مضبوط بھی، باعزت بھی رکھے گی، محفوظ بھی۔ آپ اس وحدت کی قدر کریں، دنیا میں اس کے داعی اور علمبردار بنیں، یہ اپنی خدمت بھی ہوگی، معاصر دنیا کی بھی جو تفریق وتقسیم کی زخم خوردہ ہے۔

آخر میں میں آپ سب حضرات کی عزت افزائی اور محبت کا شکر گذار ہوں کہ آپ دور دور سے تشریف لائے اور دلچسپی اور توجہ سے میری معروضات سنیں۔ خاص طور پر حکیم محمد سعید صاحب کا شکر گذار ہوں کہ انہوں نے میرے لئے ایسا زریں موقع اور ایک ایسی چیدہ مجلس یہاں بلائی جس کے سامنے مجھے اپنے خیالات کے اظہار کا موقع ملا۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

خدا کی بستی دوکان نہیں

یہ تقریر ۲۷ جولائی ۱۹۷۸ء کو محکمہ اوقاف کے صدر دفتر لاہور میں علماء، وکلاء اور دانشوروں کے سامنے اس استقبالیہ میں کی گئی جو محکمہ اوقاف نے مقرر کر دیا تھا۔

الحمد لله نحمده ونستعينه ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادی له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريک له ونشهد ان محمدا عبده ورسوله صلى الله تعالىٰ عليه وعلى آله واصحابه وسلم تسليما كثيرا

یہ دنیا ایک مقدس وقف ہے:

حضرات علماء کرام، کارکنان محکمہ اوقاف و حاضرین مجلس!

میں محکمہ اوقاف کا شکرگزار ہوں کہ اس نے مجھے یہاں دعوت دے کر میری عزت افزائی کی، مجھے جب یہ دعوت ملی تو میں یہ سمجھا کہ ایک محدود تعداد میں وہ حضرات ہوں گے جن کا محکمہ اوقات سے ذمہ دارانہ تعلق ہے، ان سے تعارف ہوگا اور میں محکمہ اوقاف کی کارگزاری یا اس کی سرگرمی کے جو میدان ہیں ان سے واقفیت حاصل کر کے مسرت حاصل کروں گا اور اپنی معلومات میں اضافہ کروں گا، لیکن جب یہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ آج اس تقریب اور اس اجتماع کا موضوع ہے "موجودہ دنیا میں اسلام کی ضرورت ہے۔" میں سوچتا رہا کہ اس موضوع سے اس قابل قدر محکمے کا کیا تعلق ہے؟ لیکن میں نے فوراً ہی اس تعلق کا انکشاف کر لیا کہ حقیقت میں ہماری یہ دنیا بھی ایک مقدس وقف ہے اور اس کی متولی بھی حقیقت میں وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو اس وقف کے مقصد سے واقف ہوں اور واقف کے مقاصد و منشا سے ان کو نہ صرف دلچسپی ہو بلکہ وہ اس کے وفادار بھی ہوں۔

اس وقت دنیا کا حال یہ ہے کہ دنیا ایک ایسا مظلوم وقف ہے جس کے متولی اس کے مقاصد سے بالکل ناآشنا ہیں بلکہ اس میں بھی میں نے بڑی احتیاط برتی ہے، واقعہ یہ ہے کہ وقف کے مقصد و منشاء کے مخالف ہیں اور ابھی تک وہ یہ بھی دریافت نہیں کر سکے کہ اس عالم

انسانی اور اس کائنات کا واقف ہے کون؟ آپ حضرات کو خوب معلوم ہے اور عملی تجربہ ہے کہ سب سے پہلے تو واقف کا علم ہونا چاہئے، پھر واقف کا مقصد ومنشاء معلوم ہونا چاہئے، پھر یہ جذبہ پیدا ہونا چاہئے کہ ہم اس کے امین ہیں۔ قرآن مجید میں اس ''تولیت'' کے لئے مختلف الفاظ آئے ہیں مثلاً ایک جگہ بہت واضح طریقہ پر فرمایا **وانفقوا مما جعلكم مستخلفين فيه**. یہ استخلاف بھی ایک طرح کی تولیت ہے کہ خالق کائنات نے اس زمین کو پیدا کیا اور اس پر انسان کو بسایا نسلِ انسانی کو پیدا کیا اور فرمایا'' **هو الذى خلق لكم ما فى الارض جميعاً**'' یہ کہا کہ تم اصالۃً اس کے مالک نہیں ہو، بلکہ ہمارے خلیفہ کی حیثیت سے ہمارے منشاء کے مطابق اس کا انتظام کرنے کے مکلّف وذمہ دار ہو۔ چھوٹے سے چھوٹے وقف کے لئے بھی قانون بنا ہوا ہے اور اس کے بھی ضابطے ہیں اور میں جس جگہ سے اپنی یہ معروضات پیش کررہا ہوں یہ اس کا ایک مرکزی مقام ہے جس کی بنیاد اس پر ہے کہ ان اوقاف کی حفاظت کی جائے اور میں پوری توقع کرتا ہوں کہ آپ اس کے امین ثابت ہورہے ہوں گے لیکن یہ بدقسمت سرزمین اور یہ مظلوم وسیع ترین وقف جس کی کوئی نظیر اوقاف کی تاریخ میں نہیں مل سکتی (اس لئے کہ اوقاف کی تاریخ تو بہت بعد کی ہے) خدا نے یہ کرۂ ارض، یہ سیارہ ایک وقف کی حیثیت سے بہت پہلے پیدا کیا تھا اور انبیاء علیہم السلام، کو، ان کی امتوں کو اور ان کے جانشینوں کو اس کا متولی بنایا تھا، یہ بھی ایک محکمہ اوقاف تھا اور اس کے بعد آخری طور پر سید الانبیاء خاتم النبیین، اشرف المرسلین محمد رسول اللہ ﷺ فداہ رواحنا ونفوسنا کو اور ان کی امت کو آخری طور پر اس کا متولی بنایا گیا۔

امت خودرو کھیتی اور جنگلی گھاس نہیں:

آنحضرت ﷺ کی بعثت کی خصوصیت ہے کہ اور انبیاء علیہم السلام کی بعثت منفرد بعثت ہوتی تھی، ان کی ذات کی بعثت ہوتی تھی، لیکن آپ کی بعثت کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ کے ساتھ ایک امت بھی مبعوث کی گئی یعنی وہ امت خودرو کھیتی اور کوئی جنگلی گھاس نہیں ہے، حشرات الارض کا کوئی مجموعہ نہیں ہے بلکہ اس کے لئے قرآن مجید میں، سنت نبوی میں، احادیث صحیحہ میں جو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں وہ ذمہ داری کے الفاظ ہیں اور انتہائی ذمہ داری کا اظہار ان الفاظ سے ہوتا ہے، چنانچہ فرمایا:۔

کنتم خیر امة اخرجت للناس

''اخرجت'' کا لفظ بتاتا ہے کہ یہ امت کسی مقصد کے لئے پیدا کی گئی ہے، انسانیت کی حفاظت اور فاطر کائنات کے مقاصد کو بروئے کار لانے کے لئے خلیفۃ اللہ کی حیثیت سے، اور حدیث میں اس سے بھی زیادہ واضح اور صریح الفاظ ہیں کہ فرمایا: '' **انما بعثتم میسرین و لم تبعثوا معسرین** '' اس میں بعثت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے کہ تم بھیجے گئے ہو، تمہیں مقرر کیا گیا ہے، تمہیں نامزد اور نصب کیا گیا ہے، تمہاری ایک حیثیت متعین کی گئی ہے اور تمہاری ڈیوٹی لگائی گئی ہے اور ''میسرین'' سہولت پیدا کرنے والے کی حیثیت سے مشکلات پیدا کرنے والے کی حیثیت سے نہیں۔ اگر ایک چھوٹے سے چھوٹا وقف ضائع ہو رہا ہو تو حکومت اس کی ذمہ دار ہوتی ہے، حکومت اس کی مدعی بن جاتی ہے، وقف کی حفاظت کے لئے خواہ وہ مسجد کی شکل میں ہو چاہے یتیم خانہ کی شکل میں، خواہ کسی جائیداد کی شکل میں ہو، حکومت اپنے پورے اختیارات سے اور تمام وسائل سے کام لیتی ہے اور آپ کو دن رات ان واقعات سے واسطہ پڑتا ہے۔

خدا کی بستی دکان نہیں ہے:

لیکن کیسی قابل رحم حالت ہے اس وقف کی جس کے متولی غلط تصرف کر رہے ہیں، بلکہ اس کے مالک بن بیٹھے ہیں اور مالک بننے کے باوجود اس کے ساتھ دشمنوں کا سا سلوک کر رہے ہیں، قبرستانوں کا جیسا سلوک کر رہے ہیں، کسی قبرستان کا وہ حشر نہیں ہوگا جو اس معمورہ جہاں کا حشر ہوا، اس آبادی کو ویرانہ اور قبرستان بنادیا گیا۔ بقول اقبال

''جسے فرنگی مقامروں نے بنادیا ہے قمار خانہ''

آپ کے اسی شہر کے شاعر عظیم نے اہل یورپ کو خطاب کر کے کہا تھا۔ ع

'' خدا کی بستی دکاں نہیں ہے''

آپ کسی مسجد کو قمار خانہ بنتا نہیں دیکھ سکتے، لیکن وہ سرزمین جس کے متعلق کہا گیا تھا ۔**جعلت لی الارض مسجداً و طهوراً** میرے لئے پوری زمین مسجد بنادی گئی ہے۔ اس مسجد کو فرنگیوں نے قمار خانہ بنادیا۔

میں سمجھا کہ یہ موضوع مقرر کرنے والوں نے بڑی ذہانت کا ثبوت دیا ہے، اور اس وقف سے اس بڑے وقف کی طرف توجہ دلائی ہے، یہ آپ کے موضوع سے بالکل غیر متعلق نہیں ہے، آپ اس دنیا کی حالت پر نظر ڈالیں اور دیکھیں اس دنیا کے ساتھ کیا سلوک کیا جارہا ہے، جن کو

تعمیر کا کام کرنا چاہئے تھا، وہ تخریب کا کام کرر ہے ہیں، جن کو اسے امانت سمجھنا چاہئے تھا وہ اس کو ذاتی ملکیت نہیں بلکہ میراث سمجھ رہے ہیں۔ جن کو اس میں اس کی ضروریات اور وہاں رہنے والوں کے جذبات کا خیال رکھنا چاہئے تھا وہ ان کے جذبات اور ان کی ضروریات کے کھنڈر پر یا ان کے مقبروں پر اپنی عیش گاہیں تعمیر کرر ہے ہیں، اسوقت دنیا کی صورت کیا ہے؟ کسی وقف کا وہ برا حال کبھی نہیں ہوا ہوگا جو اس وقت اس عظیم بلکہ وقف اعظم کا ان لوگوں نے کر دیا ہے جو اس کے متولی بن بیٹھے ہیں۔ جو متولی نہیں بنائے گئے، غاصب ہیں، انہوں نے اس دنیا کی قبریں کھودنی شروع کر دیں اور پرانی قبریں ہی نہیں نئی قبریں بنانی شروع کیں اور افراد کی نہیں بلکہ قوموں اور ملکوں کی قبریں کھودنی شروع کر دی ہیں، اب تو معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہے کہ انسانیت کی قبریں کھودی جارہی ہیں۔ یہ سازش ہے انسانیت کے خلاف، یہ سازش ہے اخلاق کے خلاف، یہ سازش ہے بقول اقبال دین کے خلاف یہ سازش ہے انسان کے مستقبل کے خلاف، بلکہ اب تو ڈر یہ ہے کہ انسان کے حال کے خلاف بھی سازش ہے، یہ وقف اس بری طرح ضائع ہو رہا ہے کہ دنیا کے ہر انسان کو اس پر آنسو بہانا چاہئے اور ہر انسان کو ناشی بن جانا چاہئے۔

اسلام کی عدالت قائم کیجئے:

اس وقف کے ساتھ جو سلوک روا رکھا جارہا ہے اس کے خلاف پوری بنی نوع انسان کو اور پوری افرادِ بشر کو مدعی ہونا چاہئے، لیکن کسی عدالت میں یہ مقدمہ دائر کیا جائے؟ کیا اقوام متحدہ کی عدالت میں یہ مقدمہ دائر ہوسکتا ہے؟ آپ کا ذاتی مقدمہ ابتدائی عدالتوں سے لے کر چیف جسٹس کی عدالت یا ہائی کورٹ میں جائے گا، سپریم کورٹ میں جائے گا، لیکن یہ انسانی کنبہ جس کے خلاف یہ عالمگیری سازش کی گئی ہے اور جسے خاک وخون میں ملایا جارہا ہے، اس کے خلاف کس کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا جائے؟ اور اس وقف کو کیسے بحال کیا جائے گا؟ قانون دانوں سے پوچھئے، اور انسانیت کے بھی خواہوں سے پوچھئے کہ کس عدالت میں یہ مقدمہ دائر کیا جائے، مشکل یہ ہے کہ مدعا علیہ ہی جج ہے، اس مقدمہ کا کیا حشر ہوگا جس کا جج خود مدعا علیہ ہے؟ اسی کے خلاف ہم مقدمہ دائر کرنا چاہتے ہیں اور اسی کی عدالت میں مقدمہ دائر کر رہے ہیں، اس مقدمہ کا کیا فیصلہ ہوگا؟ اس لئے اصل ضرورت یہ ہے کہ وہ عدالت قائم ہو جائے

جہاں یہ مقدمہ دائر کیا جا سکے، وہ عدالت اس وقت دنیا میں موجود نہیں، وہ طاقت موجود نہیں جو اس مقدمہ کا فیصلہ کرے، اس میں دو صفتیں ہونی چاہئیں ایک صف عدالت، ایک طاقت، اگر آپ کسی دانشور کے سامنے، کسی انسانیت کے بہی خواہ کے سامنے مقدمہ لے جائیں تو وہ اپنا فیصلہ تو صادر کر دے گا لیکن اس کو تنفیذ کے اختیارات نہیں، آج کوئی مسلمان ملک اس پوزیشن میں نہیں جو انسانیت کی دادرسی کر سکے، بلکہ اپنے ملک پر جو ظلم اور خطرہ درپیش ہے اس کو دور کر سکے۔ اس وقت المیہ یہ ہے پورے عالم انسانی کا کہ اس مقدس امانت میں جو ایک وقف کی حیثیت رکھتی تھی، خیانت کی جا رہی ہے اور دنیا میں خیانت کی کوئی ایسی مثال ہمیں نہیں ملتی، اس مقدس امانت میں خیانت کی جا رہی ہے، یہاں کی ہر چیز کو شیر مادر سمجھ لیا گیا ہے، جس کی لاٹھی اس کی بھینس اور جنگل کا قانون دنیا میں نافذ ہے، اس مقدس وقف کو جس کو خدا نے اہتمام کے ساتھ بنایا، قرآن مجید میں، صحف سماوی میں اس کا بار بار اللہ نے ذکر کیا ہے۔ اس کا ایک مرتبہ کہہ دینا کافی تھا، لیکن تفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ ہم نے زمین اس طرح بنائی پھیلائی، اس طرح زمین بچھائی، آسمان کا شامیانہ نصب کیا، سورج کو اس کے لئے قندیل بنایا اور چاند کو اس کے ٹھنڈک اور روشنی کا ذریعہ بنایا، کھیتیاں اگائیں، اس پر باغات لگائے، اس میں چشمے بنائے، یہ سب کیوں کیا جاتا ہے؟ تاکہ آپ کو اس وقف کی عظمت معلوم ہو، آپ کو اگر بتایا جائے کہ کسی کاغذ میں یہ اندراج ہے کہ یہ وقف ایسے عظیم مقاصد کے لئے کیا جا رہا ہے اور اس وقف میں اس بات کی صلاحیت ہے، اس کا رقبہ اتنا بڑا ہے، اس میں اتنی عمارتیں موجود ہیں، اس میں ایک عظیم کتب خانہ ہے تو آپ کو اس کی اہمیت کا احساس ہوگا۔ خدا نے زمین کے بنانے کے سلسلے میں جو تفصیلات بیان کیں اس کا مقصد یہ ہے کہ ہم اس وقف کی عظمت کو سمجھیں، لیکن آج دنیا کا حال کیا ہے؟ یا تو کہیں صریح تخریب کا عمل جاری ہے، کہیں یہ حالت ہے کہ وسائل ہیں لیکن مقاصد نہیں، سب کیا جا سکتا ہے لیکن جن کے ہاتھ یہ وسائل ہیں وہ نہیں جانتے کہ ان کو کس طرح استعمال کریں؟ ان سے انسانیت کی فلاح میں کس طرح کام لیں؟ انسانیت کے دکھ درد کو ان سے دور کریں، انسان کو انسان سے ملائیں انسان کے دل سے عداوت اور کینے کا مادہ نکالیں اور محبت و اعتماد کو اس کی جگہ قائم کریں، انسان کو انسان کی مدد کے قابل بنائیں۔ ان کے پاس یہ مقاصد نہیں ہیں۔

مسیحیت اور یہودیت رہنمائی سے قاصر ہیں:

یہ مقاصد صرف انبیاء علیہم السلام کے ذریعے حاصل ہو سکتے تھے اور سوائے اسلام کے ہر مذہب کا دامن ان سے خالی ہو چکا ہے اور مسیحیت کا دامن تو ایسا خالی ہوا کہ اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ خالی ہی نہیں بلکہ اس نے اپنے دامن کو جھٹک دیا ہے اور اس میں جو کچھ تھا اس کو دور پھینک دیا ہے۔ مسیحیت آج اپنی قوموں کی (جنھوں نے اس کو قبول کیا ہے اور اس کی حلقہ بگوش ہیں) رہنمائی سے بالکل قاصر ہے، مسیحیت ان کی رہنمائی کرے، ان کی بے اعتدالیوں پر کوئی قدغن لگائے اور زندگی کی مشکلات میں ان کی عقدہ کشائی کرے، اس سب سے عاجز ہے، اس لئے کہ موجودہ مسیحیت وہ مسیحیت نہیں ہے جو سیدنا عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کے ذریعہ پہنچی ہے، یہ سینٹ پال کی مسیحیت ہے جو یورپ میں آ کر مسخ ہوگئی۔ یہودیت کا جہاں تک معاملہ ہے وہ اس سے پہلے بگڑ چکی تھی، وہ چند رسموں کا نام ہے، نسل پرستی کا نام ہے، وہ یعقوب علیہ السلام کی اولاد کے گرد گھومتی ہے۔ اس کو دنیا کی کسی نوع، خاندان، کنبے سے کوئی دلچسپی نہیں، بلکہ وہ اس پوری نسل انسانی کی تخریب ان کے اخلاق کو بگاڑنے کا منصوبہ رکھتی ہے۔ وہ صاف کہتے ہیں کہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم دنیا کی تمام قوموں میں بداخلاقی پھیلائیں، ان کی تمام اقدار کو، ان کی تمام بنیادوں کو متزلزل کر دیں، ان میں اخلاقی وانتشار، انارکی پیدا کریں، ان کو دماغی اعتبار سے، روحانی حیثیت سے، اخلاقی حیثیت سے دیوالیہ بنا دیں تا کہ وہ ہمارے ہاتھوں شطرنج کے مہرے کی طرح کام کریں۔ ہم ساری دنیا کو اس طرح ذلیل کر دیں اور قوموں کو اتنا کمزور کر دیں کہ وہ ہمارے قدموں پر آ کر گر جائیں، یہ یہودیت ہے۔

اب اسلام رہ جاتا ہے جو زندگی میں رہنمائی کر سکتا ہے، موجودہ دنیا کو اسلام کی اس لئے ضرورت ہے کہ اخلاق و برباد ہو رہا ہے۔ انہوں نے کاشکہ دنیا کو یتیم خانہ ہی سمجھا ہوتا، یتیموں کی طرح قوموں کے ساتھ سلوک کرتے، اس کو یتیم خانہ نہیں قمار خانہ بنا دیا ہے۔ ہم اس پوزیشن پر بہت خوش ہوتے کہ دنیا میں قوموں کو یتیم سمجھ لیا جاتا، یورپ اس پر راضی ہوتا کہ سب یتیم ہیں اور ساری دنیا ایک یتیم خانہ ہے۔ اس کے ساتھ ہمدردی، غمگساری ہونی چاہئے۔ یہ بھی بہت غنیمت تھا۔

یہ دنیا شکار گاہ بنی ہوئی ہے:

لیکن نہیں یتیم خانہ بھی نہیں، یہ دنیا شکار گاہ بنی ہوئی ہے۔ شکاری نکلتے ہیں ہتھیار لے کر اور قوموں کا شکار کھیلتے چلے جاتے ہیں، قوموں کو پامال کرتے چلے جاتے ہیں، آج جو بڑی طاقتیں ہیں، ان کے نزدیک مشرقی اقوام کی قیمت، مسلم ممالک کی قیمت اتنی ہے کہ دنیا سے کچا مال (RAW METERIAL) ان کو ملے، پیٹرول ان کو پہنچتا رہے، اور اگر کوئی جنگ ہو تو یہ ان کے ذریعہ سے اپنے دشمن کا مقابلہ کرسکیں، ان کو اپنا سپاہی بنا سکیں، یہ گویا ایندھن ہیں ان کے باورچی خانہ کا، بس اس کے سوا کوئی قیمت نہیں، آپ یقین مانئے ع

مرے دیکھے ہوئے ہیں مشرق و مغرب کے میخانے

جس کو اب اہل مغرب ''بلا دنامیہ'' (ترقی پذیر ممالک) کہنے لگے ہیں، ورنہ پہلے تو پسماندہ کہتے تھے۔ پسماندہ اقوام کی قیمت ان کے نزدیک یہ ہے کہ ایک اچھا ایندھن ہے، جب آگ جلانا چاہیں، جب یہ اپنا مطبخ گرم کرنا چاہیں تو یہ قومیں اور یہ ملک ایندھن مہیا کریں، وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ قوموں کی تقدیر ہمارے ہاتھ میں آئی ہے، انہوں نے انسانوں کے ساتھ جانوروں کا، بلکہ جمادات کا سلوک کر رکھا ہے اور آج کوئی طاقت نہیں جو اس کا مقابلہ کرسکے، سب اپنی طاقت اور اپنا جوہر کھو چکے ہیں، سب اپنا پیغام بھول چکے ہیں سب اپنا کردار چھوڑ چکے ہیں، سب میدان سے کنارہ کش ہو چکے ہیں۔

سارا انحصار اسلام اور مسلمانوں پر:

اس وقت سارا انحصار مسلمانوں اور اسلام پر ہے۔ آپ حضرات کی بہت بڑی ذمہ داری ہے، آپ اس ملک کی فکر کریں، معاشرہ کی اصلاح کی فکر کریں، اس وقت مسلم معاشرہ ہر ملک میں مرض کی ایسی حالت میں پہنچ گیا ہے کہ اس کی جلد خبر لینے کی ضرورت ہے، معاشرہ کا عیب یہ نہیں کہ وہ فاسد الاخلاق ہو گیا ہے، خطرہ کی بات یہ ہے کہ معاشرہ فاسد المزاج ہو گیا ہے اور کسی معاشرہ کا فاسد الاخلاق ہونا اتنا خطرناک نہیں ہے، اس کے لئے سو تدبیریں ہیں لیکن معاشرہ جب فاسد المزاج ہو جائے تو پھر دوا بھی اثر نہیں کرتی، اس وقت اس معاشرہ کی خبر لینے کی ضرورت ہے۔ محکمہ اوقاف اپنے وسائل کے ذریعہ اور ایک بہت بڑا وسیلہ جو اس کے ہاتھ

میں ہے۔ وہ اثر اور قابل احترام ائمہ مساجد اور خطباء ہیں، یہ وہ ہیں جن کا عوام سے براہ راست ربط ہے، اگر ہمارا محکمہ اوقاف اس کے لئے تیار ہو جائے اور وہ ائمہ وخطباء اپنی ذمہ داری سمجھیں اور بجائے اختلافی مسائل چھیڑنے کے جو اس ملک کا انتشار بڑھائیں گے اگر وہ معاشرہ کی اصلاح پر اپنی توجہ مرکوز کر دیں تو ملک کو بھی بچائیں گے اور عالم اسلام کی بہت بڑی خدمت کریں گے، آپ کو معلوم ہے جس وقت قسطنطنیہ محمد فاتح کی یلغار کے نیچے تھا، محمد فاتح کی فوجیں داخل ہو رہی تھیں، اس وقت اس پر بحث ہو رہی تھی کہ حضرت مسیحؑ نے جو روٹی کھائی تھی عشائے ربانی میں وہ فطیری تھی یا خمیری تھی، اس پر بڑی متکلمانہ بحثیں اور بڑی بڑی نکتہ سنجیاں ہو رہی تھیں اور محمد فاتح کی فاتح فوجیں یلغار کرتے ہوئے قسطنطنیہ میں داخل ہو رہی تھیں، مجھے اندیشہ ہے کہ یہاں بھی ایسے اختلافی مسائل نہ چھڑ رہے ہوں کہ فاتح تمدن کی یلغار جاری ہو، فاتح تہذیب کی یلغار جاری ہو، اس وقت صورت حال یہ ہے کہ مغربی تہذیب فاتحانہ پیش قدمی کر رہی ہے، ہماری اسلامی بنیادوں کو ہلا رہی ہے بلکہ ہماری چولیں اور ہمارے اس ملک کی چولین بھی ہلا رہی ہے، اسلامی معاشرت تبدیل ہو رہی ہے، اسلامی تمدن دم توڑ رہا ہے، مسلمان ذہنی وفکر ارتداد کے شکار ہو رہے ہیں اور ہمارے یہاں علم غیب کی بحثیں ہو رہی ہیں، بشریت رسول کی بحثیں ہو رہی ہیں، توقع نہیں کہ اس نازک دور میں جب کہ ہمارے سروں پر خطرے کی تلوار لٹک رہی ہے، کوئی یہ بحثیں چھیڑے گا، لیکن اس دنیا میں سب کچھ ممکن ہے، ہوسکتا ہے ہم اپنی ذہانت ان فروعی اور نزاعی معاملوں میں ضائع کر رہے ہوں اور اپنی توانائی وطاقت اس میں برباد کر رہے ہوں، آپ سے یہ کہتا ہوں کہ آپ خطرے کو محسوس کریں، آپ کا ملک ایک دورا ہے پر کھڑا ہے، اس موقع پر آپ متاع اسلام کو بچانے کی کوشش کریں، جب یہ بچ جائے گی تو پھر ان مسائل کا موقع ہوگا۔ یہ بحثیں مدرسہ کے اندر کی ہیں، یہ بحثیں مدرسوں کے باہر کی نہیں، یہ میں نے ابھی ایک بڑی کانفرنس میں جو خاص مسلک رکھنے والی جماعت نے ہندوستان کے ایک مقام پر کی تھی خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ اختلافات ہمیشہ سے تھے۔ نماز کے اندر بھی مذاہب اربعہ میں اور مذاہب اربعہ کے باہر بھی کتنے اختلاف ہیں کہ ان کو گنا جائے تو درجنوں کی تعداد میں نکلیں لیکن کبھی ان سے انتشار نہیں پیدا ہوا۔ انتشار اس وقت ہوا جب معلمین و مدرسین مدرسہ سے نکل کر عوام میں آ گئے، غلطی یہ ہے کہ ان مسائل کا فیصلہ چوراہوں پر کیا

جائے، مسئلوں کا فیصلہ جلسۂ عام میں کیا جائے، ان مسئلوں کو نعرہ بنایا جائے، ان مسئلوں کو عوام کے حوالے کر دیا جائے، کہ اس سے بجائے ایک دوسرے سے ملنے کے وہ جدا ہوں، ورنہ یہ بحثیں تو ہمیشہ ہوتی رہی ہیں، ان سے علم میں اضافہ ہوا، ذہانت میں اضافہ ہوا اور یہ تو زندہ انسان و زندہ جماعت کی خصوصیت ہے کہ غور کرے، سمجھنے کی کوشش کرے، اس پر کوئی پہرے نہیں بٹھا سکتا اور اگر یہ بحثیں عوام میں آجائیں اور ان سے سیاسی مقاصد حاصل کئے جائیں، جماعتی مقاصد حاصل کئے جائیں، ان سے اپنی بڑائی اور ذاتی مفادت کی حفاظت کا کام لیا جائے تو پھر یہ مضر ہی نہیں مہلک بن جاتی ہیں۔ یہ مسئلے فقہی ہیں، خالص علمی ہیں، کلامی ہیں، ان کو اپنے کتب خانوں میں رکھئے، مدرسوں میں رکھئے، دوستوں کے حلقوں میں رکھئے، طالب علموں کے سامنے رکھئے، ان کو عوام میں نہ لائیے، جو ہمارے معاشرہ میں مزید انتشار پیدا کرے اور مسلمان کو مسلمان سے الگ کرے اور مسلمان کو مسلمان سے توڑے، اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ مولانا رومؒ نے تو بہت معمولی سی بات پر کہا ہوگا:

تو برائے وصل کردن آمدی
نے برائے فصل کردن آمدی

آپ کو جو مسائل درپیش ہیں وہ قوموں اور ملکوں کی قسمتوں کا فیصلہ کرنے والے ہیں، اس سے ہم کو بڑی احتیاط برتنی چاہئے۔ علمی بحثوں کا کوئی دروازہ بند نہیں ہوسکتا، میں تو ہرگز اس کی رائے نہیں دوں گا۔ اس لئے کہ میں طالب علم ہوں۔ لیکن ان کو سیاسی تفریق، جماعتی تفریق کے لئے، جماعتی مقاصد، سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے اور محض جاہ طلبی کے لئے اور اپنی بات اونچی کرنے کے لئے استعمال نہیں کرنا چاہئے، اس وقت ہمیں پورے اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے عہد کر کے معاشرہ کی اصلاح کے کام میں لگ جانا چاہئے اور ملک کو اس تہذیبی و تمدنی ارتداد سے بچانا چاہئے۔

یہ محکمہ اوقاف جس کے دفتر میں آج ہم جمع ہیں، اس سلسلہ میں اہم کردار بلکہ فیصلہ کن کردار ادا کرسکتا ہے، اس لئے کہ ابھی تک خدا کے فضل سے عوام پر علماء کا اثر ہے۔ ائمہ کا اثر ہے، مساجد کا احترام ہے، منبر رسول ﷺ سے مسجد کے محراب و منبر سے جو آواز بلند ہوگی دلوں کی گہرائی تک پہنچ جائے گی، وہاں ہمارے سیاسی لیڈر اور ہمارے منتظمین کی آواز نہیں پہنچ سکتی

جہاں ان واعظین کی، خطیبوں کی اور علماء کرام کی آواز پہنچے گی، اس لئے اس آواز کے بارے میں اللہ سے ڈرنا چاہئے اور اس اثر کو بڑی احتیاط کے ساتھ استعمال کرنا چاہئے۔

ان الفاظ کے ساتھ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ مجھے آپ نے اتنے قابل قدر، قابل احترام علماء، خطباء، ائمہ مساجد اور ایسے مخلص مسلمانوں کے سامنے اپنے خیالات پیش کرنے کا موقع دیا۔

صالح اور طاقتور معاشرہ، اقتدار وتہذیب کی بنیاد اور اس کا سرچشمہ ہے

یہ تقریر ۲۵ مئی ۱۹۸۴ء کو موتمر عالم اسلامی (کراچی) کی طرف سے دیئے گئے استقبالیہ اور عشائیہ کے موقع پر بہادر یار جنگ اکاڈمی بہادر آباد کراچی میں کی گئی، جس میں نہ صرف کراچی بلکہ پاکستان کی سطح پر بھی چیدہ چیدہ برگزیدہ شخصیتیں اور فضلاء و دانشور خاصی تعداد میں موجود تھے، اس جلسہ کے داعی ومنتظم ڈاکٹر انعام اللہ خان رکن تاسیسی رابطہ عالم اسلامی وسیکریٹری موتمر عالم اسلامی نے خیر مقدمی وتعارفی تقریر کی، اس کے بعد حسب ذیل خطاب ہوا

حضرات! ایسی باوقار نشستوں اور ایسی مجلسوں کی اگر کوئی قدر و قیمت اور اہمیت ہے تو یہ ہے کہ کچھ حقائق سامنے آئیں اور کسی صاحب دل، صاحب ضمیر اور حساس آدمی کے دل کو کوئی بات لگ جائے اور وہ اس کا داعی اور علمبردار یا کم سے کم اس کا موید بن جائے۔

عالم اسلام کے متعلق کچھ عرض کرنا دشوار بھی ہے، ناخوشگوار بھی اور نازک بھی۔ میں اپنے محدود تاریخی مطالعہ کی بنیاد پر کہہ سکتا ہوں کہ حملہ تاتار کے بعد سے شاید عالم اسلام پر ایسا سخت وقت اس سے پہلے نہیں آیا، اس وقت عالم اسلام میں جتنی حکومتیں قائم ہیں، جتنے آزاد مسلم ممالک پائے جاتے ہیں، عالم اسلام کے جو ذخائر ہیں، جو وسائل اور امکانات پائے جاتے ہیں وہ اس سے پہلے کبھی عالم اسلام کے پاس نہیں تھے۔ بعض چیزیں جو صنعتی نظام میں اور دنیا کے تمدن اور ترقی کے نظام میں شہ رگ کا کام دیتی ہیں، وہ چیزیں اس وقت عالم اسلام کے پاس وافر مقدار میں موجود ہیں، بہت سے شعبے ایسے ہیں جن میں معاصر ترقی یافتہ دنیا کو عالم اسلام کی احتیاج ہے اور ان میں اسلام سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا لیکن (ان سیاسی، اقتصادی، مادی پہلوؤں سے قطع نظر کر کے) اس وقت عالم اسلام کی سب سے بڑی آزمائش اور عالم اسلام کے لئے سب سے بڑی تشویش کی بات اس کی معنوی طاقت کی کمی ہے۔ آپ سب حضرات اہل نظر واہل علم ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ تاتاریوں نے عالم اسلام کی چولیں ہلا دیں تھیں۔ انہوں نے عالم اسلام کو موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا نہیں کیا تھا موت کے منہ میں

دے دیا تھا۔ عالم اسلام پر کبھی یاس کی ایسی کیفیت (میرے علم ومطالعہ) میں طاری نہیں ہوئی تھی، جتنی کہ تاتاریوں کے زمانہ میں طاری ہوئی تھی۔ اس کی ایک معمولی سی مثال یہ ہے کہ اس وقت کی ایک کہاوت تھی کہ ہر بات مان لینا، ہر بات باور کر لینا سوائے اس بات کے کہ تاتاریوں نے کہیں شکست کھائی۔ وہ الفاظ اس طرح نقل کئے گئے ہیں جو عالم عربی میں زبان زد تھے "اذا قیل لک ان التتر انهزموا فلا تصدق" اگر تم سے کوئی معتبر آدمی بھی یہ کہے کہ تاتاریوں نے کسی معرکہ میں کسی موقع پر شکست کھائی تو اس کو باور نہ کرنا، یہ بات قابل یقین نہیں ہے۔ اس وقت عالم اسلام سیاسی وفوجی وانتظامی لحاظ سے تاتاریوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں کے نیچے پامال ہو چکا تھا اور گویا سکرات کی حالت میں تھا۔

لیکن امید کی ایک روشنی تھی، وہ یہ کہ عالم اسلام اگر چہ اخلاقی زوال کا شکار ہو گیا تھا اور ایسے غیر معمولی حوادث بغیر اخلاقی زوال کے پیش نہیں آیا کرتے۔ لیکن اس اخلاقی زوال کے ساتھ عالم اسلام اپنی معنوی اور روحانی طاقت سے محروم نہیں ہوا تھا۔ اس میں ایسے افراد، جو مسلمانوں میں ایک نئی زندگی پیدا کر سکتے اور اخلاقی فتح حاصل کر سکتے تھے، خاصی تعداد میں موجود تھے، جو ممالک تاتاریوں کے حملہ کا میدان بنے، حکمت الٰہی اور رحمت الٰہی تھی کہ اہل دل، اہل ایمان اور اہل علم کے بڑے بڑے مرکز بھی وہیں قائم تھے۔ انہوں نے اپنا کام شروع کیا۔ تاتاریوں نے سیاسی، فوجی اور انتظامی حیثیت سے پوری کامیابی حاصل کر لی تھی اور عالم اسلام میں کہیں اس صورت حال کا مقابلہ کرنے اور اس کو بدلنے کی کوئی سکت نظر نہیں آتی تھی، لیکن ان اللہ کے بندوں نے اپنا کام شروع کیا اور بہت جلد وہ تاتاری جنہوں نے سیاسی حیثیت سے اسلام کو مفتوح بنالیا تھا، روحانی، علمی اور ذہنی حیثیت سے عالم اسلام کے مفتوح بن گئے اور صرف مفتوح ہی نہیں بلکہ انہوں نے عالم اسلام کی قیادت سنبھال لی اور عالم اسلام کے پاسبان بن گئے۔ یہ ایک دلچسپ واقعہ ہے (جو شاید بعض حضرات کے لئے تاریخی انکشاف کی حیثیت رکھتا ہو) کہ حکمرانوں اور بادشاہوں کے ناموں میں "الدین" کی اضافت تاتاری حملہ سے پہلے بہت کم نظر آتی ہے۔ تاتاریوں کے حملہ سے پہلے ایسے مرکب نام جس کا دوسرا جز "الدین" ہو جیسے ناصر الدین، شمس الدین، ظہیر الدین، محی الدین، کم سے کم اہل حکومت میں بہت کم ہوتے تھے۔ تاتاریوں کے اس قبول اسلام کے بعد سے آپ کو کثرت سے یہ نام نظر

آئیں گے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ تاتاریوں نے عالم اسلام کو یہ تاثر دینا چاہا کہ ہم اب حامی دین ہیں، اب ہماری قسمت اسلام سے وابستہ ہوگئی ہے۔ آپ مغل سلطنت کے ناموں کا مختصر جائزہ لیجئے جو تاتاری نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ بانی سلطنت کا نام ظہیر الدین بابر، اس کے فرزند کا نام نصیر الدین ہمایوں، اس کے بیٹے کا نام جلال الدین اکبر، اس کے بیٹے کا نام نور الدین جہانگیر اور اس کے بیٹے کا نام شہاب الدین شاہجہاں اور اس کے بیٹے کا نام محی الدین اورنگزیب۔ یہ محض اتفاقی امر نہیں ہے۔ تاتاریوں نے اپنی زندگی کو اور اپنے مستقبل کو، اپنے تخیل اور عزائم کو دین کے ساتھ وابستہ کردیا اور مسلمانوں کو یہ یقین دلایا کہ ہم اب حامی دین ہیں، ماحی دین نہیں۔ اقبال نے اپنے اس شعر میں ایک تاریخی حقیقت بیان کی ہے کہ:

ہے عیاں یورشِ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

یہ تاتاریوں کے اس ذہنی انقلاب کا نتیجہ تھا کہ اب ہر بڑے آدمی کا نام اور ہر صاحب

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ''تاریخ دعوت و عزیمت'' حصہ اول ص ۳۰۳-۳۱۴ سے زیرِ عنوان ''تاتاری حملہ اور اس کے اسباب''

اورنگ و سریر کا نام دین کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اوا س کی نسبت دین کے ساتھ ہے۔

آپ نے مولانا جمال الدینؒ کا قصہ پڑھا ہوگا کہ ان کے ایک فقرہ نے ایک پوری تاتاری شاخ کو مسلمان کرلیا، یعنی تغلق تیمور کی شاخ جو ایران پر قابض تھی، وہ محض ان کے ایک فقرہ سے مسلمان ہوئی۔ اس شاخ کے سردار نے اشتعال کی حالت میں مولانا سے یہ کہا کہ ''میرا یہ کتا زیادہ عزت رکھتا ہے یا آپ؟'' تو انہوں نے نہایت سنجیدگی سے جواب دیا کہ اس کا فیصلہ ابھی نہیں ہوسکتا۔ اس نے کہا کیا مطلب؟ انہوں نے کہا ''اگر میرا خاتمہ ایمان پر ہوا تو میں زیادہ عزت والا ہوں اور اگر اللہ نہ کرے میرا خاتمہ ایمان پر نہیں ہوا تو یہ کتا مجھ سے بہتر ہے۔'' بس یہ جملہ اس کے دل پر نقش ہوگیا، وہ اس ایمانی زبان اور کلام سے بالکل آشنا نہیں تھا، بلکہ دنیا کا کوئی بھی فرمانروا اور کوئی فاتح قوم اس نکتہ کو نہیں سمجھ سکتی، اس لئے کہ اسی وقت فیصلہ ہوسکتا تھا کہ کتا معزز ہے یا یہ غریب مسلمان؟ لیکن اگر وہ کہتے کہ میں زیادہ عزت والا ہوں تو اس کی تلوار نیام سے نکل آتی اور کتے کے لئے وہ ان کو قربان کردیتا اور اگر وہ کہتے کہ کتا مجھ سے زیادہ عزت والا

ہے تو ان کا ایمان خطرہ میں پڑ جاتا۔ ٹی آرنلڈ نے Preaching of Islam میں بھی اس کو ایک دوسرے رنگ میں پیش کیا ہے، اس نے لکھا ہے کہ انہوں نے یہ جواب دیا کہ اگر ہمیں ایمان کی دولت نصیب نہ ہوئی ہوتی تو یہ کتا ہم سے ہزار درجہ افضل تھا اور یہ کچھ بعید از قیاس اور اسلامی عقیدہ کے خلاف نہیں ہے، لیکن قدیم فارسی تاریخوں اور ترکی مآخذ میں یہ واقعہ اسی طرح بیان کیا گیا ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا۔

تو اس وقت عالم اسلام کے پاس ایک بڑی طاقت تھی وہ روحانی معنوی طاقت تھی اور اس نے اپنا کام کیا اور جیسا کہ خود آرنلڈ نے لکھا ہے کہ اس وقت سب سے زیادہ ناقابل قیاس اور ناقابل یقین یہ پیش گوئی تھی کہ تاتاری اپنے لئے اسلام کا انتخاب کریں گے۔ ان کے سامنے کسی مذہب کے انتخاب کا مسئلہ آتا تو سب سے پہلی امیدوار مسیحیت تھی، اس لئے کہ ان کی حرم سراؤں میں عیسائی عورتیں تھیں، لیکن اس نے لکھا ہے کہ اسلام اپنے خاکستر کے نیچے سے برآمد ہوا اور اس نے تاتاریوں پر فتح پالی۔ میں اس وقت جو بات آپ سے عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ حکومت واقتدار ثانوی چیز ہے۔ وہ دراصل ایک خاص طرح کی زندگی اور صورت حال کا ارتقاء ہے، اصل چیز نہیں ہے، اصل چیز جو حکومتوں کو بنانے والی ہے وہ معاشرہ ہے۔ اگر معاشرہ صحت مند ہے، معاشرہ اخلاقی زوال کا شکار نہیں ہوا ہے، اور معاشرہ (اچھے اور صالح) افراد پیدا کررہا ہے اور پیدا کرسکتا ہے تو پھر تشویش کی کوئی بات نہیں۔ حکومتیں بدلتی رہیں گی لیکن معاشرہ وقت کے مطابق نئی نئی حکومتیں عطا کرتا رہے گا۔

میں مثال کے طور پر کہتا ہوں کہ محمود غزنوی نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ اس کے بعد شہاب الدین غوری اور قطب الدین ایبک نے یہاں اسلامی سلطنت کو مستحکم کیا اور تقریباً پورا ہندوستان مسلمانوں کے زیرنگیں آ گیا۔ یہ خاندان غلاماں تھا، غزنوی کے بعد خاندان غلاماں نے حکومت کی۔ اس کے بعد خلجیوں نے حکومت کی، اس کے بعد تغلق آئے، لودھی آئے، سوری آئے، سب کے بعد مغل آئے، یہ سب مختلف خاندان تھے اور مختلف نسلوں سے تعلق رکھتے تھے، ان کے درمیان کچھ تہذیبی اختلاف بھی تھا اور کچھ زبانوں کا فرق بھی تھا، لیکن درحقیقت برصغیر کا مسلم معاشرہ اس پورے عرصہ ایک صاحب صلاحیت اور صحت مند معاشرہ کی حیثیت سے قائم رہا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ خاندان بدلتے رہے لیکن اسلامی حکومت میں کوئی فرق

نہیں آیا۔ اگر مسلم معاشرہ اس قابل نہ ہوتا تو فوراً وہ برہمنی عنصر اور وہ خود غیر مسلم طاقت جو تاک میں تھی غالب آ جاتی کیونکہ اس کو وہ سب قوتیں حاصل تھیں جو بڑی وسیع حکومتوں کی بنیاد رکھتی ہیں، اس کا مذہب اس ملک کا اصل مذہب تھا، اس کی تہذیب اس ملک کی اصل تہذیب تھی۔ مسلمان نو وارد تھے، لیکن جس چیز نے ''انتقال سلطنت'' کو کلی طور پر ''انقلاب سلطنت'' میں تبدیل نہیں ہونے دیا، وہ کسی خاندان کی قابلیت نہیں تھی، وہ مسلم معاشرہ کی قابلیت تھی کہ خاندان بدلتے رہے لیکن ایک ہی مسلم حکومت رہی، ایک ہی آئین (اسلامی آئین) رہا، ایک ہی عائلی قانون شرع (محمدی) رہا، ایک ہی تہذیب رہی یعنی عربی، ہندوستانی، ترکستانی، ایرانی تہذیب کا آمیزہ جس پر اسلامی چھاپ غالب تھی، دربار کی زبان ترکی رہی یا فارسی اور دربار اور دفتر کی زبان فارسی رہی اور دین وعلم کی زبان عربی۔ ان میں سے کسی چیز میں کوئی تغیر نہ ہوا۔

آپ حضرات کو غور کرنا چاہئے کہ کسی ایک خاندان کے زوال کے بعد کتنا بڑا موقع تھا کہ فوراً ہندو عنصر غالب آ جائے اور اس کی جگہ لے لے، یعنی جب خاندان غلاماں کا زوال ہوا اور سلطانہ رضیہ تخت سلطنت پر بیٹھی (اور اسلامی حکومتوں کی تاریخ میں یہ بڑا نازک مرحلہ تھا) میں سمجھتا ہوں کہ پوری اسلامی تاریخ میں ہندوستان جیسے وسیع خطہ میں ہندوستان کی جیسی پیچیدہ صورت حال میں کسی خاتون کا تخت سلطنت پر آنا بہترین موقع تھا کہ یہاں کی غالب اکثریت اس موقع سے فائدہ اٹھالے اور صدیوں کے لئے اسلامی سلطنت کا چراغ گل ہو جائے، وہ کیا چیز تھی جس نے سلطانہ رضیہ کی حفاظت کی اور اس کی بعد پھر خلجی خاندان ہی کے ایک فرمانروا کو جو چیز تخت سلطنت پر لائی اور اس کے بعد خلجیوں سے حکومت بلبن خاندان کی طرف منتقل ہوئی۔ عبوری دور بڑا نازک ہوتا ہے۔ اس عبوری دور میں بہت سے عناصر کو موقع ملتا ہے کہ وہ اپنا کام کر لیں، لیکن ایک دن کے وقفہ کے بغیر بلکہ ایک گھنٹہ کے وقفہ کے بغیر ایک مسلمان فرمانروا خاندان کی جگہ پر دوسرا مسلمان فرمانروا خاندان آ جاتا ہے۔ کیا یہ محض اتفاقی واقعہ تھا؟ کیا ہندوستان کے غیر اسلامی عنصر میں حوصلہ مندی کا جذبہ اور ہندوستان کے اپنے ملک ہونے کا احساس اتنا معدوم ہو گیا تھا کہ وہ صورت حال سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا تھا؟ ایسا نہیں تھا۔ آپ تاریخ فیروز شاہی کا مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ایسا بارہا ہوا ہے کہ غیر مسلموں نے سازش یا کوشش کی ہے کہ وہ حاوی ہو جائیں لیکن ایسا نہیں ہونے دیا گیا۔ یہ کس بات کی دلیل

تھی؟ اسی کا نتیجہ تھا کہ خاندان میں زوال آتا تھا، لیکن مسلم معاشرہ میں عمومی طور پر زوال نہیں تھا۔ اس میں وہی دینی جذبہ تھا، اس میں وہی دینی حمیت تھی، اس میں اسلام سے وہی محبت تھی، اس میں اسلام کے افہام و تفہیم کے وہ مراکز قائم تھے جن کو مدارس کہا جاتا ہے، اس میں اسلام کی روحانیت کے تسلسل کے لئے وہ مرکز قائم تھے جن کو خانقاہوں کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

میں اس کی ایک مثال دیتا ہوں، محبوب الٰہی سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا تعلق سلسلہ چشتیہ سے ہے۔ سلسلہ چشتیہ والوں نے اصولاً یہ طے کرلیا تھا کہ وہ اسلامی سلطنت کے لئے دعا گوئی کا فرض انجام دیں گے، اور رہنمائی بھی کریں گے۔ لیکن اس سے دور رہیں گے، کوئی عہدہ قبول نہیں کریں گے۔ اس اصول پر حضرت محبوب الٰہی شدت سے کاربند رہے۔ انہوں نے سلطنت کو جاڑوں کی اس آگ کی طرح سمجھا کہ جس سے ذرا دور رہ کر تاپا جائے اور گرمی حاصل کی جائے، لیکن اس کے اندر داخل نہ ہوا جائے۔ وہ سلطنتوں سے اتنے دور رہتے تھے کہ ان کے حالات سے تو واقف رہے لیکن اس میں ملوث نہیں ہوئے۔ ان کا دہلی کی سلطنت سے ایسا تعلق تھا کہ جب کوئی سخت وقت آتا تھا تو دہلی کے فرمانروا ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ ایک مرتبہ علاء الدین خلجی نے جب جنوب میں ملک عنبر کی ماتحتی میں مہم بھیجی اور چوکیاں اٹھ گئیں اور بہت دنوں تک خبر نہیں آئی تو اندیشہ ہوا کہ اسلامی فوج ضائع ہوگئی۔ بادشاہ نے پریشان ہوکر اپنے ایک معتمد کو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے پاس بھیجا اور کہا کہ حضرت کو مسلمانوں کی فکر اور مسلمانوں کی جان کی قیمت کا احساس ہم سے زیادہ ہے۔ اس وقت ہمیں کوئی پتہ نہیں چل رہا ہے کہ ہماری فوج جو جنوب کی طرف گئی تھی اس کا کیا حشر ہوا؟ ہم سب پریشان ہیں۔ حضرت نے جواب دیا کہ ''انشاء اللہ خیریت ہے، بادشاہ کو فتح کی مبارکباد کہنا اور کہنا کہ اور فتوحات بھی حاصل ہوں گی۔'' ایک طرف تو بادشاہ کو اطمینان دلایا، دوسری طرف اپنی خانقاہ کے سارے ذاکرین کو ذکر چھڑا کر دعا کے لئے بٹھا دیا کہ تم دعا کرو۔

میں ایک دوسری مثال دیتا ہوں۔ حضرتؒ جب رات کو آرام فرمانے کے لئے لیٹتے تھے تو خاص طور سے امیر خسروؒ کو جو بڑے مقرب تھے طلب فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ ''کہو دہلی میں کیا ہو رہا ہے؟'' یہ گویا اخبار تھا اور رات کو حضرت یہ اخبار سنتے تھے۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ سارے مشائخ نے دنیا سے بالکل آنکھیں بند کر رکھیں تھیں اور وہ سلطنت و سیاست کی ہوا بھی اپنی

خانقاہوں میں نہیں لگنے دیتے تھے، غلط ہے۔ امیر خسروؒ حضرت کے بڑے معتمد، اس کے ساتھ سلطنت دہلی کے ایک بڑے رکن رکین تھے اور شاعر ہونے کی وجہ (۱) سے وہ بہت سی ایسی چیزوں سے واقف ہوجاتے تھے جن سے انتظامی لوگ جن کا تعلق صرف انتظامی امور سے ہو واقف نہیں ہوسکتے تھے۔

مسلم معاشرہ کا صحت مند رہنا اور اپنے اسلامی مزاج کو اسلامی سیرت و کردار کو قائم رکھنا اور کرپٹ نہ ہونا یہ سلطنت کے استحکام کے لئے سب سے بڑی ضمانت ہے اور عالم اسلام کے استحکام اور قوت کا سرچشمہ اسلامی معاشرہ کی قوت ایمانی، حمیت اسلامی اور اس کی اخلاقی بلندی ہے۔ کسی ملک کے لئے سب سے خطرناک بات یہ ہے کہ وہاں کا معاشرہ کرپٹ ہوجائے، معاشرہ کا اس صلاحیت سے محروم ہوجانا جس سے کہ وہ صالح افراد مہیا کرتا رہے اور ضرورت کے لئے دیتا رہے بڑے خطرہ کی بات ہے۔ اگر ضرورت کسی منتظم کی یا ایک سپہ سالار کی ہے تو وہ مہیا کرے، اگر ضرورت ہے ایک مفتی اور قاضی کی جو عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرے تو مفتی اور قاضی مہیا کرے، اگر اس ملک کو دانشوروں کی ضرورت ہے تو دانشور مہیا کرے۔ جب کسی معاشرہ سے یہ صلاحیت مفقود ہوجائے تو پھر سلطنت کا وہ معاملہ ہوجاتا ہے جس کو اقبال نے اپنے مشہور شعر میں بیان کیا ہے:

حکومت کا کیا رونا کہ وہ اک عارضی شے تھی
نہیں دنیا کے آئین مسلم سے کوئی چارا!

وہ چونکہ ایک دانشور، شاعر اور فلسفی ہیں اس لئے وہ کہتے ہیں:

مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آباء کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سی پارا (۲)

لیکن میں اس سے آگے بڑھ کر کہتا ہوں، یہ بات اتنی تشویش کی نہیں ہے کہ ہم انڈیا آفس لائبریری میں ہندوستان کے مخطوطات اور تبرکات کو دیکھیں، اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ ہم

---

(۱) مولانا علی میاں کس اختصار اور جامعیت کے ساتھ تفصیلات کو چند لفظوں میں سمیٹ لیتے ہیں۔ شعر و ادب کی ماہیت اور قوت پر ان کی گہری نظر اور مطالعہ کا اندازہ نقوش اقبال کے مطالعہ سے ہوسکتا ہے۔ شاعر حقیقتاً زیادہ حساس ہوتا ہے اور مستقبل کو دیکھ سکتا ہے۔ ناشر

(۲) بانگ درا۔ نظم ''خطاب بہ جوانان اسلام''

مخطوطات کے بجائے اپنے جگر گوشوں کو ان کی گود میں دیکھیں اور ہمارا معاشرہ وقت پر صالح افراد مہیا نہ کر سکے۔ مجھے اس وقت ہندستان کے مسلم معاشرہ کے بارے میں یہی فکر اور تشویش ہے۔ اسی بناء پر ہم چند ناتواں اور بے مایہ آدمیوں نے ''تحریک پیام انسانیت'' وہاں شروع کی ہے کہ مسلم معاشرہ کو اس کرپشن سے بچایا جائے جو تیزی سے ہندوستانی سماج میں پیدا ہو رہا ہے۔

یہاں سب سے زیادہ جو خطرہ محسوس ہوتا ہے وہ معاشرہ کا کرپٹ ہو جانا ہے۔ میں جب بھی یہاں آیا مجھے محسوس ہوا کہ مادیت کا غلبہ، دولت کی افراط جو برے نتائج پیدا کرتی ہے اور اخلاق میں تبدیلی لاتی ہے وہ یہاں نظر آ رہی ہے، معیار زندگی تیزی کے ساتھ بلند ہو رہا ہے، کسی آدمی کا دولت مند ہونا اس کے احترام کے لئے کافی سمجھا جاتا ہے، یہاں تک کہ عزیزوں کے تعلقات، باپ بیٹے کے تعلقات اور بھائیوں کے تعلقات پر بھی اس کا اثر پڑ رہا ہے۔ اس بارے میں رباط و مراکش سے لے کر بحرین و کویت تک کے ممالک میں کوئی فرق نہیں کہ معیار زندگی اتنا بلند ہو گیا ہے کہ لوگ اپنی عادتوں کے غلام بن گئے ہیں اور وہ مہم جوئی و خطرہ پسندی کا قدم نہیں اٹھا سکتے۔

آپ عربوں کو دیکھیں، اسلامی فتوحات کا اصل راز تو صحابہ کرامؓ کی قوت ایمانی تھی، جس کو ساری دنیا تسلیم کرتی ہے، لیکن ظاہری اسباب کے طور پر ایک اور چیز بھی تھی، وہ ان کی زندگی کی سادگی تھی، وہ اپنی عادات کے غلام نہیں تھے، وہ دن بھر کھانا چھوڑ سکتے تھے، وہ چائے کے، پان کے کسی چیز کے غلام نہیں تھے، وہ پورا پورا دن گھوڑے کی پیٹھ پر گزار سکتے تھے، وہ سوکھی روٹی کھا سکتے تھے، کھجور پر گزارہ کر سکتے تھے، جب کہ رومی و ایرانی ایسا نہیں کر سکتے تھے۔ میں نے سنا ہے کہ بخارا میں جب پہلی مرتبہ روسی یورش ہوئی اور اچانک معلوم ہوا کہ روسی لشکر آ گیا ہے تو وہاں کے شرفاء و معززین نے کہا کہ کیسے اکھڑ اور گنوار لوگ ہیں کہ بغیر چائے پئے میدان میں آ گئے؟ ہم تو یہ نہیں کر سکتے۔ ہم پہلے چائے پئیں گے، پھر شریفوں اور معقول لوگوں کی طرح میدان میں آئیں گے۔ تو جب کسی معاشرہ میں عادات کی غلامی اس درجہ تک پہنچ جائے تو پھر کوئی کام نہیں کر سکتا۔ مجھے جو خطرہ یہاں محسوس ہوتا ہے وہ معیار زندگی کی روز افزوں بلندی، سامان آسائش کی بہتات، دولت کی ریل پیل اور اس کا عمارتوں میں استعمال ہے۔ میں اس

سے پیشتر یہاں ۷۸ء میں آیا تھا؟ اس کے بعد میں اب آیا ہوں۔ اس مختصر سے وقفہ میں بھی مجھے بڑا فرق نظر آیا۔

اس وقت ملک کی اہم ترین ضرورت یہ ہے کہ اس ملک میں اصلاح معاشرہ کی کوشش کی جائے اور مہم چلائی جائے۔ اس وقت ملک کی بنیادی ضرورت اصلاح معاشرہ ہے۔ دولت میں جو مسابقت کا جذبہ اور دوڑ پیدا ہوگئی ہے، اس سے اس معاشرہ کو بچانے کی ضرورت ہے، یہ اس وقت کا اہم ترین کام ہے۔ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے، فذکر فان الذکری تنفع المؤمنین کہ کسی نووارد کے اور کسی دور افتادہ بھائی کے کہنے سے اور زور دینے سے ایک خیال ابھر آتا ہے۔ اس بناء پر میں عرض کرتا ہوں کہ خلافت عثمانیہ کے سقوط کے بعد اس سے بڑا حادثہ نہیں ہوگا کہ پاکستان انتشار کا شکار ہو۔ میں ہر چیز کو اس کے مقابلہ میں ثانوی سمجھتا ہوں۔ پاکستان مستحکم رہے، پاکستان اپنا اسلامی اخلاقی کردار ادا کر سکے، یہ ملک کی سب سے بڑی اور پہلی ضرورت ہے، اس کے بعد کے سارے قصے ثانوی اور ثالثی درجہ کے ہیں۔ وہ بالکل حاشیہ کی باتیں ہیں۔ موت وحیات کا فیصلہ کرنے والی جو چیز ہے وہ یہ ہے کہ پاکستان باقی رہے، پاکستان مستحکم رہے، پاکستان انتشار سے محفوظ رہے، پاکستان اپنا امتیاز ثابت کر سکے۔ اس کے لئے اصلاح معاشرہ کی ضرورت ہے، یہ اخلاقی زوال جو تیزی کے ساتھ آرہا ہے اسے روکا جائے، افراط زر کے بدترین نتائج واثرات جو ہمارے معاشرہ پر مرتب ہورہے ہیں، ان میں کسی درجہ میں بریک لگایا جائے، مسجدوں کے منبروں سے یہ صدا بلند کی جائے، سیاسی انجمنوں کے اسٹیجوں سے اور اس جیسی موتمر اسلامی اور اس طرح کی تنظیموں کے پلیٹ فارم سے بھی یہ بات کہی جائے۔ پاکستان کو بچانے کے لئے اس وقت دو چیزوں کی سخت ضرورت ہے، ایک تو اس کو عقائدی اور مذہبی انتشار سے بچایا جائے جو اس کے لئے سخت خطرناک ہے۔ مختلف گروہ بنے ہوئے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ پاکستان پر ان کی جماعت کا اقتدار ہو۔ اصل میں مطمع نظر صرف یہ ہے کہ اقتدار اعلیٰ پر جو بھی فائز ہو وہ ہم سے پوچھ کر کام کرے اور دنیا کو یہ معلوم ہو کہ اس مسلک وخیال کے لوگ یہاں زیادہ قابل اعتماد اور قابل احترام سمجھے جاتے ہیں۔

دوسرے سیاسی انتشار سے ملک کو ہر قیمت پر بچایا جائے، ہر کمزوری کو برداشت کیا جائے، ستر کمزوریوں کو برداشت کیا جائے، لیکن پاکستان کے استحکام کو، اس کی وحدت کو اور اس

کی سلمیت کو ہرگز خطرہ میں نہ ڈالا جائے۔ سب گوارہ کیجئے اور اپنے ذمہ داروں کی غلطیوں کو برداشت کیجئے۔ دیکھئے میں اس گروہ سے تعلق رکھتا ہوں جو خلافت اموی کو معیاری نہیں سمجھتا اور میرا تاریخی مطالعہ بھی یہی بتاتا ہے، لیکن میں اس کو مسلمانوں کی بصیرت سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں نے خلفائے بنی امیہ، پھر خلفائے بنی عباس کو (جو خلفائے راشدین کے معیار کے ہرگز نہیں تھے) حکومت کرنے کا موقع دیا اور روز روز ان کے خلاف خروج نہیں کیا، نہ ہر مرتبہ ھل من جدید؟ ھل من جدید؟ کا نعرہ لگایا، اس کے نتیجہ میں اتنی بڑے سلطنت بنی اور اسلام کی اشاعت ہوئی اور اس برصغیر تک اسلام کی شعاعیں پہنچیں۔ اس میں صرف ایک ہی ہستی کا استثناء ہے اور وہ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کے متعلق برملا کہوں گا کہ ان کا اقدام صحیح تھا اور جب اس طرح کے حالات ہوں، جن کے برداشت کرنے کی (از روئے شرع دینی بصیرت) بالکل گنجائش نہ ہو، تو اہل عزیمت وبصیرت کے سامنے ان کی مثال اور ان کا نمونہ ہے، رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔

حضرات! تاریخ بتاتی ہے کہ بہترین جمہوریتوں کے زمانہ میں بھی جب معاشرہ کرپٹ ہوگیا، فاسد ہوگیا تو اس نے ان جمہوریتوں کے چراغ گل کردیئے اور ان کے لئے جتنے امکانات کامیابی کے ہوسکتے تھے سب ختم کردیئے۔ معاشرہ صحت مند ہے، معاشرہ اخلاقی معیار رکھتا ہے تو بہتر سے بہتر ریاست قائم ہوسکتی ہے، بہتر سے بہتر انتظامیہ بن سکتی ہے، لیکن معاشرہ اگر اپنی خصوصیتوں کو کھوچکا ہے، تو کوئی بڑی سے بڑی جمہوریت بھی کامیاب نہیں ہوسکتی اور کوئی سامری بھی اس گوسالہ میں روح نہیں پھونک سکتا۔

میں اپنے محترم دوست ڈاکٹر انعام اللہ خان کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے میری عزت افزائی کی اور ایسے مؤقر مجمع کے سامنے اپنے خیالات وتجربات پیش کرنے کا موقع دیا۔ میں آپ سے اپنی صاف گوئی ودرازنفسی اور جسارت کی معافی چاہتا ہوں اور آپ سب کا اس اعزاز وتوقیر کے لئے شکر گزار ہوں۔

انسانی معاشرہ میں عدل واحسان
(انصاف اور نیکی) کی اہمیت

یہ تقریر اجین ہندوستان کے اس جلسہ عام میں کی گئی، جس کا انتظام ۲۵ نومبر ۱۹۸۳ء بروز جمعرات، شہر کی ایک عام شاہراہ (سڑک) پر کیا گیا تھا، اور جس میں بڑی تعداد میں شہر کے تعلیم یافتہ اور عام غیر مسلم بھی شریک تھے

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له، واشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريک له واشهد ان سيدنا ومولانامحمدعبده ورسوله. اما بعد فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم. ان ا لله يأ مر بالعدل والاحسان وايتاء ذى القربىٰ وينهىٰ عن الفحشاء والمكنرو البغى يعظكم لعلكم تذكرون. (سورۂ نحل. ۹۰)

بے شک اللہ تعالیٰ اعتدال اور احسان کا اور اہل قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں، اور کھلی برائی اور مطلق برائی اور ظلم کرنے سے منع فرماتے ہیں، اللہ تعالےٰ تم کو اس لئے نصیحت فرماتے ہیں کہ تم نصیحت قبول کرو۔ کی تلاوت کی اسی کو اپنی تقریر کا موضوع بنایا۔

بھرے بازار اور شاہراہ عام پر کی جانے والی بات کی اہمیت وتاثیر

میرے بھائیو اور دوستو: ہم لوگ اس کے عادی ہیں کہ کسی ہال یا بہت پرسکون جگہ پر تقریر ہو، جہاں اگر کوئی سوئی بھی گر جائے تو آواز آئے، اور سب لوگ کان لگا کر سن رہے ہوں، لیکن میں بہت خوش ہوں کہ آج عین بازار میں جلسہ ہو رہا ہے، میرا خیال ہے کہ یہ جب تک کوئی بات بازار میں نہ آئے بازار میں اس کا چرچا نہ ہو، اور بازار والے اس کو قبول نہ کرلیں، اس کا

اعتبار نہیں، اس وقت بہت بڑی کمزوری یہ ہے کہ ہم مدرسوں میں مسجدوں میں اور ہمارے بہت سے بھائی مندروں میں، پاٹ شالاؤں میں بات کرتے ہیں لیکن انکی حیثیت ایسی ہے، جیسے سمندر میں کوئی جزیرہ ہو، وہاں آپ جو چاہئے کر لیجئے، سمندر کو اس سے کوئی مطلب نہیں ہوتا، یا ہوائی جہاز پر آپ اڑ رہے ہوں، وہاں باتیں کر رہے ہوں، اور آپ خوش ہو رہے ہوں کہ ہم نے اتنی اونچائی سے یہ بات کہی ہے کہ اب یہ بات ضرور دنیا میں چل جائے گی، تو جہاز تو چلے گا مگر آپ کی بات نہیں چلے گی، اس لئے کہ آپ کی بات اس جہاز کے اندر گونج کر رہ جائے گی، اب بھی دنیا سے سچائی ختم نہیں ہوئی، اچھی بات کہنے کا چلن ختم نہیں ہوا، مگر وہ ہوائی جہازوں میں کہی جانے لگی، یا کسی گنبد اور اونچے محل میں کہی جارہی ہے، اور دنیا میں ہو کچھ رہا ہے، باتیں بڑی اونچی اونچی کہی جاتی ہیں، لیکن اونچی جگہ سے کہی جاتی ہیں، اونچے ہی لوگ کہتے ہیں، اونچے ہی لوگ سنتے ہیں، اونچی جگہ پر کہتے ہیں، مگر ہم آپ جو زمین پر چلنے والے ہیں، وہاس سے متاثر نہیں ہوتے، اس لئے وہ بات ابھی عام زندگی کی سطح پر نہیں آئی، میں پڑھنے لکھنے والا آدمی ہوں، ایسی جگہ بیٹھ کر لکھنے پڑھنے کا کام کرتا ہوں، جہاں چڑیا پر نہ مار سکے، مجھے یہاں بازار میں کھلی سڑک پر گھبرانا چاہئے تھا، ڈسٹرب (DISTURB) ہونا چاہئے تھا، مگر زندگی نے مجھے کچھ سبق دیا ہے، اس کی بنا پر میں خوش ہوں، اور میں چاہتا ہوں کہ یہ سلسلہ جاری ہو کہ جو باتیں مدرسوں اور مسجدوں کے اندر کہی جاتی تھیں، کبھی ریڈیو پر کہی جاتی ہیں، وہ بازار میں کہی جائیں۔

ہندوستان کی آزادی کی تحریک جب تک کہ ہال میں رہی، لائبریریز میں رہی، اور اسکالرس کے درمیان رہی، دانشوروں، فلاسفر اور تھینکرز (THINKERS) کے درمیان رہی، ہندوستان ٹس سے مس نہیں ہوا اور نہ انگریزی سرکار ٹس سے مس ہوئی، لیکن جب پبلک جلسے ہونے لگے، جب پارکوں میں وہ بات کہی جانے لگی، جب بر سر بازار وہ بات کہی جانے لگی، تو ہندوستان کیا برطانوی حکومت ہل گئی، جس کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس کی قلمرو میں سورج ڈوبتا نہیں ہے، اگر یہاں ڈوبا تو کہیں نکلا ہوا ہوتا ہے، تو سڑکوں اور بازاروں میں جلسے، عوامی جگہوں پر اجتماعات، یہ بہت اچھا سلسلہ ہے۔

معتدل و پرسکون (NIORMAL) حالات وفضا کی ضرورت

اس وقت دنیا کوہ آتش فشاں کے دہانے پر کھڑی ہے، جہاں پھٹ جانے والا مادہ ہوتا ہے، میں سیدھی سیدھی بات آپ سے کہتا ہوں، ذرا آپ سوچئے، اس وقت آپ لوگ بہت شانت (پرسکون) ہوکر بہت اطمینان سے میری بات سن رہے ہیں، اگر کبھی پانی برسنے لگے تو ایک کا بھی بیٹھنا مشکل ہے، اسی طریقہ سے اگر کوئی جانور آ جائے، بات کیا ہے؟ اچھی بات ہو، مذہب کی بات ہو، اخلاق کی بات ہو، عقل کی بات ہو، سمجھ کی بات ہو، انصاف کی بات ہو، سب نارمل حالت میں کہی جاتی ہے، سنی جاتی ہے، اگر نارمل حالت نہ ہو، اگر غیر معتدل (ABNIORMAL) حالات ہوں، فضا بالکل بگڑی ہوئی ہو، بجلی چمک رہی ہو کہ اب گری تب گری اور بادل گرج رہے ہوں، معلوم ہوتا ہے کہ پہاڑ ٹوٹ جائے گا، اور پانی موسلا دھار برس رہا ہو، تو اگر کوئی دنیا کے بڑے سے بڑا مقرر بھی اسٹیج پر آئے اور کہے کہ میں تمھیں بڑی حکمت کی باتیں سنانے والا ہوں، کوئی سننے کیلئے تیار نہیں ہوگا، یہ انسانوں کی فطرت ہے، انسان نارمل حالات میں جب اس کی طبیعت کو سکون ہوتا ہے، کوئی ڈر نہیں ہوتا، کوئی خطرہ نہیں ہوتا، وہ بہت زیادہ بیمار نہیں ہوتا، بہت زیادہ بھوکا نہیں ہوتا، بات غور سے سنتا ہے، اور مانتا بھی ہے اور کوئی اندر کی پریشانی ہو، یا باہر کی پریشانی ہو تو پھر چاہے سر کاٹ کر رکھ دیجئے، انسان سنتا نہیں، ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے اس ملک ہندوستان ہی میں نہیں، ساری دنیا میں نارمل حالات ہوں، تاکہ کام کرنے والوں کو کام کا موقعہ ملے، پڑھانے والوں کو پڑھانے کا موقعہ ملے، لٹریری لوگوں کو لٹریچر کی خدمت کا موقع ملے، جو شاعر ہیں، انھیں شاعری کا موقع ملے، جو آرٹسٹ ہیں، ان کو اپنے آرٹ میں اپنے کمال دکھانے کا موقعہ ملے، جو دانشور ہیں، اسکالر ہیں، ان کو تحقیق کرنے اور ریسرچ کرنے کا موقع ملے، ریسرچ کے لٹریچر کے جو بڑے بڑے شاہکار دنیا میں تیار ہوئے یہ سب نارمل حالات میں ہوئے، کسی شخص کے پیٹ میں درد ہو، اس سے کچھ لکھا جائے گا؟ کچھ بولا جائے گا؟ آپ ہزار منطق اس پر صرف کردیجئے، اس کو قائل کرنے کی کوشش کیجئے، پیٹ میں درد ہے تو کیا بات ہے، ہوتا ہی ہے، آپ اپنا کام کیجئے، آپ تو شعر سنئے، مگر کیا اس سے سنا جائے گا، اور وہ لطف لے سکے گا؟

اس عہد اور معاشرہ کی سب سے بڑی کمی

حضرات: نے اس ملک کو سب کچھ دیا ہے، مگر پھر کس چیز کی کمی ہے، وقت پر کام نہیں ہوتا، اور کسی کی مانگ پوری نہیں ہوتی، ذرا سا کام آپکا ہو، آپ کو سفر کرنا ہو، بغیر رشوت دیئے ہوئے کوئی کام اس زمانہ میں نہیں ہو رہا ہے، خدا نے زندگی میں کوئی کمی نہیں رکھی اس کو ہر طرح سے مکمل کر کے اس نے دیا، اس دنیا کو ایسا بنا دیا کہ اگر آدمی چاہے تو اس کو زندگی کا حقیقی مزا آنے لگے، جنت کا مزا چاہے آئے نہ آئے، جینے کا مزا ضرور آ جائے، پریم ہو، محبت ہو، وقت پر کام ہو، پاؤں پھیلا کر، آنکھ بند کر کے خوب میٹھی نیند سوئے، نہ چور کا کھٹکا، نہ ڈاکو کا دھڑ کا، نہ کسی لٹیرے کا غم، کسی چیز کی کوئی فکر نہ ہو، یہ سب کچھ ہے، پھر آپ سوچئے کہ کس چیز کی کمی ہے، سائنس نے کتنی ترقی کی، ٹیکنالوجی نے کتنی ترقی کی کہ دنیا میں اب سردی، گرمی کو کنٹرول کر لیا گیا ہے، بیماریوں پر کنٹرول کر لیا گیا ہے، فاصلے ختم کر دیئے گئے ہیں، اب اسپیس (SPACE) کوئی چیز نہیں ہے، یہ سب کچھ ہوا، لیکن نتیجہ کچھ نہیں، مقصد حاصل نہیں ہو رہا ہے۔

بات کیا ہے؟ چیزیں بنیں، مشینیں بنیں، مگر آدمی نہیں بنا، ان مشینوں سے کام لینے والا آدمی تھا، وہ نہیں بنا، اور آپ جانتے ہیں کہ آدمی تھا اور مشینیں نہیں تھیں تو دنیا کیسی سکھی تھی، راجہ بکر ماجیت کا زمانہ یاد کیجئے، جس کو آج تک لوگ یاد کرتے ہیں، اور آپ کے شہر کا بہت بڑا نام ہے، کہ بکرمی جنتری آپ کے شہر سے شروع ہوئی، راجہ بکر ماجیت کے زمانہ میں، میں آپ سے پوچھتا ہوں، یہ مشینیں تھیں؟ یا مائک تھا؟ جس سے دور تک آواز پہونچائی جا سکے، یہ ریڈیو تھا، ٹی وی تو خیر ابھی آیا ہے، لیکن ریڈیو بھی تھا؟ مگر کیا تھا؟ کان تھے، دل تھا، اور کان تھے تو مائک ہو نہ ہو، لاؤڈ اسپیکر ہو نہ، ریڈیو ہو نہ ہو (ELECTRICITY) ہو نہ ہو، پھر بھی آدمی دور کی بات بھی سن لیتا ہے، اور مان لیتا تھا، اپنے فائدے کی بات، دوسروں کے فائدے کی بات، اب مصیبت یہ آئی ہے کہ مشینیں موجود، اچھی سے اچھی بات دور سے دور جگہ تک آپ پہونچا سکتے ہیں، مگر آدمی سننے کے موڈ میں نہیں، اس کا سننے کو جی ہی نہیں چاہتا، وہ تو بس پیسہ کے پیچھے، آرام کے پیچھے اور کرسی کے پیچھے ایسا دیوانہ ہو کر پڑا ہے کہ اس کو کچھ ہوش نہیں ہے، اب کیا فائدہ ان چیزوں کا؟ بلکہ یہ چیزیں اور زیادہ نقصان پہونچاتی ہیں، آدمی جس کی نیت خراب ہے، ان سے برا کام لے سکتا ہے۔

بھائیو: ہم یہ کہتے ہیں کہ جو کچھ کام ہیں، یہ کام جب ہوسکیں گے تو ان کا تحفظ PROTECTION ان کی گارنٹی اس وقت ہے، جب عام فضا APMOSPHERE درست ہو، جب کہ ہمارے آپ کے بازاروں کی زندگی اچھی ہو، بازار میں جولوگ آتے ہیں، دکانوں پر بیٹھتے ہیں، سودا خریدنے آتے ہیں، گھر لے جاتے ہیں، یہ جب اچھے آدمی ہوں گے، بھلے آدمی ہوں گے، خدا سے ڈرنے والے اور انسان سے محبت کرنے والے ہوں گے تو پھر اس کے بعد ہر اچھا کام ہو سکے گا، ہندوستان میں سینکڑوں یونیورسٹیاں ہیں، لیکن روز جھگڑا ہے، لڑکے پڑھنا نہیں چاہتے، ٹیچر پڑھانا نہیں چاہتے، وہ ڈگری چاہتے ہیں، یہ تنخواہ چاہتے ہیں، ان یونیورسٹی والوں سے پوچھئے، وہ فریاد کرتے ہیں، صاحب کہاں کا پڑھنا، کہاں کا پڑھانا؟ نہ ہمیں پڑھانے کا شوق ہے، نہ انھیں پڑھنے کا شوق، اور ہمیں پڑھانے کا شوق ہو بھی تو ان کو پڑھنے کا شوق نہیں، وہ تو ڈگری لینے کے لئے آتے ہیں، وہ تو کہتے کہ ہماری حاضری لکھ لیجئے بلکہ یہ مطالبہ ہونے لگا ہے کہ بغیر امتحان کے ڈگری دے دی جائے، بی اے ہو گیا، ایم اے ہو گیا، ایل ایل بی ہو گیا، کہتے ہیں امتحان کو ختم ہی کر دو۔

خودغرضوں اور دولت پرستوں کی سنگدلی اور انسانیت کی پامالی

بھائیو: سامان ہونے سے کچھ نہیں ہوتا، اصل مین من ہے، اصل میں آدمی کی روح ہے، وہ اگر صحیح ہو جائے، کانشنس (CONSCINCT) اس کا صحیح ہو جائے، اور وہ چیزوں کا صحیح طور پر استعمال کرنا سیکھ جائے تو تھوڑا سامان بھی بہت ہے، بلکہ سامان کچھ بھی نہ ہو تب بھی کام چلا لے گا، خدا کے پیغمبروں نے بہت تھوڑے سامان کے ساتھ بہت بڑا کام کیا، آج اتنے سامان کے ساتھ کچھ نہیں ہو رہا ہے، بات کیا ہے؟ ہمارے اوپر ان چیزوں کی حکمرانی ہے، وہ چیزیں DOMINATE کر رہی ہیں، ہم پر حکومت چلاتی ہیں، جو انسان کے لئے پیدا کی گئی ہیں، اور وہ انسان کی ضرورت پوری کرنے کے لئے پیدا کی گئی ہیں، انسان ان کا غلام بن گیا ہے، اب انسان ان کے پیچھے آنکھ بند کر کے ایسا پڑا ہے کہ آدمی اپنے جیسے انسانوں کو روندتا ہوا، ان کی لاشوں پر چلتا ہوا، وہاں پہونچنا چاہتا ہے، آج یہ حالت ہوگئی ہے کہ بہت سے آدمی ایسے ملیں گے کہ جنھیں معلوم ہو جائے کہ پیسہ اس کے بغیر نہیں ملے گا، ترقی اسکے بغیر نہیں ملے گی کہ آدمیوں پر پاؤں رکھتا ہوا چلا جائے، کسی کے پیٹ پر اور کسی کے سینہ پر اور کسی کے منھ پر، تو بہت

سے لوگ ایسے ہوں گے جو اس کی پرواہ نہیں کریں گے، آدمیوں کو روندتے ہوئے نکلیں گے، اور آدمیت تو روندی جا ہی رہی ہے، آدمی کو روندیں نہ روندیں، لیکن آدمیت کو تو روز روندا جارہا ہے، پاؤں سے اس کو کچلا جارہا ہے، اس کو ذلیل کیا جارہا ہے، ہمارا پیام یہ ہے کہ آدمیت پیدا کیجئے، اور فضا درست رکھئے، تاکہ سب اچھے کام ہو سکیں، ورنہ بھائی کسی کام کی خیریت نہیں ہے، اگر فضا اچھی نہ ہوئی، اور یہی بجلیاں چمکتی اور کوندتی رہیں، بادل گرجتے رہے، پانی برستا رہا۔ فرض کیجئے کوئی کتا ہی بیچ میں آگیا، اور کسی نے پکار کر کے کہہ دیا کہ بھیڑ، بھیڑیا، پھر کوئی نہیں سنے گا، نارمل فضا رکھو تا کہ ہر اچھا کام ہو سکے نہیں تو نہ علماء وعظ کہہ سکیں گے، نہ کوئی بھلا آدمی پیغام دے سکے گا، کوئی کسی کی سنے گا ہی نہیں، جب زلزلہ آتا ہے، (اللہ بچائے) تو پھر کسی کو کسی کا ہوش نہیں رہتا، آگ لگتی ہے تو ماں باپ بچوں کو بھول جاتے ہیں، جنت عظیم GREAT WAR میں یہ حالت تھی کہ کسی کو کسی کا ہوش نہیں تھا، تو بس ہم یہ کہتے ہیں کہ امن وامان رہے، آدمی آدمی کی قدر کرے، آدمی آدمی سے محبت کرنا سیکھے۔

عدل واحسان کی برکت

ابھی قرآن شریف کی آیت پڑھی گئی ''ان اللہ یأمر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربی'' اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ انصاف FUSTICE کے اصول کو اپنایئے اور احسان کو اپنا شعور بنایئے، انصاف تو یہ ہے کہ جتنا دینا ہے دے دو، اور احسان یہ ہے کہ اس سے کچھ زیادہ دے دو، انصاف یہ کہ جتنا کرنا ہے کرلو، اور احسان یہ کہ اس سے بھی زیادہ کرلو، اگر تمھارے ساتھ کسی نے ناانصافی کی اور تم انصاف کرو، یہ احسان ہوگا، اعلیٰ اخلاق کی تعلیم ہے، سب مذہبوں نے تعلیم دی، اور اسلام نے تو ایسی دی کہ ایک نئی دنیا بنا کر رکھ دی، اس زمانہ کا جو سماج تھا، اس کے حالات آپ پڑھیں، کوئی حد ہے، ایک آدمی نے پاس والے گھر کو کوئی چیز جو اس کے پاس پکی تھی، بھیجی تحفہ میں، تھوڑی دیر کے بعد اسی کے گھر میں واپس آ گئی، کیسے واپس ائی؟ ہم نے تو اسے گھر سے نکال دیا تھا، اس نے اس گھر کو بھیجی تھی، اس گھر والے نے اس گھر کو بھیجی، اس گھر والے نے اس گھر کو بھیجی، اور چکر کھا کر کے پھر اسی کے یہاں آ گئی، اپنا ہی تحفہ واپس اپنے پاس آ گیا، اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ایک زخمی جان دے رہا ہے، بالکل جان کنی کی حالت ہے، اور پانی پیش کیا جاتا ہے، تو کہتا ہے نہیں میرے پاس ایک دوسرا زخمی پڑا ہوا ہے، میں نے

اس کی کراہ بھی سنی ہے، اس کو دیجئے، اس کو دیا تو اس نے کہا کہ تیسرے کو دیجئے، تیسرے، چوتھے، اخیر میں وہ جب اس کے پاس آیا تو وہ مر چکا تھا، وہ بھی مر چکے تھے، وہ سب تو مر چکے لیکن اخلاق کو زندہ کر گئے، اور تعلیم دے گئے کہ اللہ کے بندے، شیر مرد اس طرح کرتے ہیں کہ جان دے دیں لیکن اپنے اوپر دوسرے کو ترجیح دیں۔

خودغرضی ساری خرابیوں کی جڑ ہے

حضرات! آج دنیا کی ساری خرابی یہ ہے کہ آدمی اپنا کام نکال لینا چاہتا ہے (معاف کیجئے ہماری یو، پی کی زبان میں ''الّو سیدھا کر لینا'' چاہتا ہے) چاہے کسی کی جان جائے، چاہے کسی کے بچے مر جائیں، بس اپنا اُلو سیدھا ہو، سارا فساد اس وقت اسی وجہ سے ہے، ریلوں میں کیا ہو رہا ہے؟ ڈاکے پڑ رہے ہیں، محکموں میں کام نہیں ہو رہا ہے، آدمی کو اپنا حق نہیں مل رہا ہے، کوئی کام وقت پر نہیں ہو رہا ہے۔ ڈاک خانے چوپٹ، اور ٹیلی فون کو تو پوچھئے نہیں، وہ تو بالکل ستیاناس، اور ریلوں کی بری گت ہے، نہ وقت کی پابندی نہ کسی کے اندر ڈیوٹی کا احساس، نہ ذمہ داری کا شعور، اب کیسے یہ کارخانہ چلے؟

کیا انسان ہی مارنے کے لئے رہ گیا ہے؟

میرے دوستوں بھائیو! آج انسان آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے، آدمیوں کو مارنے والوں سے پوچھتا ہوں، ذرا بتاؤ تم نے اپنی زندگی میں کتنے بچھو مارے ہیں، ذرا لکھ کر مجھے دو، ایک بچھو نہیں مارا ہوگا، ایک سانپ نہیں مارا ہوگا، ایک بھیڑیئے کا شکار نہیں کیا ہوگا، تو کیا آدمی ہی رہ گیا مارنے کے لئے؟ خدا کے غضب سے نہیں ڈرتے ہو، کیا آدمی بچھو سے بھی گیا گذرا، سانپ سے بھی گیا گذرا ہے، کتنے چوہے مارے یہی بتا دیجئے؟ چوہے بڑا نقصان کرتے ہیں، آپ نے کتنے چوہے مارے؟ یہ جو بڑے تیس مار خان بنے ہوئے ہیں، رستم بنے ہوئے ہیں اور جن کے ہاتھ انسانوں کے خون سے سرخ ہو رہے ہیں، انھوں نے کتنے موذی جانور مارے ہیں؟ ایک نہیں مارا ہوگا، آدمی مارنے کیلئے شیر ہیں، اور شیر مارنے کے لئے بلی، شرم آنی چاہئے، کسی کے باغ میں جا کر ایک پھول کو مسلو، معلوم ہو جائے گا کہ تمھارا کیا حشر ہوتا ہے؟ باغ کے مالک ایک پھول خراب کرنے اور ایک گلاب کا پودا نکالنے کے روادار نہیں، تو کیا اللہ میاں اپنے اس چمنستان میں یہ پسند کرے گا کہ وہ بنائے اور تم بگاڑو، کمہار ہی کے یہاں

جا کر کبھی دیکھ لو دو چار گھڑ توڑو، دیکھوں کیسے آتے ہو، سر بھی تمھارا سلامت رہتا ہے کہ نہیں، دو ٹکے کا کمہار تمہیں بغیر مارے نہیں چھوڑے گا، کمہار کے گھڑے نہیں توڑ سکتے ہو، اللہ میاں کے بنائے ہوئے پھول، اللہ کے بنائے ہوئے یہ گلدستے، اللہ میاں کے بنائے ہوئے شیش محل، اللہ میاں کے بنائے ہوئے یہ تاج محل، جس پر ہزار تاج محل قربان ہوں، تاج محل یہ کس کا بنا ہوا ہے، انسان کا، انسان کس کا بنا ہوا ہے، خدا کا، پھر اس تاج محل کی کیا حقیقت ہے انسان کے سامنے، اللہ میاں تاج محل بنائیں تم توڑو، ذرا آگرہ کے تاج محل پر تم ہاتھ اٹھا کر دیکھو، گردن تمھاری ناپی جاتی ہے کہ نہیں؟ اپنے یہاں کے جو آثار قدیمہ ہیں، جو خود گر رہے ہیں، ان پر کہیں ہاتھ اٹھا کر دیکھو، پس اللہ میاں کی بنائی ہوئی چیزیں ہی ایسی سستی ہیں کہ ان کی کوئی قیمت ہی نہیں، جب چاہو ان کو توڑ کر کے رکھ دو، صاف سن لو، فسادات کر کے آدمیوں کو مار کر کے، رشوت لے کر، کام چوری کر کے، ملک رہے گا نہیں، چاہے اس کی پشت پر امریکہ ہو، چاہے روس ہو، سن لو، صاف بات، اپنا گھر اگر تم بگاڑو گے، کوئی دوسرا سنبھال سکتا ہے؟ اپنا گھر اپنے ہاتھ سے بنتا ہے، اپنے گھر کو سنبھالو۔

راجہ بکر ماجیت کا نام کیوں زندہ ہے؟

ہندوستان میں معلوم نہیں کتنے راجا آئے اور چلے گئے مگر بکریا جیت کا نام زندہ ہے، معلوم ہوتا ہے کہ ان میں انصاف تھا، اس زمانہ کے مطابق ان کو رہنمائی ملی، اس کے مطابق انھوں نے انصاف کیا، ہم نے تاریخ میں پڑھا بھی ہے کہ وہ منصف تھے، اور بہت اچھے راجہ تھے، جب ہی ان کا نام ابھی تک زندہ ہے، ان کے اسی شہر میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ یہاں کی فضا کو درست رکھئے، تاکہ اچھے لوگ اپنا کام کر سکیں، لکھ پڑھ سکیں، پیام دے سکیں، لکھا سکیں، پڑھا سکیں اور اس ملک کی خدمت کر سکیں اور مالک کی عبادت کر سکیں، جب کہیں فساد ہوتا ہے، تو مسجدوں میں اذان بھی نہیں ہو سکتی، نماز بھی نہیں ہو سکتی، لوگ جاتے ہوئے ڈرتے ہیں، گھر سے نکلتے نہیں۔

شرفا اور اونچے گھرانوں کی خاص بیماریاں اور ان کے لئے ترقی کا واحد راستہ

حضرت مولانا نوراللہ مرقدہ کی ۲۵ نومبر ۱۹۸۳ء بروز جمعرات دیپال پور ہندوستان کی نئی مسجد میں مدرسہ کے سنگ بنیادی کے موقعہ پر کی گئی تقریر

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له ، واشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريك له واشهد ان سيدنا محمدا عبده ورسوله .امابعد.

میرے بھائیو اور دوستو: آپ حضرات بہت دیر سے یہاں بیٹھے ہوئے ہیں اور علماء کرام اور قرآن مجید کی شارحین اور خدمت کرنے والوں کی تقریریں سنتے رہے ہیں، اب بظاہر کسی تقریر کی ضرورت نہیں لیکن اس خیال سے کہ اکثر جگہ جہاں جانا ہوا ہے، وہاں کچھ نہ کچھ میں عرض کرتا ہوں، آپ لوگوں کو کہیں خیال نہ ہو کہ یہیں آ کر میں نے کیوں خاموشی اختیار کی اور کچھ نہیں کہا؟ حالانکہ یہاں سے جو تعلق ہے، وہ آپ کو معلوم ہے، دیپال پور کے رہنے والوں کی دعوت پر ہی ہم لوگ آئے ہیں، اور یہیں کچھ نہ کیا جائے یہ مناسب نہیں، اس لئے میں مجبوراً بیٹھ گیا، ورنہ خود ان کے فضل سے آپ کی جھولی قرآن وحدیث کی باتوں اور اللہ ورسول کے اقوال سے بھر چکی ہے۔

خواص کے ساتھ خصوصی معاملہ

میں صرف ایک بات آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالے کا قانون امت مرحومہ کے ساتھ الگ ہے، اور دوسری قوموں کے ساتھ الگ ہے، اور ہم آپ سب بھی ایسا کرتے رہتے ہیں، مثلاً مکتب میں کئی لڑکے بٹھائے جائیں، تو ایک لڑکا جس سے دور کا تعلق نہیں، کہیں پاس

پڑوس کا آ گیا ہے، کسی نے بھرتی کر دیا ہے، اس کے خاندان کو بھی ہم نہیں پہچانتے، اس سے کسی قسم کا جذبات خاندانی لگاؤ نہیں، وہ اگر نہیں پڑھتا تو استاد مدرسہ کے جو ذمہ دار ہوتے ہیں، وہ طرح دے جاتے ہیں، اور چشم پوشی کرتے ہیں، سنی ان سنی بھی کر دیتے ہیں، بھاگ جائے تو بھاگنے دیتے ہیں، لیکن گھر کا کوئی لڑکا، کسی معزز گھرانہ کا جن کا اس مدرسہ کے قائم کرنے میں خاص ہاتھ ہوتا ہے، ان کا بڑا احسان ہوتا ہے، یا مدرسہ کے پڑھانے والے استاد وغیرہ اسی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، ایسے گھر کا لاڈلا بچہ مکتب میں داخل ہوتا ہے، تو اس کے ساتھ یہ معاملہ نہیں ہوتا، سبق یاد کرے نہ یاد کرے، چلو چلنے دو وقت پورا کر کے چلا جائے، یا بھاگتا ہو، چوری کی عادت پڑ جائے تو ایسے ہی منہ پھیر لو، آنکھ بند کر لو، یہ نہیں ہوا کرتا، پھر اللہ تعالیٰ کا اس امت مرحومہ کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے اپنا جو قانون بنا دیا ہے، عزت کا اور ترقی کا، اس قانون پر چلے بغیر اس کی عزت اور ترقی نہیں ہو سکتی۔

نزدیکاں را بیش بود حیرانی

پھر اس امت مرحومہ میں بھی جن خاندانوں کے افراد کی رگوں میں صدیق اکبرؓ کا خون ہو، فاروق اعظمؓ کا خون ہو، سیدنا عثمان غنیؓ کا خون ہو، سیدنا علی مرتضیٰؓ کا خون ہو، حضرات انصار کا خون ہو، مہاجرین کا خون، اللہ تعالیٰ ان کو اس طرح کی ڈھیل نہیں دیتا، ان کے لئے قانون یہ ہے کہ دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کریں، یہ سمجھیں کہ اگر کسی کے لئے کوئی بات ایک مرتبہ ضروری ہے تو ہمارے لئے چار مرتبہ ضروری ہے، اگر کسی کے لئے فرض پڑھ لینا کافی ہے، تو ہمارے لئے سنتیں پڑھنا بھی اور نفلیں پڑھنا بھی ضروری ہے، اس لئے کہ ''نزدیکاں را بیش بود حیرانی'' جو جتنے نزدیک ہیں جن کا جتنا قرب ہوتا ہے، ان کو اتنی ہی احتیاط کرنی پڑتی ہے، دیکھئے نا، بادشاہوں کے دربار میں جن کو پاس کرسی ملتی ہے، اور جو بڑے عہدہ دار ہوتے ہیں وہ مکھی بھی بیٹھ جائے تو اڑا نہیں سکتے، اور دوسرے دو آپس میں باتیں بھی کر سکتے ہیں، لڑ جھگڑ بھی سکتے ہیں، لیکن جو بادشاہ کے قریب بیٹھا ہوتا ہے، اس کو اگر کھجلی معلوم ہوتی ہے تو ہاتھ نہیں ہلا سکتا۔

بابر کتنا بڑا فاتح گذرا ہے، اس نے ہندوستان میں سب سے زیادہ مضبوط، سب سے زیادہ لمبی عمر کی سلطنت قائم کی، اس نے کہا کہ میری زندگی میں سب سے بڑے امتحان اور نازک وقت دو گزرے ہیں، ایک اس وقت جب میں ایک سفر میں ایک پتھر پر سر رکھ کر سو رہا تھا،

میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ ایک سانپ اپنا منہ کھولے ہوئے میرے منہ کے قریب پھینکار رہا ہے، کالا سانپ بڑا زہریلا، اب میں اگر حرکت کرتا ہوں تو مجھے ڈس لیگا، یا معلوم نہیں منہ میں چلا جائے؟ اور اسی حال پر رہے تو بھی چھوڑے گا نہیں، بس میں نے ہمت کی اور اپنے منہ سے اس کے منہ کو دبا لیا، اور دبائے دبائے اس کو کچلا ہوا اٹھایا اور اٹھ کر اس کو دور جا کر پھینکا اور مارا۔

دوسرا واقعہ یہ کہ میں دربار کر رہا تھا، سلطنتوں کے سفیر آئے ہوئے تھے، مجھے اس زمانہ میں داد کی بیماری تھی، کھجلی کا شدید تقاضا ہو رہا تھا، اور میں کھجلا نہیں سکتا تھا کہ بادشاہ دربار میں کھجائے، اس کے داد ہو یا خارش ہو، اس کے ضبط کرنے میں جو میری حالت ہوئی وہ میں ہی جانتا ہوں، آپ دیکھئے اتنے بڑے بادشاہ نے کتنی بڑی بڑی مہمیں سر کی ہیں، اور کیسی کیسی فتوحات اور خطرہ سے وہ دو چار ہوا ہے، وہ ان دو واقعوں کا ذکر کرتا ہے، بات کیا ہے؟ کہ جو بات ایک معمولی آدمی کے لئے صرف جائز ہی نہیں مستحسن ہے، وہ ایک ذمہ دار آدمی کے لئے غیر مستحسن ہے، اور بڑے عیب کی بات ہے، کھجلانا کوئی عیب کی بات ہے؟؟ نہ شرعاً، نہ اخلاقاً، نہ قانوناً، نہ طبی اصول سے لیکن اس کو خیال تھا کہ میں اس وقت دربار کر رہا ہوں، یہ میرے لئے مناسب نہیں۔

بھائیو! یہی نامی گرامی خاندانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہے کہ ان کی ذرا سی غلطی اور ان کی ذرا سی ناقدری (غلطی بھی اتنی بڑی چیز نہیں ہے جتنی ناقدری) اللہ کی شریعت کی ناقدری، اس پر نہ چلنا، جس پر ان کے بزرگوں نے، اسلاف نے سر کٹا دیئے ہیں، اس پر وہ انگلی بھی نہیں ہلائیں، اس پر وہ چار پیسے کا نقصان بھی نہ برداشت کریں، اپنے بچے کے لئے ذرا سا خطرہ بھی نہ مول لیں کہ یہ دینی تعلیم حاصل کرے گا، یہ نیک دیندار بنے گا، تو اتنی بڑی تنخواہ نہ ہوگی، اتنی بڑی آمدنی نہ ہوگی، جو دوسروں کی ہے، جنھوں نے دنیا کا راستہ اختیار کیا، تو دین کی اس ناقدری کو اللہ معاف نہیں کرتا۔

شرفا کی بستیوں میں فلاکت کیوں؟

دوستو، بھائیو! میں ملک ملک پھرا ہوں، اور ہندوستان کا تو چپہ چپہ تقریباً دیکھا ہوا ہے، میں نے ہر جگہ شرفاء کی بستی میں فلاکت دیکھی، خود ہمارے خاندان کی بعض بعض بستیوں میں

جہاں ہمارے بزرگ تھے، اور جہاں ان کے مزارات ہیں، اور بڑے بڑے اولیاء اللہ گذرے ہیں، آج وہاں جائیے تو بس یہ معلوم ہوتا کہ فلاکت برستی ہے، اور فلاکت کیا برستی، معلوم ہوتا ہے کہ تختہ ہی الٹ گیا ہے، ایسی شرفاء کی بستیاں ہمارے اودھ میں بہت ہیں، بات کیا ہے، محض اللہ کی شرعت کی ناقدری اور دین کو اپنے لئے باعث ترقی نہ سمجھنا، باعث کامیابی نہ سمجھنا، دنیا کو اپنے لئے باعث کامیابی سمجھ لینا، یہ بات اللہ تعالیٰ کو ہر ایک کی بری معلوم ہوتی ہے، لیکن جو صحابہ کرامؓ کی اولاد ہوں، اور اپنے آپ کو اشراف کہیں، ان کے لئے تو بالکل ناقابل برداشت ہے، اس کا اثر ضروری ہوتا ہے، ہمارے اور آپ کے لئے ترقی کا راستہ دین اور علم کا راستہ ہے، اس میں جو آسانی ہمیں تھوڑی محنت سے ہوگی، وہ دوسرے راستوں میں بڑی محنت سے بھی نہیں ہوگی۔

تاریخی بستیوں اور اونچے خاندانوں کی خاص بیماریاں اور کمزوریاں

یہ آپس کی ناچاقیاں ان بستیوں اور خاندانوں کی خاص بیماری ہے، میں نے اشراف میں اکثر یہ مصیبت دیکھی، گھر گھر لڑائی، بھائی بھائی سے دل صاف نہیں، شرفاء اور خاندان لوگوں میں یہ بیماری ایسی پائی جاتی ہیں کہ اس کا عشر عشیر (دسواں حصہ) بھی ان لوگوں میں نہیں ہے جنھوں نے سو برس سے اسلام قبول کیا ہے، دو سو برس سے اسلام قبول کیا ہے، وہ خوب پھل پھول رہے ہیں، ماشاء اللہ بڑے متحد، متفق ہو کر رہ رہے ہیں، ان کے اندر حفظ قرآن کا رواج ہے، علم دین حاصل کرنے کا شوق ہے، میں نام نہیں لیتا، نومسلم ہونا کوئی عیب نہیں، صحابہ کرامؓ سب نومسلم تھے، یہ حضرت معلوم نہیں سو برس، دو سو برس، چار سو برس سے اسلام لائے ہوں گے، اور بڑے اہل اللہ کے ہاتھوں پر معلوم ہوتا ہے، اسلام لائے ہیں، لیکن ان کے خاندانوں میں ایسی برکت دیکھی، شریعت کا احترام، نماز کی پابندی اور ماشاء اللہ اولاد میں بھی برکت جو ہمارے یہاں شرفاء کے یہاں نہیں ہے، اور پھر اس کے ساتھ ساتھ حفظ قرآن کا رواج، ایسے ایسے جید علماء ان برادریوں میں ہیں کہ سادات اور شیوخ میں ان کا آدھا بھی کوئی نہیں، بڑے بڑے محدث، بڑے بڑے عالم، کیا بات ہے، انھوں نے اللہ کے دین کی قدر کی، شریعت کی قدر کی، اور وہ نفسانیت کہ ہر ایک کہتا ہے، ہم چو من دیگر نیست۔ وہ بات ان کے اندر نہیں تھی یا کم تھی، اللہ تعالےٰ نے اس کی برکت سے یہ نعمت و برکت ان کو عطا فرمائی۔

اتحاد و اتفاق کے لئے ایثار و قربانی

بھائیو: دو تین باتیں ہیں جو میں عرض کرتا ہوں، الحمد للہ سب کام کی باتیں ہو چکی ہیں، ایک تو اس ناچاقی اور نااتفاقی سے بچئے، اور خدا کے لئے اس کو دور کیجئے، اور اللہ کی خوشی کے لئے مل جایئے، اور یہ کہہ کر اپنے بھائی کے پاس جائے کہ کوئی مجبوری نہیں ہے، ابھی دس برس آپ سے اور لڑ سکتا ہوں، مقدمہ بھی لڑ سکتا ہوں، اور جسمانی طور پر بھی لڑ سکتا ہوں، لیکن محض خدا اور رسولؐ کی خوشی کے لئے، اللہ کو راضی کرنے کے لئے، ایثار کر کے اپنا حق معاف کرتا ہوں، اور آپ سے ملتا ہوں، اور باقی اب آگے جو کچھ بھی ہو، جو لوگ ایسا کریں گے میں سمجھتا ہوں کہ انھیں بڑی بڑی نفل نمازوں سے اور ممکن ہے کہ نفلی حج سے بھی زیادہ ثواب ملے، اس لئے کہ یہ نفس کے خلاف کرتا ہے، اور نفس کے خلاف میں اللہ تعالیٰ کو جو رضا اور ثواب ہے، وہ نفس کی لذت کے ساتھ نہیں، ماشاء اللہ نفلی حجوں میں بڑے لطف ہیں، دور جانا، نئی نئی چیزیں دیکھنا، نئی نئی چیزیں لے کر آنا، اب تو نئی نئی چیزیں دیکھنا ہی نہیں رہا، نئی نئی چیزیں جو یہاں نصیب نہیں ہوتیں، دیکھنے میں نہیں آتیں، وہاں سے لایئے اور چاہے خود رکھئے، چاہے تحفہ میں دیجئے، چاہے فروخت کیجئے، بہر حال اب تو ان چیزوں میں بڑا ثواب ہے، اللہ کے لئے دل کو صاف کر لیا، کدورت کو نکال دینا؟ بچھڑے ہوئے بھائی سے مل جانا، بلکہ ان لوگوں سے بھی ملنا جنھوں نے کھلی ناانصافی کی۔

سیدنا حضرت ابو بکرؓ کا کارنامہ

میرے بھائیو! اس ایثار کا سب سے بڑا نمونہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے کہ ان کو ان کے ایک عزیز (مسطح بن اثاثہ) نے ایسی تکلیف پہونچائی تھی، جس سے بڑھ کر تکلیف کا تصور کوئی شریف آدمی نہیں کر سکتا، اور ان کا تو معاملہ ہی دوسرا ہے، اس لئے کہ ہمیں آپ کو تکلیف پہونچے، یہاں کسی بیٹی کے باپ کو تکلیف پہونچے، تو ایک ہزار بیٹی کا باپ ایک طرف، اور اس بیٹی کا باپ جس کا نام ابو بکرؓ تھا، ایک طرف، اور بیٹی بھی کس کی، اور کس کی بیوی؟ اس مسئلہ کا تعلق اس ذات سے تھا، جن سے ان کو عزت حاصل ہوئی تھی، عزت کیسی عزت؟ اس پر بٹہ لگایا، اس پر حملہ کیا، اس سے بڑھ کر کسی شریف آدمی کے لئے کیا، کسی حساس آدمی کے لئے بھی، زندہ آدمی کے لئے بھی، کوئی آزمائش ہو سکتی ہے؟ لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ولا یأتل اولوا الفضل منکم والسعة ان یوتوا اولی القربیٰ والمسٰکین والمھٰجرین فی سبیل اللہ (سورہ نور۔ ۲۲)

اور جو لوگ تم میں صاحب فضل اور صاحب وسعت ہیں، وہ اس بات کی قسم نہ کھائی کہ رشتہ داروں اور محتاجوں اور وطن چھوڑ جانے والوں کو کچھ خرچ نہیں دیں گے۔

جن کو اللہ تعالےٰ نے کچھ گنجائش دی ہے، اور کچھ عطا فرمایا ہے، ان کو اس بات میں کمی نہیں کرنی چاہئے کہ وہ اپنے قرابت داروں کو دیں" ولیعفو، ولیصفحوا " اور ان کو چاہئے کہ اگر ان کی کوئی بات بری لگی ہے، تو معاف کر دیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو بند کر دیا تھا، وہ جاری کر دیا، اور معاف کر دیا، اور کہا کہ بیشک میں چاہتا ہوں کہ اللہ مجھے معاف کرے، بیشک مجھے اس کی ضرورت ہے کہ اللہ مجھے معاف کرے، اس سے بڑھ کر کوئی نمونہ نہیں ہوسکتا، صلۂ رحمی کا، اور پھر حدیث میں آتا ہے کہ" لیس الواصل بالمکافی ولکن الواصل الذی اذ قطعت رحمه وصل " رشتہ، ناتوں کو جوڑنے والا وہ نہیں ہے، جو بدلہ دینے والا ہو، ہم سے کوئی رشتہ جوڑ رہا ہے تو ہم بھی جوڑ رہے ہیں، اصل رشتہ جوڑنے والا وہ ہے کہ اس کا رشتہ توڑا جائے تو وہ جوڑے۔

شریعت پر عمل نہ کرنے کی بے برکتی

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ کی شریعت کی پابندی، بلکہ میں یہاں تک کہہ دوں کہ صحیح طریقہ پر میراث نکالنا، ترکہ تقسیم کرنا، بہنوں کا حق دینا، پھوپھیوں کا حق دینا اور جس کا جو حق ہے، اس کو پہونچانا، ان میں غفلت کی وجہ سے بڑی بے برکتی ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ بہت سے خاندانوں میں بڑی بڑی جائیدادیں ہیں، لیکن فلاکت پرتی ہے،

تیسری بات جو مولوی معین اللہ صاحب نے کہی کہ بچوں کی تعلیم کا اہتمام کرنا، یہ نہ سمجھنا کہ ان کو دینی تعلیم دی تو یہ کھوئے جائیں گے، یہ ہمارے کام نہیں آئے گا، انھوں نے کھول کھول کے مثالیں دیں اور نام لے لے کر ایک ایک آدمی کا ذکر کیا کہ اللہ نے اس پر کیا فضل فرما رکھا ہے۔

اخیر میں پھر کہتا ہوں کہ شرفاء کی بستی میں اس وقت تک برکت، خدا کی رحمت، اور ہر چیز میں کامیابی نہیں ہوسکتی، جب تک کہ اللہ کی بھیجی ہوئی، اور رسولؐ کی لائی ہوئی شریعت کا

احترام نہ کیا جائے، جتنا ہو سکے اس کی پابندی کریں، اللہ کے دین کے بارے میں ہمارے اندر غیرت ہونی چاہئے، جس کو تبلیغ کے عنوان سے مولوی معین اللہ صاحب نے بیان کیا کہ یہ دین کو باقی رکھنے کے لئے ساری دنیا میں ایک کوشش ہے، اس میں آپ حصہ لیں۔

عربوں سے عبرت لیجئے:

اخیر میں یاد رکھیئے کہ آپ لوگوں کی فلاح دین پر چلے بغیر نہیں ہے، بس یہ پکی بات ہے، سن لیجئے، ایک وہ موقعہ آیا تھا کہ عربوں نے کوشش کی تھی، اور جان توڑ کوشش کی تھی کہ وہ دنیا کے راستہ سے بلکہ دین کے خلاف راستہ اختیار کر کے کامیابی حاصل کر لیں تو اللہ نے ان کو منہ کے بل گرایا، اور ایسا ذلیل کیا کہ صدیوں سے ایسے ذلیل نہیں ہوئے تھے، مجھے اسی زمانہ میں جانے کا موقع ملا اور میں نے وہاں جدہ میں، مکہ مکرمہ میں خطاب کیا، اور کہا دیکھو بھئی، تُرک کامیاب ہو جائیں، ایرانی کامیاب ہو جائیں، تم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے، اللہ میاں تمھیں کان پکڑ کر کے اور باندھ کر کے لائیں گے، اور دین ہی کے دروازہ پر تم کو ڈالیں گے، اگر کچھ ملے گا تو یہیں کی بھیک ملے گی، یہیں کی خیرات ملے گی، تم سو سر کے ہو جاؤ، تم کامیاب نہیں ہو سکتے، ہم نے کہا کہ تمہارے لئے اللہ تعالیٰ نے یہاں مقدر یہی ہے کہ تم دین کے راستہ سے پاؤ تو کچھ پاؤ، یہی میں آپ سے کہتا ہو، اور ان سب لوگوں سے کہتا ہوں، جن کے آباؤ اجداد میں اللہ تعالےٰ نے بڑی بڑی ہستیاں پیدا کیں، اور جن کی بستیوں میں دین کا بہت کام ہوا، اچھے اچھے لوگ پیدا ہوئے، تمہاری فلاح دین کے اوپر چلنے میں ہے، دس باتوں کی پچاس کی یہ ایک بات ہے، اسی پر اکتفا کرتے ہوئے آپ سے اجازت چاہوں گا۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه سیدنا و مولانا محمد و آله و صحبه و سلم

صحت مند معاشرہ کی زندگی کے تین ستون

یہ تقریر ۲۸ نومبر ۱۹۸۳ء بروز یکشنبہ جامع مسجد مجھیرہ میں کی گئی تھی

الحمد للہ و کفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ. اما بعد. فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، لاخیر فی کثیر من نجواھم الا من امر بصدقۃ او معروفٍ او اصلاح بین الناس. (النساء ۱۱۴)

ان لوگوں کی بہت سی مشورتیں اچھی نہیں، ہاں (اس شخص کی مشورت اچھی ہوسکتی ہے) جو خیرات یا نیک بات یا لوگوں میں صلح کرنے کو کہے۔

آپ غور کریں تو یہ تین چیزیں ایسی ہیں، جن پر ایک صالح معاشرہ قائم ہوسکتا ہے، وہ معاشرہ کے تین ستون ہیں، صدقہ جب تک کہ ایک کو دوسرے کے ساتھ عملی ہمدردی نہ ہوگی، آدمی کی مدد کا جذبہ سینہ کے اندر کارفرما نہ ہوگا اور وہ ایثار نہ کرے گا، کوئی معاشرہ قائم نہیں ہو سکتا'' او معروف '' معروف بھی قرآن مجید کا ایسا لفظ ہے کہ اس کا ترجمہ نہیں ہوسکتا، یعنی معقول و مستحسن بات، جو چیز عرف میں داخل ہے، اور جس کو فطرت سلیم رکھنے والے سب بالاتفاق اچھا کہتے ہیں، اس کا جو حکم دے، اب ہر جگہ کا معروف الگ ہوگا، یہاں کا معروف یہاں کے لحاظ سے ہوگا، دوسرے مقام کا معروف وہاں کے لحاظ سے ہوگا،'' او معروف او صلاح بین الناس '' عام طور پر قبیلوں، خاندانوں میں'' افساد ذات البین '' کا منظر نظر نہیں آتا ہے، یعنی آپس کے تعلقات کشیدہ ہیں، بستی بستی، گاؤں گاؤں، قصبے قصبے یہی بیماری پھیلی ہوئی ہے، خاص طور پر جہاں شرفاء آباد ہیں، کسی دل سوختہ شاعر نے یہاں تک کہہ دیا کہ

بہ ہر جا جمع می آیند سادات
فسادات و فسادات و فسادات

اس کو یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ جہاں سادات جمع ہوں، پھر ماشاءاللہ سادات ہی سادات ہیں، اور یوں بھی تشریح ہوسکتی ہے، کہ پھر ناانصافیاں ہی ناانصافیاں اور جنگ وجدل ہی کا منظر نظر آئے گا۔

مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے۔ چور وہیں آتا ہے، جہاں مایہ ہوتی ہے، تو جتنا اونچا ہوتا ہے، اس پر شیطان حملہ کرتا ہے، تو یہ سادات، شیوخ صدیقی، فاروقی، انصاری، قریشی اور ان کی مختلف شاخیں عثمانی، علوی، عباسی جہاں ہوتے ہیں، ان میں شیطان بہت کامیاب ہو جاتا ہے، اس لئے کہ ان کو ایک دوسرے سے مکدر کرنے اور شاکی بنانے کا کام دوسروں کے مقابلہ میں آسان ہوتا ہے، ان کی حیثیت، حیثیت عرفی بلند ہوتی ہے، کچھ ان کی توقعات ہوتی ہیں، کچھ ان کی عادتیں ہوتی ہیں، کچھ وہ اپنا حق سمجھتے ہیں، شیطان اسی راستہ سے آتا ہے، دیکھو فلاں نے تمھیں سلام ٹھیک سے نہیں کیا، وہ حقیر سمجھتے ہیں، مالی حالت کچھ کمزور ہو گئی ہے، اب وہ اس طرح جھک کر سلام نہیں کرتے، اب دل صاف نہیں ہے، ہمارے خاندان میں بھی ایسے جھگڑے ہو چکے ہیں کہ شادی میں نہیں ملتے تھے غمی میں ملتے تھے، یہ ایک ذرا سی شرافت کی بات تھی، بہت دنوں تک قصہ چلا پھر اللہ نے صلح ومحبت کی فضا پیدا کر دی، یہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ یہ واقعی ہر جگہ مشترکہ ہیں، صدقہ، معروف، اصلاح بین الناس، ہر مقام کو ان کی ضرورت ہے، جہاں صدقہ بند ہو جائے، محبت کا دروازہ بند ہو جاتا ہے، ہنس کر بولنا بھی صدقہ ہے، میٹھی زبان رکھنا اور خوش کلامی بھی صدقہ ہے، اگر کسی کا کوڑا گر جائے، اور وہ سواری پر ہو تو اٹھا کر اس کو دے دو یہ بھی صدقہ ہے، راستہ سے کانٹا ہٹا دینا بھی صدقہ ہے، صدقہ کی سینکڑوں قسمیں ہیں، ایک صدقہ کہہ دیا اس لئے کہ یہ سب پر حاوی ہے، یعنی خیر سگالی کا جذبہ، خیر خواہی اور مدد کا جذبہ، اس کے بغیر کوئی معاشرہ، کوئی اجتماعی زندگی اول تو وجود میں نہیں آسکتی اور اگر آئے تو رہ نہیں سکتی، اور پھر معروف'' او اصلاحٍ بین الناس '' یہ قرآن ہی کہہ سکتا تھا، یہ آیت بھی معجزہ ہے، پورا تمدن انسانی، پورا معاشرہ انسانی اسی پر قائم ہے، صدقہ معروف، اصلاح بین الناس، آج ہر جگہ آپ دیکھیں گے کہ اس کے خلاف ہو رہا ہے، کہیں صدقہ کا دروازہ بند ہے، تو کہیں معروف کا دروازہ بند ہے، تو کہیں دونوں چیزیں ہیں، لیکن اصلاح بین الناس کا دروازہ بند ہے، بگاڑنے والے، لڑانے والے، پچاس اور ملانے والا ایک، مجھے الحمد للہ تجسس کی عادت نہیں کہ میں یہاں کے لوگوں سے پوچھتا کہ آپ کے یہاں کیا کمزوریاں ہیں، یا مجھے وہاں تقریر کرنا ہے، مجھے بتا دیجئے، تاکہ انھیں دکھتی ہوئی رگوں پر انگلی رکھوں، یہ طریقہ مصلحین کا بھی نہیں ہے، اور جو دین کا کام کریں، ان کا بھی نہیں ہے، ستر، پردہ پوشی اللہ کی

صفت اور مومن کے اخلاق ہیں، مجھے نہ تفصیل معلوم ہے، نہ اجمالی طور پر کچھ علم ہے، لیکن ہر بستی میں اسی کا اندیشہ ہوتا ہے، کئی مقامات پر اسی کی طرف توجہ دلائی، آج یہاں بھی یہی کہتا ہوں، کہ ان تین چیزوں کا خیال رکھئے، صدقہ، معروف، اصلاح بین الناس۔

چوتھی شرط اللہ نے یہ لگائی ہے، اس کارِ خیر میں نیت ہونی چاہئے، رضائے الٰہی کی ''ومن یفعل ذلک ابتغاء مرضات اللہ'' ایک اچھا عمل، سیاسی اغراض سے بھی ہو سکتا ہے، تمدنی اور مادی اغراض سے بھی ہو سکتا ہے، یہ سب اغراض ہیں لیکن یہاں اللہ نے فیصلہ کر دیا، ''ومن یفعل ذلک ابتغاء مرضات اللہ فسوف نوتیہ اجراً عظیما'' جو اللہ کی رضا کے لئے کام کرے اس میں ثواب ہے، یہ نہیں کہ صاحب ہم کریں گے تو وہ بھی کرے گا، اور اچھا ہے کہ اچھی زندگی گذرے گی، یہ نہیں، بلکہ خالص اللہ کی رضا کے لئے۔

آپ لوگوں کو شکر کرنا چاہئے کہ الحمد للہ یہاں ابھی تک مسجدیں قائم ہیں، اور یہاں تبلیغی جماعتیں بھی آتی ہوں گی، اور یہاں سے لوگ بھی نکلتے ہیں، ہمارے عارف اللہ صاحب[1] بھی ماشاء اللہ بڑی دور دور گئے باوجود اتنی کمزوری کے اور آئندہ کے لئے بھی دعوت دیتا ہوں کہ آپ اندور اور بھوپال سے رابطہ رکھیں۔

مکاتب کا نظام

اپنے یہاں بچوں کی تعلیم کا بھی انتظام کریں، ہر مسجد کے ساتھ مکتب ہونا چاہئے، ہمارے بچپن میں بڑا اچھا رواج تھا کہ گھروں میں بیبیاں پڑھاتی تھیں، بڑی بوڑھیاں یا بیوہ عورتیں جو پڑھی لکھی ہوتی تھیں، محلّہ محلّہ اس کا رواج تھا، بڑا فائدہ پہونچتا تھا، اکثر بچیاں آتی تھی، اور بچے بھی آتے تھے، اس کو بھی زندہ کیجئے اور باہر کی دنیا سے کٹئے نہیں، بزرگوں سے تعلق رکھئے، علماء کے مرکزوں میں جائیے، مدرسوں میں جائیے، اب اگر یہ بچے ہمارے یہاں ندوہ میں نہ جاتے تو کیا معلوم کیا بنتے، لیکن اگر یہ سلسلہ بند ہو جائے، اور اپنے اس خول میں آپ بند ہو کر رہ جائیں، پھر ترقی نہیں ہو سکتی، ترقی اس طرح ہوتی ہے کہ باہر سے روشنی، طاقت اور رہنمائی حاصل کی جائے۔

میں زیادہ طول دینا نہیں چاہتا، آپ حضرات کی محبت کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ

---

(۱) مولوی معین اللہ صاحب کے عم محترم

سے دعا کرتا ہوں کہ جو کچھ کہا گیا، اس کے مؤاخذہ سے ہم لوگوں کو بچائے، ہم پر اس کی ذمہ داری نہ آئے، اور قیامت میں آپ لوگوں کے سامنے ہم سب لوگوں کو جن کا تعارف کرایا گیا شرمندہ نہ ہونا پڑے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اسلام کے حلقہ بگوش عربوں کو
قرآن کی نوید فتح

عربی مضمون " الفتح للعرب المسلمین " کا اردو ترجمہ۔ اس مضمون میں عربوں کو زندگی اور امید کا پیغام دیا گیا ہے، اور بتایا گیا ہے کہ یہودیوں کی کامیابی اور ان کی ناکامی عارضی ہے، اور اگر عرب دعوت اسلامی کے حامل اور دین حق کے علم بردار ہیں تو ان کی فتح یقینی ہے۔

الحمد للہ و کفی وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ۔ اما بعد.

ناقابل تصور کامیابی

اس میں کوئی شک نہیں کہ بین الاقوامی یہودیت کو اپنے بہت سے مقاصد میں توقع سے زائد بھی کامیابی حاصل ہو چکی ہے، اور اسکے بہت سے وہ منصوبے بروئے کار آ گئے ہیں، جن کا خواب وہ ہزاروں سال سے دیکھ رہی تھی، بہت سی وہ باتیں جو پہلے خواب وخیال اور جنون و پریشان دماغی کا نتیجہ معلوم ہوتی تھیں، اس آسانی کے ساتھ واقعہ بن چکی ہیں کہ نہ صرف عرب بلکہ یہودی بھی کچھ عرصہ پیشتر اس کا تصور کرنے سے قاصر تھے۔

اسرائیل کا قیام

پہلے اسرائیل کی ریاست عالم عربی کے قلب وجگر اور اس کے بہترین ومقدس مقامات کے عین وسط میں قائم ہوئی اور عربوں اور مسلمانوں کے سینہ پر کابوس بن کر مسلط ہوگئی، اس کے بعد یہودیوں کے بین الاقوامی اثر و رسوخ کی بدولت اس نے اپنے وجود کو نہ صرف برقرار رکھا بلکہ دن بدن طاقت پکڑتی گئی، اور بالآخر عالم عربی کی سب سے بڑی فوجی طاقت (مصر) پر غالب آئی اور اس کی ہوائی قوت کو ختم کر دینے میں کامیاب ہوگئی، اس سے زیادہ خطرناک بات

یہ ہوئی کہ اس نے ۵ جون کی جنگ میں چند گھنٹوں کے اندر عربوں کی قوت ارادی اور قوت مدافعت کو سخت نقصان پہونچایا، بیت المقدس، نہر اردن کے مغربی کنارے اور جزیرہ نمائے سینا پر مکمل قبضہ کرلیا، سوئز اور مصر کے ساحلی شہر ہر وقت اسرائیلی حملہ کی زد میں رہنے لگے، شام میں اس نے اندر تک پیش رفت کی اور بہت سے فوجی اہمیت کے مقامات اور پہاڑیوں پر قبضہ کرلیا، اس نے بعض عرب ممالک کے ہوائی اڈوں کو بڑی جسارت کے ساتھ نشانہ بنایا اور اب وہ پورے عالم عربی پر قبضہ جمانے اور حجاز کے مقدس مقامات کی طرف بڑھنے کے خواب دیکھ رہی ہے۔

اسرائیل کے ناپاک عزائم

اسرائیل کے بعض لیڈروں نے کھل کر یہ بات کہی کہ اسلام کے دور اول میں جن یہودی نوآبادیوں پر قبضہ کرلیا گیا تھا، وہ اس پر دوبارہ قبضہ کرنا چاہتے ہیں، اس سے آگے بڑھ کر بہت سے یہودی یہ خواب دیکھ رہے ہیں کہ ایک نہ ایک دن ان کو دنیا کی سب سے بڑی طاقت بننا ہے، جس کا حکم دنیا کے تمام صدر مملکت، سربراہان حکومت اور وزراء پر چلے گا، اور اس طرح وہ خواب پورا ہو جائے گا، جس کا ذکر یہودیوں کی مقدس کتاب تلمود میں اور حکماء صیہون کے مشہور پروٹوکولز میں ملتا ہے۔ (۱)

ایک بنیادی سوال

اب ہمیں اس پر غور فکر کرنا ہے کہ کیا یہ صورت حال واقعی مستقبل اور پائدار صورت اختیار کر لے گی اور صہیونیت کے باقی ماندہ منصوبے بھی پایہ تکمیل کو پہونچ جائیں گے، کیا عربی اور مسلمان ان حوصلہ مند یہودیوں کے رحم وکرم پر رہنے کیلئے مجبور ہوں گے، کیا ان کی رسی اتنی دراز کر دی جائے گی، اور ان کو اس طرح پے درپے کامیابیاں حاصل ہوتی جائیں گی کہ بالآخر ساری دنیا پر ان کا تسلط قائم ہو جائے گا، ان کے تمام منصوبے اور مقاصد پورے ہو جائیں گے، اور ان کا فلسفہ حیات اور افکار ونظریات ساری دنیا میں پھیل جائیں گے، کیا انسانیت کی زمام قیادت ان کے حوالہ کر دی جائے گی، اور وہ اس طرح کی رہنمائی وقیادت کرنے لگیں گے جس طرح تاریخ کے بہت سے دوسرے مذاہب، تہذیبوں اور دعوتوں نے اپنے اپنے وقت پر کی تھی۔

---

(۱) ملاحظہ ہو بروتوکولات حکمائے صیہون

ہم اس وقت تک اس سوال کا فیصلہ کن ور قطعی جواب نہیں دے سکتے، جب تک کہ ہم اس عجیب وغریب اور بیکراں کائنات پر ایک نظر نہ ڈال لیں، اس کے خالق و پروردگاہ کے اسماء وصفات، افعال وادادوں اور اس کے قوانین فطرت واصول قدرت کا مطالعہ نہ کرلیں، اور انسانی تاریخ کے تجربوں اور اہم واقعات کو اپنی نظر کے سامنے نہ رکھیں۔

ہم اس سوال کا اطمینان بخش جواب اسی وقت دے سکتے ہیں، جب نسل انسانی کی صلاحیت، انسانی خمیر میں خیر وشر کی آمیزش، بنی نوع انسان کا مستقبل اور اس کائنات کی تقدیر اور قوانین فطرت ہماری نظر کے سامنے ہوں اور ہمارے ذہن میں ان کا واضح اور معین تصور موجود ہو۔

خالق کائنات کا نظام

اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ خالق کائنات نے اس کائنات اور اس سیارہ کو جس پر ہم رہتے ہیں، صرف فساد وتخریب، خون ریزی اور دہشت گردی، ظلم وسنگدلی، حیوانیت وبربریت، سازشوں اور کمروفریب کے لئے پیدا کیا ہے، اور اس نے اس دنیا کے لئے یہ سارا اہتمام وانتظام (جو اس کے ہر شعبہ کے حسن وجمال، ترتیب وتوازن اور اعجاز سے ظاہر ہے، اور جس میں انبیاء کی بعثت، کتب سماویہ کا نزول، وحی والہام، صالحین وصادقین کی نصرت وخیر وشر اور فساد پر صلاح وفلاح کا غلبہ سب چیزیں شامل ہیں) صرف اس لئے کیا ہے کہ اس پر ایک ایسے عنصر کا تسلط ہو جائے جو کسی زمانہ میں انبیاء کی طرف منسوب سمجھا جاتا تھا، اور جس کی رگوں میں ان کے خون کے چند ایسے ذریعے شامل ہیں جن کو آج خوردبین سے دیکھنا بھی مشکل ہے، اور جن کی حقیقت تک رسائی ریاضی کی مدد سے بھی ناممکن ہے، اس نے اس کائنات کا پورا نظام اس لئے قائم کیا ہے کہ ایک نسل جو اپنے کو "خدا کی پسندیدہ وبرگزیدہ قوم" کہتی ہے اور اپنے کو مقدس الٰہی خاندان کے افراد سمجھتی ہے،(۱) ساری طاقتوں، سارے ذخائر اور دولتوں پر قابض ہو جائے۔

---

(۱) اسی بات کو قرآن مجید نے ان کی زبان سے اس طرح ادا کیا ہے "نحن ابناء اللہ واحباءہ" (سورہ مائدہ۔۱۸) بائبل عہد عتیق اور تالمود کے صفحات ان دعووں سے بھرے ہوئے ہیں، اور ان میں جگہ جگہ یہودیوں کے امتیاز ونسلی برتری کا ذکر ہے، یہ مختصر مضمون اس تفصیلات کا متحمل نہیں۔

فرض کیجئے

اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ یہ خاندان وہ واحد انسانی نسل ہے، جس کو اللہ نے ہر قسم کی صلاحیتوں اور طاقتوں سے مالا مال کردیا ہے اور ہر قسم کی ذہانت، اعلیٰ دماغی اور ہر قسم کا کمال صرف اس کے ساتھ مخصوص ہے، باقی تمام نسلیں جن سے دنیا آباد اور بزم عالم قائم ہے، وہ آٹے کی چوکر کی طرح حقیر و بے قیمت ہے، اور ہر کی اہلیت و

صلاحیت، ایجاد و اختراع کی قوت اور مختصر یہ کہ تمام عطیات خداوندی سے یکسر محروم ہیں، تو ہمیں یہ بات یقیناً تسلیم کرلینا چاہئے، کہ صرف اسی نسل کو بنی نوع انسان پر حکمرانی کا حق حاصل ہے، اور دوسری تمام نسلیں واقوام صرف اس لئے پیدا ہوئی ہیں کہ ان کو جانوروں کے ریوڑ اور بھیڑوں کے گلہ کی طرح ہانکا جاتا رہے، ''اس ناز پروردہ اور محبوب اولاد'' اور ان ''وہبی و پیدائشی خوش نصیبوں'' کے سوا جتنے لوگ بھی ہیں، وہ شطرنج کے ان مہروں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے جن کو یہ معزز اور ذہین یہودی بڑی قدرت ومہارت کے ساتھ ایک دوسرے لڑاتے اور ان سے کھیلتے رہتے ہیں، خود ان کو اپنے مستقبل کی تعمیر اور زندگی کی تشکیل میں کوئی دخل نہیں ہے۔

اسی طرح اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ انسانی فطرت اصلاً بد ہے، اور تعمیر کے مقابلہ میں تخریب کو اور اصلاح کے مقابلہ میں فساد کو پسند کرتی ہے، ہر چیز کو بدگمانی کی نظر سے دیکھتی ہے، ساری دنیا میں سب بیزار اور برسرپیکار ہے، ماضی وحال دونوں سے برگشتہ ہے، وہ ہر وقت بغاوت اور انتقال نفرت اور کینہ کی آگ میں جلتی رہتی ہے، اور اپنے سینہ میں ہر قسم کی قدیم وجدید عداوتوں کا ذخیرہ رکھتی ہے، اور ہر صنعت وتعمیر اور ہر تہذیبی ورثہ اور تمدنی دولت کے صرف کمزور پہلو دیکھنے کی عادی ہے، اپنے سوا سب کو حقیر سمجھتی ہے، وہ احساس کمتری کا شکار ہے، اور اس کی نگاہ میں انسان کی عزت وشرافت کی کوئی قیمت نہیں ہے، مادہ پرستی کے سوا اس کا کوئی مطمح نظر نہیں اور سفلی جذبات کی تسکین وتکمیل کے سوال اس کا کوئی مشرب ومسلک نہیں، وہ فتح کے وقت ظلم وبربریت کی آخری حد پر ہوتی ہے، ہزیمت کے بعد بزدلی کے آخری کنارے پر، وہ اپنے مقاصد کے حصول کے لئے ہر قسم کے جائز وناجائز وسائل کو استعمال کرنا ضروری سمجھتی ہے، اپنے عزائم کو بروئے کار لانے کے لئے اس کو ذلیل سے ذلیل عمل، بڑے سے بڑے

ظلم، پست سے پست اخلاق اور آخری درجہ کے نفاق سے بھی کوئی عار نہیں ہوتا۔

اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے یہ فرض کرلیں کہ تاریخ سازی، تہذیب وتمدن کی تشکیل، انسانیت کی فلاح اور اقوام عالم کی سیاست وتدبر کا واحد تعمیری اور حقیقی محرک اور طاقتور ومؤثر عنصر صرف مکروفریب، جرائم پسندی، تخریبی ذہانت ہے، اور تہذیب وتمدن کا یہ درخت صرف فساد فی الارض، ضمیر اور خاندانی نظام کے خاتمہ، بے حیائی و بے قید زندگی کی تبلیغ واشاعت اور بغاوتوں اور سازشوں کے ذریعے برگ وبار لاسکتا ہے......... اور وہ واحد ذریعہ اور وسیلہ جو اقوام کی تقدیر کو ڈھالتا ہے، اور دنیا کے تمام انقلابات میں کارفرما نظر آتا ہے، اور تاریخ کا رخ بدلنے کی صلاحیت رکھتا ہے، دراصل وہ خفیہ ہاتھ ہے، جو سازش کا جال پھیلاتا ہے، اور وہ سب سے بڑی طاقت جس پر اعتماد ممکن ہے، بدعہدی، دھوکہ بازی، محسن کشی اور اعلیٰ درجہ کی رذالت اور کردار کی پستی وگندگی ہے، اور...... سب سے زیادہ پسندیدہ شئ جو فتح وکامرانی کی شرط اور انسانیت کی فلاح وخوشحالی کی بنیاد ہے، وہ تکبر اور خودغرضی ہے۔ (۱)

اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ انسانیت کا چہرہ ہمیشہ سے سیاہ اور داغدار ہے، اور امن وسکون، انسانی اخوت، ہمدردی وآدمیت اس کی تقدیر میں نہیں بلکہ اس کی قسمت میں صرف یہ لکھا ہے، کہ ایک جنگ سے دوسری جنگ، ایک المیہ سے دوسرے المیہ، ایک بدنصیبی سے دوسری بدنصیبی اور ایک بغاوت سے دوسری بغاوت کے درمیان ہچکولے کھاتے رہے، یہاں تک کہ اس جہنم میں جاپڑے جو غیظ وغضب، کینہ وحسد، اغراض وہوس اور نفرت وعداوت کی ایندھن سے بھڑک رہا ہے۔

اگر ہم یہ مان لیں کہ اس دنیا میں ضلالت وہدایت کا کوئی قصہ ہی سرے سے موجود نہیں، یہاں نہ عقائد واصول کا کوئی سوال ہے، نہ قلب وضمیر کا کوئی مسئلہ، نہ اخلاق وفضائل کی کوئی ضرورت، نہ خدا کی پسندیدہ شریعت اور نظام زندگی کی کوئی حاجت، یہاں صرف ایک ہی حقیقت کارفرما ہے، اور صرف اسی کو زندہ اور باقی رہنے کا حق ہے، اور وہ ہے نسل وخاندان کی برتری، آباؤ اجداد کا خون پرانی روایات، نفرت وانتقام، کینہ وحسد، عظمت رفتہ کے حصول کی

---

(۱) قرآن مجید نے ان یہودیوں کے لئے "مغضوب علیہم" کا لفظ دراصل اسی لئے استعمال کیا ہے کہ، یہ وصف سورۂ فاتحہ میں ہے جو بار بار پڑھی جاتی ہے، اس بلیغ جملے کا صحیح ذوق وہی لے سکتا ہے اور یہودیوں پر اس کے ٹھیک ٹھیک انطباق کا اندازہ اسی کو ہوسکتا ہے، جو یہودیوں کے قومی خصائص اور اس کردار سے واقف ہے، جو انھوں نے انسانیت کی تاریخ میں ادا کیا ہے۔

کوشش اور اپنے پرانے علاقوں کو واپس لینے کی ہوس، مہم پسندی اور ہوس ملک گیری کی تسکین اور اپنے جذبۂ حرص وطمع کی تشفی وتسلی۔

اگر ہم ان تمام مفروضات کو تسلیم کرلیں اور یہ ساری باتیں مان لیں تو پھر اس میں یقیناً شبہ نہیں کہ یہودی انسانی قیادت اور غلبہ وکامرانی اور اقتدار وتسلط کے جائز اور موزوں امیدوار ہیں، اور ان کو ابتدا سے اسی کے لئے تیار کیا گیا ہے، اس نقطہ نظر سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ حالات اسی طرح برقرار رہیں گے، اور یہودیوں کی ہوس ملک گیری اور اپنی سرحدوں کو بڑھاتے رہنے کی پالیسی کامیاب ہوگی اور ان کے لئے کوئی چیز سنگ راہ نہ بن سکے گی اور ان کے تمام شیطانی منصوبے ایک ایک کرکے کامیاب ہوجائیں گے یہی وہ حقیقی تصویر ہے جو ہمیں یہودیوں کے عہد قدیم بائبل میں تلمود میں حکماء صیہون کے پروٹوکولز میں ان کے لیڈروں کی تقریروں میں ان کے جلسوں کی کاروائیوں میں بلکہ خود ان کے عملی اقدامات میں ملتی ہے خاص طور پر اس جنگ کے بعد یہ تصویر اور زیادہ ابھر کر سامنے آرہی ہے۔

لیکن ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ پوری تصویر کینہ پروری اور حقارت کی تصویر ہے۔ یہ جن رنگوں سے تیار ہوئی ہے اس میں یہ چیزیں شامل ہیں انسانیت سے قدیم بغض وعداوت یہودی نسل کے تقدس پر ایمان کامل اسرائیلی خون کی عبادت وپرستش کی حدتک عظمت اور تاریخ انسانی کے ہر دور اور روئے زمین کے ہر گوشہ میں بقیہ انسانی نسلوں اور قوموں کو ہر اہلیت وصلاحیت سے محروم سمجھنا۔ پوری دنیا پر تسلط حاصل کرنے کا منصوبہ، شر وفساد کا طبیعت ثانیہ اور افتاد طبع بن جانا، تشدد اور دہشت انگیزی کا قومی خصائص اور مروثی عادتوں کا درجہ اختیار کرلینا، یہ تصویر یہودیوں کی تاریخ کے ساتھ ساتھ اس طرح وابستہ ہے جس طرح مزاج انسان کے ساتھ یہ سائے کی طرح ہر وقت اور ہر جگہ ان کے ساتھ ہے اس لئے کہ سازش ان کی تاریخ کی سب سے بڑی بنیاد اور ان کے نظام زندگی کا سب سے بڑا استون ہے یہ وہ محور ہے جس کے گردان کی ساری ذہانت اور کاوش گھومتی ہے۔ یہی وہ دماغ یا خفیہ ہاتھ ہے جو ہر بغاوت، انقلاب، سازش، تخریبی نظریات، تباہ کن فلسفوں اور ہر قسم کی بے چینی، اضطراب انارکی اور ہر طرح کے اقتصادی سیاسی اجتماعی اور اخلاقی بحران کے پیچھے کام کررہا ہے ایک ممتاز یہودی مفرڈ اکٹر آسکر لیوی نے اپنے اس جملے میں اس قوم کی ساری تصویر کھینچ دی ہے وہ یہودیوں کے کردار پر فخر کے ساتھ روشنی ڈالتے ہوئے لکھتا ہے۔

رفاہی خدمات عبادت ہے

مدرسہ دارالتعلیم والصنعت کانپور میں الحاج منت اللہ اسپتال کے سنگ بنیاد کے موقع ۱۱/ اکتوبر ۱۹۹۸ء کو علماء دانشوروں اور سرمایہ داروں کی موجودگی میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ نے یہ موثر اور گراں قدر تقریر فرمائی تھی، افادۂ عام کی غرض سے ہم اس تقریر کو ہدیہ ناظرین کر رہے ہیں۔ خدا کرے کہ یہ تقریر دوسروں کے لئے باعث تشویق ہو۔

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على سيد المرسلين و خاتم النبين و على آله وصحبه اجمعين ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين.

دین اسلام فطرت مکین

سامعین کرام وحاضرین عزیز! ہمارے لئے اور رفقاء کے لئے اور حقیقت میں تمام شرکاء محفل کے لئے یہ بڑی مسرت اور عزت کی بات ہے کہ کارخیر اور ادارہ عام اور ایک شفاخانہ کے افتتاح کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے ہم لوگوں کو جمع کیا اور آنے کی توفیق دی، اسلام میں کتاب و سنت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مقام اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑی قیمت رکھتا ہے اور اللہ کے یہاں اس کی بڑی قدر ہے جس سے لوگوں کو نفع پہنچے اور ذاتی نفع کے مقابلہ میں اور ذاتی اظہار وعزت ووجاہت کے مقابلہ میں ایسے اداروں سے، اور ایسے مرکزوں اور ایسے اقدامات سے اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوتا ہے۔ جس سے اللہ کی مخلوق کو نفع پہنچے اس کے بارے میں بڑی بڑی بشارتیں آئی ہیں جو لوگ کوئی ایسا کام کریں۔ ایسی جگہ بنائیں ایسا مرکز قائم کریں جس سے لوگوں کو جسمانی طبی یا اس سے بڑھ کر دینی وروحانی اور اخلاقی فائدہ پہنچے اس سے اللہ کے یہاں بڑی قدر ہے او ریہ دین ہمارا دین ہے جس سے اللہ نے ہمیں عزت بخشی ہے، یہ دین تو ایک دین فطرت ہے دین انسانیت ہے دین عالم ہے اور دین ابدی ہے۔ یہ اپنی عمومیت کے لحاظ سے تمام بنی آدم پر مشتمل ہے، اور اپنے دوام کے لحاظ سے یہ قیامت تک کیلئے ایک صدقہ جاریہ ہے ا سکو جس شکل میں بھی جو انسانوں کے لئے مفید ہو اگر کوئی قدم اٹھایا جائے کوئی مرکز قائم کیا جائے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے خوش ہوتا ہے اس لئے کہ یہ اللہ کی مخلوق کے لئے مفید ہے۔

اور اس میں سب سے بڑا مرتبہ اور جو پہلا درجہ ہے وہ علم دین کے سکھانے کا ہے کہ لوگوں کو یہ معلوم ہو اور نئی نسل کو یہ معلوم ہو کہ اس کا پیدا کرنے والا کون ہے۔ اس کی کیا صفات ہیں اور اس کے کیا احسانات نہیں ہے اس کے کیا مطالبات ہیں، اس کے کیا حقوق وفرائض ہیں اور صحیح طور پر زندگی گزارنے کا اصول طریقہ کیا ہے جس سے اس کو اللہ تعالیٰ کے یہاں شرف ورضا حاصل ہو اور دوسروں کے نفع پہنچے اس لئے اگر تاریخ پڑھی جائے تو معلوم ہوگا کہ رفاہ عام کا کام ہر دور میں جتنا اس امت اسلامیہ کے ہاتھ انجام پایا، اس کی کوئی مثال تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔

مساجد کی تعمیر، مدارس کا قیام اور دارالشفاء اور بڑے بڑے علاج کے مرکز کا قیام پھر اس کے علاوہ رسد پہنچانے کے جو ذرائع ہیں۔ وہ سب مسلمانوں نے اپنے دور میں اختیار کئے ہیں۔ ان کا کہیں پورا تذکرہ آ ہی نہیں سکتا تاریخ پڑھنے کی ضرورت ہے۔ کہ اس کے لئے مسلمانوں نے مسلمان امراء نے، ملوک وسلاطین نے، مسلمان اغنیاء نے اور پھر داعیوں نے اور مصلحین نے اور عام مسلمانوں نے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق ہر دور میں اس کی کوشش کی ہے کہ کوئی ایسی چیز بنائیں جس سے لوگوں کو نفع ہو، اور اس سے پورا عالم اسلام بھرا ہوا ہے کوئی جگہ خالی نہیں ہمیں بڑی خوشی ہے کہ آج یہاں حاجی منت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جن کا کام بالکل اپنے نام کے مطابق ہے۔ اور ان کا نام ایک طرح کی بشارت ہے، ''اللہ کا احسان'' کہ اللہ کا ان پر بڑا احسان ہے، کہ ان سے اللہ نے بڑے مفید کام لئے اور دینی اداروں اور دینی جدوجہد وغیرہ میں ہمیشہ وہ شریک رہے۔ اس لئے ندوۃ العلماء جس کا ایک عظیم نمائندہ ہوں وہ بھی ان کا ممنون ہے اور کانپور کے ادارے اور آس پاس مدرسے اور آج آپ جس ادارے کی تعمیری بنیاد رکھنے میں شریک ہیں، یہ سب درحقیقت ان کے اخلاص کی برکت ہے، مدرسے قائم کروانا، مسجد بنوانا اور ابھی وہ ادارے جس کی بنیاد رکھنے میں آپ نے شرکت کی۔ یہ تھی کہ ایک مسلمان نے جو ایک اچھا قدم اٹھایا ہے اس کی دل شکنی نہ ہو۔ اور قرآن کریم کے نام پر جو تقریب شروع ہوئی ہے اس کی بے حرمتی نہ ہو، اجتماع کی روداد آپ دوسرے صفحات میں پڑھیں گے۔ حضرت مولانا سے جو ناواقف ہیں وہ معذور ہیں جو حضرات مولانا کے مزاج و افتادہ طبع اور عالمی عزت وشہرت کے مقام سے واقف ہیں وہ غالب کے ہم زبان ہوں گے۔

ترے جواہر طرف کلہ کو کیا دیکھیں
ہم اوج لالع لعل و گہر کو دیکھتے ہیں

صالح معاشرتی انقلاب کی ضرورت

اس نقطہ نظر نے انسانیت کے مستقبل کو بیحد متاثر کیا، اور یہ لوگوں کیلئے مذاہب وتحریکات اور رجحانات کی تاریخ میں ایک نئے تجربہ کی حیثیت رکھتا تھا، جس نے تاریخ میں ایک انقلاب برپا کر دیا، اس لئے چھٹی صدی مسیحی کی عالمی صورت حال (جو تقریباً ہر زمانہ میں رہی ہے) ایسی نہ تھی کہ اس پر چند صالح افراد اثر انداز ہوتے ہیں، چنانچہ قرآن مجید خدائی غضب کے شکار یہودیوں کے درمیان بھی کچھ صالح افراد کی موجودگی کی گواہی دیتا ہے۔

لیسوا سوآءً من اهل الکتب امة قآئمة یتلون ایت الله انآالیل وهم یسجدون، یومنون بالله والیوم الاخرة ویامرون بالمعروف وینهون عن المنکر ویسارعون فی الخیرات وائولئک من الصلحین.

(آل عمران۔ ۱۱۳۔۱۱۴)۔

سب (اہل کتاب) یکساں نہیں، (انھیں) اہل کتاب میں ایک جماعت قائم ہے، یہ لوگ اللہ کی آیتوں کو اوقات شب میں پڑھتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں، یہ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، اور بھلائی کا حکم دیتے ہیں، اور بدی سے روکتے ہیں اور اچھی باتوں کی طرف دوڑتے ہیں یہی لوگ نیکوکاروں میں سے ہیں۔

مگر ان صالح افراد کا انسانی معاشرہ اور انسانی عمل پر کوئی اثر نہ تھا، کیونکہ وہ صرف چند افراد تھے اور قومیں افراد کو خاطر میں نہیں لاتیں، چنانچہ ہر دور و دیار میں ایسے صالح افراد رہے ہیں اور اب بھی ہیں، جو اپنے کچھ اعمال واخلاق اور عبادات اور دوسرے لوگوں سے ممتاز ہوتے ہیں، لیکن جو خلاء اور مسئلہ قوموں اور نسلوں اور تمدن ومعاشرہ کی سطح پر ہو وہ اس وقت تک پر نہیں ہو سکتا، جب تک کہ وہ خیر وصلاح، اسوۂ حسنہ اور عملی نمونہ بھی امت اور انسانی معاشرے کی سطح کی نہ ہو، جو بلند ترین نبوی تعلیمات، شریفانہ اصول واخلاق، اور مثالی انفرادی واجتماعی عمل کی

نمائندگی حکومت وسیاست، تجارت ومعاملت انفرادی واجتماعی زندگی، افراد اور جماعتوں کے ساتھ برتاؤں اور قوموں اور حکومتوں کے ساتھ معاملات رضا مندی وناراضگی، صلح وجنگ، فقر وغنا، ہر حالات اور ہر صورت میں کرتا ہو اور اس امت وجماعت کی عام علامت اور ممتاز خصوصیت نہ بن چکا ہو۔

صحابہ کرامؓ اور وہ مبارک لوگ جنہوں نے گہوارۂ نبوت میں پرورش اور مدرسہ ایمان وقرآن میں تربیت پائی تھی، انہی مذکورہ علامات وخصوصیات کے مالک تھے۔

ایک انصاف پسند اور تاریخ عالم سے واقف مغربی اہل علم نے اس طبقہ کی بڑی کامیاب تصویر پیش کی ہے اور ان کی نمایاں ومشترک خصوصیت کی طرف اشارہ کیا ہے، جو نبوت کا باغ تازہ اور قرآن کی فصل بہار کہلانے کا مستحق ہے، جرمن فاضل کائتانی (CAETANI) اپنی کتاب "سنین اسلام" میں لکھتا ہے:۔

> یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اخلاقی وراثت کے سچے نمائندے مستقبل میں اسلام کے مبلغ اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا رسیدہ لوگوں تک جو تعلیمات پہونچائی تھیں، ان کے امین تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربت اور ان سے محبت نے ان لوگوں کو فکر وجذبات کے ایک ایسے عالم میں پہونچا دیا تھا جس سے اعلیٰ اور متمدن ماحول کسی نے دیکھا نہیں تھا۔

درحقیقت ان لوگوں میں ہر لحاظ سے بہترین تغیر ہوا تھا، اور بعد میں انھوں نے جنگ کے مواقع پر مشکل ترین حالات میں اس بات کی شہادت پیش کی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے افکار کی تخم ریزی، زرخیز زمین میں کی گئی تھی، جس سے بہترین صلاحیتوں کے انسان وجود میں آئے، یہ لوگ مقدس صحیفہ کے امین اور اس کے حافظ تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو لفظ یا حکم انھیں پہونچایا تھا، اس کے زبردست محافظ تھے۔

یہ تھے اسلام کے قابل احترام پیش رو جنھوں نے مسلم سوسائٹی کے اولین فقہاء علماء اور محدثین کو جنم دیا (ماخوذ از

CAETANI ANNALI DES ISLAM VOLILP429 T.W.ARNOLD: PREACHING OF ESLAM(LONDON1925)PP.42

احتساب کائنات

امت اسلامیہ پر عالمی نگرانی اخلاق ورجحانات انفرادی و بین الاقوامی طرز عمل کے احتساب انصاف کے قیام، شہادت حق، امر معروف، ونہی منکر کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے، اوراس کو قیامت کے دن اس ذمہ داری کی ادائیگی میں کوتاہی پر جواب دہ بنایا گیا ہے۔

یآایھا الذین امنو کونوا قوامین للہ شھدآء بالقسط ولا یجر منکم شنان قومٍ علی الاتعدلو، اعدلو اھوا قرب لتقوی، واتقواللہ ان اللہ خبیر بما تعملون (المائدہ۔۹)

اے ایمان والوں اللہ کے لئے پوری پابندی کرنے والے اور عدل کے ساتھ شہادت دینے والے رہو اور کسی جماعت کی دشمنی تمہیں اسپر آمادہ نہ کرے کہ تم (اس کے ساتھ) انصاف نہ کرو، انصاف کرتے رہو کہ وہ تقویٰ سے بہت قریب ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ کو اسکی (پوری) خبر ہے کہ تم کیا کرتے ہو۔

اوراس امت کے اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی پر تنبیہ کی گئی ہے جس کے نتیجے میں انسانیت مصیبت ومشکل میں پھنس سکتی ہے اور روئے زمین پر فتنہ وفساد اورانارکی پھیل سکتی ہے چنانچہ اس چھوٹے سے انسانی مجموعہ کو (جو مدینہ کی ابتدائی زندگی میں تھا اور جس کی تعداد چند سو سے زائد نہیں تھی) مخاطب کرتے ہوئے اور اسے دعوت وعقیدہ کی بنیاد پر اسلامی اخوت قائم کرنے کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا گیا۔

الا تفعلو ۃ تکن فتنہ فی الارض وفساد کبیر، (الانفال۔۷۳)

اگر یہ نہ کروگے تو زمین میں (بڑا) فتنہ اور بڑا فساد پھیل جائے گا۔

پھر کیا آج کی ملت اسلامیہ اس کی مخاطب ہیں جس سے معمورہ عالم آباد ہے اور جو بڑی بڑی حکومتیں اور افرادی طاقت رکھتی ہے۔ جب وہ اپنے قائدانہ وداعیانہ منصب ومقام کو خالی چھوڑ دے گی اور اپنی اجتماعی ذمہ داری (اخلاقی نگرانی اور رجحانات کے احتساب مظلوم کی حمایت اور ظالم کی مذمت وسرزنش) سے منہ موڑ لے گی تو دنیا پر اس بڑی کوتاہی اور خطرناک غلطی کا کیسا برا اثر پڑے گا۔

قرآن اس امت کواس داعیانہ وقائدانہ مقام، اصلاح کی ذمہ داری اورامر بالمعروف و

نہی عن المنکر کی مسئولیت کی یاد گزشتہ اقوام کا حوالہ دیتے ہوئے اور اس کے شعور واحساس کو بیدار کرتے ہوئے دلاتا ہے۔

فلو لا کان من القرون من قبلکم اولو بقیته ینتھون عن الفساد فی الارض الا قلیلاً ممن انجینا منھم واتبع الذین ظلمو ما اترو فو فیه وکانو مجرمین (ہود ۱۱۶)

پس کاش تمہارے پیشتر کی امتوں میں ایسے باشعور لوگ ہوتے جو منع کرتے ملک میں فساد (پھیلانے) سے بجز چند لوگوں کے جن کو ہم نے اس سے بچالیا تھا او جو لوگ (اپنی جانوں پر) ظلم کرنے والے تھے وہ جس ناز ونعمت میں تھے اس کے پیچھے پڑے رہے او (عادی) مجرم بن گئے۔

شاعر اسلام ڈاکٹر علامہ اقبال نے اس حقیقت کو اپنی نظم ''ابلیس کی مجلس شوریٰ'' میں بڑی خوبی سے پیش کیا ہے اور صدر مجلس ابلیس کی زبان سے اس خطرہ کی نشاندہی کی ہے کہ جو مسلمان کے وجود، ان کی بیداری اور ان کی عالمی ذمہ داری سے ابلیسی نظام کو لاحق ہے چنانچہ ابلیس اپنے مشیروں سے کہتا ہے۔

توڑ ڈالیں جس کی تکبیریں طلسم شش جہات
ہو نہ روشن اس خدا اندیش کی تاریک رات
تم اسے بیگانہ رکھو عالم کردار سے
تابساط زندگی پر اس کے سب مہرے ہوں مات
خیر اسی میں رہے قیامت تک مومن غلام
چھوڑ کر اوروں کی خاطر یہ جہان بی ثبات
ہے وہی شعر وتصوف اس کے حق میں خوب تر
جو چھپاے اس کے آنکھوں سے تماشائے حیات
ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں
ہے حقیقت جس کی دیں کی احتساب کائنات

---

(۱) ازمغان حجاز

امت کی مسلسل ذمہ داری ونگرانی

اس نقطہ نظر سے یہ بات لازمی ہوجاتی ہے کہ انسانی تمدن میں تاثیری عمل جاری رہے اور وقفہ وقفہ سے اس کا از سرنو جائزہ لیا جاتا رہے اور تخریبی اور شرپسند عناصر اور فاسد ومہلک رجحان سے برابر اس کی حفاظت کی جاتی رہے۔ اس کے خاص طور پر دو اسباب ہیں ایک تو یہ کہ یہ اقوام عالم صلاح وفساد کے نئے اور متضاد عناصر اور تعابع اور ان سے متاثر ہوتی رہتی ہے اور زندگی ہر دم رواں دواں ہے اور اس کا کوئی کاروان کہیں کبھی ٹھہرتا نہیں۔ اس لئے تھوڑے تھوڑے وقفہ سے اس کی سمت ورفتار کو دیکھتے رہنا اور اس کی نئی ضرورتوں کو پورا کرنا ناگزیر ہوتا ہے افسوس کا مقام ہے کہ اس عہد اخیر میں تخریبی ومفسد تحریکوں اور فلسفوں کے زیر اثر آکر ملت اسلامیہ عالمی قیادت کے میدان سے الگ ہوکر گویا اپنے خول میں بند ہوکر رہ گئی ہے۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ امت اسلامیہ ہی آخری آسمانی پیغام کی حامل ایک ابدی امت اور انسانیت کے مرکزی امید ہے اس لئے اسے اپنے پیغام کو سینے سے لگائے رہنا چاہئے۔ اور قافلہ انسانیت کی قیادت اور دنیا کی نگرانی اور عقائد واخلاق اور انفرادی وبین الاقوامی تعلقات پر نظر رکھنا چاہئے۔ اس لئے کہ قومیں صرف تاریخ کے سہارے یا اپنی عظمت رفتہ اور گزشتہ کامرانیوں کی بدولت نہیں، بلکہ جہد مسلسل، دائمی سرگرمی، مستقبل احساس ذمہ داری، ہمہ دم قربانی کیلئے آمادگی، جدت وندرت اپنی تازہ دم اور تازہ کار قوت افادیت وصلاحیت کے بل پر زندہ وتابندہ رہتی ہیں۔ جب وہ اپنے منصب ومقام کو چھوڑ کر گوشہ عافیت میں چلی جاتی ہیں تو تاریخ کے دفتر پارینہ کا حصہ بن جاتی ہیں۔ اور زمانہ انہیں طاق نسیاں پر رکھ دیتا ہے اس لئے امت محمدیہ ﷺ کے لئے ضروری ہے کہ وہ از سرنو اپنے دعوتی، تہذیبی اور قائدانہ کردار کے ساتھ سرگرم سفر ہو۔

زمانہ کا حقیقی خلا

یہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمہ اللہ کی وہ اہم اور تاریخی تقریر ہے جو انہوں نے "جامعۃ الامارات العربیہ العین" میں منتخب دانشوروں، ممتاز علماء، مسلمان عرب نوجوانوں اور طلبہ وطالبات کی ایک بڑی تعداد کی موجودگی میں ۱۵ صفر ۱۴۰۴ھ بمطابق ۱۹ نومبر ۱۹۸۳ء کو فرمائی۔ جس میں حضرت مولانا نے امت کی ذمہ داریوں اس کے مقصد حیات، اور عام انسانی مسائل پر زمان ومکان سے بلند ہو کر موقع وحاضرین کی مناسبت سے پوری طاقت وقوت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين و خاتم النبين محمد واله وصحبه اجمعين و من تبعهم باحسان ودعا بدعوتهم الى يوم الدين.

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی توفیق پر شکر ادا کرتا ہوں جس نے ایسے منتخب دانشوروں، ممتاز فضلاء، مسلمان عرب نوجوان اور جزیرہ کے باشندوں اور ہونہار دوستوں سے ملاقات کا موقع عنایت فرمایا۔ جو ابدی عزت وشرافت کے وارث وامین ہیں اور جن سے مستقبل میں امیدیں وابستہ ہیں۔

زمانہ کا فیشن

میرے بھائیو! آج پڑھے لکھے دل سوز انسانی مشکلات اور اسلامی مسائل سے دلچسپی رکھنے والوں نے ان مشکلات اور مسائل پر کثرت سے اظہار خیال شروع کر دیا، یہی ان کی بحث ومباحثہ کا موضوع بلکہ زمانہ کا فیشن بن گیا ہے۔

ان میں بہت اسے اقتصادی مسئلہ کو اٹھاتے ہیں اور اس کو موضوع گفتگو بناتے ہیں بعض قیادت کا مسئلہ پیش کرتے ہیں اور اس کو اصل ٹھہراتے ہیں کچھ سیاسی مسائل پر اظہار خیال کرتے ہیں بات یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ مزدوری کا مسئلہ کارخانوں میں کام کرنے والے ملازمین کا مسئلہ، کاریگروں کا مسئلہ، غرضیکہ مسائل کا ایک انبار ہے لیکن سارے مسائل ذیلی

ہیں اور طفیلی ہیں یا وہمی اور خیالی حقیقی مسئلہ پوری انسانی برادری کا عالمی مسئلہ ہے۔

میرے بزرگو اور دوستو! قوم اور ملت کی سطح پر صالح نمونہ کے وجود کا مسئلہ ہے میرا روئے سخن افراد کے مسئلہ کی طرف نہیں افراد تو ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے کوئی زمانہ ان سے خالی نہیں تنہا افراد انقلاب نہیں لا سکتے، زمانہ کا رخ نہیں بدل سکتے، مسئلہ اس وقت اس کامل زندہ مثالی نمونہ کا ہے جو قوموں کی سطح پر وجود میں آئے ہیں، ان تمام قوموں اور ملتیں بھیڑ بکریوں کے اس ریوڑ کی طرح ہوگئی ہیں جس کا کوئی چرواہا نہ ہو۔

انسانی دنیا کی تاریک ترین صدی

چھٹی صدی مسیحی انسانی دنیا کی تاریک ترین صدی ہے جس میں نہ انسانیت، نہ زندگی کی رمق، نہ ضمیر کی کسک، نہ دین کا خیال، نہ اخلاقی حس، نہ آسمانی ہی کوئی کتاب محفوظ تھی، نہ محفوظ اور صادق دین کی رہنمائی پورا عالم ایک لاشئہ بے جان، ایک جسم بے روح کی طرح تھا، نور کی کوئی کرن نہیں انسانیت کے قلب میں کوئی درد نہیں تھا، غرضیکہ لوگ تاریکیوں میں بھٹک رہے تھے، کہ اللہ تعالی نے اس جزیرہ پر جس پر آپ اور ہم مل رہے ہیں، یہ جو ہم کو اور پورے مسلمانوں کو دل وجان سے زیادہ عزیز ہے اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا، آپ کی بعثت ایک نبی کی بعثت تھی لیکن وہ منسلک تھی ایک پوری امت کی بعثت کے ساتھ، اس کا ادراک بہت سے لوگ نہیں کر سکے، اللہ تعالی نے اس امت کی ایسی صفات بیان کی ہیں جو کسی مبعوث پر ہی منطبق ہوسکتی ہیں جو مامور من اللہ ہو۔

"کنتم خیر امة اخرجت الناس تامرون بالمعروف و تنھون عن المنکر وتومنون باللہ.

تم بہترین امت ہو، لوگوں کے لئے نکالے گئے ہو تم بھلائی کا حکم کرتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

ہم نے ایسا ما بہ الامتیاز وصف نہیں دیکھا جو دو امتوں اور دو قوموں کے درمیان لکیر کھینچ دے ایسی امت جو مامور من اللہ ہو جس کو ایک ایسی ذمہ داری سونپی گئی ہو، جس سے بڑھ کر کوئی ذمہ داری نبوت کے علاوہ نہیں ہوسکتی، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت، بعثت مقرونہ تھی، وہ ایک امت کی بعثت سے وابستہ تھی۔ یہی وہ چیز ہے جو انسانیت کے انجام پر اثر انداز ہوئی،

مذاہب کی تاریخ، قوموں کے عروج وزوال کی تاریخ اورنظریات ومقاصد کی تاریخ میں یہ ایک نیا تجربہ تھا ہوسکتا ہے قرآن وحدیث کے ماہرین کو اس تعبیر میں انوکھا پن محسوس ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ اس میں جدت اور حد سے تجاوز سمجھیں لیکن اس موقع پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام استشہاد میں پیش کرتا ہوں آپ نے فرمایا:

بعثتم میسرین ولم تبعثوا معسرین

(تم آسانی پیدا کرنے کیلئے مبعوث ہوئے ہو دشواریاں پیدا کرنے کیلئے نہیں)

آپ نے بعثت کا لفظ اختیار کیا اور اس سے صحابہ کرامؓ کو مخاطب کیا یہ ان کے اندر ذمہ داری کا احساس پیدا کرنے کیلئے تھا جو بھیجا جاتا ہے اس کی ذمہ داری ہوتی ہے جو مامور ہوتا ہے اس کی ذمہ داری ہوتی ہے، اس احساس نے صحابہ کرامؓ اور اس کے پیروکاروں کو ایک مہمیز دیا ان کا ہر فرد اگرچہ مرتبہ ومقام کے اس درجہ کو نہ پہنچے اور ثقافت اور تہذیب کے اس معیار پر نہ اترے مگر اس کو یہ احساس رہتا تھا کہ وہ بھیجا ہوا ہے (معبوث ہے) اس سے خدا کے سامنے سوال ہوگا کہ تمہاری موجودگی میں اور تمہارے رہتے ہوئے انسانوں اور قوموں کا یہ انجام کیوں ہوا۔

ہم اللہ ہی کے قاصد ہیں

ایران کے سپہ سالار اعظم نے حضرت ربعیؓ بن عامر (۱) سے جب اسلامی فوج جو عربوں پر مشتمل تھی، ایران پر آئی پوچھا کہ تم کو یہاں کیا چیز لائی ہے کس چیز نے تم کو جزیرۃ العرب سے نکلنے پر مجبور کیا؟

انہوں نے اس کے جواب میں وہ زلزلہ خیز واثر انگیز اور تاریخی جملہ کہا جس کی نظیر حکومتوں اور سربراہوں کے قاصدوں اور سفراؤں کی زبان سے ادا کئے ہوئے جملوں میں نہیں ملتی انہوں نے کہا کہ ''ہم کو کوئی چیز لے کر نہیں آئی اور ہم اپنے لئے نہیں نکلتے ہیں'' تاریخ ایک ریکارڈ ہے خاص طور پر عربی تاریخ، کیوں کہ عرب تاریخ میں بڑے امانتدار ثابت ہوئے ہیں۔ جو تاریخ عربوں نے ریکارڈ کی ہے وہ اپنی باریک بینی اور امانت میں ممتاز ہے تاریخ نے یہ کلمات نوٹ کئے، یہ شہ پارے محفوظ کرلئے جو آج بھی میرے کان سن رہے ہیں۔

---

(۱) حضرت ربعی بن عامرؓ صحابی تھے اور عرب کے ایک شریف اور ممتاز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔

اللہ ابتعثنا (اللہ نے ہم کو بھیجا ہے)

میرے بھائیو! ذرا اعتماد کو دیکھو جو اس اعرابی کی رگ رگ میں سما گیا تھا، کس بلندی سے وہ بات کررہا ہے، احساس کمتری کی کوئی قسم اس کے قریب پھٹکتی نہیں۔

رستم سپہ سالار ایران شاہانہ تزک واحتشام اور اپنی شوکت وسطوت کے ساتھ جلوہ آرائے مسند ہے، ایک دیہاتی آ کر معمولی گھوڑے سے نکلتا ہے اور اس کے کمخواب اور ریشم ودیبا کے فرش وفروش کو روندتا ہوا آگے بڑھ جاتا ہے، وہاں کی ٹیپ ٹاپ نے اس کو ذرا بھی مرغوب نہیں کیا۔ جب رستم نے اس سے کہا کہ تم کو کیا چیز یہاں لائی اس کے متنوع جواب ہو سکتے تھے کم از کم یہ تو ممکن تھا کہ کہتے کہ فقر وفاقہ ہم کو یہاں لایا ہے، یا ذرا آگے بڑھتے تو کہتے کہ خوشحالی اور فارغ البالی کی زندگی گزارنے کے شوق میں نکلے جو ایران میں پائی جاتی ہے، یا قبائل کے ظلم وستم سے مجبور ہو کر یہ اقدام کیا ہے۔ یہ سب کچھ نہیں بلکہ بڑے اطمینان اور قلبی سکون کے ساتھ انہوں نے (ایمان ان کے زبان سے بول رہا تھا، بلکہ امنڈ رہا تھا اور بہہ رہا تھا) کچھ نہیں ان میں سے کوئی چیز ہم کو لے کر نہیں آئی صرف اللہ نے ہم کو بھیجا ہے چھٹی صدی مسیحی کے اسلامی پیغام کے اولین حاملین کے اعتماد کا یہی حال تھا۔

رستم اس بات کی توقع بھی نہیں کرسکتا تھا میرے بھائیو! میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ رستم کو اس بات کی ہرگز توقع نہیں تھی خواب میں بھی اس کو دیکھ نہیں سکتا تھا ایک دیہاتی جو معمولی لباس پہنے ہوئے تھا جس کو ایرانی نہایت حقارت آمیز نگاہ سے دیکھتے تھے یہ ایرانی کون تھے اگر ان میں سے کوئی پٹکا لگاتا تو اس کی قیمت ایک لاکھ سے کم ہوتی تو وہ نگاہوں میں جچتا نہیں تھا بلکہ لوگ اس کو حقیر جانتے تھے، اور ٹوپی ایک لاکھ سے کم ہوتی تو لوگ اس کو گھٹیا تصور کرتے تھے، وہ بڑوں کے ساتھ بیٹھ نہیں سکتا تھا، یہ بدوی جس کا لباس مکمل نہ تھا ہوسکتا ہے اس نے کانٹے اپنا لباس باندھ رکھا ہو وہ کہتا ہے "اور اللہ نے ہم کو بھیجا ہے" یہ کلمہ کیا ہے، اس کا جلال ہے ایک رعب ہے، جس کی گونج دلوں میں ہوگی۔ جس کا ریکارڈ تاریخ میں ہے اس نے جواب دیا نہیں اللہ نے ہم کو بھیجا ہے تاکہ ہم نکالیں" عقیدہ توحید سے سرشار، ایمان ویقین کی دولت سے مالا مال اس اعرابی نے نہایت دقیقہ رسی سے کلام کیا کیونکہ وہ ایک دین کی اور عقیدہ توحید کی آخری آسمانی پیغام کی نمائندگی کررہا تھا۔ اس نے کہا ہم خود نہیں آئے اللہ نے ہم کو بھیجا ہے

یہ بات صرف ایک موجد اور ایک صاحب ایمان ہی کہہ سکتا ہے۔ کہ اگر نکلنا ہی ہوتا تو ہم کب کے نکل چکے ہوتے، مقدر کی بات ہے کہ یہ حکم ہم کو اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے ملا اس لئے انہوں نے کہا ''اللہ نے ہم کو بھیجا ہے'' ہر ہر کلمہ نہایت دقیق اور نپا تلا ہے جیسے سو دفعہ اس پر غور کیا گیا ہو، ماہرین قانون کی دقیق دفعات سے زیادہ عمیق اور دقیق اور لیکن یہ سب دفعتاً ہو گیا ایمان کی زبان سے بول رہا تھا۔ انہوں نے کہا کہ اللہ نے ہم کو بھیجا ہے تا کہ ہم بندوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر خدائے واحد کی بندگی میں داخل کریں۔ اس جملہ سے انہوں نے صاف اشارہ کر دیا۔ کہ تم نے اللہ کے بندوں کو اپنی بندگی کی زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے جو ایران کے طرز حکومت و معاشرت اور کسریٰ اور قیصر کے طرز عمل سے دنیا کو معلوم تھا، اور اس کی شاہانہ نشست اور شاہانہ ٹھاٹ باٹ سے بھی ظاہر ہو رہا تھا۔

حضرت ربعی بن عامرؓ نے یہ بات واضح کرتے ہوئے کہہ دیا کہ ہم کو اللہ نے بھیجا ہی ہے کہ لوگوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر ایک اللہ کی بندگی میں داخل کریں اور دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیا کی وسعت میں لائیں ان جملوں کو سوچ سوچ کر میں عالم حیرت میں کھو جاتا ہوں اگر وہ کہتے دنیا کی تنگی سے نکال کر آخرت کی وسعت میں لائیں تو ذرا بھی تعجب کی بات نہ تھی۔ اگر آخرت کی وسعت کہتے تو بالکل حیرت نہ ہوتی، لیکن انہوں نے تو کہا کہ دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیا کی وسعت میں لائیں، تم پنجرے میں زندگی گزار رہے ہوں، تمہاری زندگی ان خوبصورت پرندوں کی طرح ہے، جن کو پنجرے میں قید کر دیا گیا ہو، پنجرا سونے کا ہو، اس کی تیلیاں سونے کی ہوں، اور جن برتنوں میں ان کو کھانے پینے کے لئے دیا جائے وہ بھی سونے کے ہو لیکن بہر حال پنجرا پنجرا ہی ہے،، تو ہم اس لئے آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ تم کو دنیا کی تنگی سے نکال کر جس کو تم نے اپنی کم علمی، وحی الٰہی سے محرومی، بلند اغراض، پاکیزہ جذبات اور اعلیٰ مقام انسانیت (جس سے اللہ نے تم کو عزت بخشی ہے) سے ناآشنائی کی وجہ سے وسعت تصور کر رکھا ہے۔ اس کی تنگی کو اپنی عبادت مذاہب سے ناواقفیت، اور انسانیت کی حقیقت ناشناسی سے تم نے وسعت سمجھ رکھا ہے، ہم تم کو اس تنگ و تاریک زندگی سے نکالنے کے لئے آئے ہیں تمہارے سینے تنگ ہیں تمہارے دل تاریک ہیں، تمہاری آنکھیں بند ہیں، تمہاری سانسیں رک چکی ہیں، تم کو آزادی کا شعور نہیں، تم حریت آشنا نہیں، روحانی لذت سے

واقف نہیں۔اور انسانی رفعت، روحانی پرواز اور آسمانی بلندی سے آگاہ نہیں، اس تنگی سے تم کو چھٹکارا دلانے کیلئے جس میں تم صدیوں سے گرفتار ہو ہم آئے ہیں اس دنیا کی وسعتوں میں تم کو لانے کیلئے، انہوں نے اس انداز سے یہ بات کہی جیسے کہ ان کو پورا یقین تھا کہ وہ اور ان کے تمام ساتھی جوان کے ہمراہ آئے ہیں، فراخی اور کشادگی وسعت کی زندگی گزار رہے ہیں۔

بھائیو! وہ وسعت والی زندگی کیا تھی، جن پر ان کو ناز تھا کیا وہ عیش وعشرت کی زندگی گزار رہے تھے، وہ تو سخت تنگدستی اور اقتصادی بدحالی کا شکار تھے، نہ غذا کی، نہ سامان کی فراوانی، نہ مکانات ورہائش کی آسانی، خیموں کی زندگی تھی اور صحرانوردی، لیکن ہاں! ان کے دل ایمان کی دولت سے مالا مال، اور یقین کی لذت سے سرشار تھے، اس لئے ان کی زبان کھلی تو یہ لازوال الفاظ اور جملے نکلے۔

اللہ نے ہم کو بھیجا ہے تا کہ جس کو وہ چاہے بندوں کی بندگی سے نکال کر صرف ایک اللہ کی بندگی میں داخل کریں۔اور دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیا کی وسعت میں پہنچائیں، اور مذاہب و ادیان کے ظلم وستم سے نجات دلا کر اسلام کے عدل وانصاف کے سایہ میں لائیں۔

اس امت کا بھیجا جانا جو ایمان میں نرالی، اپنے اعتماد میں مثالی، اپنی سیرت وکردار میں بے نظیر، انسانیت پر رحم وکرم کرنے میں انوکھی، اپنی سادگی پرکاری ضرب المثل، اور انسانی ہمدردی وغمخواری اور جن تکلیف دہ حالات سے انسانیت دوچار ہے، اس پر بے قراری اور بے چینی میں اپنی مثال آپ ہے، ایک نیا تجربہ تھا، یہ بھیجا جانا (بعثت) اجتماعی بعثت تھی، قومی بعثت تھی، اس لئے پورا عرب اس لڑی میں پرو گیا، اور سب کے سب پیغام آسمانی کے حامل، رہنماو رہبر اور منارہ نور بن گئے۔اسی نے تاریخ کو نیا رخ دیا، کیونکہ چھٹی اور ساتویں صدی مسیحی اس سے کہیں آگے جا چکی تھی، کہ چند صالح افراد اس میں اثر انداز نہ ہوسکیں، قرآن کی شہادت موجود ہے، کہ وہ یہود جو قرآن کے نزدیک اور قرآن کی انزال کرنے والے نظر میں مبغوض ترین قوم تھے، ان میں نیک اور صالح افراد پائے جاتے تھے۔قرآن فرمارہا ہے۔

لَیْسُوْ سواء من اهل الكتاب اناء الليل وهم يسجدون يومنون بالله واليوم الآخر ويأ مرون بالمعروف ويسارعون فى الخيرات واولئک من الصالحين.

ترجمہ: سب یکساں نہیں (انھیں) اہل کتاب میں ایک جماعت قائم ہے، یہ لوگ اللہ کی آیتوں کو اوقات شب میں پڑھتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں، یہ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور بدی سے روکتے ہیں اوراچھی باتوں کی طرف دوڑتے ہیں، یہی لوگ نیکوں کاروں میں سے ہیں۔

قرآن گواہی دے رہا ہے کہ یہودی معاشرہ نیک اور صالح افراد سے خالی نہ تھا لیکن انسانی سوسائٹی پران کا کوئی اثر نہیں تھا، اور نہ انسانیت کے انجام پر وہ اثر انداز تھے، اس لئے کہ کہ وہ گنے چنے افراد تھے، ایک پوری قوم کی جو عقیدہ کی پختگی ایمان ویقین کی حلاوت، اخلاق وکردار کی بلندی ایثار وقربانی کے جذبہ، شہ سواری وسپہ گری کے حوصلے اور سنجیدگی ومتانت کے اس معیار پر ہوتب ہی وہ ایسا عظیم اور غیر معمولی انقلاب برپا کرسکتی ہے، جس کا انسانی تاریخ نے مشاہدہ کیا۔

میرے بھائیو: یہی وہ راز ہے، درحقیقت اصل جودشواری ہے، جوسب سے بڑا خلا ہے وہ کسی ایسی قوم کا موجود نہ ہونا ہے جوتمام قوموں کے لئے مثالی ہو، قومیں افراد کو خاطر میں نہیں لاتیں، یہ ایک حقیقت ہے کہ اور خاص طور سے موجودہ دور کی جن کے ہاتھ میں زمام قیادت ہے، وہ چند افراد کے صلاح وتقویٰ کو نہیں دیکھتیں کیوں کہ چند افراد تو ہر قوم میں پائے جاتے ہیں، عربوں میں بھی ہیں، مسلمانوں میں بھی ہیں، لیکن یہ قومیں افراد کو نہیں دیکھتیں، ان کی نظریں منتظر ہیں، ایسی قوموں کی یا ایسی قوم کی جو انسانیت کی قیادت کی صلاحیت رکھتی ہو، جو دوسری قوموں سے عقیدہ کی صلاحیت میں، ایثار وقربانی کے جذبہ میں سادگی اور مجاہدہ میں، خواہشات نفس سے بلند ہوکر اور انانیت سے بالاتر ہوکر زندگی گزارنے میں ممتاز نظر آئے اور اس کو اس چیز میں کوئی کشش اور جاذبیت محسوس نہ ہو، جس میں دوسری قوموں کو محسوس ہوتی ہے، چاہے وہ قومیں سیادت وقیادت، تہذیب وثقافت علوم وفنون اور فلسفہ وحکمت کے بام عروج پر کیوں نہ پہنچ جائیں، تمام یورپی قومیں بلکہ پوری انسانی دنیا ذرا بھی ماننے کو تیار نہیں اور سر اٹھا کر کسی ایسی قوم کو دیکھنے کیلئے تیار نہیں جو ان قوموں کے مقابلے میں شان امتیازی نہیں رکھتی، کیوں کہ ان کے مقابلہ میں ان کو دنیا کم ملی ہے، اگر یہ بھی اس دنیا کے پیچھے لگے اور انھیں خواہشات کے چکر میں پڑ گئے، اور اسی طرح عیش کوشی اور لذت پسندی کا شکار ہو گئے، جس کی یورپ میں پوجا ہو رہی ہے، تو میرے بھائیو یقین کیجئے کہ ہمارے مسلمان بھائی ان سے کئی گنا بڑھ جائیں۔

ان تمام وسائل عیش وعشرت میں مال ودولت کی فراوانی میں وسیع وعریض حکومتوں میں، اور علوم وفنون کی ترقی میں تو معاصر دنیا مسلمانوں اور عربوں کو خاطر میں لانے والی نہیں ہے، اسی لئے کہ وہ سمجھ رہے ہیں بلکہ ان کو ناز وغرور ہے، کہ وہ دنیا کے پیشوا ہیں، تہذیب وتمدن کے امام ہیں، تمام قومیں ان کے دستر خوان کی زلہ ربا اور ان کی خوشہ چیں ہیں، کوئی بڑے سے بڑا آدمی امریکا یا یورپ، متمدن سے متمدن شہر میں چلا جائے، دولت کے انبار لگا لے، اونچی اونچی بلڈنگیں اٹھا لے، ایک خیالی دنیا بسا لے، اور ایسی داد عیش دے کر داستان الف لیلیٰ کی یاد تازہ ہو جائے، تو بھی کوئی یورپین میں سر اٹھا کر دیکھنے کو اور نہ کسی کا احترام دینے کو تیار ہوگا، اور نہ جبیں سائی کے لئے آمادہ ہوگا۔

اسی کے برخلاف اگر وہ کسی ایسے شخص کو پالے جو اگرچہ فقیر ہی کیوں نہ ہو لیکن ان تمام خواہشات سے بلند وبالاتر ہو، جن کی یورپین اقوام پرستش میں مبتلا ہیں، وہ دیکھیں کہ یہ چمک دمک اس کی آنکھوں کا خیرہ نہیں کرتی، یہ صنعت وحرفت کا رعب اور اس کی رعنائی اس کو مرعوب نہیں کرتی، یہ تہذیب وتمدن کا ٹیپ ٹاپ اس کو لبھا نہیں سکتا، بلکہ وہ اس بحر متلاطم میں کوہ گراں کی طرح ثابت قدم ہے، وہ سمندر کی تاریکیوں میں منارۂ نور ہے، اس تہذیب کی اس کو ذرہ برابر پرواہ نہیں بلکہ وہ اس کا مذاق اڑاتا ہے، اور چوسی ہوئی گٹھلی کی طرح اس کو حقیر سمجھ کر پھینک دیتا ہے اور صاف صاف کہہ دیتا ہے، وہ ایک قاصد اور حامل پیغام ہے، وہ انسانیت کا نجات دہندہ ہے، سارا عالم جل رہا ہے، وہ آگ بجھانے والا اور ان کا مددگار ہے، ساری دنیا امراض کا شکار ہے، وہ طبی کیمپ لے کر آیا ہے، یہی وہ اعتماد اور یقین ہے، جو ایک یورپین، ایک ہندو، ایک چینی، ایک جاپانی کو مجبور کر دے گی کہ سو دفعہ غور کریں کہ اسلام میں ایسی نسل اور ایسی قوم پیدا کرنے کی پوری قدرت اور صلاحیت ہے۔

جہاں تک مال ودولت کا تعلق ہے اس سے موازنہ ہوتا ہے، حساب لگایا جاتا ہے کلکلیٹ کیا جاتا ہے، کوئی ملیز ہے تو کوئی نہیں، ایک لکھ پتی ہے تو دوسرا نہیں، اور کوئی اس سے بھی آگے بڑھ جاتا ہے،۔ یہ چیز کسی انسان کو اس دنیا میں اس شخص کے احترام اور عزت پر آمادہ نہیں کر سکتی جس کے پاس عیش وعشرت کے سارے وسائل موجود ہوں۔

جس خلا کو ساتویں صدی مسیحی مین امامت اسلامیہ نے پر کیا تھا، وہ عالمی قیادت کا خلا تھا،

جس کو پوری صلاحیت اور قدرت کے ساتھ اس نے پر کیا، یہ پوری امت کی بعثت کا کرشمہ ہے، جس کا ایک ایک فرد منارۂ نور، حامل ایمان ویقین تھا، جس نے ظلمتوں میں اپنی راہ پیدا کی۔

حضرت عقبہ بن نافعؓ نے فرمایا تھا کہ یہ سمندر حائل نہ ہوتا تو میں برابر چلتا چلا جاتا یہاں تک کہ آخری گناہ تک اسلام کا پیغام پہونچا دیتا، اسی طرح وہ اعتماد ویقین کی دولت سے مالا مال تھے، مسلمانوں کا ایمان تھا کہ ان کو بھیجا گیا ہے، وہ اللہ کی طرف سے مامور ہیں ان میں سے ہر فرد ذمہ داری کا پورا احساس رکھتا تھا، وہ سمجھتا تھا کہ اس کے حوالہ ایک قیمتی امانت کی گئی ہے، انسانی انجام کی امانت، جس کے بارے میں اس سے سوال کیا جائے گا، اسی نے اسلامی عربی امت کا مقام متعین کیا، اس کا کام اور میدان متعین کیا اور دین وملت کی اقتصادی وسیاسی معرکہ آرائی میں اس کے قائدانہ کردار کی نشاندہی کی۔

غرض کہ اس وقت ہم کو ایک اجتماعی صالح نمونہ پیش کرنے کی قوموں اور ملتوں کی سطح پر ضرورت ہے۔

آج زمانہ لہولعب اور ذلت ورسوائی سے عبارت ہے!

آج زمانہ لہوولعب اور ذلت ورسوائی سے عبارت ہے، اور اسی طرح کی خبریں شائع ہوتی ہیں، رسوا کن یا پھر پریشان کن، اگر آپ ایسی خبریں تلاش کرنے لگیں جو رسوائیوں اور پریشانیوں سے تعلق رکھتی ہوں تو آپ تھک ہار کر بیٹھ جائیں گے، یہ بات اس لئے پیش آئی کہ ہم مقصدیت سے رشتہ توڑ کر لہو ولعب کا شکار ہو گئے، رسوائی قبول کر لی، ایمان صحیح اور اعتماد ویقین سے بیگانہ ہو گئے، وہ اعتماد جس سے ہر مسلمان کو لیس ہونا چاہئے، کیوں کہ جس مدد کی موجودہ دنیا کو سخت ضرورت ہے اور دنیا جس کو بار بار دہائی دے رہی ہے، امت اسلام کو پکار پکار کر مدد کیلئے بلا رہی ہے، وہ یہی ایمان ویقین ہے۔

پورا یورپ اس کتے کی طرح ہو چکا ہے

پورا یورپ اس کتے کی طرح ہو چکا ہے جو ہانپتا رہتا ہے، مارو اور دوڑاؤ تو بھی ہانپے اور چھوڑ دو تو بھی ہانپے اور یورپین تمدن اس جگالی کرنے والے اونٹ کی طرح ہے جو برابر جگالی میں لگا رہتا ہے، یورپین تمدن اپنی افادیت کھو چکا ہے، اس کے پاس کوئی نئی اور مفید چیز باقی نہیں رہ

گئی ہے، یورپی دانشور سترھویں، اٹھارہویں، انیسویں صدیوں، میں جدت پیدا کرنے سے ہار چکے ہیں، وہ ایک ہی چیز دہرائے چلے جا رہے ہیں، لے دے کے ان کے دو کام رہ گئے ہیں، غلام بنانا، بے جا دباؤ ڈالنا، رسوا کرنا، مسائل کھڑے کرنا، وہ بامقصد اور مفید کام کی صلاحیت کھو چکے ہیں، وہ دیوالیہ ہو چکے ہیں، نہ ان کے یہاں جدت ہے نہ نافیت، ایمان میں تو پہلے سے دیوالیہ تھے، انسانیت کی چارہ سازی، ، انسانی ترقی اور تہذیب وتمدن کے ارتقاء میں بھی وہ دیوالیہ ہو چکے، ایسا دیوالیہ پن جس کی کوئی نظیر نہیں، اس وقت صرف ایک خلا ہے، کسی دوسرے خلا کو تسلیم کرنے کو تیار نہیں، عالم تمدن اور انسانی انجام کار کے نقشہ میں صرف ایک خلا ہے، وہ ایک ایسی امت کا خلا ہے، جو حامل پیغام ہو، سیرت وکردار کی آئینہ دار ہو، اخلاق وعادات کی بلندیوں پر فائز ایمان ویقین سے، سرشار ہو، سنجیدہ ہو اور عزم وحوصلہ والی ہو، ایثار وقربانی کا جذبہ رکھتی ہو، روحانی بالیدگی سے ہمکنار اور سپہ گری سے متعصف ہو، انسانی دنیا کے نقشہ میں یہی تنہا ایک خلا ہے، جس کو ایک مسلمان قوم ہی پر کر سکتی ہے، کیونکہ وہ ساتویں صدی عیسوی سے اخیر تک قیادت کے فرائض انجام دیتی رہی ہے، اگر آج بھی اپنی قیمت جان لے اس کو اپنے پیغام کی عظمت وجلال کا احساس ہو جائے اور اپنے قوت کے سرچشموں سے اس کو آگاہی حاصل ہو جائے تو انسانیت کی قیادت ورہنمائی کا فریضہ انجام دیتی رہے گی، لیکن ہم خود لہو ولعب کا شکار، اور غفلت شعار ہو چکے ہیں، میں معافی چاہتے ہوئے یہ کہنے کی اجازت چاہتا ہوں (اگرچہ میری پیدائش اور میرا نشوونما ہندوستان میں ہوا) لیکن میری رگوں میں عربی خون خود بخود دوڑ رہا ہے، میں اس پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں، میرا نسب نامہ حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے، اگر آپ سے کچھ کہا سنا تو ایک بھائی کے ناطہ سے جو آپ کا دینی بھائی بھی ہے اور نسبی بھائی بھی، جس سے ادب کا، زبان کا اور احساسات کا رشتہ قائم ہے تو میرے بھائیو، آپ مجھ سے ناراض نہ ہوں۔

یہ اسلامی عربی امت کب اپنے پیروں پر کھڑی ہوگی، اور کب از سر نو پیغام انسانی کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوگی، زمانہ پلٹ کر پھر وہیں جا پہونچا، جہاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کام کی ابتداء کی تھی، آج پھر جاہلیت کا دور دورہ ہے، ایک عالمی جاہلیت، ایک یورپی جاہلیت، امریکی روسی جاہلیت، لیکن جاہلیت جاہلیت ہے، صرف ایک روشنی ہے، وہ اسلام کا

نور ہے، وہ نور آج بھی قرآن مجید کے واسطہ سے عربوں کے پاس قرآن کے صفحات میں اور سیرت کی کتابوں میں موجود ہے، ہم ہندوستان والے، برصغیر کے رہنے والے جزیرۃ العرب کی طرف نگاہیں اٹھا اٹھا کر دیکھتے ہیں، ایک قائد امت کی حیثیت سے اور ایک حامل پیغام امت کی حیثیت سے بڑے افسوس اور شرمندگی کی بات ہے کہ ہم کو ایک تجربہ ہوا جو نہ ہمارے حسب حال تھا اور نہ آپ کے شایان شان ہمارے بہت سے بھائی آپ کے دریوزہ گر ہیں آپ کے خوان نعمت کے خوشہ چیں ہیں، لیکن حقیق خوشہ چینی اور دریوزہ گری قرآن وایمان کے دستر خوان اور اس کی نعمت ہائے لازوال ہے۔

ہم اپنے ہندوستانی اور پاکستانی بھائیوں سے کہتے رہتے ہیں کہ ہم جو دولت اپنے عرب بھائیوں سے پٹرول کی شکل میں حاصل کر رہے ہیں یہ اصل دولت نہیں ہے بلکہ اصل وہ نور ہے جو مکہ مدینہ میں چمکا وہی عربوں کی اصل دولت ہے، اس میں ہمارا حصہ ہونا چاہئے، میں اپنے نوجوان سے بہت پر امید ہوں کہ وہ اپنے کو اس بلند منصب کے لئے تیار کریں گے، قیادت ورہنما کے منصب کے لئے اور ان تہذیب یافتہ لوگوں کے لئے ایسا ایمانی وقابل تقلید نمونہ پیش کریں گے، جو تہذیب وتمدن اور ترقی پسندی وپیش قدمی کے دعویدار ہیں۔

امریکہ اور یورپ کے دورہ میں یونیورسٹیوں کے بڑے اساتذہ سے یہ سن کہ بہت افسوس ہوا، کہ ہم نے اپنے عرب مسلمان نوجوانوں میں شان وامتیازی نہیں دیکھی، دوسروں کے رنگ میں رنگے ہوئے اور انہیں کے سانچہ میں ڈھلے ہوئے نظر آئے، ہم جزیرۃ العرب میں رہیں تو نمونہ بن کر رہیں اور جب امریکہ اور جاپان جائیں یا کسی بھی ملک میں جائیں تو وہاں بھی قابل تقلید نمونہ بن کر رہیں مسلمان تو ایک نور ہے اور نور چھپ نہیں سکتا۔

یہ ایک امانت ہے جو میں آپ سے کہنا چاہتا تھا، میرے دوستوں اور بھائیوں کی طرف سے یہ پیغام نہیں ہے بلکہ یہ انسانیت کا پیغام ہے، اگرچہ میں بہت چھوٹا ہوں لیکن میں انسانیت کا نمائندہ ہوں۔

میرے کان، دلوں کی دھڑکنیں، ضمیر انسانی کی آواز اندرون کی سرگوشیاں سن رہے ہیں، میں یہاں کہہ رہا ہوں، لیکن دنیا کے آخری حصہ میں امریکہ اور یورپ والوں کے جذبات وخیالات میرے کان سے ٹکرا رہے ہیں، آپ بھی ان کو سن کر محسوس کر سکتے ہیں، اگر ہ زندہ

ٹرانسمیٹر سے رابطہ قائم کریں۔

میں اپنی بات اپنے نوجوانوں سے کہتا ہوں کہ اپنے آپ کو تیار کرو اپنی بیٹری ایمانیات سے چارج کروں، سنجیدگی ومتانت، پختگی اور حوصلہ مندی کا اپنے کو عادی بناؤ، شہ سواری اور اولوالعزمی اپنے اندر پیدا کرو، خواہشات نفس اور انانیت سے بالاتر ہوکر کام کرو، نہ مال کے غلام بنو نہ جاہ کے اور نہ مادہ پرستی میں مبتلا ہو، تم خالص اللہ کی بندگی میں داخل ہوکر اس کے بندے بن کر رہو، تا کہ یہ کہہ سکو، ''اللہ نے ہم کو بھیجا ہے کہ جس کو وہ چاہے اس کو بندوں کی بندگی سے نکال کر صرف ایک اللہ کی بندگی میں داخل کریں، اور دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیا کی وسعت میں داخل کریں اور مذاہب وادیان کی زیادتیوں سے نجات دلا کر اسلام کے انصاف میں داخل کریں''۔

پورا عالم ہمہ تن گوش ہے کہ اس کے کان میں یہ صدا پھر گونجے، یہ محبت آمیز کلمے وہ سنے، جس نے تاریخ کے دو حصوں میں تقسیم کر دیا، اور انسانیت کو اور قوموں کو دو خانوں میں بانٹ دیا، ایک خوش بخت اور نصیب آور، دوسرا بد بخت اور شقی، ایک نجات پانیوالی، دوسری ہلاک و برباد ہونے والی، میں اس پر اکتفا کرتا ہوں اور طرا اس قیمتی موقع کی فراہمی پر دوبارہ شکریہ ادا کرتا ہوں، کہ اپنے نوجوانوں سے ملاقات کا اور ان سے صاف صاف کھل کر سچائی اور اخلاص کے اتھ بات کرنے کا موقع ملا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اسلام اور خدمت خلق

ایک ہونہار ندوی فاضل ظہیر احمد صاحب صدیقی ندوی نے منصوبہ بند طریقہ پر رفاہی کاموں کا بیڑا اٹھایا ہے، جس کے تحت ایک حیات ہاسپٹل اور حیات موبائل ہاسپٹل بھی ہے اور الحمد للہ یہ کام شروع بھی ہو چکا ہے، سر دست پندرہ بیڈوں کے لئے تعمیر ہو چکی ہے، اور خدمت خلق کا جذبہ رکھنے والے ڈاکٹر حضرات اور نرسیں کام کر رہی ہیں، اس ہاسپٹل کے افتتاح اور ایک نئی عمارت کا سنگ بنیاد حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، رحمۃ اللہ کے ہاتھوں انجام پایا، اس تقریب میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیمات مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس صاحب ندوی، مہتمم دارالعلوم مولانا سید محمد رابع (۱) صاحب حسنی ندوی، صدر شعبۂ عربی دارالعلوم، مولانا سعید (۲) الرحمٰن اعظمی ندوی، ایڈیٹر الرائد مولانا واضح رشید ندوی اور دیگر اساتذہ کرام کے علاوہ اعیان شہر نے بھی ہمہ گیری کا ایک حصہ ہے جو اسلام کی اصل روح کو پیش کرتی ہے جبکہ اس وقت یہ کہا جا رہا ہے کہ اسلام چند عبادتوں اور رسومات کا مذہب ہے، اس ہاسپٹل کے بانی دیگر اور رفاہی کام انجام دے رہے ہیں، ہماری دعا ہے کہ یہ ادارہ مثالی خدمت انجام دے اور دوسرے شہروں کے مسلمانوں میں بھی یہ جذبہ کخدمت بیدار ہو جو اسلامی روایات کا نقش قائم کرے۔

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ و السلام علی سید المرسلین وخاتم النبیین محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ أجمعین ومن تبعھم باحسن الی یوم الدین.

حضرات: میرے لئے، میرے رفقاء کے لئے اگر زیادتی نہ ہو تو میں کہوں کہ تمام حاضرین کے لئے یہ بڑی خوش قسمتی کا بلکہ بڑی برکت کا اور قابل شکر موقع ہے کہ ہم ایک رفاہی مرکز میں ایک رفاہی کام کے سلسلہ میں جمع ہوئے ہیں، آپ کو معلوم ہے کہ اسلام میں خدمت خلق کو کیا درجہ دیا گیا ہے، کسی مذہب میں (جہاں تک میرا مذاہب کا تقابلی مطالعہ ہے) مجھے نہیں معلوم اور مجھے اب تک اس کا کوئی ثبوت نہیں ملا کہ اللہ کے بندوں کی خدمت، خلق اللہ کی خدمت پر اتنی رضامندی اور خوشی کا اظہار کیا گیا ہو اور اتنا سراہا گیا ہو، اتنا اعزاز دیا گیا ہو، جو کم کسی چیز کے لئے ہوتا ہے، حدیث میں آتا ہے "**خیر الناس من ینفع الناس**" لوگوں میں

---

(۱) حال ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء

(۲) اب مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ...... صدر مسلم پرسنل لا بورڈ ہندوستان

سب سے بہتر وہ ہے جو لوگوں کے کام آئے، ان کو فائدہ پہونچائے اور پھر ''من فرج عن مومن كربة فرج الله عنه كربة من كرب يوم القيامة'' جو شخص کسی صاحب ایمان کی ایک تکلیف کو دور کرے گا تو قیامت میں اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں اس کی تکلیف کو دور کریں گے۔

اسلام میں خدمت خلق کو عام طور پر جو قانون الٰہی ہے اس کے لحاظ سے اس کا دور ہونا بہت مشکل ہوتا ہے اس کی بڑی ترغیب دی گئی ہے اور اس کو قرآن وحدیث میں بڑا درجہ دیا گیا ہے جو کسی انسان کی تکلیف کو دور کردے یہاں تک کہ اگر راستہ کا پڑا ہوا پتھر ہٹا دے، کوئی پانی پی رہا ہو اس کا گلاس بھر دے، یا اگر راستہ میں کوئی خطرہ ہو اس سے لوگوں کو آگاہ کردے یا اسے دور کردے تو اس کا بڑا اجر بتایا گیا ہے، اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں، اور اگر آپ حضرات نے تاریخ پڑھی ہے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ عالم اسلام میں خدمت خلق کے ایسے ایسے نمونے بلکہ ادارے اور مرکز قائم ہوئے ہیں جن کی دنیا میں مثال ملنی مشکل ہے اور ایک زمانہ میں اس کام کو ایک بڑی عبادت اور اجر وثواب کی چیز سمجھ کر کیا گیا ہے، اور خاص طور پر یہ جو طب کا فن ہے، اس میں اللہ کے اجر کی طلب، اس کی رضا اور خوشنودی کا شوق، اس کی لالچ اور حسن نیت کو شامل کیا گیا ہے، جو ہمارے علم میں کسی اور مذہب میں نہیں ہے، اس میں لوگوں کی تکلیف کو دور کردینا، ان کو دوا کھلانا اور اس کا علاج کردینا ایک بہتر کام ہے لیکن کسی مذہب میں اس پر اللہ کے اجر کا وعدہ اور اس کا اعلان اور اس کام میں اس طرح کے جذبہ کی قبولیت کا ذکر نہیں ہے میری تاریخ مذاہب کے محدود تقابلی مطالعہ میں مجھے یہ بات نہیں ملی، آپ دیکھیں گے کہ ایسے مسلمان اطباء گذرے ہیں، اللہ کے ایسے نیک بندے گذرے ہیں، جنھوں نے مخلوق کی تکلیف کو دور کرنا، اسے خطرہ سے باہر نکالنا خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو، اعلیٰ درجہ کی عبادت سمجھا ہے، اور اس کو بعض اوقات نفلی چیزوں پر ترجیح دی ہے کہ اللہ کے کسی بندہ کی تکلیف ہمارے ذریعہ سے دور ہوجائے تو اللہ تعالیٰ ہم سے ایسا راضی ہوگیا جیسا ہماری کسی عام عبادت پر نہیں اس طرح کے واقعات سے پوری تاریخ بھری پڑی ہے۔

حضرات: آپ طب اسلامی کی، مسلم اطباء کی، حکمت وطبابت اور فن طب وعلاج کی تاریخ پڑھیں اور خاص طور پر اگر سوانح اور تذکرہ کی کتابوں کو دیکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ انبیاء

کرام مشائخ عظام، صوفیاء اور اولیاء اللہ بھی اس کو کتنی ترجیح دیتے تھے، ان کے ایسے واقعات ہیں کہ حیرت ہوتی ہے، کہ انھوں نے اتنی بڑی قربانی دی، اتنی بڑی مشقت برداشت کی، راتوں کو جاگنا، دوسروں کی تکلیف کو دور کرنے کے لئے خود کو تکلیف میں ڈالنا، اس کے واقعات آپ کو تاریخ وسوانح کی کتابوں میں ملیں گے، جن سے کتب خانے بھرے پڑے ہیں۔

دیکھئے: انسان کو اپنی بنائی ہوئی ہر چیز عزیز ہوتی ہے چھوٹی سے چھوٹی چیز عزیز ہوتی ہے، یہ ادارہ تو بہت بڑی چیز ہے اس ادارہ کی ایک ایک اینٹ بھی عزیز ہے، اللہ تعالیٰ کو اپنے پیدا کی ہوئی مخلوق عزیز کیوں نہ ہو، مذاہب کا مسئلہ الگ ہے، وہ تو نجات کا معاملہ ہے اور قیامت کے دن اس کا فیصلہ ہوگا لیکن اس دنیا میں تو اللہ تبارک وتعالیٰ خود کو رب العالمین کہتا ہے، رب المسلمین کہیں نہیں آیا ہے اور پھر رب کا لفظ عربی میں اتنا عام جامع اور وسیع ہے کہ اس کے مقابلہ میں اردو کا کوئی مفرد لفظ نہیں رکھا جاسکتا کہ ہر طرح کا خیال رکھنے والا ہر طرح کی خبر گیری کرنے والا، اس طرح یہ بہت بڑی خدمت ہی نہیں بلکہ اس کو میں ایک عبادت سمجھتا ہوں جس کے لئے یہ مرکز قائم کیا گیا ہے اور اس پر اپنی مسرت اور اپنے اس احساس کا بھی اظہار کرتا ہوں کہ مسلمانوں میں اس چیز کی کمی تھی، ضرورت تھی کہ ہر بڑے شہر میں کیا معنیٰ ہر شہر میں خاص طور پر مسلمانوں کی طرف سے ایک اسپتال ہوتا، جس کے اندر اس دل سوزی، ہمدری اور فکر کا اظہار ہو جو عام اسپتالوں میں نہیں ہوتا اس لئے کہ وہاں تو فن ہے، سائنس ہے اور ڈیوٹی ہے لیکن یہاں تو اجر بھی ہے، ثواب کی امید بھی ہے، اس کی ضرورت کا احساس بھی ہے اور پھر اس میں ہر انسان کو آدم کی اولاد ہونے کی بناء پر، بعض اوقات ہم وطن ہونے کی بناء پر اور بعض اوقات دوسرے اور رشتوں کی بناء پر صرف ڈاکٹر اور مریض کے رشتہ کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا بلکہ کئی رشتوں کی رعایت کر کے دیکھا جاتا ہے، اس لئے ایسے اسپتالوں کی خاص طور پر مسلمانوں کی طرف سے بنانے کی ضرورت تھی اور اس میں وہ عناصر شامل ہو سکتے تھے اور ہوتے ہیں جو ''ایمان'' کا نتیجہ ہیں، انسانی ہمدردی کا نتیجہ ہیں اور جو اللہ کی مخلوق کو اپنی برادری اور ہم جنس سمجھنے کے عقیدہ میں داخل ہیں، اس لئے ہمیں بڑی خوشی ہے کہ ہمارے اس تاریخی شہر میں، اس بڑے علمی مرکز میں اور ایک بڑے شاندار روایات اور تاریخ کے حامل شہر میں ایک اسپتال ہم

مسلمانوں کی طرف سے قائم ہو رہا ہے، ہمیں امید ہے کہ یہاں اس ہمدردی، اس دل سوزی، اور مساوات اور اس اخلاص وتندہی کا اظہار ہوگا، جو عام طور پر اسپتالوں میں نہیں ملتا، میں اسپتالوں کی تحقیر کئے بغیر اور اس پر تنقید کئے بغیر کہتا ہوں کہ یہ نتیجہ ہے اس شریعت اور اس اخلاقی تعلیم کا جو اسلام نے دی ہے کہ آدمی کو انسان سے محبت ہونا چاہئے اور کسی انسان کو کوئی تکلیف پہونچے تو اس تکلیف کا احساس ہونا چاہئے اور اس کی صدہا نہیں ہزار رہا مثالیں تاریخ اسلام میں پائی جاتی ہیں، میں مبارکباد پیش کرتا ہوں اپنے ان عزیزوں اور بھائیوں کو جنھوں نے اس کا بیڑا اٹھایا اور اس کام کی بنیاد ڈالی اور پھر وہ اس کو اس پیمانہ اور اس معیار پر لے جا رہے ہیں کہ جو اس کو بڑے بڑے اسپتالوں کے مقابلہ میں انشاء اللہ ممتاز بنا دے گا، اللہ کے، بندوں بیماروں اور مصیبت کے ماروں کو اس سے آرام ملے گا اور ان کی دعائیں حاصل ہوں گی، میں دوبارہ مبارکباد دیتا ہوں یہاں کے ذمہ داروں کارکنوں، خادموں اور داعیوں کو جنھوں نے ہمیں بھی اس مسرت میں شریک کیا، میں دعا کرتا ہوں کہ یہ اسپتال کامیاب بھی ہو، نیک نام بھی ہو اور جاذب بھی ہو، اس کے اندر ایسی جاذبیت اور خصوصیت ہو کہ لوگ اس کی طرف کھنچیں اور اس کو دوسرے اسپتالوں اور ترجیح دیں، اللہ تعالیٰ دنیا میں اسے مصیبتوں سے نجات اور خدمت خلاق اور آخرت میں مغفرت کا ذریعہ بنائے، آمین۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

انسان کی فطرت میں عشق ومحبت کا عنصر

الحمد لله نحمده ونستعينه ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادی له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريک له ونشهد ان محمداً عبده ورسوله صلى الله تعالىٰ عليه وعلى آله واصحابه وسلم تسليما كثيراً كثيرا

اسلام توحید کا دین ہے اس میں وساطت ووکالت کی ضرورت نہیں

اسلام توحید خالص کا دین ہے، وہ خدا اور بندہ کے درمیان کسی، وساطت[1] اور ''ایجنسی'' کا قائل نہیں، وہ کسی ایسی محسوس اور مادی چیز کا روادار نہیں، جس کو انسان اپنے فکر وخیال میں معبود کی طرح بسا کر اپنی ساری توجہ اور ہمت وقوت اس پر مرکوز کر دے، اور اس کے دامن سے وابستہ ہو جائے، اس میں نہ تو واسطوں کی گنجائش ہے، نہ مظاہر کی، نہ تصویروں کی نہ بتوں کی، نہ یہاں پادری اور پروہت کے قسم کا کوئی طبقہ پایا جاتا ہے، نہ کاہنوں اور مجاوروں کے طرز کی کوئی جماعت۔

اللہ تعالیٰ کا صاف ارشاد ہے۔

واذاسألک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوة الداع اذادعان فليستجيبوا لی وليو منو ابی لعلهم يرشدون[2]

اور جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو میں تو قریب ہی ہوں، دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں، جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے پس (لوگوں کو) چاہیئے کہ میرے احکام قبول کریں، اور مجھ پر ایمان لائیں، عجب نہیں کہ ہدایت پا جائیں۔

---

(۱) سوائے انبیاء مرسلین کے، اس معنی میں کہ وہ تبلیغ ورسالت، اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کی پاکی کے بیان اور صراط مستقیم کی طرف رہنمائی میں خدا اور اس کے بندوں کے درمیان ضروری واسطہ ہیں اور اسی پر ایمان کا انحصار ہے

(۲) سورہ بقرہ۔۱۸۶

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

فاعبدالله مخلصاًله الدين، الالله الدين الخالص والذين اتخذو امن دونه اولياء مانعبدهم الا ليقربونآ الى الله زلفى.

سو آپ خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کی عبادت کرتے رہیے، یاد رکھو عبادت خالص اللہ ہی کے لئے ہے اور جن لوگوں نے اس کے سوا اور شرکاء تجویز کرر کھے ہیں (کہ) ہم تم ان کی پرستش بس اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو خدا کا مقرب بنادیں۔

اس کے علاوہ اسلام ایک ایسا دین ہے جو خیال کی پاکی، فکر کی بلندی، نیت وارادہ کی صفائی ودرستی، غیر سے بے تعلقی اور عمل میں اخلاص کے اس معیار اور فکر اور عقیدہ کی اس سطح پر ہے جس سے بہتر معیار اور بلند سطح ناقابل تصور ہے، دنیا کے تمام مذاہب، فلسفے، دینی اور عقلی انتظام اور پوری انسانیت مل کر بھی آج تک اس جیسی کوئی چیز پیش کرنے سے قاصر رہی اور اس معیار کے قریب بھی اس کی رسائی نہ ہو سکی، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنا جو وصف بیان کیا ہے، اس پر کوئی اضافہ ناممکن ہے۔

ليس كمثله شيء وهو السميع البصيره

کوئی اس کے مثل نہیں وہی (ہر بات کا) سننے والا ہے (ہر چیز کا) دیکھنے والا ہے۔

ایک مشہود کی ضرورت جو شوق وتعظیم کا مرکز بن سکے

لیکن فطرت انسانی، فطرت انسانی ہے ایک ایسی چیز کی جستجو اور آرزو ہر بشر کی سرشت میں داخل ہے، جس کو وہ اپنی ان مادی آنکھوں سے دیکھ سکے، اس کے ذریعہ اپنے جذبۂ شوق کی تسکین کر سکے، اور قرب وصال اور تعظیم وتسلیم کے اس شدید تقاضے کی آسودگی کا سامان کر سکے، جو ہمیشہ سے اس کے خمیر میں ہے۔

شعائر اللہ اور ان کی حکمت

اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسی ظاہری اور محسوس چیزیں مقرر کی ہیں جو اس کی ذات اقدس کے ساتھ کچھ خصوصیت رکھتی ہیں، اسی کی طرف منسوب ہیں، اسی کی کہلائی جاتی ہیں اور ان پر اس کی رحمت کی اس قدر تجلی اور عنایت کی ایسی نظر ہے کہ ان کو دیکھ کر ہی خدا یاد آتا ہے،

اس کے علاوہ ان کے ساتھ بہت سے ایسے واقعات ومعاملات اور اعمال واحوال وابستہ ہیں جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی نشانیاں اور اس کے انعامات، اس کا دین توحید اور اس کے رسولوں کا جہاد اور صبر یاد دلاتے ہیں، ان چیزوں کا نام، اس نے ''شعائر اللہ'' رکھا ان کی تعظیم اپنی تعظیم قرار دی اور ان میں کوتاہی اپنے حق میں کوتاہی کے مرادف بتایا اور انسانوں کو اس کی اجازت بلکہ دعوت دی کہ اس کے ذریعہ وہ اپنی پوشیدہ دستور محبت اور مشاہدہ وقرب کے فطری جذبہ کو تسکین دیں اور اپنی آسودگی کا سامان کریں۔

ارشاد ہے۔

ذلک ومن یعظم شعآئر اللہ فانها من تقوی القلوب

یہ بات ہو چکی اور جو کوئی (دین) خدا کی یادگاروں کا ادب رکھے گا سو یہ (ادب) دلوں کی پرہیزگاری میں سے ہے۔

دوسری جگہ آتا ہے۔

ذلک دمن یعظم حرمات اللہ فهو خیر له عند ربه

یہ بات ہو چکی اور جو کوئی بھی اللہ کے محترم احکام کا ادب کرے گا، سو یہ اس کے حق میں اس کے پروردگار کے پاس بہتر ہوگا۔

انسان کی فطرت میں عشق ومحبت کا عنصر

انسان نہ صرف عقل محض ہے، نہ مجبور محض، جو کسی قانون اور طاقت کے سامنے بے دست وپا ہو، نہ وہ ایسا مشینی پرزہ ہے جو کسی خاص قانون اور پہلے سے مقرر کردہ نقشہ کے مطابق ایک دائرہ میں گردش کرتا رہتا ہے، وہ عقل بھی ہے دل بھی، ایمان بھی ہے اور وجان بھی، اطاعت بھی ہے اور محبت بھی، اور اسی میں اس کی عظمت وشرافت، اس کی طاقت وعبقریت، ذہانت ودقیقہ رسی ،امتیازی وبرتری اور ایثار وقربانی کا راز پوشیدہ ہے، اسی کی بدولت اس نے دشوار سے دشوار مسئلہ پر قابو پایا، محیر العقول کارنامے انجام دیئے، خارق عادت باتیں اس سے صادر ہوئیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسی کی وجہ سے وہ ''امانت'' اس کے حوالہ کی گئی جس سے آسمان، زمین اور پہاڑ سب معذرت کر چکے ہیں، اس شہپر کی مدد سے اس نے ان بلندیوں پر اپنا نشیمن بنایا جہاں مقرب فرشتوں کے بھی پر جلتے ہیں، حیوانات، نباتات اور جمادات کا ذکر کیا ہے؟

اس نے انسان کا اپنے رب کے ساتھ رشتہ محض قانونی اور عقلی رشتہ نہیں، جس کا دائرہ صرف واجبات ادا کرنے، احکام میں کچھ حقوق حاصل کرنے تک محدود ہو، یہ محبت اور پاکیزہ جذبات کا بھی رشتہ ہے، یہ ایسا رشتہ ہے، جس پر زوق وشوق اور عشق وقربانی اور دل سوزی و بے قراری کا غلبہ ہونا چاہئے، اور یہ عنصر اس رشتہ میں اس طرح جاری وساری ہونا چاہئے کہ کوئی عمل اس کے اثر سے خالی نہ رہنے پائے، دین اس سے منع نہیں کرتا، بلکہ کی دعوت دیتا ہے، اس جذبہ کوغذا پہونچاتا اور اس کومزید قوت بخشتا ہے۔

والذین آمنو اشد حباً لله۔ (۱)

اور جو ایمان والے ہیں وہ تو اللہ کی محبت سب سے قوی رکھتے ہیں۔

دوسری جگہ آتا ہے۔

قل ان کان ابآئو کم وابنآءُ کم واخوانکم وازواجکم وعشیر تکم واموال اقترفتموھا وتجارۃ تخشون کسادھا ومساکن ترضونھآاحب الیکم من اللہ ورسولہ وجھاد فی سبیلہ فتربصوا حتی یاتیی اللہ بامرہ ط واللہ لا یھدی القوم الفاسقینo۔ (۲)

آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے لڑکے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کو بگڑ جانے سے تم ڈر رہے ہو، اور وہ گھر جنہیں تم پسند کرتے ہو، یہ سب تم کو اللہ اور اس کے رسول، سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہوئے تو منتظر رہو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے حکم بھیج دے اور اللہ تعالیٰ نافرمان لوگوں کو مقصود تک نہیں پہنچاتا۔

وہ اپنے رسول کا ذکر کرتے ہوئے ان کی محبت وخلوص اور ان کے شوق فنائیت کو خاص طریقہ پر نمایاں کرتا ہے اور اس کی طرف خصوصیت سے متوجہ کرتا ہے، یحیٰ علیہ السلام کے متعلق آتا ہے کہ:

واتیناہ الحکم صبیاًہ وحناناً من لدناوزکوۃً وکان تقیاً ہ۔ (۳)

اور ہم نے ان کولڑکپن ہی میں سمجھ دیدی تھی اور خاص اپنے پاس سے رقت قلب اور پاکیزگی اور وہ بڑے پرہیزگار تھے۔

---

(۱) سورۂ بقرہ۔۱۶۵ (۲) سورہ توبہ۔۲۴ (۳) سورۂ مریم۔۱۲۔۱۳

حضرت ابراہیمؑ اللہ کا پورا قصہ اسی محبت کی تصویر ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر یہ بیان کیا ہے، کہ انھوں نے اپنے جگر کے ٹکڑے اور محبوب فرزند کی محبت کے گلے پر کس طرح چھری پھیری اور جب تک خدا نے ان کے صدق واخلاص
اور صبر وقربانی کو دیکھ نہ لیا، انھوں نے چھری گلے سے نہ ہٹائی۔

یاابراھیم، قد صدقت الرؤیا، انا کذلک نجزی المحسنین، ان ھذا لھُوَ البلاء المبین.[1]

اے ابراہیم تم نے خواب کو سچ کر دکھایا ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں بے شک یہ تھا بھی کھلا ہوا امتحان۔

حضرت ابراہیمؑ کی تعریف میں آتا ہے۔

ان ابراھیم لحلیم اَوّاہٌ منیب.[2]

بے شک ابراہیم بڑے حلیم، بڑے دردمند، بڑے نرم دل تھے

''صفات'' ہی کے علم سے محبت ہوتی ہے اور اسی لئے قرآن مجید اس پر بہت زور دیتا ہے

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے صفات وافعال اور اس کے انعامات کا اتنی کثرت سے ذکر اور اس کے اعادہ وتکرار اور اس قدر شرح وبسط کے ساتھ بیان کا اصل راز یہی ہے، اس لئے کہ صفات ہی محبت وشوق کا سرچشمہ ہیں، اسی بات کو بعض ائمہ اسلام[3] ''نفی مجمل اور اثبات مفصل'' سے تعبیر کیا ہے، یہی اثبات ہے (یعنی اللہ کی صفاطت کریمہ کے بیان اور اس کے دلائل وشواہد کا ذکر) جس سے انسان کے ذوق وشوق کو غذا ملتی ہے اور محبت جوش مارنے لگتی ہے، اگر نفی رہبر عقل ہے اثبات رہبر دل۔[4]

---

(۱) سورہ صافات ۱۰۴ تا ۱۰۵

(۲) سورۂ ہود ۷۵

(۳) شیخ الاسلام ابن تیمیہ مراد ہیں

(۴) جہاں نفی ہے کہ خدا ایسا نہیں ہے، ایسا نہیں ہے، وہاں ''لیس کمثلہ شیٔ'' پر اکتفا کیا گیا ہے، لیکن جہاں اثبات ہے کہ خدا ایسا ہے ایسا ہے، وہاں بڑی تفصیل اور تکرار واعادہ سے کام لیا گیا ہے، ملاحظہ ہو، سورۂ حشر کا آخرہ رکوع۔

اگر اللہ تعالیٰ کی یہ صفات عالیہ اور اسمائے حسنیٰ ہمارے سامنے نہ ہوتے جن سے قرآن وحدیث بھرا ہوا ہے اور جن پر عشاق ومحبین ہمیشہ اپنا سر دھنتے رہے، عارفین ان کے ترانے گاتے رہے ذاکرین ان کی تسبیح میں مشغول رہے اور ان کا کلمہ پڑھتے رہے اور اہل معرفت و حقیقت زندگی بھر اس سمندر کے تہ نشین موتی چنتے رہے، تو یہ دین ایک چوبی یا آہنی نظام اور قانون کی طرح ہو جاتا ہے، جس کے دلوں میں جگہ نہ ہوتی، یہ نہ ان میں کوئی جذبہ اور گرمجوشی پیدا کر سکتا، نہ ان کے دلوں کو گرم اور آنکھوں کو نم کرنے کی صلاحیت رکھتا، نہ ان سے دعا میں انابت ورقت کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، نہ دل میں سرفروش کا جوش، نہ سر میں اس کا سودا، اس کے بغیر خدا اور بندہ کا تعلق ایک مردہ اور محدود تعلق ہے، جس میں نہ کوئی زندگی ہے، نہ روح، نہ لچک، نہ وسعت، زندگی ایک ایسی خشک، سخت اور بے جان چیز ہے جو لذت وآرزو متاع شوق اور جنون وشوریدگی کی دولت سے بالکل تہی دامن اور محروم ہے۔

اگر انسانیت سے یہ دولت چھین لی جائے تو زندگی اور موت انسان اور جمادات میں آخر کیا فرق باقی رہ جائے گا؟۔

اس ساغر کی کیا قیمت جو کبھی چھلک نہ پائے

دل کی اس آنچ کو کچھ کم کرنے اور روح کی پیاس بجھانے کے لئے ایک مسلمان کو اس کی ضرورت تھی کہ اس کے دل کا ساغر اور نگاہوں کا پیمانہ چھلک چھلک کر بہنے لگے اور دوری ومہجوری کی آگ میں جلے ہوئے دل کو سیراب کر دے اور جام کیا جام ہے، جو بھر کر چھلک تو جائے لیکن چھلک کر بہہ نہ پائے۔

حج بیت اللہ جذبہ عشق کی تسکین کے لئے ہے

امام غزالیؒ نے اپنی نادرۂ روزگار ذہانت اور شریعت کے گہرے مطالعہ سے اس نکتہ کو خوب سمجھا تھا کہ محبت وشوق ایک زندہ اور سلیم الطبع انسان کی حقیقی ضرورت ہے، وہ اس کی تسکین کے لئے ہمیشہ طلب وجستجو میں رہتا ہے، بیت اللہ اور اس کے ساتھ جتنے شعائر اللہ اور حج کے مناسک ومقامات ہیں وہ اس کی اس سچی اور حقیقی ضرورت کو اچھی طرح پورا کر سکتے ہیں اور ان سے اس کو پوری تسکین اور تسلی حاصل ہو سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

واذابوّانا لابراھیم مکان البیت ان لاتشرک بی شیئاً وطھر بیتی لطآئفین والقائمین والرکع السجوده واذن فی الناس بالحج یا توک رجالاً وعلیٰ کل ضامر یاتین من کل فج عمیق، لیشھدُوا منافع لھم ویذ کرو اأسم اللہ فی ایامٍ معلومات علی مارزقھم من بھیمةِ الانعام فکلو امنھا واطعموا ا لبآئس الفقیر، ثم لیقضوا تفثھم ولیوفوا نذورھم ولیطوفو بالبیت العتیق.[1]

اور (وہ وقت یاد دلایئے) جب ہم نے ابراہیمؑ کو بیت اللہ کی جگہ بتائی (اور حکم دیا) کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اور میرے گھر کو پاک رکھنا، طواف کرنے والوں اور قیام ورکوع وسجود کرنے والوں کے لئے اور لوگوں میں حج کا اعلان کردو، لوگ تمہارے پاس پیدل بھی آئیں گے اور دبلی اونٹنیوں پر بھی جو دور دراز راستوں سے پہنچی ہوں گی، تا کہ اپنے فوائد کے لئے آموجود ہوں اور تا کہ ایام معلوم میں اللہ کا نام لیں، ان چوپایوں پر جو اللہ نے ان کو عطا کئے ہیں، بس تم بھی اس میں سے کھاؤ اور مصیبت زدہ محتاج کو بھی کھلاؤ پھر لوگوں کو چاہئیے کہ اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنے واجبات کو پورا کریں اور چاہئیے کہ (اس) قدیم گھر کا طواف کریں۔

امام غزالیؒ لکھتے ہیں۔

''اگر اللہ تعالیٰ سے لقا کا شوق ہے تو مسلمان اس کے وسائل اسباب اختیار کرنے پر لامحالہ مجبور ہوگا، عاشق اور محبّ ہر اس چیز کا مشتاق ہوتا ہے جس کی اضافت اور اس کے محبوب کی طرف ہو، کعبہ کی نسبت عزوجل کی طرف ہے اس لئے مسلمان کو قدرتی طور پر اس کا سب سے زیادہ مشتاق ہونا چاہئیے، علاوہ اس اجر وثواب کی طلب واحتیاج کے جس کا وعدہ بھی اس سے کیا گیا ہے۔''[2]

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب بھی اسی نکتہ کو حج کی بنیادی حکمت بتاتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں۔

(۱) سورۂ حج ۲۶ تا ۲۹

(۲) احیاء العلوم ج ا ص ۲۴

''کبھی کبھی انسان کو اپنے رب کی طرف غایت درجہ اشتیاق ہوتا ہے اور محبت جوش مارتی ہے اور وہ اس شوق کی تسکین کے لئے اپنے چاروں طرف نظر دوڑاتا ہے، تو اس کو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا سامان صرف حج ہے۔''(۱)

یہ ہو سکتا تھا کہ وہ اس شوق ومحبت اور ان جذبات وکیفیات کی تسکین ان نمازوں کے ذریعہ کرلیتا ہے، جو وہ دن میں کئی بار پڑھتا ہے، وہ نماز میں اپنے پیمانہ دل کو چھلکنے دیتا ہے اور محبت وعشق کی اس تپش وبے قراری اور دل سوزی اور اپنے آنسوؤں کے کچھ چھینٹے ڈال لیتا، لیکن اشک کے یہ چند قطرے تھوڑی دیر کے لئے اس کے دل کو گرم اور آنکھوں کو نم ضرور کر سکتے ہیں، اس کی تشنگی کو دور نہیں کر سکتے، ان میں محبت کی اس تیز آنچ کو کم کرنے کی طاقت نہیں جو بعض وقت اس کے سینہ میں بھٹی کی طرح سلگتی ہے، اور اس کو کسی پہلو چین نہیں لینے دیتی۔

مادیت کے قفس زریں سے کائنات کی بیکراں وسعتوں میں

اسی طرح اس کو روح کی پیاس بجھانے، سوزش دل کو آرام پہونچانے، نفس کی سرکشی کو لگام لگانے اور اپنی مرغوبات وعادات کی ''وثنیت'' کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے میں رمضان سے بھی مدد مل سکتی تھی، اس لئے کہ اس وقت خلوئے معدہ اور احتیاط وپرہیز کی وجہ سے اس کی روح کو غذا ملتی ہے اور صفائی قلب نصیب ہوتی ہے، لیکن یہ بھی چندگنی چنی چھٹریاں ہیں، جو اکثر ایسی چیزوں سے گھری رہتی ہیں، جن سے روزہ کا اثر برابر کمزور ہوتا رہتا ہے، اس کے چاروں طرف نفیس ومرغن کھانوں، انواع واقسام کے ذائقوں اور راحت طلبی اور شکم پری کا ایسا ماحول بن جاتا ہے جو اس کو یکسو نہیں ہونے دیتا۔ اس کا معاشرہ (جو انکار وبغاوت اور غفلت ومعصیت کا علمبردار بن چکا ہے) چاروں طرف سے اس کو اس طرح گھیرے میں رکھتا ہے، جس طرح کوئی چھوٹا سا جزیرہ متلاطم وغضبناک سمندر میں گھرا ہوا ہو۔

ان تمام باتوں کی وجہ سے اس کو ایک ایسی جرأت مندانہ بلکہ رندانہ وقلندرانہ جست کی ضرورت تھی، جو اس کے طوق وسلاسل کو پاش پاش کر کے رکھ دے اور اس کو ایک ہی چھلانگ

---

(۱) حجۃ اللہ البالغہ ج۱ص ۵۹

میں اپنے قدیم، تنگ وتاریک اور شکستہ وبوسیدہ قید خانہ سے آزاد کردے اور اس قدیم وفرسودہ پابند واسیر، پابہ زنجیر، مصنوعی اور مشینی، مادی اور حسابی دنیا سے نکل کر ایک بالکل نو دریافت آزاد دبے کراں، وسیع ولامحدود عالم میں پہنچادے، جہاں محبت کی فرماں روائی اور شوق کی حکمرانی ہے، یہاں پہونچ کر وہ ہر قسم کی غلامی سے آزاد اور ہر نوع کی ذہنیت وبت پرستی سے پاک ہو جاتا ہے، رنگ ونسل اور ملک ووطن کی مصنوعی حد بندیاں اور رقبہ کی پیمائشیں اس کی نظر میں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں، وہ وحدت الوہیت، وحد رزاقیت، وحدت انسانیت، وحدت عقیدہ، وحدت دعوت اور وحدت مقصد کا قائل ہوتا ہے اور اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ ایک آواز ہوکر خدا کی حمد کا ترانہ گاتا ہے، اور یہ نعرہ لگاتا ہے۔

لبیک اللهم لبیک، لبیک لاشریک لک لبیک، ان الحمد والنعمة لک والملک لاشریک لک.

اے میرے اللہ میں حاضر ہوں، حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، ساری تعریفیں اور نعمتیں تیرے ہی لئے زیبا ہیں اور حکومت وبادشاہت بھی تیرا ہی حق ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔

مسلمان ان نمازوں کے بعد بھی جن کو وہ روزانہ پابندی کے ساتھ پڑھتا ہے، اس رمضان کے بعد بھی جس میں وہ ہر سال روزے رکھتا ہے، اور اس زکوٰۃ کے بعد بھی جو مالک نصاب ہونے اور سال گزرنے پر وہ ادا کرتا ہے، ایک ایسی فصل یا ایسے موسم کی ضرورت تھی جس کو ہم عشق ومحبت کی فصل اور جنون وشوریدگی کا موسم بہار کہہ سکتے ہیں، اور اہل جنوں اور اہل وفا کی قبلہ گاہ تعبیر کرسکتے ہیں۔

عقل ومادیت کے پرستاروں کے خلاف نعرۂ بغاوت

اس کو کبھی کبھی اپنی سنجیدہ ومتعین اور جامد عقل کے خلاف بھی بغاوت کی ضرورت پیش آتی ہے اور اس میں کوئی حرج بھی نہیں اس لئے کہ جو زندگی بغاوت اور انقلاب کے بغیر گزر جائے، وہ کیا زندگی ہے، اس کو اس کی ضرورت ہے، کہ عادات واطوار، پسند وناپسند خود ساختہ قوانین، مصنوعی تہذیب، ظاہری تکلفات، رسمی وضعداریوں اور اس سخت وبے رحم سماج کے بندھے ٹکے نظام اور فرضی بندھنوں کو توڑ کر آزاد ہوجائے، زمام کار اس عقل سے لے کر جو عرصہ سے

اس پر قابض ہے، تھوڑی دیر کے لئے جذبۂ دل اور رہوارشوق کے حوالہ کردے کبھی اس طرح بادیہ پیمائی وصحرانوردی کرے جس طرح عشاق ومحبین اپنے محبوب کے لئے کرتی ہیں، کبھی اس شوریدگی وآشفتہ سری کا مظاہرہ کرے جو اہل جنوں واہل وفا کا شعار ہے، اس لئے کہ جس کو سوسائٹی، سماج اور رسم ورواج نے اپنا غلام بنالیا ہو، اس کو آزاد کون کہہ سکتا ہے؟ جو اپنی عادات وخواہشات اور مرغوبات کا اسیر ہو، اس کو موحد کیسے کہا جا سکتا ہے؟ اسی طرح اسی شخص کو مطیع وفرمانبردار اور وفا شعار کیسے کہا جاسکتا ہے، اور جو ہمیشہ اپنی عقل پر اعتماد کرتا ہے، اور جب تک اپنی محدود اور مخلوق عقل کے پیمانہ سے کسی چیز کو ناپ نہ لے اور اس کو محسوس اور مادی فوائد اس کے علم میں نہ آ جائیں اس میں کسی کام کا ولولہ اور اطاعت کا جذبہ ہی نہ پیدا ہوتا ہو، یہ حج اپنی مخصوص شکل کے ساتھ عقل اور مادیت کے پرستاروں اور نظم وڈسپلن کے اسیروں کے خودساختہ قوانین اور زندگی کے اس ''روٹین'' کے بالکل منافی ہے جس کے وہ دلدادہ ہیں اس کا مقصد یہ ہے کہ انسان کے اندر ایمان بالغیب اور حکم کو محض حکم سمجھ کر بے چون وچرا بجالانے کا جذبہ اور ملکہ پیدا ہو اور اس عقل کو تھوڑی دیر کے لئے اپنے اس منصب سے ہٹا دیا جائے جو ہر چیز کو منطق وفلسفہ، بحث ومناظرہ اور دلیل وحجت کے پیمانہ سے ناپتی ہے اور ہر وقت اور ہر جگہ منطق واستدلال سے کام لیتی ہے۔

امام غزالیؒ نے حج کی حقیقت اور روح کو (جس کو ایمان بالغیب اور مطلق امتثال امر سے تعبیر کیا جاسکتا ہے) بڑے عجیب اور بلیغ انداز میں بیان کیا ہے، اور اپنے موئے قلم سے اس کی دلکش اور دل آویز تصور کھینچ دی ہے، انھوں نے دین کے اس اہم رکن کے قلب وجگر میں اتر کر بہت اچھی تشریح کی ہے اور اس کے مغز اور جوہر کو ہمارے سامنے پیش کر دیا ہے، جو بہت سے قدیم وجدید اہل فکر کی نظر سے رہ گیا تھا۔

وہ لکھتے ہیں:

''اس (بیت اللہ کی) وضع اور شکل اس شاہی دربار یا شاہی ایوان کی طرح ہے جہاں پر عشاق واہل فراق ہر دشوار گزار اور دور دراز مقام سے افتاں وخیزاں، آشفتہ سر اور پراگندہ مو ہوکر پہنچتے ہیں، رب البیت کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے، اپنی حقارت کا احسان لئے ہوئے، اس کی عزت وجال کے سامنے اپنے کو فراموش کئے ہوئے اس علم واعتراف کے ساتھ کہ وہ اس سے پاک اور بلند وبرتر ہے کہ کوئی گھر اور چہار دیواری اس کو گھیر سکے، یا کوئی شہر اس کا احاطہ کر سکے تاکہ

ان کی عبودیت ورقت اپنی انتہا کو پہنچ جائے اور اطاعت وانقیاد اور تسلیم و رضا میں کوئی کسر باقی نہ رہ جائے۔

اسی لئے ان کو ایسے اعمال اور نقل و حرکت کا پابند کیا گیا ہے، جن سے نہ نفس انسانی کا کوئی لگاؤ ہے نہ عقل کی وہاں تک رسائی ہے، مثلاً رمی جمار (شیطان کو ایک خاص جگہ پر پہونچ کر پتھر مارنا) صفا و مروہ کے درمیان بار بار دوڑنا، اس قسم کے اعمال کمال عبودیت اور غایت درجہ فنائیت کو ظاہر کرتے ہیں، زکوٰۃ اس قسم کی رحم دلی و غمخواری ہے، اس کا مفہوم بھی آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے اور عقل بھی اس کو قبول کرتی ہے، روزہ نفس کشی اور ان خواہشات بشریٰ کی سرکوبی کے لئے ہے جن کو شیطان اپنی مقصد براری کے لئے استعمال کرتا ہے، اور اس میں دوسرے مشاغل کم کر کے عبادت میں انہماک واشتغال کا پہلو واضح ہے، نماز میں رکوع وسجود اور ان افعال اور حرکات کے ذریعہ جن سے تواضع کی روح پیدا ہوتی ہے، خدا کے سامنے اس کبریائی اور اپنے عجز کا اظہار ہے اور اس سے دلوں کو خاص لگاؤ محسوس ہوتا ہے، لیکن رمی جمار اور سعی اور اس طرح کے دوسرے اعمال ایسے ہیں، جن سے دل کو کوئی حظ اور سرور حاصل نہیں ہوتا، طبیعت بشری بھی ان کی طرف مائل نہیں ہوتی اور عقل بھی ان کے معنی و مفہوم سے قاصر رہتی ہے، چنانچہ یہ عمل یا اقدام صرف اطاعت ہی کے جذبہ سے کیا جاتا ہے، یہ سمجھ کر کہ یہ خدا کا ایک حکم ہے جو بہر صورت واجب الاتباع ہے، اس سے مقصود عقل کو اس کے اختیارات سے محروم کر دینا اور نفس و طبیعت کو ان چیزوں سے دور رکھنا، جن سے اس کو لگاؤ اور انس پیدا ہو سکتا ہو، اس لئے کہ جب کوئی چیز عقل سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے تو طبیعت اس کی طرف خود بخود چلنے لگتی ہے اور طبیعت کا یہ رجحان خود اس عمل کے باعث اور محرک بن جاتا ہے، اور اس میں کمال عبدیت اور مجرد اطاعت کی شان باقی نہیں رہتی، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے موقع پر خصوصیت سے یہ الفاظ کہے،

لبیل لحجة حقا تعبداً ورقاً

لبیک حج پر سچے دل کے ساتھ غلامی اور عبدیت کے جذبہ کے ساتھ۔

حج کے علاوہ یہ الفاظ آپ نے کسی اور عبادت حتیٰ کہ نماز کے لئے بھی استعمال نہیں فرمائے

چونکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت نے مخلوق کی نجات کا دارومدار اس پر رکھا ہے کہ ان کے اعمال اطاعت وانقیاد اور تسلیم وعبودیت کے طریقہ کار اور سنت پر ہوں اس لئے وہ اعمال وعبادت (جن کے اسرار معانی عقل انسانی کی دسترس سے باہر ہیں) تزکیہ نفوس اور رجحان وطبیعت، اخلاق وفضائل سے ہٹا کر بودیت کاملہ سے روشناس کرنے میں زیادہ موثر ہیں اس بات کی تہ تک پہونچ

جانے کے بعد یہ بات ہماری سمجھ میں خوب آ جائیگی کہ ان افعال اورحرکات وسکنات پر تعجب دراصل عبادتوں کے مخصوص اسرار ومقاصد کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہےاور حج کی اصل بنیاداور حقیقت سمجھنے کیلئے انشاءاللہ اتنا ہی کافی ہے۔[1]

رمی جمار کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کا مدار ہی اطاعت محض اور مجرد امتثال امر پر ہے۔

لکھتے ہیں:۔

''اس سے مقصود مجرد امتثال امر ہے تا کہ مکمل عبودیت کا مظاہرہ ہو سکے عقل اورنفس کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے،مزید برآں اس سے مراد حضرات ابراہیم علیہ السلام سے تشبیہ ہے،اس لئے ابلیس ملعون اسی جگہ ان کے حج میں شبہ پیدا کرنے یا کسی معصیت میں مبتلا کرنا آیا تھا،اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ ان کو کنکریاں ماریں تا کہ وہ ان کے پاس سے دفع ہو جائے،اوراس کو ان سے کوئی توقع ہی باقی نہ رہ جائے،اگر کوئی یہ خیال کرتا ہے کہ ان کے سامنے شیطان حقیقت میں آ گیا تھا،اس لئے انھوں نے اس کو مارا، میرے سامنے شیطان نہیں ہے کہ میں ماروں تو اس کو سمجھنا چاہئے کہ یہ خیال بھی شیطان ہی کا پیدا کردہ ہےاور وہی ہے جس نے یہ خیال تمہارے دل میں ڈالا ہے تا کہ شیطان کو ذلیل وخوار کرنے کا جو عزم اورارادہ تمہارے اندر تھاوہ کمزور پڑ جائے۔

تم کو جاننا چاہئے کہ ظاہر میں تم جمرہ عقبہ پر کنکریاں مارتے ہو،لیکن حقیقت میں وہ کنکریاں شیطان کے منھ پر پڑتی ہیں،اوراس کی کمر توڑ دیتی ہیں،اس لئے کہ اس کی تذلیل وتوہین سب سے زیادہ اس تعمیل حکم سے ہوتی ہے، جو اللہ تعالیٰ کی تعظیم اوراطاعت محض کے جذبہ کے ساتھ ہو، نفس یا عقل کا اس میں کوئی حصہ نہ ہو''۔[2]

قربانی کے سلسلے میں کہتے ہیں۔

''جاننا چاہئے کہ یہ امتثال امر (یعنی قربانی) تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہے، چنانچہ یہ حکم بھی فوراً بجالانا چاہئے ،اور یہ امید اللہ تعالیٰ کی ذات سے رکھنی چاہئے کہ اس کے ایک ایک جز کے بدلے میں تمہارا ایک ایک جز آگ سے محفوظ رکھے گا،حدیث میں اسی طرح آیا ہے،قربانی جتنی بڑی ہو گی اوراس کے اجزا جتنے زیادہ ہوں گے،آگ سے فدیئے بھی اسی قدر زیادہ ہوسکیں گے''۔[3]

(۱) احیاء العلوم جلد اصفہ ۲۴۰

(۲) احیاء العلوم جلد اص ۲۴۳۔

(۳) احیاء العلوم جلد اص ۲۴۰

حاجی حکم کا بندہ ہے اور اشاروں کا غلام ہے

حج اپنے سارے ارکان واعمال اور مناسک وعبادت کے ساتھ اطاعت محض، مجرد امتثال امر، بے چون وچرا حکم بجالانے اور ہر مطالبہ کے آگے سر جھکا دینے کا نام ہے، حاجی کبھی مکہ میں نظر آتا ہے کبھی منیٰ میں، کبھی عرفات میں، کبھی مزدلفہ میں، کبھی ٹھہرتا ہے، کبھی سفر کرتا ہے، کبھی خیمہ گاڑتا ہے، کبھی اکھاڑتا ہے، وہ حکم کا بندہ اور چشم وابرو کا پابند ہے، اس کا خود نہ کوئی ارادہ ہوتا ہے، نہ فیصلہ نہ انتخاب کی آزادی، وہ منیٰ میں اطمینان سے سانس بھی لینے نہیں پاتا کہ اس کو عرفات جانے کا حکم ملتا ہے، لیکن مزدلفہ میں رکنے کی اجازت نہیں ہوتی، عرفات پہنچ کر وہ دن بھر دعا وعبادت میں مشغول رہتا ہے، غروب آفتاب کے بعد اس کو اس کا تقاضا ہوتا ہے کہ ذرا ستالے اور رات کو یہیں رہ جائے لیکن اس کے بجائے اس کو مزدلفہ جانے کا حکم ملتا ہے، وہ زندگی بھر نماز کا پابند رہا تھا لیکن عرفہ میں اس کو اس کا حکم ہوتا ہے کہ مغرب کی نماز ترک کردے اس لئے کہ وہ اللہ کا بندہ ہے، نماز یا اپنی عادت کا بندہ نہیں، وہ یہ نماز مزدلفہ پہنچنے کے بعد عشا کے ساتھ ملا کر پڑھتا ہے، مزدلفہ میں اس کا خوب جی لگتا ہے اور سوچتا ہے کہ یہاں جی بھر کر ٹھہرے مگر اس بات کی اجازت بھی اس کو نہیں ملتی اور اس کو منیٰ کی طرف رخ کرنے کا حکم ہوتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور سب انبیاء کرام اور ان کے بعد تمام عشاق واہل محبت اہل دل، اور اہل طلب کی زندگی کا طرز یہی تھا، کبھی سفر، کبھی قیام، کبھی وصل کبھی ہجر، نہ عادت کی غلامی، نہ ذوق کی اسیری، نہ خواہش کی تابعداری، نہ شہوت کے آگے سپر اندازی

رحمت خداوندی کو متوجہ کرنے میں زمان ومکان کا حصہ

اس کے لئے سب سے موزوں اور مناسب جگہ یہی تھی جہاں اہل محبت کے پیشوا مخلصین کے امام اور اپنے زمانہ میں اللہ کے سب سے زیادہ محبّ اور محبوب اور مقرب بندہ نے اخلاق ومحبت وفاداری وجاں نثاری اور ایثار وقربانی کی ایسی دلاویز اور حیرت انگیز کہانی پیش کی جو پاکیزہ محبت، بے غرض وفاداری اور صدق واخلاص کی تاریخ میں سب سے زیادہ تابناک اور فریب ہے ان کے بعد جتنے انبیاء کرام، موحد ومخلص اور عاشق صادق پیدا ہوئے وہ سب اپنے اپنے دور میں انہی کے نقش قدم پر چلتے رہے ان کی ایک ایک ادا کی نقل کرتے رہے اور صدق

وفا کی وہی کہانی دہراتے رہے، انہوں نے اسی طرح بیت اللہ کا طواف کیا، صفا ومروہ کے درمیان سعی کی، عرفات میں ٹھہرے، مزدلفہ میں رات گذاری، جمرات میں کنکریاں ماریں اور منیٰ میں قربانی کی۔

اس طرح زمان ومکان میں کہانی کی ان فصلوں میں جو برابر دہرائی جاتی رہی ہیں، ان اعمال میں جن میں ان کی تقلید جاری ہے، محبت کے ان جاں نواز اور روح پرور جھونکوں میں جن سے حجاج از سرنو تازگی حاصل کرتے ہیں، اس ذوق وشوق میں جس میں وہ ہمہ وقت ڈوبے رہتے ہیں، امت کے ان مختلف طبقوں اور جماعتوں کی صحبت میں جنت کی رفاقت ان کو میسر آتی ہے، اس دینی اور روحانی اجتماع میں جس کی نظیر روئے زمین پر کہیں نہیں ملتی اور ذکر ودعا تلبیہ واستغفار کے دل آویز زمزموں میں جو ہر وقت اس فضا میں گونجتے رہتے ہیں اور دل میں بس جاتے ہیں، وہ چیز اب بھی موجود ہے جو مردہ دلوں کو حیات نو بخشتی ہے، پست ہمتوں کی حوصلہ افزائی کرتی ہے، مضمحل وافسردہ نفوس کو نئی زندگی عطا کرتی ہے، عشق کی دبی ہوئی چنگاری کو بھر سے بھڑکا دیتی ہے اور چھیڑ دیتی ہے، جو بجھنے کے قریب تھی یا بجھ چکی تھی، رحمت الٰہی کی طرف متوجہ کرتی ہے اور اس میں جوش پیدا کرتی ہے۔ مسلمانوں کے ایک عظیم الشان اجتماع اور اہل ایمان کی دعاؤں میں رحمت الٰہی کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی جو خاصیت ہے اور اس کی بدولت سخت سے سخت دل والوں کی زندگی وحرکت اور ذوق وشوق کی جو کیفیت حاصل ہوتی ہے اس کی طرف بہت سے اہل نظر واہل دل علماء اسلام نے (بھی) متوجہ کیا ہے۔

معاشرہ انسانی کا باہمی ارتباط

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نو من بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیأت اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضل اللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ و نشھد ان سید نا و مولانا محمداً عبدہ و رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم.

یاایھا الناس اتقو ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ و خلق منھازوجھا وبث منھمار جالاً کثیراً ونساءً، واتقو اللہ الذی تساء لون بہ والارحام، ان اللہ کان علیکم رقیباً۔

لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو، جس نے تم کو ایک شخص (یعنی آدم) سے پیدا کیا، اس سے اس کا جوڑا بنایا، پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد و عورت پیدا (پیدا کر کے روئے زمین پر) پھیلائے دیئے، اور خدا سے جس کے نام کو تم اپنی حاجت براری کا ذریعہ بناتے ہو، ڈرو اور (قطع مودت) ارحام سے (بچو) کچھ شک نہیں کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔

یہ آیت سورہ نساء کی ہے، سورہ نساء کا نام ہی اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام نے طبقہ اناث کو اور جنس لطیف کو کیا مقام دیا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ طبقہ اناث کے متعلق اسلام کے تصور اور مرد و عورت کی باہمی ذمہ داری اور تعلقات کی نوعیت پر یہ آیت پوری روشنی ڈالتی ہے، پہلے تو اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ اشارہ فرمایا ہے کہ ان دو طبقوں کی خلقت ایک ہی طرح ہوئی ہے، اور ان دونوں کی قسمت ایک دوسرے سے ایسی وابستہ ہے، گویا ایک جسم کے دو حصے ہوں، مرد و عورت کی جسمانی ساخت میں معمولی تبدیلیاں اس وجہ سے ہیں کہ دونوں زندگی کا سفر خوشگواری سے طے کرسکیں۔

پہلے تو ان دونوں طبقوں کا وجود نفس واحدہ سے ہے پھر اس نفس واحدہ کو دو حصوں میں

تقسیم کر دیا گیا، اس تقسم کے باوجود ان میں کوئی تضاد، کوئی بیر نہیں بلکہ وہ جا کر ایک ہی نقطہ پر جمع ہو جاتے ہیں، اس دنیا میں سفر کرنے والے انسان کو ہم سفر اس کی جنس سے دیا گیا ہے، اور وہ اسی کے جسم کا حصہ ہے، پھر اس کے بعد ان دونوں سے نسل انسانی کی آفرینش، اور افزائش ہوئی، اللہ تعالیٰ نے دونوں کی رفاقت محبت اور ہم سفری میں بڑی برکت عطا فرمائی کہ جو دو تھے، ان سے ہزاروں ہوئے اور ہزاروں سے لاکھوں، کروڑوں ہوئے، یہاں تک کہ صحیح تعداد کا شمار کمپیوٹر بھی نہیں لگا سکتا ہے کہ کتنے انسان پیدا ہوئے؟ اس کو صرف خدا جانتا ہے ''کثیرا'' کے لفظ سے خدا نے ان کی کثرت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

سائل بھی اور مسئول بھی

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، کہ تم اس خدا سے ڈرو جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو، قرآن مجید میں انقلابی طور پر تصور پہلی مرتبہ پیش کیا گیا ہے کہ انسانی سوسائٹی کا ہر فرد ایک دوسرے کا محتاج ہے، ہر ایک سائل ہے اور ہر ایک مسئول ہے، پھر تقسیم اس طرح نہیں کہ سائلین ایک طرف ہیں اور مسئولین دوسری طرف بلکہ جو سائل ہے، وہ مسئول بھی ہے، اور جو مسئول ہے وہ سائل بھی ہے، ''تساؤل'' (مشترک سوال وجواب) ایک ایسی زنجیر ہے جس میں ہر ایک بندھا ہوا ہے، جس میں ہر ایک دوسرے کا ضرورت مند ہے۔

مرد عورت کے بغیر اپنا قدرتی اور فطری سفر خوشگوار طریقہ سے طے نہیں کر سکتا اور کوئی شریف خاتون، رفیق حیات کے بغیر خوشگوار طریقہ سے زندگی نہیں گزار سکتی، اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو دوسرے کا ایسا سائل اور محتاج بنا دیا ہے کہ اس کے بغیر زندگی نہیں گذر سکتی۔

خدا کا نام بیگانوں کو یگانہ بناتا ہے

پھر بھی یہ فرمایا گیا کہ سوال جس کے نام پر تم کرتے ہوئے وہ خدا ہے، اسلامی معاشرہ خدا کے عقیدے، خدا کی عظمت، خدا کی قدرت اور خدا کی عظمت، خا کی قدرت اور خدا کی وحدت پر وجود میں آتا ہے، ایک مسلمان مرد کی مسلمان مرد کی مسلمان خاتون سے ہم سفری اور رفاقت جب جائز ہوتی ہے جب وہ خدا کا نام بیچ میں لائیں، خدا کا نام ہی بیگانوں کو یگانہ بناتا ہے، دور کو نزدیک کرتا ہے، غیروں کو اپنا بناتا ہے، اور جن کی پرچھائیں بھی پڑنا گوارا نہ تھی، ان کو ایسا

قریب اور عزیز بنا دیا جاتا ہے، ان کے بغیر زندگی کا صحیح تصور بھی نہیں ہوسکتا، وہ ایک دوسرے کے رفیق حیات اور ذمہ دار بن جاتے ہیں، شوہر اور بیوی کا تعلق ایسی محبت واعتماد کا تعلق ہے کہ بعض اوقات وہ والدین کے تعلق سے بھی بڑھ جاتا ہے، جو بے تکلفی، جو اعتماد، جو الفت جو سادگی ، جو فطریت ان کے درمیان ہوتی ہے، کسی اور رشتہ میں اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا، یہ سب اللہ کے نام کا کرشمہ ہے، خدا کا نام بیچ میں آتا ہے تو ایک نئی دنیا وجود میں آجاتی ہے، کل تک جو غیر تھا، یا غیر تھی، وہ اپنوں سے بھی زیادہ بڑھ کر اپنا بن جاتا ہے، ایک مسلمان مرد، ایک مسلمان عورت، ایک دوسرے کے ساتھ بے تکلف نہیں ہوسکتے، ایک دوسرے کے ساتھ بعض اوقات سفر بھی نہیں کرسکتے، ایک دوسرے کے لئے نامحرم ہیں لیکن جب خدا کا نام بیچ میں آجاتا ہے تو ایک مقدس رشتہ قائم ہوجاتا ہے۔

یہ ایک قرآنی معجزہ ہے کہ ''نسآء لون بہ'' کہہ کر معاشرہ انسانی کا باہمی ارتباط، پیوستگی وابستگی اور ہر ایک کا ایک دوسرے کے ساتھ جڑا ہونا ایسا بیان کر دیا کہ کوئی بڑے سے بڑا منشور اور بڑے بڑے چارٹر بھی اس کو بیان نہیں کرسکتا، فلسفہ اجتماع وعمرانیات (سوشیالوجی) کی بڑی ضخیم کتاب بھی اس کو نہیں بیان کرسکتی۔

پھر یہ فرمایا کہ جس کا نام بیچ میں لاکر حرام کو حلال کرتے ہو، ناجائز کو جائز کرتے ہو اور اپنی زندگی میں انقلاب عظیم لاتے ہو، اس پاک اور برے نام کی لاج بھی رکھنی چاہئے، زوجین کے گہرے اور محکم تعلق کو قرآن مجید نے ایک دوسرے انداز میں بھی بیان کیا ہے، فرمایا ''ھن لباس لکم و انتم لباس لھن'' (تم ایک دوسرے کا لباس بن جاتے ہو) یہ بھی قرآن مجید کا ایک معجزہ ہے، کہ اسکے لئے ''لباس'' کا لفظ استعمال کیا، جو ستر پوشی اور زینت زندگی کی اہم ضرورت ہے، ''لباس'' کے لفظ میں وہ سب کچھ آگیا جو زوجین کے باہمی تعلق واعتماد کے متعلق زیادہ سے زیادہ کہا جاسکتا ہے، تم ان کے لئے لباس ہو اور وہ تمہارے لئے لباس ہیں، لباس کے بغیر جس طرح انسان حیوانیت سے قریب تر نظر آتا ہے، ایک صحرائی مخلوق نظر آتا ہے۔ ویسے ہی ازدواجی زندگی کے بغیر انسانی غیر متمدن نظر آتا ہے، اس کو غیر متمدن اور غیر مہذب سمجھنا چاہئے۔

رشتوں کے توڑنے سے زندگی پر برے اثرات

الحمد للہ و کفیٰ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔

ہماری موجودہ حالت

اس وقت مسلمانوں میں زوال وادبار کی جو کھلی ہوئی علامتیں اور بے برکتی، نحوست، فضیحت ورسوائی، بدنامی، جگ ہنسائی کے جو قومی اسباب، پائے جاتے ہیں، ان میں تعلقات کی کشیدگی، قطع رحمی اوراس سے آگے بڑھ کرنا چاقی، عداوت ایک دوسرے کی عزت کے درپے ہونا اس کو خاک میں ملانے کی کوششیں کرنا، اوراس کے نتیجہ میں مقدمہ بازی، مال اور وقت کی بربادی اور نہ ختم ہونے والی پریشانیاں ہیں، سینکڑوں بلکہ ہزاروں خاندان ہیں، جن میں زمین وجائیداد کے سلسلہ میں اور کبھی بعض افسوسناک واقعات کے نتیجہ میں سخت درجہ کی ناچاقی وکشیدگی دیکھنے میں آتی ہے، خاندان دو حصوں میں بٹ جاتا ہے، بعض اوقات صرف غمی کے موقع پر برسوں کے بچھڑے ہوئے ملتے ہیں اور بعض اوقات اس کی بھی توفیق نہیں ہوئی سالہا سال تک اور نسل درنسل اس کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور دل ودماغ کی بہترین صلاحیتیں اور توانائیں دوسروں (اور وہ غیر نہیں خونی اور شتہ کے بھائیوں) کو نیچا دکھانے اوران کے گھر کی اینٹ سے اینٹ بجوانے میں صرف ہوتی ہے، کسی بھائی کی سبکی اور ناکامی پر ایسی خوشی منائی جاتی ہے، جیسے کبھی (داوٗراقبال میں) کسی قلعہ کی فتح اور کسی نئی سلطنت کے حصول پر منائی جاتی تھی، جولوگ اسی پستی سے کچھ بلند ہیں اور اتنے گئے گزرے نہیں اوران کو کچھ دینی تعلیم یا نیک صحبت حاصل ہے، اور وہ اچھے دیندار نظر آتے ہیں، وہ بھی صلح رحمی کے مفہوم سے ناآشنا، اس کے فضائل سے بے خبر، قرآن وحدیث میں اس کا جو درجہ ہے اس سے یکسر غافل اور دولت بے بہا اوراس سنت جلیلہ سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت محبوب اور عزیز تھی اور جس کا رنگ سیرت نبویؐ میں بہت نمایاں اور غالب ہے، بالکل محروم ہیں، بزرگوں کی دوستی کا نباہ پرانے تعلقات کی پاسداری والدین کے دوستوں کے ساتھ سلوک اوراس کو والدین ہی کی محبت

وخدمت کالازمہ سمجھنا چھوٹوں کے ساتھ الفت، بڑوں کا ادب تو بہت دور کی باتیں ہیں، ضابطہ تعلق اور قانونی فرائض بھی ادا نہیں ہوتے۔

اس کا نتیجہ ہے کہ خاندان اور محلے اور پھر گھر، جنت کے بجائے جہنم کا نمونہ اور دارالامن وارالسلام ہونے کے بجائے دارالحرب بنے ہوئے ہیں، زندگی کا لطف اور اجتماعی زندگی بلکہ اسلامی زندگی کی بھی کوئی برکت نظر نہیں آتی پھر اس کے نتیجہ میں غیبی طور پر اللہ اور اس پر رسول کی صحیح ہے اور وعدوں کے مطابق جو سزائیں مل رہی ہیں اور جو برکتیں سلب کی جا رہی ہیں، ان کے سمجھنے کیلئے نہ شریعت اور قرآن وحدیث کا ضروری علم ہے، نہ طبیعتوں میں انصاف، نہ وقت میں گنجائش، حالانکہ قرآن وحدیث میں کھول کھول کر نا اتفاقی، قطع رحمی، بغض، کینہ اور انتقامی جذبہ وکارروائی کے انفرادی واجتماعی نتائج بیان کردیئے گئے ہیں اور اس کے مقابلہ میں صلہ رحمی اصلاح، ذات البین کی کوشش، عفوودرگذر، ایثاروقربانی، حق پر ہوتے ہوئے بھی دب جانے اور طرح دیئے جانے، قطع رحمی کرنے والوں کے ساتھ، صلۂ رحمی، تکلیف پہونچانے والوں کو راحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اسی زمانہ میں دین کے بہت سے شعبوں میں بہت کام ہوا ہے، عبادات وفضائل اعمال پر ایک کتب خانہ کا کتب خانہ تیار ہوگیا ہے، مسائل احکام پر بھی بڑی بڑی کتابیں تیار ہوگئی ہیں اور کچھ عرصہ سے سیاست واجتماعیات پر بھی بڑی توجہ کی گئی ہے، اور اس کے ایک ایک پہلو کو روشن ونمایاں کیا گیا ہے، ان کوششوں کے اثرات مسلمانوں کی زندگی میں نظر آتے ہیں، اور انھوں نے دین کے ان شعبوں میں کچھ ترقی بھی کی ہے، لیکن جہاں تک بندہ سطور کی معلومات کا تعلق ہے، تعلقات کی استواری، صلہ رحمی اور اصلاح ذات البین کے موضوع پر بہت کم کام ہوا ہے اور خاص طور پر آسان اردو اور عام فہم طریقہ پر روزمرہ کی زندگی کے مطالعہ اور اقعات کی روشنی میں بہت کم مضامین ورسائل اور کتابیں لکھی گئی ہیں اور اس سلسلہ میں ہمارے معاشرہ میں کچھ بہتری کے آثار بھی نظر نہیں آتے۔

قوت، مرأة اور فکرودل سوزی کی ضرورت

حالانکہ آپس کے اختلافات وافتراق، قطع رحمی، برادر کشی اور نزاع باہمی کا مرض وہ عام وبا ہے، جس کی مشکل سے کوئی شہر، قصبہ، چھوٹا سا گاؤں اور حد یہ ہے کہ مشکل سے کوئی محلّہ اور خاندان محفوظ رہا ہوگا، اور اس سے مسلمانوں کو اجتماع زندگی اس پر بری طرح متاثر ہو رہی ہے،

کہ نہ دینی جدوجہد پوری طرح مفید ہورہی ہے اور نہ سیاسی اتحاد و تنظیم کی کوششیں بارآور ہورہی ہیں، ضرورت ہے کہ اس شعبہ کی طرف پوری توجہ کی جائیں کہ اس کے بغیر زندگی کی چول صحیح طور پر نہیں بیٹھتی اور عبادت جو تعلق باللہ میں بھی قوت وقبولیت نہیں پیدا ہوتی، یہ مرض جتنا عام اور شدید ہے اتنا ہی اس کے ازالہ کے لئے قوت، جرأت اور فکرو دلسوزی کی ضرورت ہے۔

نوا را تلخ تر میزن ، چو ذوق نغمہ کم یابی
حدی را تیز تر می خوان، چو محمل را گراں بینی

سود و زیاں کی میزان

یہ تقریر ۶ نومبر ۶۷ء کو "نادی الوحدۃ الریاضی" مکہ مکرمہ (سعودی عرب) میں کی گئی، اس وقت جون ۶۷ء کی جنگ کو صرف پانچ ماہ کی مدت گذری تھی، اور زخم تازہ تھا، اس جلسے میں مکہ کے برآوردہ حضرات، ادیبوں، صحافیوں اور کالجوں کے اساتذہ ماہرین تعلیم اور تعلیم یافتہ نوجوانوں کی بڑی تعداد شریک تھی۔

الحمدللہ و کفیٰ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ. امابعد.

واقعیت پسندی، حقائق دوستی

میرے لئے بڑی سعادت اور مسرت کا موقع ہے کہ "نادی الوحدۃ الریاضی" میں آپ سے کچھ کہنے اور گفتگو کرنے کا موقع مل رہا ہے، اس لئے کہ ریاضت بدنی ہو یا فتی، اس کی بنیادی بہرحال واقعیت پسندی، حقائق دوستی اور عقل و تجربہ پر ہوتی ہے، وہ زندگی کے حقائق، ٹھوس واقعات اور مسلسل تجربوں پر شعر و خیال اور اوہام و احلام سے زیادہ یقین رکھتی ہے، میرا عقیدہ ہے کہ ایمان اور دین حق بھی ریاضت بلکہ ریاضتی نفسیات سے خطابیات و تخیلات کے مقابلہ میں زیادہ قریب اور ہم آہنگ ہے، اس لئے کہ حقیقت و صداقت اور زندگی کی واقعیت دونوں میں یکساں طور پر پائی جاتی ہے، خصوصیت کے ساتھ اس وقت ہم مسلمانوں کو واقعیت پسندی کی زیادہ ضرورت ہے۔

پہلی بات تو یہ کہ اگر ہم اپنے کو مسلمان کہتے ہیں تو ہمیں حقیقی معنی میں مسلمان ہونا چاہئے، محض صورت کے نہیں، حقیقت کے مسلمان، ان لوگوں کا معاملہ جو اس دین حق پر یقین رکھتے ہیں، ان لوگوں سے بالکل مختلف ہے، جو اس کے قائل تک نہیں، دین حق کے ماننے والوں کا پہلا فرض ہے کہ وہ اخلاق سے اس دین کے حلقہ بگوش ہو جائیں اور اس دین کی حقیقت کو مضبوطی سے تھام لیں، اس طرح اس راہ میں وہ جتنے اخلاق، صداقت اور جدوجہد کا ثبوت دیں گے، اتنا ہی خدا کے غیبی وعدے فتح و ظفر کی صورت میں نظر آئیں گے، اور کامیابی کی راہیں

کھلتی چلی جائیں گی۔

قرآن کا مطالبہ

قرآن میں ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ یہود سے بار بار ایمان کامل اور اخلاص کا مطالبہ کرتا ہے، اور حقیقی دینداری کو میزان عدل اور معیار کامل ٹھہراتا ہے۔

قل یا اھل الکتاب لستم علی شئ حتیٰ تقیمو التوراۃ والا نجیل وما انزل الیکم من ربکم (مائدہ۔۶۸)

صاف کہدو کہ "اے اہل کتاب، تم ہرگز کسی اصل پر نہیں ہو جب تک کہ توراۃ اور انجیل اور ان دوسری کتابوں کو قائم نہ کرو جو تمہارے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہیں۔

ولوانھم اقاموا التوراۃ والا نجیل وما انزل الیھم من ربھم لا کلوا من فوقھم ومن تحت ارجلھم (مائدہ۔۶۶)

کاش کہ انھوں نے توراۃ اور انجیل اور ان دوسری کتابوں کو قائم کیا ہوتا جو ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس بھیجی گئیں تھیں ایسا کرتے تو ان کے لئے اوپر سے رزق برستا اور نیچے سے ابلتا۔

پھر ان کی بددینی پر سخت ترین انداز میں عتاب ہوا:

ان الذین اتخذوا العجل سینا لھم غضب من ربھم وذلۃ فی الحیواۃ الدنیا، وکذلک نجزی المفترین. (الاعراف۔ ۱۵۲)

جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنایا وہ ضرور اپنے رب کے غضب میں گرفتار ہوکر رہیں گے، اور دنیا کی زندگی میں ذلیل ہوں گے، جھوٹ گڑھنے والوں کو ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔

اس حقیقت کے پیش نظر اگر ہم نے بھی دین سے انحراف کیا اور اس کے نام اور صرف صورت کے حامل رہے تو اللہ کی نصرت وحمایت کے ہرگز مستحق نہیں ہو سکتے۔

اس امت کی قسمت اس دین سے وابستہ ہے، وہ جس حد تک بھی اس دین پر قائم رہے گی، زندگی کے معرکوں میں اسی قدر کامیاب بھی رہے گی، اس لئے کہ اس امت کا معاملہ دوسری قوموں سے بالکل مختلف ہے۔

جب سے ہم نے اس دین کو قبول کیا اور اپنے کو مسلمان کہا اسی وقت سے ہمارا فرض ہوگیا

کہ ہم مسلمان بن کر رہیں اور اسلام میں پوری طرح داخل ہو جائیں اور اپنی باگیں اس کے سپرد کر دیں، اپنے اندر مسلمانوں کے اخلاق واوصاف پیدا کریں۔

اسی دن سے ہم پر واجب ہو گیا کہ حقیقت اور روح کے اعتبار سے بھی مسلمان ہو جائیں، اس لئے کہ ہم ہر دن مشاہدہ کرتے ہیں کہ محض کسی چیز کی صورت اور اس کی شکل زیادہ دیر تک کام نہیں دے سکتی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

واذا رایتھم تعجبک اجسامھم وان یقولوا تسمع لقولھم کانھم خشب مسندة یحسبون کل صیحة علیھم ھم العدو فاحذ رھم، قاتلھم اللہ انّٰی یؤفکون (المنافقون۔۴)

اور جب تو دیکھے ان کو خوش لگیں تجھ کو ان کے ڈیل، اور اگر بات کہیں سنے تو ان کی بات کیسے ہیں، جیسے لکڑی لگا دی دیوار سے، جو کوئی چیخے جائیں ہم ہی پر بلا آئی، وہی ہیں دشمن ان سے بچتا رہ، گردن مارے ان کی اللہ، کہاں سے پھرے جاتے ہیں (شاہ عبدالقادرؒ)

صورت اور حقیقت

ہماری موجودہ حالت یہ ہے کہ ہم اس دین کا اور اپنی اسلامیت کا دعوا کرتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ کرے، وہ تمام نتائج اور وعدے ہمارے سامنے بھی موجود ہوں جن کا تذکرہ ہم نے اسلامی تاریخ میں پڑھا ہے، کیا ہم یہ بھولنے اور بھلانے کی کوشش کر رہے ہیں، کہ وہ نتیجے طبعی اسباب اور صحیح مقدمات کے تحت رونما ہوئے تھے، اور ہوتے رہیں گے، پانی اگر واقعی پانی ہے تو سیراب کرے گا، غذا اگر حقیقی غذا ہے تو وہ ضرور قوت پہونچائے گی اور دوا واقعی دوا ہوگی، تو شفا کی امید اس سے کی جائے گی، اور اگر واقعیت نہیں ہوئی تو سراب آب زلال کا کام نہیں دے سکتا، آگ کی تصویر سے ہم روشنی اور گرمی حاصل نہیں کر سکتے، .... یہی اشیاء کی فطرت اور کائنات کا نظام ہے..... ہمارا سب سے بڑا قصور یہی ہے کہ ہم نے صورتوں سے وہ چیزیں طلب کیں جنھیں صرف حقائق ہی دے سکتے ہیں، ہم نے اسماء مظاہر، دعاوی، اور کلمات سے عظیم نتائج کی امید کی جو صرف حقائق کی پیداوار ہوتے ہیں، ہم یہاں سے اسلام کے نام اور اس کی صورت لے کر گئے، اپنی قوت کا غلط

اندازہ کر کے گئے، چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ جب صورت وحقیقت کے درمیان کشمکش ہوئی تو ہمیں صورت نے بھرے میدان میں شکست کی ذلت سے دوچار کیا اور دنیا بھر کی نگاہوں میں، ہم رسوا ہوئے،............ اگر ہم اسلام کو لے کر معرکہ آزما ہوتے تو صورت حال کچھ اور ہوتی اور ہماری عظیم تاریخ ایک بار پھر اپنے کو دہراتی، جس کی طرف سے دنیا مایوس ہو چکی ہے۔

مثل کلیم ہو اگر معرکہ آزما کوئی　　اب بھی درخت طور سے آتی ہے بانگ لاتخف

حقیقت کی دائمی تاثیر

حقیقت ہزاروں سال پرانی ہو کر بھی نہیں بدلتی، جب دواؤں اور غذاؤں کی حقیقت نہیں بدلی، جب آگ نے لاکھوں کروڑوں سال گذرنے پر بھی جلانے کی خاصیت نہیں چھوڑی، اور جب کہ تمام کائناتی حقائق آج بھی ماضی کی طرح فعال ہیں، تو ہم کیسے مان لیں کہ صرف دین و ایمان اپنی قوت واثر میں ان حقائق سے بڑھ گیا تھا، چنانچہ یہی آگ ایمان ابراہیمؑ کے آگے عافیت اور سلامتی بن گئی، یہ حقیر حقائق جو وقتی ضرورتوں کے لئے بنائے گئے ہیں، اگر اس ایمان کے آگے جھکتے ہیں، جو انسانیت کی آبرو ہے تو تعجب کیا ہے، ایمان اگر زندہ جاوید اور تازہ دم ہو تو یہ پہاڑ، یہ سمندر، یہ کائنات اس کے سامنے جھکیں گے اور ہزاروں سال کے آزمودہ قوانین فطرت بھی اپنے خواص واصل سے ہٹ جائیں گے۔

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

زندگی کی تعمیر نو اور ایمان

آپ کو مدائن کا واقعہ یاد ہوگا، جب حضرت سعد بن وقاصؓ نے حضرت سلمانؓ سے دجلہ کی ہولناکی دیکھ کر مشورہ چاہا کہ ہم کشتیوں کا انتظار کریں، یا خدا کا نام لے کر اس میں گھس پڑیں؟ حضرت سلمانؓ نے جواب دیا کہ ہمارا دین تازہ اور نئی زندگی سے بھرپور ہے، اور اللہ نے اس کو غالب کرنا طے کر لیا ہے، اور وہ زندگی کی تعمیر نو کرنا چاہتا ہے، ہمیں خیال بھی نہیں آسکتا کہ یہ دین کبھی شکست کھائے گا، اس عظیم دین کے آگے اس دریا کی کیا حقیقت ہے، یہ اس ایمانی عقل کا نمونہ ہے، جو مسلمانوں پر چھا چکی تھی، پھر حضرت سلمانؓ نے کہا کہ اگر اس اسلامی فوج

میں گناہگار نہ ہوں تو پھر بیڑا پار ہو کر رہے گا، اور اللہ ضرور مدد کرے گا، چنانچہ ہم آپ تاریخ میں پڑھتے ہیں کہ کس اطمینان و بے فکری سے اس لشکر نے دریا پار کیا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے خشکی پر چل رہے ہوں، چنانچہ تاریخ طبری کے الفاظ ہیں کہ جب ایرانیوں نے یہ منظر دیکھا تو بے اختیار پکار اٹھے کہ ''دیوآمدند دیوآمدند''۔

یہی ایمان دراصل ایمان تھا، جو فطری قوانین پر بھی غالب آتا تھا اور جس کے آگے قلت وکثرت اور ضعف وقوت کا یہ فلسفہ ہیچ ہو جاتا جس پر ایمان لانے والے نقال اور کمزور لوگ ہیں، لیکن آج ہمارا ایمان کچھ اسی قسم کا ہو کر رہ گیا ہے۔

بندوق کی اصل طاقت اس کی گولی ہے، جو بندوق کارتوس سے خالی ہو، اس کی میدان جنگ میں کوئی قیمت نہیں، اس کے مقابلہ میں لکڑی زیادہ مفید ثابت ہو سکتی ہے، اس لئے اسے طرح طرح سے استعمال کیا جا سکتا ہے، لیکن بندوق تو صرف ایک ہی طریقہ سے استعمال ہو سکتی ہے، یہی حال مومن کا ہے، مومن نے جب ایمان اور اعتماد علی اللہ کھو دیا اور ان صفات سے عاری ہو گیا جن سے اسے دنیا میں امتیاز ملا تھا، تو اس کی کوئی حقیقت نہیں رہ گئی، آگ جب گرمی کھو دے تو پھر اس کی کیا قیمت، نمک جب اپنی نمکینی کھو دے تو کنکر پتھر اس سے کہیں قیمتی اور مفید ہیں، مسلمان اپنے ایمان ہی کی بدولت عظیم تھے اور اپنے دین ہی کے سبب حکمراں تھے، وہ ان حقائق پر ایمان کی وجہ سے ہی قوی تھے، جب کہ دوسرے منکر تھے۔

وترجون من الله مالا یرجون، وکان الله علیماً حکیماً. (النساء۔ ۱۰۴)

اور تم کو اللہ سے امید ہے جو ان کو نہیں اور اللہ سب جانتا ہے، اور حکمت والا ہے

جب مسلمان اللہ سے مایوس ہو گیا تو مادہ پرستوں کی پستی تک آ گیا، بلکہ ان دنیاداروں سے بھی پست ہو گیا، جو دنیا سے اپنی امیدیں باندھے رہتے ہیں۔

کامیابی اور ناکامی کی میزان

ہم میدان میں کاہلی اور سستی کی زندگی، مریض و ناتواں زندگی کو لے کر گئے تھے، جس کے مقابلہ میں ایک فعال، صاحب عزم وارادہ، اور جانباز قوم تھی، جس نے مقصد کی آگ میں خود کو جھونک دیا تھا، اس کے مقابلہ میں ہم کیسے کامیاب ہو سکتے تھے، اور کامیاب نہ ہوئے، تو پھر شکوہ کیسا؟ میں نے جیسا کہا ہے کہ ہمارے دشمن حقیقت پسندی صلاحیت، تیاری اتحاد ونظام

میں ہم سے فائق ہیں۔

مسلمان اپنے مخالف پر ایمان واخلاق، زہد واستغنا، شوق شہادت اور ذوق آخرت اور موت فی سبیل اللہ کو زندگی پر ترجیح دینے کی وجہ سے غالب ہوتے تھے، جبکہ دشمن کی فوج حاکموں کے لئے لڑتی تھی، وہ میدان جنگ کی طرف زبردستی دھکیلے جاتے تھے، بہت مجبور ہوکر لڑائی پر آمادہ ہوتے اور ساتھ ہی ان حاکموں پر لعنت بھیجتے جاتے اور طبیعت پر بہت جبر کر کے لڑتے تھے۔

''شہادت ہے مطلوب ومقصود مومن''

مسلمان شرف شہادت کے لئے جان دیتے ہیں، تا کہ ثواب آخرت سے مالا مال ہوں، نتائج کے اعتبار سے ظاہر ہے کہ ان دو قوموں میں بڑا فرق ہے کہ ایک قوم تو موت کے ڈر سے جنگ سے پیچھا چھڑانا چاہتی ہے اور دوسری موت کو ہر جگہ ڈھونڈھتی پھرتی ہو۔

کامیابی کی صرف ایک ہی صورت ہے، وہ یہ کہ ہم واقعی مومن بن جائیں اور ایمان کی آتش رفتہ سے پھر اپنی جانوں کو پرسوز کریں جو باطل کے ہر خس وخاشاک کو جلا سکتی ہے، جب ایمانی حرارت اور زندگی کے شعلہ کی بازیافت ہم کریں گے، تاریخ اپنے آپ کو دہرائے گی، ہم نے ماضی میں اسلام کے ساتھ خلوص برتا اور اسلام ہمای رگ وپے میں سما گیا، جاہلیت کے ہر شعار سے ہم الگ ہوئے اسلام کی مشعل ہم نے ہاتھوں میں لی تو ہم دنیا کے سردار بن گئے، اور سارے عالم پر حکمراں رہے، اور ہمارا عقیدہ، تہذیب، ادب واخلاق، علم وفن حیرت انگیز طور پر دنیا میں پھیل گیا جو کسی زبان وتہذیب کی تاریخ میں دیکھنے میں نہیں آیا، چنانچہ عربی زبان علم وثقافت کی زبان بن گئی اور ہر ملک کے مسلمان باوجود نسلاً عجمی ہونے کے فکر وفلسفہ، علم وفن، بحث ونظر کے لئے اس زبان کا سہارا لینے لگے اور اس پر فخر کرنے لگے۔

اسلام کی جہانگیری

آپ ان عظیم علماء سے واقف ہیں، جو مختلف صدیوں میں عالم اسلامی میں اٹھے، یہ ابو علی فارسی، جار اللہ زمخشری، مجد الدین فیروز آبادی، سید مرتضی زبیدی، بلگرامی کون تھے؟ یہ سب عجمی تھے، پھر کس چیز نے انھیں عربی پڑھنے اور سیکھنے پر مجبور کیا تھا؟ امام غزالیؒ نے اپنی محبوب کتاب''

احیاء علوم الدین'' پہلے عربی میں لکھی، اور پھر اسے اپنی مادری زبان فارسی میں منتقل کیا.......... اور یہ اس کے باوجود کہ وہ ایرانی تھے، اور طوس کے رہنے والے تھے..... اور دوسرے مشاہیر عربیت کا شمار کون کرسکتا ہے، میں آپ سے علوم دینیہ کا ذکر نہیں کر رہا ہوں، اس لئے کہ دینی خدمات کے اسباب ومحرکات تو ہمیشہ بہت طاقتور رہے، آپ شاید یہ سمجھیں کہ یہاں بھی وہی دینی جذبہ کام کر رہا ہوگا، حالانکہ یہاں تو خالص زبان وادب کا ذکر ہے، جہاں کوئی مذہبی احساس کم ہوتا ہے، اور وہاں کوئی سیاسی وجغرافی محرک بھی نہیں ہوتا لیکن اس کے باوصف وہاں عربی کی فضلیت مسلم سمجھی جاتی ہے، اوراس کے باوجود کہ وہاں کے لوگوں کی عجمی زبانیں مادری زبانیں ہوتی ہیں، اور سب ادبی سرمایہ بھی رکھتی ہیں، لوگ عربی کے قائل نظر آتے ہیں، مثال کے طور پر ایک واقعہ کا ذکر کروں گا، کہ میں ۱۹۶۰ء میں کیرالا میں تھا، جو ہندوستانی تہذیب کا قدیم مرکز ہے، لیکن وہاں بعض اوقات مجھے عربی زبان کو رابطہ کی زبان بنانا پڑا، آخر کس چیز نے عربی کو یہ قبولیت عام بخشی کہ وہ مقامی زبانوں پر بھی فائق نظر آتی ہے؟ اس کا واحد جواب یہی ہوگا کہ دینی جذبات، دینی رجحان ہی یہاں اصل محرک تھے، قرآن وسنت اور اسلام ہی کا رشتہ اصل ہے، جس نے ایسے دور دراز علاقوں کو ایک دوسرے سے قریب کر رکھا ہے، اگر خدانخواستہ یہ رشتہ کٹ گیا، جیسا کہ قوم پرست چاہتے ہیں تو اس عظیم زبان سے ہمارا کوئی رابطہ نہیں رہ سکتا۔

مختلف ثقافتوں، قومیتوں اور جغرافیائی تقسیموں کے باوجود یہی دینی رشتہ ہے، جو عجم کو عرب سے باندھے ہوئے ہے، وہ عربیت کے اسی لئے قائل ہیں کہ اس سے ان کا دینی اور روحانی رشتہ ہے، یہی جذبہ ہے جس کی وجہ سے وہ عربی کو اپنی مادری زبان پر بھی ترجیح دیتے ہیں، اور اسے محنت سے سیکھتے ہیں۔

قوم پرستوں سے

میں قوم پرستوں سے کہتا ہوں کہ تم تجربہ کر کے دیکھ لو اور عربی کو اس کے دینی مقام سے الگ کر کے دیکھو کہ تم نے کیا کھویا کیا پایا؟ اور نفع ونقصان کا تناسب کیا رہا نتیجہ یہی ہوگا کہ تم دنیا سے کٹ کر رہ جاؤ گے، اور یہ عظیم عالم اسلامی جو ہر موقع پر تمہارے موقف کی حمایت کرتا ہے، حتیٰ کہ تمہارے ساتھ مل کر اسرائیل سے ٹکر بھی لینا چاہتا ہے، تم سے قطع تعلق کر لے گا۔

آغاز اسلام میں عرب دنیا میں ایک جزیرہ کی حیثیت رکھتا تھا، عربی زبان، عربی نسب،

عربی تہذیب کے فضائل وخصائص سب موجود تھے، لیکن عرب جہاں تھے، وہیں رہے، اسلام جب آیا تو اس نے اس کے حدود میں اتنی وسعت پیدا کر دی کہ وہ متمدن دنیا کے مقابلہ پر آ گیا ہم جب اسلامی روح کو قدامت، رجعیت اور پسماندگی کہہ کر کچلتے ہیں، اور قومیت کا دم بھرتے ہیں تو ہمیں وہاں یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ ہم نے کیا کھویا اور کیا پایا؟ کیونکہ دنیا ایک تجارتی منڈی ہے، جہاں سیاست وحکومت، معاملات وتجارت، جنگ وصلح ہر شے کو نفع ونقصان کی میزان میں تولا جاتا ہے، اور آمدنی وخرچ کا حساب لگایا جاتا ہے، معمولی تاجر بھی اپنے میزانیہ کا جائزہ لیتا رہتا ہے، اگر ایسا نہ ہو تو تمدن کی رونق اور اس کی گرم بازاری باقی نہ رہے، اس لئے عربوں کو بھی اپنی اس تجارت کا موازنہ کرنا چاہئے کہ قومیت، اشتراکیت اور ترقی پسندی کو لے کر اور اپنی روح وجذبات اور اسلامی رجحانات کو چھوڑ کر ہم نے کیا دیا اور کیا حاصل کیا۔

بہ بیں کہ از کہ گسستی وبا کہ پیوستی؟

بلند وبانگ دعوے

ہم جنگ سے قبل یہ بلند بانگ دعوے سن رہے تھے کہ عظیم عرب انسان الف لیلہ کے افسانوی جن کی طرح بوتل سے نکل کر جس میں اس کو کسی حکمت نے بند کر دیا تھا دنیا کو اپنے حیرت انگیز کارناموں سے مسحور کر دے گا۔ لیکن ہم نے باوجود تلاش بسیار کے اس عظیم عبقری عرب کو نہیں دیکھا بلکہ اس کی جگہ یہ المیہ دیکھا کہ ذلیل وخوار بے حیثیت وبے وطن یہودی جو اپنی ذلت اور بزدلی کے لئے ضرب المثل تھا۔ اس عظیم عرب پر غالب آیا۔

یہ المیہ اسی وقت پیش آیا جب عرب دین سے معریٰ اور معنوی اسلحہ سے خالی ہو گیا تھا لہٰذا وہ سب کچھ ہو کر رہا جس کا خواب میں خیال نہ تھا عربوں اور مسلمانوں کو اس شرمناک شکست ورسوائی کی روسیاہی ملی جسے سات سمندر بھی نہیں دھو سکتے۔

کیا پایا؟

غور کرنے کا مقام ہے کہ ہم نے اس لادینی قیادت اور اشتراکیت سے کیا فیض پایا زندگی تمام تر تجربات ہی پر قائم ہے اگر ہم تجربوں سے عبرت نہ حاصل کریں اور اپنی غلطیوں کی تلافی بھی نہ کریں اور اپنے دعووں اور تخیلات ہی پر جمے رہیں تو اس کا مطلب ہے کہ ہم زندگی کی

صلاحیت نہیں رہ گئی ہیں ہم نہ زندگی سے کچھ حاصل کر سکتے ہیں نہ مستقبل کی کچھ امید ہو سکتی ہے جب انسان کا اپنے تجربات سے عقیدہ اٹھ جائے اور ہمیشہ وہ اوہام وخیالات ہی کی دنیا میں رہنے لگے تو انسانی ترقی کا سرا میدان ہی ویران ہو جائے گا جیسا کہ میں نے کہا تھا کہ علوم ریاضی کی بنیاد بھی تجارب ہی پر ہے زمانۂ جدید کی اکثر ترقیاں استقراء اور تلاش و تجسس ہی کی بدولت ہوئی ہیں اس لئے ایک جائزہ یہ بھی لینا چاہئے کہ اسلام سے بغاوت یا غفلت اختیار کر کے اور اس کی عظمت وصلاحیت سے انکار کر کے ہم نے چند سالوں میں کیا پایا؟

وسائل کی کمی نہیں

خدا کے فضل سے ہمارے محبوب عرب ممالک کے پاس قدرت کے تمام وسائل موجود ہیں، خوشحال زندگی کے جملہ لوازمات انہیں میسر ہیں اس کے ساتھ ہی حرب و دفاع اور نشر واشاعت کے بہترین ذرائع بھی انہیں حاصل ہیں اور ان کی اتنی فراوانی ہے جو دوسرے ملکوں میں کم دیکھنے میں آتی ہی اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ فتح وظفر کے تمام مادی اسباب فراہم تھے۔ پھر موجودہ صورت حال کس کمی کا نتیجہ کہی جائے اور اسلام کا بنیادی سبب کسے قرار دیا جائے۔ جواب بہت آسان اور کھلا ہوا ہے وہ یہی کہ اسلام کے ساتھ اخلاص کا سرمایہ نہ تھا۔ اس شجاعت وبسالت کی کمی تھی، جسے صرف ایمان وعقیدہ ہی بخشتے ہیں اس یقین واعتماد کا فقدان تھا جو صرف خدا کی ذات سے تعلق رکھتا ہے۔

اسلامیت سے بےزاری

اس معنوی اور روحانی پہلو کے نقص کا یہ تو عالم تھا کہ بہت سے لیڈروں کو اسلام کا نام لیتے شرم آتی تھی۔ ان پر کلمہ حق کی گواہی اور اپنی اسلامیت کے اقرار سے بڑھ کر شاید کوئی شے ناگوار نہیں گزرتی تھی۔ اللہ پر اعتماد اور اسلام پر فخر کا تصور بھی نہیں تھا۔ ظاہر ہے کہ اس سے برا نتیجہ اور کیا ہوتا، پستی کی آخری حد جو ہو سکتی تھی ذلت کے ساتھ ہمیں وہاں تک آنا پڑا۔ ان تمام کھلی ہوئی ناکامیوں کے بعد یہ کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ ہم اسلام کی ہمنوائی چھوڑ کر اصنام کی خدائی میں پناہ ڈھونڈنے کا تصور کریں۔ ان بتوں کو تو ہم نے تراشا اور انہیں پوجا بھی۔ مگر نہ یہ سنگدل کچھ کام آئے اور نہ ''عرب انسان'' کا ''صنم اکبر'' ہی کوئی مدد کر سکا۔

تاریخی حقیقت

صحابہ کرامؓ بظاہر بہت ضعیف ونحیف تھے، غربت وجہالت کے مارے تھے۔ متمدن زندگی میں ان کا کوئی مقام نہ تھا نظریں انہیں حقارت سے دیکھتی تھیں کپڑوں میں پیوند لگے ہوئے، جوتے پھٹے ہوئے، ڈھالیں زنگ کھائی ہوئی تھیں لیکن اس کے باوجود حیرت انگیز کارنامے گردراہ کی طرح ان کی ٹھوکر سے پیدا ہوتے تھے۔ کل آدھی صدی میں انہوں نے چار کھونٹ میں اسلام کا علم لہرایا۔ اور آدھی دنیا پر اسلامی حکومت کا سکہ رواں کردیا، دنیا کو ایک نیا طرز حکومت نئی زندگی اور نئی تہذیب دی اور دنیا کو تنگی سے وسعت وآفاقیت اور انسانی مذاہب کی چیرہ دستیوں سے اسلام کے عدل کی طرف اور انسانوں کی غلامی سے نکال کر ایک خدائے ذوالجلال کی بندگی کی جانب رواں کردیا۔

ہم جب بھی ان حقائق کو جھٹلائیں گے اور تجربات سے چشم پوشی کریں گے تو انسانیت پر ظلم کریں گے اور حیوانوں کے مقام سے بھی کچھ نیچے آرہیں گے۔ اس لئے کہ حیوان بھی بہرحال تجربات سے فائدہ اٹھاتے اور خطرات سے بچتے ہیں۔ پھر آخر ہم کیوں ناکردنی کو بار بار کئے جارہے ہیں حیوان کبھی اپنے دشمن کو نہیں بھولتا لیکن ہم ہیں کہ دھوکہ کھانے کیلئے بڑھے جارہے ہیں اور تباہی کو منت واصرار کے ساتھ دعوت دینے پر تلے ہوئے ہیں۔

شکست کے ذمہ دار

ہماری بدنصیبی ہے کہ جو لوگ اس شکست کے ذمہ دار ہیں وہ آج بھی ہماری عقلوں پر چھائے ہوئے ہیں اور ہمارے دل میں اب بھی ان کی پہلی سی عزت قائم ہے۔ اگر ہم میں ذرا بھی غیرت، حیا اور انسانیت ہوتی تو ہم ان سے ان مجرموں کا سا معاملہ کرتے جو قوموں کے قاتل ہوتے ہیں۔ اور ملکوں سے بے وفائی کرتے ہیں ان حالیہ مجرموں نے ہماری شخصیت، ہمارے شرف اور ہماری تاریخ پر پانی پھیرا ہے۔

اسلامی تاریخ کے سب سے بڑے مجرم

ان کا سب سے بڑا جرم یہی ہے کہ انہوں نے ہماری تاریخ پر دھبہ لگایا ہے ایسی تاریخ پر جس پر ہماری عظمت رفتہ کا مدار تھا جس سے ہم ہر موقع پر مدد لیتے تھے اسلامی شعور کی بیداری،

شعلہ ایمان کی تابکاری اور جرأت و عزیمت کے وفور میں اس کا بڑا حصہ ہوتا تھا یہی اسلامی عربی تاریخ تھی جس کا اہل علم فخریہ حوالہ علم وفن کی ہر مجلس میں دیتے رہتے تھے یہ وہ عصائے موسیٰ تھا جو ہر جگہ ہمارے کام آتا تھا ہم اپنے عجمی ماحول میں عباقرۂ اسلام اور نوابغ ایمان کی مثالیں دیتے تھے اور فخریہ کہتے تھے کہ فاتح شام خالدؓ ہیں اور فاتح عجم سعد بن وقاصؓ ہیں اور یہ عقبہ بن نافعؒ ہیں یہ فاتح اندلس طارق بن زیادؒ اور یہ فاتح ہندوستان محمد بن قاسمؒ ہیں۔

اولئک آبائی فجئنی بمثلھم
اذا جمعتنا یا جریر المجامع

عظمت رفتہ کی پامالی

یہ وہ عظیم ہیرو تھے جو مٹھی بھر نہتے اور افلاس زدہ لوگوں کو لے کر نکلے اور ایک دنیا فتح کر ڈالی لیکن موجودہ پسپائی نے اسلامی تاریخ کے عظمت وجلال میں بہت سے رخنے ڈال دیئے لوگ اب اسے شک وشبہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ہماری رہنمائی میں انہیں جھجھک محسوس ہوتی ہے۔ اب وہ ہماری زندۂ جاوید تاریخ کو داستان پاستان اور قصۂ ماضی سمجھتے تھے۔ وہ یہ ماننے کو تیار نہیں کہ اقلیت بھی اکثریت پر غالب آسکتی ہے جب پورا عالم عرب اسرائیل کے مقابلہ پر آ گیا تھا اور اسے کچل ڈالنے پر آمادہ تھا اس کی ہیبت ناک چیلنج سے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے لیکن خلاف توقع ہماری آنکھوں نے دیکھا کہ ذلیل وخوار یہودیوں کی جماعت ان تمام حکومتوں پر غالب آئی یہ ایک ایسا حادثہ اور المیہ تھا جس نے ناطقہ سے قوت گویائی چھین لی گردنیں شرم سے جھک گئیں اور کوئی تاویل ممکن نہیں رہی عالم اسلام کا یہ ایسا خسارہ تھا جس کی تلافی شاید کبھی نہ ہو، یہ ایسے عواقب چھوڑ گیا جو شاید کبھی دور نہ ہو سکیں۔

خیر جو ہوا سو ہوا اب سوچنا یہ ہے کہ اب کیا کرنا ہے کیا اب بھی ٹھنڈے دل سے یہ فیصلہ کرنے کا وقت نہیں آیا کہ جن لیڈروں نے ہمیں یہ دن دکھائے ہیں انہیں ہم نااہل قرار دے کر قیادت سے ہٹا دیں۔ اور صاف صاف کہہ دیں کہ وہی شکست کا سبب ہیں اور یہ سب ان کی غلط کار سیاست و پالیسی کا نتیجہ ہے ہمارا پہلا فرض ہے کہ ہم ان سے بے زاری و برأت کا اظہار کریں اور اس عظیم خسارہ کا ان سے تاوان طلب کریں۔ اگر امت میں احساس وشعور ہوتا تو ان غلط کاروں کا سختی سے محاسبہ کرتی۔

اس شعور سے میری مراد وہ اسلامی شعور نہیں جو صحابہؓ میں تھا جس کے سبب وہ اشخاص کے نہیں حقائق کے تابع فرمان ہوتے تھے۔ وہ خلفاء اور امراء کا سختی سے محاسبہ کرتے تھے اور ہر سلطان جائر کے سامنے کلمہ حق کہنا فرض اولیں سمجھتے تھے میں یہ صرف سیاسی شعور کا مطالبہ کر رہا ہوں بلکہ اس مادی شعور سے اپیل کرتا ہوں جس کے تحت غیر مسلم انگریز اور فرانسیسی بھی اپنے لیڈروں سے باز پرس کرتے رہتے ہیں جب مسٹر ایڈن نے سوئز کے معرکہ میں شکست کھائی اور انگریز قوم کی توہین ہوئی تو انگریزوں نے ان سے استعفیٰ طلب کر لیا اور کرسیٔ وزارت سے اتار کر گوشۂ گمنامی میں بھیج دیا۔

خوددار قوموں کا شعار

خوددار قوموں کا ہمیشہ سے یہی شعار رہا ہے کہ جب بھی کسی کے ہاتھوں انہیں اجتماعی رسوائی کا سامنا ہوا ہے انہوں نے شخصی عظمت کو جماعت پر قربان کر دیا ہے یہ انسان کی فطرت ہے آپ کے شہر میں رمی جمرات کی تاریخ یہی ہے کہ ہم اس سے نفرت کا اظہار کرتے ہیں جو اپنے دشمن ازلی سے ہے جو ہماری ناکامی کا سبب بنا تھا جس نے حضرت ابراہیمؑ کو بہکانا چاہا اور جواب بھی ہماری تاک میں ہے۔ عربوں کی غیرت وحمیت، ان کی خودداری اور عزت نفس ایک تاریخی حیثیت رکھتی ہے انہوں نے اپنے امراء اپنے مشائخ اور اپنے علماء پر کھلی ہوئی تنقیدیں کیں ہیں انہیں کلمہ حق سے کوئی شے مانع نہیں ہوتی تھی لیکن آج ہم عرب نوجوانوں کو دیکھ رہے ہیں کہ وہ کس طرح ان ارباب اقتدار کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں جن کی قیادت کے ثمرات ہمارے سامنے ہیں۔ عرب شاعر نے غلط نہیں کہا تھا کہ وہ ظلم کا بدلہ مغفرت اور برائی کا احسان سے دیتے ہیں گویا اللہ نے اپنے خوف کیلئے انہیں بنایا ہے۔

اسلام کی طرف بازگشت

ہمارا تجربہ تو یہ ہے کہ ہم جب بھی دین سے ہم خالی اسلام سے بیزار، اور روحانی افلاس کا شکار ہوئے ہیں ہم نے ہر چیز کھو دی ہے۔ اور ہمیں دین و دنیا دونوں سے ہاتھ دھونا پڑا ہے۔ یہ طویل تجربات ہمیں چونکا دینے اور ہوشیار کرنے کیلئے کافی ہیں لہٰذا ہمارا پہلا فرض یہی ہوتا ہے کہ اسلام کی طرف بازگشت کریں اور اس کی پناہ میں آ جائیں۔

اور یہ لوٹنا پورے عزم وثبات کے ساتھ، پورے اخلاص وصداقت کے ساتھ ہو، اس لئے کہ صداقت نے ہر موقع پر نجات دی ہے اور نفاق اور تذبذب نے کبھی کسی قوم کو فائدہ نہیں پہنچایا۔ تاریخ اس کی گواہ رہی ہے کہ ملت اسلامیہ کو جب بھی اس کے ایمانی مرکز اور اس کے دینی رجحان سے ہٹانے کی کوشش کی گئی ہے اس کا انجام ناکامی پر ہوا ہے۔ خواہ وہ مسیلمہ کذاب اور دوسرے خانہ سازنبیوں کا فتنہ رہا ہو یا قرامطہ کی سازش خواہ باطنیوں اور فلاسفہ کا سیل الحادر ہا ہو یا موجودہ قومی تحریک جو ایک مستقل عقیدہ اور فلسفہ رکھتی ہے۔ سب کا انجام عبرتناک ہی ہوا اس کو اس کے سردار جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی امامت وقیادت یا دوسرے لفظوں میں اس کی عزت وقوت کے سرچشمہ اور فتح وظفر کے عنوان سے جب بھی ہٹانے کی کوشش ہوئی ہے وہ اپنی موت آپ مرکر رہی ہے۔

یہ زندہ شہادت یہ بتاتی ہے کہ اللہ کے سوا ملجأ وماوی اور کوئی نہیں، دنیا میں اور کہیں کوئی جائے پناہ نہیں۔

ہیچ کنجے بے ددوبے دام نیست
جز بخلوت گاہ حق آرام نیست
(رومیؒ)

شکست کے بعد

شکست کے بعد آج ہماری وہی حالت ہے جو غزوۂ تبوک میں نہ جانے والے صحابہؓ کی ہوئی تھی۔ جس کی تصویر کشی قرآن نے کی ہے کہ "زمین ان پر باوجود تمام وسعتوں کے تنگ ہوگئی اور ان کا جینا دوبھر ہوگیا۔ اور انہیں خیال ہوا کہ نجات اور پناہ خدا ہی کے پاس ہے۔ پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول کی "اللہ تواب ورحیم ہے"" (توبہ۔۱۱۹) آج ہم پر بھی زمین اسی طرح تنگ ہے آج سرزمین فلسطین جاکر دیکھئے کہ ہماری ذلت ونکبت کا کیا حال ہے۔ اور دنیا کی نگاہوں سے ہم کتنے گر گئے ہیں۔ ہم اس وقت صحیح احساس کر رہے ہیں کہ اللہ کے سوا کہیں پناہ نہیں، تمام راستے تاریک اور بند ہیں اس لئے ہمیں واقعہ کا اعتراف کرتے ہوئے کہنا چاہئے کہ ہم نے اسلام سے بغاوت کر کے کچھ نہ پایا ہمیں اب کہنا چاہئے کہ ہم اسلام کے دائرہ میں آتے ہیں اور اس

کی قوت کو آزمانا چاہتے ہیں جو ہماری مدد کو تیار کھڑا ہے جو ہمارا ہاتھ پکڑ کر ہمیں بلندی تک لے جانا چاہتا ہے۔

صاف گوئی اور تلخ نوائی

میں محسوس کرتا ہوں کہ میں نے اپنے ان عرب بھائیوں پر بہت سخت تنقید کی ہے جن سے مجھے محبت وعقیدت ہے۔ اور جن کی میں عزت کرتا ہوں اور اللہ نے جن کے مستقبل سے میرا مستقبل اور جن کی عزت وذلت سے میری عزت وزلت وابستہ کررکھی ہے۔ میں نے یہ بات ہندوستان میں بارہا کہی ہے کہ عالم اسلام کا مستقبل عربوں کے مستقبل سے وابستہ ہے۔ عربوں کی ذلت وعزت اسلام کی ذلت وعزت ہے۔ یہ وہ قوم ہے جسے چھوڑ کر میں کسی قوم کو اپنا نہیں سکتا اور جس کی کتاب، جس کی زبان، جس کی تہذیب سے میں کسی قیمت پر دستبردار نہیں ہوسکتا۔ اسی پر میں جیتا رہا ہوں اور اسی پر مرنا چاہتا ہوں یہ صراحت اور یہ تلخی میں نے اس لئے اختیار کی ہے کہ میں بھی آپ کے انجام مین شریک ہوں اور جن حالات کا آپ شکار ہیں میں بھی انہیں میں اپنے آپ کو مبتلا پاتا ہوں لہٰذا پھر کہتا ہوں کہ محمدی جھنڈے تلے جمع ہوجایئے، قومی وطنی یا اور کسی جھنڈے کے نیچے نہیں۔

اللہ نے آپ کے ذریعہ دنیا کو ان لعنتوں سے نجات دی تھی جاہلیت میں ہر قوم کے پاس تہذیب ومذہب تھا اور ان کے آداب و رسوم بھی تھے لیکن جب اسلام کا پیغام لے کر گئے تو آپ نے انہیں بچایا پھر خود آپ ادھر کیوں جارہے ہیں؟

روشنی کی کرن

اے اہل عرب، اے اہل مکہ اور اے خادمان حرم آپ نے اپنے ہاتھوں سے اس مقدس گھر کو بنایا تھا کہ ہر گھر سے اونچا ہوجائے اور ہر صنم وہیکل سے بلند دکھائی دے۔ آپ کے لئے یہ کیسے جائز ہے کہ پھر ان نا قابل ذکر بتوں کا سہارا لیں یہیں سے عالمی انسانیت کی آواز اٹھی، جس نے امتیازات کے بتوں کو توڑ کر اور نسلی وطنی غلامی کے طوق وسلاسل کو کاٹ کر رکھ دیا جس نے تاریخ کا رخ پھیر دیا۔ جس نے حوادث کا منہ موڑ دیا۔ یہیں سے وہ روشنی کی کرن پھوٹی جو دنیا میں پھیل گئی اور جس نے انسانیت کے تن مردہ میں روح زندگی دوڑادی۔

جاہلیت کا رجحان

ہمیں حیرت ہے کہ آپ کیسے اس جاہلیت کی طرف جا رہے ہیں جسے ہر ہوشیار قوم نے چھوڑ دیا ہے آج یورپ بھی قومیت کی تباہ کاریوں کے بعد اس سے تائب ہو گیا ہے۔ یورپ کا اگلا ہوا لقمہ اٹھاتے ہوئے میں آپ کو دیکھنا نہیں چاہتا، آپ وہی قوم ہیں جس نے دنیا کو اپنے خوان کرم پر صلائے عام دیا تھا۔ اور قومیں آپ کے دستر خوان پر مہمان ہوتی تھیں۔ جس کے لئے کہا گیا ہے کہ

ادیم زمیں سفرۂ عام اوست
بریں خوان یغماں چہ دشمن چہ دوست

آپ کیلئے کیسے زیبا ہو سکتا ہے کہ آپ خود ہی دوسروں کے ہاں طفیلی بن کر جائیں اور ان کے پاس [illegible] پر قناعت کرلیں۔

ہمیں رسوال نہ کیجئے

اس ملک کے علاوہ ہمارے دوسرے عرب بھائیوں کے غلط مؤقف سے ہم عجیب کشمکش میں ہیں خصوصاً ہندو پاک تو عجیب گھٹن میں ہیں ان لوگوں کو جو قرآن کے سوا کوئی کتاب، شریعت کے علاوہ کوئی نظام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماسوا کوئی امام و قائد نہیں جانتے انہیں یہ موقف بہت کھل رہا ہے میں آپ سے رحم کی اپیل کرتا ہوں کہ ہمیں اپنے ملکوں میں رسوا نہ کریں۔ آپ ہماری مدد نہیں کر سکتے تو ہمیں کمزور بھی مت بنائیے ہمارے اسلام پر اعتماد اپنی اسلامیت پر اطمینان اور تاریخ اسلامی پر فخر کرنے کے مواقع سے مت روکئے ہمارے اس پرانے یقین کو دھچکا نہ لگائیے کہ آپ نے قوموں کو جہالت کی بوجھل زنجیروں سے چھڑایا تھا۔

عرب زعماء سے عجمی مسلمانوں کی اپیل

اے اہل عرب اور اے مصری اور شامی زعماء ان مسلمانوں پر رحم کرو جو جاہلیت سے منہ موڑ کر اسلام و قرآن کو سب کچھ سمجھتے ہیں آپ نے انہیں مومن قوم بنایا تھا۔ اور شجر و حجر کی پرستش سے بچایا تھا۔ اور ایشیا و افریقہ کی قومیں آج بھی منتظر ہیں، بھوکی پیاسی انسانیت زبان حال سے ''أفیضو اعلینا من الماء او مما رزقکم الله'' کی صدا لگا رہی ہے۔ کہ محمدؐ کے خوان کرم

سے ہمیں بھی کچھ دو، اہل عجم سے تو آپ اس معاملہ میں پیچھے نہ رہیں آپ سے تو اس رسول ﷺ کا قومی، وطنی، لسانی اور تہذیبی بلکہ خون کا رشتہ بھی ہے ، آپ ہم ہندوستانیوں کو دیکھیں کہ محمدؐ کے نام نامی پر ہمارے جذبات بے اختیار ہو جاتے ہیں۔ روح جھوم اٹھتی ہے اور آتش شوق تیز تر ہو جاتی ہے۔

ترکوں کے لئے یہ نام ایک ایسا سحر انگیز کیف رکھتا ہے جو دوسرے کسی لیڈر کے لئے نہیں پایا جاتا۔ محمدؐ کا نام لے کر ترکوں کو تم خرید سکتے ہوں، انہیں غلام بنا سکتے ہوں، اسلام کا نام لے کر تو دیکھو کہ کس طرح ہم ہندوستانی بھی سر اور آنکھوں کے بل ہر دور دراز مقام سے آج بھی آنے کو تیار ہیں، خدا کی قسم دنیا کی کسی تاریخ نے اس سے بڑھ کر قوت کا سرچشمہ نہیں دیکھا کل تک یورپ اس قوت سے تھر تھر کانپتا تھا، لیکن آج وہ خراٹے کی نیند سو رہا ہے۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں کہوں گا کہ **"المحیامحیاکم والممات مماتکم"** اگر یہ خدائی رابطہ نہ ہوتا تو ہماری تاریخ آپ کی تاریخ سے مختلف ہوتی۔ اسلام ہی کے رشتہ میں ہم دونوں بندھے ہوئے ہیں۔ وہی اسلام جہاں ہم دونوں عہد وفا نبھانا چاہتے ہیں، وہی اسلام جس کے لئے ہماری آرزو ہے کہ آپ از سر نو اس کی قیادت اور اس کے سہارے دنیا کی امامت کا کار عظیم سنبھالیں۔

مجھے امید ہے کہ آپ اس تلخ گوئی کو معاف کریں گے۔ اس لئے کہ یہ صرف اخلاص کا نتیجہ ہے۔

چمن میں تلخ نوائی مری گوارا کر
کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کار تریاقی